



پیش لفظ

السلام علیکم قارئین۔

مقدر میرا پہلا ناول ہے اور میں خود بھی نہیں جانتی کہ یہ کیسا لکھا جائے گا یا ناجانے لوگوں کی معیار پر پورا اترے گا بھی یا نہیں۔ لیکن میں صرف ایک کوشش کر رہی ہوں اللہ کی امید پر۔ کیونکہ میرا ماننا ہے کہ۔ کوششیں رائے گا نہیں جایا کرتیں۔۔۔

سامیہ۔۔

مقدر، ایک کہانی، دو بہنوں کے مقدر کی، شزا کی خاموشی کی، اذان کیکیوششوں کی، آرزو کی خود کو پہچاننے کی، اور ان کرداروں کی جو مقدر کے ہاتھوں کبھی جیت جاتے ہیں تو کبھی ہار۔ اللہ سے دوستی کرنا چاہنے والی اس لڑکی کی جو کہانیوں کی دنیا میں جیتی تھی لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ اصل دنیا میں ہر لڑکی کے لیئے شہزادے یا ہیرو نہیں آیا کرتے۔ ہمیں خود کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ کبھی اپنے لیے تو کبھی اپنوں کے لیے۔ اس وفا کی کہانی جس نے گر کر اٹھنا سیکھا اور خود سے یہ کہنا سیکھا کہ میں کمزور نہیں ہوں۔۔۔۔۔

از قلم

سامیہ عالم

خوشخبری (رائٹرز متوجہ ہوں)

ہر لکھاری کا خواب ہوتا ہے کہ اس کی تحریر کتابی صورت میں بھی شائع ہو اور ان کی کتاب بک شیف کی زینت بنے۔ اگر آپ بھی ایک لکھاری ہیں اور اپنی تحریر کو کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کی تحریر کو بہت کم ٹائم اور بہت مناسب قیمت میں آپ کی خواہش کے مطابق بہت عمدہ اور معیاری کوالٹی میں کتابی صورت میں شائع کرنے میں آپ کی مدد کریں گے۔ مزید معلومات کے لئے نیچے دیئے گئے ایڈریس پر ابھی رابطہ کریں۔

Prime Urdu Novels Publications

Whatsapp : 03335586927

Email: aatish2kx@gmail.com

باب ۱

اللہ اکبر اللہ اکبر۔

(اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔)

کالی بھیگی رات کے بعد صبح کا وقت ہو رہا تھا۔

أشهد أن لا إله إلا الله۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔)

دور مسجد سے فجر کی اذان کیہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔

أشهد أن لا إله إلا الله۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔)

سورج طلوع ہونے میں ابھی تھوڑا وقت رہتا تھا۔ سبھی پرندے اپنے رب کی حمد و ثنا میں مصروف تھے۔

أشهد أن محمداً رسول الله۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔)

ٹھنڈی ہوا سیاہ چادر اوڑھے اس وجود سے ٹکڑا رہی تھی۔

أشهد أن محمداً رسول الله۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔)

کھڑکیوں کے قریب جا نماز بچھائے وہ لڑکی اپنے رب کی عبادت میں لگی تھی۔

حيّ على الصلاة۔ حيّ على الصلاة۔

(آؤ نماز کی طرف۔ آؤ نماز کی طرف۔)

بارش کی وجہ سے موسم خوش گوار تھا اور آسمان سیاہ اور جامنی رنگ کا ہو رہا تھا۔

حيّ علي الفلاح۔ حيّ علي الفلاح۔

(آؤ کامیابی کی طرف۔ آؤ کامیابی کی طرف۔)

اب وہ سجدے سے اٹھ رہی تھی۔ پاس کے ایک پیڑ پر ایک چڑیا اپنے گھونسلے میں کہیں سے ارڈھ کر آئی تھی۔

الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ۔ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ۔

(نماز نیند سے بہتر ہے۔ نماز نیند سے بہتر ہے۔)

اُس نے سلام پھیرا اور اس چڑیا کو دیکھ کر مسکرائی۔ اُس کی کانچ سی بھوری آنکھیں بھی ساتھ مسکرائیں۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

(اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔)

ایک عجیب سا سکون سب میں پھیلا تھا اور وہ اب قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھی۔
لا اِلهَ اِلا اللّٰہ۔

(اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔)

تاج محل پر سورج کی ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی اور جمنا کا پانی بھی چمکتا ہوا بہترین منظر پیش کر رہا تھا۔ تاج محل کو بنایا ہی اس طرح سے گیا تھا کہ صبح کے وقت وہ سورج کی روشنی میں ہلکا گلابی، دن میں سفید اور شام میں سنہرا لگتا ہے۔ سارے میں ہوا چل رہی تھی اور موسم بہت خوشگوار تھا۔ وہیں پاس کے ایک باغ میں ایک وجود پسینے سے شرابور کہیں دور

سے بھاگتا چلا آ رہا تھا۔ ٹریک سوٹ پہنے کالی آنکھوں والا، سفید رنگت کا وہ شخص بہت حسین تھا۔ اُسکے بال ماتھے پر بکھرے تھے اور بیرڈ بھی بنی ہوئی تھی۔

"ارے بھائی، رک جا رک جا" دور سے ریاض بھی بھاگتا ہوا اُسکے پیچھے آکر زور سے بولا تھا۔ اذان نے مڑ کر دیکھا۔ وہ بری طرح حائف رہا تھا اور اس تک آکر سانس بحال کرنے لگا۔

"یار جس رفتار سے تُو بھاگ رہا ہے نہ ایسے ہی بھاگتا رہا تو آگرہ سے علیگڑھ پہنچ جائے گا۔" ریاض نے اپنی سانس بحال کرتے ہوئے کہا۔

"میں تیز نہیں بھاگ رہا تُو ہلکے بھاگ رہا ہے۔ ایسا رہا تو کل تک گھر پہنچ پائینگے۔" اذان نے اُس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے ہنس کر کہا تو وہ منہ بنا کر بولا۔

"تو اتنی دور آنے کی کیا ضرورت تھی اذان، روز بھی تو پاس کے پارک میں جاگنگ کرتے ہیں نہ تو آج بھی وہیں کر لیتے۔"

"میرے منع کیا تھا لیکن تجھے ہی تھا کہ جہاں میرا بھائی جائے گا میں بھی وہیں جاؤنگا۔" اذان نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔

"ہاں تو مجھے کیا پتا تھا کہ تیرا آج اتنی دور جانے کا ارادہ ہے۔"

"اچھا اچھا اب جلدی چل نہیں تو دیر ہو جائے گی۔" ریاض کی حالت دیکھ کر اذان نے سمجھنے والے انداز میں کہا اور پھر دوڑ پڑا۔ ریاض نے محض سر ہلا دیا اور پھر اُس کے پیچھے پیچھے

چل دیا۔ اب وہ دو لڑکے دور دوڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ انکارخ حویلی کی جانب تھا۔

سیاہ اندھیرا چاروں اطراف چھایا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی اور خوف ہر طرف تھا۔ وہ بچی رو رہی تھی اور ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتی تھی۔ پر پھر بھی ہاتھ چھوٹتا جا رہا تھا۔ کالے دوپٹے سے چہرہ ڈھنکے اب وہ عورت دور جا رہی تھی۔ اُس بچی کا ہاتھ ابھی بھی ہوا میں ویسے ہے تھا کہ شاید وہ ہاتھ تھام لیا جائے۔

"نہیں۔۔۔" ایک جھٹکے سے شزا کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ پسینے سے شرابور تھی اور کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اُس نے لائٹ جلائی تو چاروں اطراف روشنی پھیل گئے۔ اُس نے پسینہ صاف کیا اور دھیرے دھیرے سانس بحال کی۔ اُس کی نظر گھڑی پر پڑی تو وہ صبح کے سات بج رہی تھی۔ شزا نے کبل ہٹایا اور فریش ہونے چلی گئی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ باہر نکلی تو کافی تازہ اور اچھی لگ رہی تھی۔ اُس نے جینس پر ہلکے گلابی رنگ کا کرتا پہن رکھا تھا اور سٹول گلے میں تھا۔ پھر وہ شیشے کے سامنے آئی اور اونچی پونی بنائی۔ ہلکی بھوری آنکھوں میں کاجل چمک رہا تھا۔ اُسکے نقوش کھڑے تھے اور گال قدرے ملائم اور پھولے ہوئے۔ سادگی میں بھی وہ نازک سی لڑکی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس نے

اپنے آپ پر ایک مکمل نظر ڈالی اور ہلکی سی مسکرائی۔ اتنے میں ہی شائستہ بیگم نے دروازہ بجاتے ہوئے سخت لحظے میں کہا۔

"شزا، ارے مہارانی اگر اٹھ گئیں ہوں تو آجاؤ باہر، صبح کا وقت ہے قدرے کام پڑی ہیں، تمہارا باپ ملازم نہیں چھوڑ کر گیا یہاں۔"

اُس کی مسکراہٹ سمٹ گئی اور آنکھیں ایک دم خالی ہو گئیں۔

"السلام علیکم۔" وہ سر پر دوپٹہ ٹھیک کرتی ہوئی بیگ لے کر باہر آئی تو شائستہ بیگم ناشتا بنا رہی تھیں۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔" مختار صاحب جو اخبار پڑھنے میں مصروف تھے شزا کو دیکھ کر مسکرا کر بولے تھے۔ نعیمہ اور علی ناشتا کر رہے تھے اور انس گھڑی باندھتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔

"شزا آپ آئیں ناں، ناشتہ کریں۔ آج امی نے بہت ذائقدار ناشتہ بنایا ہے۔" سترہ سالہ نعیمہ نے لکھ منہ میں رکھتے ہوئے شزا کو دیکھ کر مزے سے کہا تھا۔ انس بھی ایک خاموش نظر شزا پر ڈالتا ہوا علی کے برابر میں بیٹھ گیا۔ شزا نے مسکرا کر نعیمہ کو دیکھا اور کچیں میں چلی گئی۔

السلام علیکم

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Whatsapp No : 03335586927

Email address : aatish2kx@gmail.com

Facebook ID : www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Groups : **FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST**

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS. PRIME URDU NOVELS.

یہ گھر نہ زیادہ چھوٹا تھا نہ زیادہ بڑا۔ نیچے دو کمرے، لاؤنچ اور کچن تھا اور اوپر چار کمرے تھے۔ شزا کا کمرہ نیچے ہی تھا۔ وہ دادی کے ساتھ رہتی تھی اور چار سال پہلے اُن کے انتقال کے بعد سے وہ اُسکا ہی تھا۔ ڈائننگ ٹیبل کچن کے ساتھ ہی باہر تھا۔

"میں نے ناشتا بنا دیا ہے چائے بنا کر لے آؤ" شاستہ بیگم شزا سے سنجیدگی سے کہتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

"تھوڑا کم خالو موٹی، سب آج ہی ختم کرنے کا ارادہ ہے کیا۔" نعیمہ کو مزے سے خاتے دیکھ علی نے ہلکے سے اُسے سرگوشی کی۔ نعیمہ نے منہ بنا کر دیکھا اور بولی۔

"میری مرضی میں جتنا خاؤں تمہارے باپ کا تھوڑی خارہی ہوں۔" اُس کی بات پر جہاں انس نے سر اٹھا کر اُن دونوں کو دیکھا وہیں شاستہ بیگم نے آنکھیں دکھائیں۔

"تو پھر کس کے باپ کا خارہی ہو۔" مختار صاحب نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدہ مگر نرم لفظوں میں کہا۔ اس بات پر نعیمہ گڑبڑا گئی اور جلدی سے بولی۔

"نہیں پاپا میرا وہ مطلب نہیں تھا، اسے دیکھ نہ ہر وقت موٹا میرے خانے پر نظر لگاتا رہتا ہے۔"

"اب میں نے کیا کیا ہے۔" علی جلدی سے بولا تو مختار صاحب ہنس دیئے۔

"نعیمہ، علی خاموشی سے ناشتا کرو پھر مجھے تم دونوں کو ڈراپ کرتے ہوئے آفس بھی پہنچنا ہے۔" انس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے شزا کے بھی تو آج یونیورسٹی میں کلاس ہے۔ ایک کام کرتے ہیں اسے میں چھوڑ دوں گا۔"

"پاپا آپ کی چائے۔" شزا نے چائے اُن کے آگے رکھتے ہوئے کہا اور سب کو بھی دینے لگی۔ "شزا یونیورسٹی سے جلدی آ جانا شام کو کچھ مہمان آ رہے ہیں خانے پر۔ اُس کی بھی تیاری کرنی ہے۔"

"جی امی۔" شائستہ بیگم کے کہنے پر وہ سر ہلا کر کہہ گئی۔

"کون لوگ آ رہے ہیں امی۔" انس نے چائے کا کپ رکھتے ہوئی پوچھا۔

"میری ایک پرانی دوست ہے تم لوگ نہیں جانتے۔" شائستہ بیگم کے نرمی سے کہنے پر انس خاموش ہو گیا البتہ اچانک سے مہمانوں کا آنا اسے کھٹکا ضرور تھا۔

مختار صاحب ایک اپر مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنے ما باپ کی واحد اولاد تھے اور اُن کی والدہ کا چار سال پہلے ہی انتقال ہوا تھا البتہ والد بہت پہلے ہی نہیں رہے تھے۔ اُن کیتین اولادیں تھیں، پچیس سالہ بیٹا انس، انیس سالہ علی اور سترہ سالہ بیٹی نعیمہ۔

یہ منظر آگرہ کے اُس پوش علاقے میں اپنی پوری شان سے کھڑی ایک حویلی کا تھا۔ جس کے باہر اختر منزل کی تختی لگی تھی۔ سفید رنگ کی بنی یہ ایک پشتینی حویلی تھی۔ حویلی کے باہر بڑا سالون تھا اور ایک جانب بیٹھنے کے لیے کرسی اور میز بھی لگی تھی۔ اُسکے پاس پورچ میں کئی گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ ڈائمنگ ٹیبل پر سب ناشتا کرنے کے لیئے موجود تھے۔

بڑے سے ڈائمنگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پر اختر صاحب بیٹھے تھے اور اُن کیدائیں جانب اُن کیسیگم بیٹھی تھیں۔ سامنے کی سربراہی کرسی پر نسیم اختر بیٹھے تھے۔ اُن کے دائیں جانب اُن کے بیٹے سہیل اور سہیلی موجود تھے۔ البتہ بیٹی آرزو اپنی دادی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھے موبائل میں کچھ دیکھ رہی تھی۔

"اذان کہاں ہے؟ ابھی تک واپس نہیں آیا کیا؟"

"آگیا، آگیا دادا جان۔ السلام علیکم"۔ اُن کے فرزانہ بیگم سے پوچھنے پر سیڑھیوں سے اتر کر آتا اذان جلدی سے اُن کی بائیں جانب کرسی لے کر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" سبھی کے ساتھ اختر صاحب نے بھی مسکرا کر اپنے پوتے کو دیکھتے ہوئے خوشی سے کہا۔ سہیل کی والدہ عالیہ ملازموں سے ناشتا لگوا رہیں تھیں۔ سب ناشتے کی طرف متوجہ ہوئے تو آرزو نے بھی موبائل بند کر کے رکھتے ہوئے ایک سرسری سی نظر اذان پر ڈالی جو بلیک جینس پر وائٹ شرٹ پہنے بیٹھے تیار تھا۔ بلیک جیکٹ اُس نے اوپر سے پہن رکھی

تھی۔ گیلے بال پیچھے سیٹ کیے وہ کافی فریش لگ رہا تھا۔ "ریاض اور احمد کہاں ہیں اذان؟" نسیم صاحب کے پوچھنے پر سب اس طرف متوجہ ہوئے۔

"ریاض تو جاگنگ کے بعد ہی گھر چلا گیا تھا البتہ احمد چاچو کل رات ہسپتال سے نہیں آئے اُن کیشفٹ تھی۔" اذان کے مسکرا کر جواب دینے پر نسیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا بات اذان آج چھٹی ہے کیا تمہاری؟"

"ہاں کچھ ضروری کام ہے۔" سہیل کے پوچھنے پر اذان نے سرسری سے انداز میں جواب دیا۔ سب ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"آرزو، بیٹا سنو۔" بلیک جینس پر ریڈ لونگ شرٹ پہنے، بالوں کا جوڑا بنائے، آرزو مغرور سی چال چلتے ہوئے گھر سے نکل رہی تھی جب عالیہ نے اسے آواز لگائی۔

"جی فرمائیں۔" وہ ضبط کر کے رک گئی اور دونوں ہاتھ آگے باند کر کے اُن کیطرف متوجہ ہوئی۔

"بیٹا وہ میں کہہ رہی تھی آج تم یونیورسٹی اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو اور کب تک واپس آو گی؟" عالیہ نے بیٹی کے جوڑے سے نکلتی ہوئی لٹ کو محبت سے اُسکے کان کے پیچھے کرتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"کم اون موم، ہم آج یونیورسٹی نہیں جا رہے۔ فرینڈز کے ساتھ آج کا دن پلان کیا ہے۔ رات تک آ جائیں گے، پریشان مت ہونا آپ۔ کل بتایا تو تھا ہمیں آپکو۔"

آرزو نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں یاد دلایا۔

"ارے ہاں، میں ہی بھول گئی تھی، تمہارے پاس پیسے تو مینا، ضرورت ہو تو مجھ سے لے لینا اور دھیان سے جانا۔" عالیہ کے نرمی سے کہنے پر وہ صرف مسکرا کر اُنہیں دیکھا اور "نہیں، نہیں، ہمارے پاس ہیں، تھنک یو۔" اتنا کہہ کر آرزو جواب سننے بنا ہی آگے بڑھ گئی۔ عالیہ بھی بیٹی کو جاتے دکھتی رہیں۔

"ایک دن آئے گا آرزو، جب تم سب سمجھ جاو گی اور میری ہر بات منو گی۔" عالیہ دل میں سوچ کے رہ گئیں۔ آرزو اُن کیسیس سالہ بیٹی تھی جسکو اُنہوں نے بہت لاڈ سے پالا تھا۔ وہ بادامی رنگت کی کافی خوبصورت لڑکی تھی، لیکن اُسے بھی زیادہ مغرور۔ ہر معاملے سے لا تعلق اور بے پرواہ رہنے والی۔

اختر ہسپتال آگرہ کے بہترین ہسپتالوں میں سے ایک تھا۔ خوب بڑا اور خوبصورت۔ ہر طرح کی سہولیات اور بہترین ڈاکٹرز کے ساتھ اپنی اونچی عمارت کے ساتھ کھڑا تھا۔ اُسکے دوسرے فلور کے ڈاکٹر احمد میں آفس میں جاؤ تو ڈاکٹر احمد ایک فائل اسٹڈی کر رہے تھے۔ اُن کی عمر چوالیس سال تھی۔ لیکن دیکھنے سے اڑتیس سال سے زیادہ نہیں لگتی تھی اور انکا چہرہ اختر صاحب سے کافی ملتا تھا۔ ڈاکٹر زعفران اُن کے سامنے بیٹھی فون پر کچھ دیکھ رہی تھیں اور خنکھیوں سے ڈاکٹر احمد کو بھی دیکھ لیتی تھیں جیسے کوئی بات شروع کرنے کے لئے سوچ رہیں ہوں۔ "کیا بات ہے ڈاکٹر احمد؟ کافی پرینشن لگ رہے ہیں آج آپ۔" فون کو سائڈ میں رکھتے ہوئے اُنہوں نے ڈاکٹر احمد سے پوچھا۔ "نہیں ڈاکٹر زعفران، بس اس رپورٹ کو پڑھ رہا تھا، چھوٹی بچی کا نازک معاملہ ہے اس لئے تھوڑا زیادہ سیریس ہوں۔" فائل کو رکھتے ہوئے وہ بھی اُن کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ "ارے تو پریشان کیوں ہوتے ہیں، اللہ چاہے گا بچی ٹھیک ہو جائیگی۔" "انشاء اللہ" اُنہوں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ "اچھا ڈاکٹر احمد میں یہ کہہ رہی تھی کہ وہ آپکا بھتیجا ہے نہ جو پولیس میں ہے۔"

"جی جی۔ اذان۔" اُنہوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں اذان۔ اُس کا کہیں رشتا وغیرہ ہوا ہے کیا؟ میری ایک بھانجی ہے۔ ڈاکٹر ہے۔ آپ کہیں تو میں بات چلاؤں۔"

ڈاکٹر زعفران کے پوچھنے پر اُنہوں نے ایک گہری سانس لی اور کرسی سے ٹیک لگا کر، ایک مسکراہٹ کے ساتھ نرمی سے بولے۔ "جی اس معاملہ میں میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا ابھی۔ کیونکہ میری امی نے شاید اُسکے لیئے کہیں زبان دی ہوئی ہے۔ میں کچھ وقت میں آپکو جواب ضرور دوں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے بہتر رہیگا۔ ماشاء اللہ سے اذان کافی سلجھا ہوا اور شریف بچہ ہے۔ مجھے کافی پسند بھی ہے۔ شادی کی عمر بھی تو ہو گئی ہے نہ اُس کی اب۔" ڈاکٹر زعفران نے سمجھنے والے انداز میں سوچتے ہوئے کہا۔

"جی بالکل، پچیس کا ہو گیا ہے ماشاء اللہ سے۔"

"ماشاء اللہ۔ ٹھیک ہے میں چلتی ہوں ذرا میری ڈیوٹی ہے۔" ڈاکٹر زعفران نے اٹھتے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی ضرور۔" ڈاکٹر احمد نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ایسے ہی تھے ٹھنڈے مزاج اور نرمی سے چیزیں سنبھال لینے والے اور پینک نا کرنے والے۔ ڈاکٹر زعفران کے باہر جانے کے بعد اُنہوں نے فون اٹھایا اور ریاض کو پیغام بھیجا۔

"اذان کہاں ہے ریاض؟"

آرام سے اپنے کمرے میں لیتے ہوئے ریاض نے جواب لکھا۔

"اُن صاحب کا کیا معلوم مامو، ہوگا کہیں۔"

"تو تم کہاں ہو؟" "میں تو گھر پر ہوں اپنے۔ آپ کہاں ہیں؟" ریاض نے بھی اُدھر سے چنگم چباتے ہوئے لکھا۔

"ہسپتال۔ اذان کیتو چھٹی ہے نہ تو یہ لڑکا کہاں گیا؟" اُنہوں نے بھی سوچتے ہوئی لکھا۔

"ہاں چھٹی تو ہے۔ لیکن کہہ رہا تھا کہ کچھ ضروری کام ہے۔ اور اذانا اور اپنے پلانز کسی کو بتا دے۔ یہ مجھے اس جہاں میں تو ممکن نہیں لگتا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" ریاض نے آنکھ ونگ کرتے ہوئے اموجی کے ساتھ آئے پیغام کو دیکھ کر اُنہوں نے بھی تھمپز اپ کے ساتھ جواب دیا۔ اور فون جیب میں ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

آگرہ کا قلعہ اپنی پوری شان سے کھڑا تھا۔ دھوپ اس پر پڑ رہی تھی اور اُس کی خوبصورتی بڑھا رہی تھی۔ تین کلومیٹر کے دائرے میں پھیلے ہوئے یہ قلعہ آٹھ سال میں مکمل تعمیر ہوا تھا۔ اسکو بنانے کے لئے ترکی، روس، دبئی، جیسے الگ الگ ممالک سے ٹھیکیدار لائے گئے تھے۔ اور یہ پورے چار ہزار مزدوروں کی مہنت کا صلہ تھا۔

سورج کی دھوپ ہر طرف پھیلی تھی اور قلعے کے پاس کے بازار میں کافی بھیڑ تھی۔ وہ بلیک جینس میں جیکٹ کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر پشت پر ڈالے چل رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ جیب میں ڈالے نیچے دیکھتے ہوئے بظاہر بے فکری سے چل رہا تھا۔ اتنے میں ایک آدمی اُسکے ساتھ چلنے لگا۔ وہ شخص دیکھنے میں عام سے ہلیے کا بازار میں گھومنے آیا ہوا کوئی لگتا تھا۔

"کچھ پتہ چلا؟" اذان نے نیچے سڑک پر دیکھتے ہوئے ہلکی آواز میں پوچھا تھا۔

"جی سر، اُس آدمی کا نام گل خان ہے۔ اُس کی ایک روز کا سامان بیچنے کی دکان ہے۔ زیارت کے علاقے میں۔" وہ بھی اُسکے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہلکی آواز میں بتا رہا تھا۔

"خبر پکی ہے نہ؟"

"جی سر۔ آپ کہیں تو اسے آپ کے پاس لے آؤں۔"

"رہنے دو۔ میں خود دیکھ لوں گا۔" اذان کے کہنے پر وہ آدمی ہلکے سے تابعداری میں سر کو خم دیتے ہوئے اُسی طرح چلتے چلتے آگے بڑھ گیا۔ بازار میں ابھی بھی وہی بھیڑ اور معمول کے کام جاری تھے۔ وہ آدمی اب بھیڑ میں گم ہو چکا تھا۔

باب ۲

آگرہ کے لوگوں سے بے نیاز سا جمنا کا پانی اپنی معمول کی رفتار سے بہتا ہوا دکھائی پڑتا تھا۔ کبھی اُس کی رفتار تیز ہو جاتی تھی تو کبھی ہلکی۔ سورج اپنے پورے زور سے لوگوں کے سروں پر چمک رہا تھا۔ اور یہاں تو شاید گرمی بھی کچھ زیادہ ہی پڑتی تھی۔ پورے آگرہ میں لوگ اپنے معمول کے کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ مسجدوں سے ظہر کی اذانوں کی آواز آ رہی تھیں۔ اُس نے جب آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی تو لاؤنچ خالی پڑا تھا۔ پورے گھر میں خاموشی چھائی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی جب شائستہ بیگم کی پیچھے سے پکارنے کی آواز آئی۔ "میرے کھانا فریج میں رکھ دیا تھا، نکال کر کھا لینا اور شام کے لئے تیاری شروع کر دینا۔"

"جی امی۔ بس نماز پڑ کر آئی۔" شزنا نے مڑ کر کہا تو وہ صرف ہنکار بھر کر چلی گئیں۔ اُس نے اپنا اٹکا سانس بحال کیا اور اپنے کمرے میں آگئی۔ کمرہ سادہ سا تھا مگر ہر چیز سلیقے سے رکھی تھی۔ کھڑکی کے آگے پردے ڈالے تھے جو گھر کے پچھلے حصے میں کھلتی تھی۔ شزنا نے اپنا بیگ بیڈ پر رکھا اور کپڑے لے کر باتھ روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد باہر آئی اور نماز ادا

کی۔ سلام کے بعد اپنے ارد گرد دیکھا تو کمرہ خاموش پڑا تھا۔ اُس خالی کمرے کو دیکھ کر دل میں عجیب سی گھبراہٹ ہوتی تھی کبھی کبھی۔ شزا نے خیالوں کو جھٹکا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ایک آنسو گال پر فصل گیا۔ اُس نے جلدی سے صاف کیا اور دعا کر کے اُٹھ گئی۔ اُس نے عرصہ ہوا رونا چھوڑ دیا تھا اور اگر کبھی شدت و جذبات سے آنسو آ بھی جائے تو صاف کر لیا کرتی تھی۔ شاید خود کو سمجھا چکی تھی کہ اُسکے آنسو صاف کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کمرے میں زیادہ تر خاموشی ہی رہتی تھی اور دادی کے انتقال کے بعد سے تو وہ اکیلی ہی رہتی تھی۔ کبھی کبھی تو اس خاموشی سے وحشت ہوتی تھی لیکن وقت اور حالات کے ساتھ اسے بھی خاموش رہنا آ ہی گیا تھا۔

حویلی میں ہر طرف خاموشی پھیلی تھی۔ آسمان پر آہستہ آہستہ شام اُتر رہی تھی اور سورج مغرب کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔ حویلی کے لون میں رکھی کرسیوں پر عالیہ اور فرزانہ بیگم بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ اُسی وقت صوفیہ بھی اندر داخل ہوتی ہوئی دکھائی دیں۔

"السلام علیکم۔" وہ بھی سلام کرتی ہوئی وہیں کرسی لیکر بیٹھ گئیں۔ وہاں کرسیوں کے بیچ درمیانے سائز کی شیشے کی ٹیبل بھی پڑی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ سب خیریت؟" فرزانہ بیگم نے بھی محبت سے بیٹی کو دیکھا اور مخاطب ہوئیں۔

"جی امی۔ الحمد للہ۔ بس دل چاہ رہا تھا آپ سے ملنے کا تو آگئی۔" صوفیہ نے چاروں اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا پھر عالیہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ارے بھابھی، آرزو اور باقی بچے کہاں ہیں؟"

"آرزو تو دوستوں کی طرف گئی ہے اور سہیل آفس۔ باقی سہی اپنے کمرے میں ہوگا۔" عالیہ نے بھی مسکرا کر سادگی سے جواب دیا۔

"اور ازان؟"

"اذانکا پتہ نہیں۔ کہہ رہا تھا کچھ ضروری کام ہے۔ صبح سے گیا ہوا ہے۔"

"اچھا"

"اور صوفیہ ریاض کہاں ہے؟ اکیلی آئی ہو کیا؟"

فرزانہ بیگم کا بیٹی سے پوچھنا ہی تھا کہ "ارے بس اتنی سی بات۔ میری نانو نے یاد کیا اور میں حاضر۔"

ریاض بھی اندر آکر ان سے پیار لیتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ماشاء اللہ۔ ریاض کی خوش مزاجی مجھے بہت پسند ہے اور اس پر جیتی بھی بہت ہے۔ بچہ ہر وقت حستا بولتا رہتا ہے۔" عالیہ نے محبت سے ریاض کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا

البتہ ریاض کو دیکھتے ہوئے فرزانہ بیگم کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں ایک حسرت اور تکلیف کا احساس آگیا۔

"کیا ہوا امی؟ آپ ٹھیک ہیں؟" اُن کو دیکھ کر صوفیہ نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا بس اس خوش مزاجی سے کوئی اور یاد آگیا یا (گہری سانس لی) آگئی۔" اُن کی بات سنکر عالیہ کے چہرے پر تکلیف سی اُبھری اور صوفیہ خاموش ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں وہ کس کی بات کر رہی تھیں۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور شام کا وقت ہوا تھا۔ سب لوگ لون کی کرسیوں پر بیٹھے خوشگپیوں میں مصروف تھے۔ آج چھٹی کا دن تھا اور صوفیہ بھی اپنے سسرال سے آئی ہوئی تھیں۔ اُن کی شادی کو چند روز ہی ہوئے تھے۔ اختر صاحب بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس کے پاس بیٹھے مسکرا کر صوفیہ کو سن رہے تھے۔ نسیم، احمد، فرزانہ بیگم اور فتح اختر سبھی اُن کو مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ زویا اور عالیہ ملازموں کے ساتھ چائے اور لوازمات کی ٹرالی لا رہیں تھیں۔ عالیہ نے گلابی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور زویا سادہ سیاہ رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھیں۔ زویا کی آنکھیں بھوری تھیں۔ اُن پر جب دھوپ یا روشنی پڑتی تھی تو ایسا لگتا تھا مانو چمک رہیں ہیں۔ چہرہ ملائم اور سفید تھا۔ علیہ کا رنگ تھوڑا بادامی پر تھا۔

"ماشاء اللہ۔ آج تو ہماری نند بہت پیاری لگ رہی ہے۔ کیوں عالیہ؟" چائے کا کپ اختر صاحب کو پکڑاتے ہوئے زویا نے خوشدلی سے صوفیہ کی تعریف کی جس نے لال رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور لائٹ سے میک اپ کے ساتھ بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

"شکریہ بھابی لیکن میں آپ سے یہ نہیں کہوں گی۔"

"کیوں جی، ہماری بیگم اچھی نہیں لگ رہیں کیا؟" چائے کا کپ اٹھتے ہوئی فتح نے کہا۔

"ہاہا، نہیں نہیں بھائی جان۔ آپ کی بیگم تو سیاہ لباس میں اتنی پیاری لگتی ہیں کہ ڈر لگتا ہے کہیں کسی کی نظر ہی نا لگ جائے۔" صوفیہ نے مسکرا کر فتح کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا تو لون میں بیٹھے سبھی ہنس دیے۔

"نہیں ماشاء اللہ سے یہ بات تو صوفیہ نے بالکل صحیح کہی۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی کہ اُس نے مجھے اتنی اچھی بہوئیں دیں ہیں۔ دونوں نے پورا گھر سنبھال رکھا ہے۔ نا کبھی کوئی لڑائی نا جھگڑا۔" فرزانہ بیگم نے دونوں کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو اُن دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا پھر مسکرا دیں۔

"امی جب اتنی پیاری دیورانی ہو تو لڑائی کیسی؟" زویا نے بھی عالیہ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر محبت سے کہا۔

"بلکل یہ میری جیٹھانی تھوڑی ہیں بلکہ بڑی بہن ہیں اور میں اپنی بہن کے ساتھ بہت وفادار ہوں۔" عالیہ کے کہنے پر نسیم نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ اوپر سے زویا بھابھی ہیں بھی اتنی خوش مزاج کہ پورے گھر میں رونق لگی رہتی ہے۔"

"امی آپ ہماری تیسری ساتھی کب لا رہیں ہیں یہ تو بتائیں؟ اب تو صوفیہ کی بھی شادی ہوگئی۔" فتح کے ساتھ بیٹھے ہوئے زویا نے پوچھا۔

"انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد، اختر صاحب آپ احمد کے لیے رانا کی بات جلدی آگے بڑھائیے۔" فرزانہ بیگم نے احمد کو دیکھتے ہوئے اختر صاحب سے کہا۔

"ہاں ہاں انشاء اللہ۔ میں کچھ دنوں میں بات کرتا ہوں۔" اختر صاحب کے کہنے پر زویا کی مسکان گہری ہوئی اور اُس نے احمد کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیا۔ شام دھیرے دھیرے بیتتی جا رہی تھی۔ آسمان پر اندھیرا ہونے کو تھا تبھی عالیہ نے صوفیہ کا کندھا ہلایا۔ "ارے صوفیہ کیا سوچنے لگیں تم؟ اندر چلو مغرب ہونے والی ہے۔" صوفیہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور سر اثبات میں ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ وقت اب بہت پیچھے رہ گیا تھا اور ماضی کی بس ایک یاد بن چکا تھا۔

آسمان پر رات اتر آئی تھی اور وہ تاروں سے جگمگا رہا تھا۔ اور اگر کچن کی کھڑکی سے جھانکو تو شزا جلدی جلدی کام نپٹانے میں لگی تھی۔ اچانک سے اھٹ پر اُس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے انس کھڑا تھا۔ "آپکو کچھ چاہیے انس بھائی؟" شزا کے پوچھنے پر انس نے ناگواری سے لب بھینچ لیے اور اُسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ شزا سے تین سال بڑا ایک چوبیس سالہ لڑکا تھا۔ وہ اُسے بے تاثر چہرے کے ساتھ دیکھ رہا تھا جو دوپٹے سے سر ڈھنکے سفید شلوار قمیض میں بہت پیاری لگ رہی تھی اور کافی تھکی تھکی بھی لگتی تھی۔ اُس کی کتھنی آنکھیں اور سر جھکا تھا۔

"نہیں۔ یہ بتاؤ تم جانتی ہو کچھ یا امی کے کون سے مہمان ہیں؟" شزا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ انس خاموشی سے آگے بڑھا تو شزا بے ساختہ پیچھے ہوئی۔

"کتنی بار کہا ہے مجھے بھائی نا بولا کرو سمجھ نہیں آتی تم کو؟" اُس نے غصے سے الفاظ چبا چبا کر ادا کیے تھے۔

"اور سنو، میرے سامنے زیادہ شریف نا بنا کرو۔ میرے باپ کے گھر میں رہتی ہو تو میری بات بھی مانا کرو۔ سمجھیں۔" اتنا کہہ کر وہ کچن سے باہر نکل گیا اور وہ خاموش وہیں کھڑی رہ گئی۔ زندگی کے کھیل اُس کی سمجھ سے باہر تھے لیکن پھر بھی اگر اُس نے انسے کچھ سیکھا تھا تو وہ تھا۔۔۔ خاموش رہنا۔

جو شاید ایک وقت پر آکر اُس کی کمزوری بتا جا رہا تھا۔

رات کا اندھیرا چاروں اطراف پھیلا تھا۔ اگر روشنی تھی تو صرف آسمان پر چمکتے چاند اور سڑک پر جلتی ہوئی سٹریٹ لائٹس کی۔ آگرہ کے اس علاقے میں سنّاٹا پھیلا تھا اور ایک آدمی شاید اپنے گھر کو لوٹ رہا تھا۔ وہ دیکھنے میں خاصا عمر کا تھا اور جلدی جلدی قدم بڑھا رہا تھا کہ اتنے میں اسے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا تو سڑک خالی تھی اور اوارہ کتے ادھر ادھر بھونک رہے تھے کہ بلیک جیکٹ پہنے اور چہرے پر سخت تاثرات لیے ایک لڑکا دکھائی دیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اُسکے سامنے آ رکا۔

"قیس کہاں ہے؟" اُس نے اُس کی آدمی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اس سوال پر بہت حیران ہوا تھا۔

"تم کون ہو؟ اور کیا بول رہے ہو؟ کون قیس؟"

"میں جو بھی ہوں بہت خطرناک ہوں اور تم سے عزت سے پوچھ رہا ہوں کہ تمہارا مالک قیس نعیم کہاں ہے گل خان؟"

"دیکھو میں کسی قیس کو نہیں جانتا۔ اور تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟" وہ خاصا گھبرا گیا تھا۔

"لگتا ہے تم کو عزت کی زبان سمجھ نہیں آتی۔ میرے سامنے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ بہت برا ہو گا۔" اذان نے بے رحم تاثرات لئے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور زور دے کر کہا۔ گل خان کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری۔ اذان دیکھنے میں بہت غصے میں لگ رہا تھا اور پاس سے کتوں کے بھی بھونکنے کی آوازیں آرہیں تھیں۔ جو ماحول کو اور خوفناک بنا رہیں تھیں۔

"وہ۔۔ وہ دلی چلے گئے کئی سال پہلے۔"

"کتنے سال پہلے؟" "اٹھارہ سال۔" اتنا سننا تھا کہ اذان کا دماغ بھگ سے اڑ گیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ ہٹایا اور پلیٹ کر واپس چلا گیا۔ سٹریٹ لائٹ کی روشنی میں گل خان وہیں کھڑا اُسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔ یہ کون تھا اور کیا چاہتا تھا وہ سمجھ نہ پایا تھا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ حویلی میں سب سو چکے تھے اور چاروں طرف سناٹا تھا۔ اذان خاموشی سے دبے قدموں اندر آیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

"کہاں تھے اذان؟" راہداری میں کچھ فاصلے پر کھڑے احمد نے پوچھا تھا۔ اذان پلٹا اور انہیں دیکھ کر مسکرایا۔ "کچھ کام تھا چاچو بس۔" اُس نے سرسری سے انداز میں جواب دیا۔ احمد گہری سانس لے کر اُسکے سامنے آکھڑے ہوئے اور آہستہ آواز میں سمجھنے والے لحظے میں

کہا۔ "دیکھو میں جانتا ہوں تم اپنے پلانز کسی کو نہیں بتاتے۔ اور شاید مجھے بھی نہ بتاؤ لیکن بیٹا (اُس کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھا) میں جانتا ہوں تم آج بھی وہی چاہتے ہو جو سولہ سال پہلے چاہتے تھے اور اسی کے لیے کوششیں کر رہے ہو۔" اُن کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اذان نے کہا۔

"جب آپ جانتے ہیں تو پھر۔" اُس کا انداز اور لہجہ بالکل خالی ہو گیا تھا۔ اور چہرے کی بھی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ وہ کچھ لمحے اُسے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے آپکو کچھ وقت دو۔ جو کچھ ہوا وہ تمہارے یا ہم میں سے کسی کے ہاتھ میں نہیں تھا۔"

"میں جانتا ہوں چاچو لیکن میں بس اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو میں نے زویا ماما اور وفا سے کیا تھا۔ وہ عہد جو سولہ سال پہلے میں نے اپنے آپ سے کیا تھا کہ کم سے کم کوشش تو ضرور کرونگا۔ زیادہ کچھ نہیں بس۔۔۔ کوشش۔" اذان کی آواز یکدم بھیگی تھی مانو یہ بات وہ بہت ضبط سے کہہ رہا ہو۔ وہ ہلکی سی مسکان کے ساتھ مڑا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

احمد کی خاموش نظروں نے اُس کا پیچھا کیا تھا پھر وہ بھی ایک گہری سانس لے کر مڑ گئے۔ چہرے پر ایک افسوس چھایا تھا۔ کسی اپنے کو کھونے کا۔ کسی پرانی یاد کا۔ کسی اپنے کو لگاتار کوششوں کے بعد بھی ناکامیاب ہوتے دیکھنے کا۔

اُنہوں نے سامنے دیکھا تو پلر سے ٹیک لگائے وہ کھڑی تھی۔ کالے بال کمر پر پھیلے تھے اور وہ بائیس سالہ لڑکی سفید ساڑھی پہنے انہیں ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ اُنہیں متوجہ پا کر آنکھیں سے تسلی دینے والا اشارہ کیا۔ احمد بھی ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا دیے۔

اذان کمرے میں آیا اور بالکنی میں جا کھڑا ہوا۔ اُس کا اچانک دم گھٹنے لگا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور ہوا کو محسوس کرنے لگا۔ (میرا اذان وفا کو گرنے سے بچانے کی کوشش تو کریگا ناں؟)

(ہاں! ماما میں کوشش کرونگا)

(مجھے چھوڑو لیکن تم ہماری شہزادی کے لیے ضرور کرنا۔)

(وہ تو میں ضرور کرونگا۔ اُس کی فکر تم نہ کرو۔)

اس کو اپنے ارد گرد آوازیں سنائی دینے لگیں تھیں۔ اذان نے پٹ سے آنکھیں کھول لیں۔ ایک گہری سانس خارج کی اور جیسے اُس ہوا سے گویا ہوا۔

"تم کہاں ہو وفا؟ آخر کہاں ہو تم ہماری شہزادی؟"

"میں جانتا ہوں وقت لگے گا لیکن ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میری کوششیں ضائع

نہیں جائیگی۔ میرا رب میری مدد ضرور کرے گا۔"

باب-۳

آسمان پر رات کا اندھیرا پھیلا تھا اور چاند چمک رہا تھا۔ جمنا کے حوے حوے بہتے پانی پر بھی چاند کی روشنی پڑ رہی تھی اور کافی خوبصورت منظر پیش کر رہی تھی۔ کھڑکی کے پردے حٹے ہوئے تھے اور تھندی ہوا اندر آ رہی تھی۔ شزا دراز کھولے کھڑی کسی گہری سوچ میں لگتی تھی۔ اُسکے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چاندی کا کڑا موجود تھا اور وہ چمک رہا تھا۔ اُسکے درمیان میں ایک ستارہ بنا تھا۔ "(یہ تیری امانت تھی شزا بیٹا۔ میں اس میں خیانت نہیں کر سکتی تھی۔)" اُس کو اچانک سے اپنی دادی کی آواز سنائی دی۔ اُنہونے یہ بات یہ کڑا اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہی تھی۔ شزا نے کڑا واپس ایک چھوٹے سے ڈبے میں رکھا اور دراز میں ڈال دیا۔ لائٹس بند کر کے لیٹ تو گئی لیکن نیند اُسکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اُسکے دماغ میں انس کی باتیں گھوم رہی تھیں۔

عجیب سا خوف ہوتا تھا شزا کو اُسے۔ ناجانے کیوں لیکن لاکھ کوششوں کے بعد بھی وہ اُسے پیچھا نہیں چھوڑا پار رہی تھی۔ شزا اُسکی ہر بات خاموشی سے سن لیتی تھی۔ یا شاید اس میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ اُسکا مقابلہ کر پاتی۔ زندگی میں کئی بار ہم بے وجہ ہی اپنے آپکو

کمزور بنا لیتے ہیں۔ جب کہ کہیں نا کہیں ہم یہ جانتے بھی ہیں کہ کئی مسئلے اتنے بڑے نہیں ہوتے جتنا ہمارا خوف اُنہیں بڑا کر دیتا ہے۔ اُنہیں ہمارے اوپر حاوی کر دیتا ہے۔

وہ چت لیٹی ایک ٹک پنکھے کو دیکھے گئی۔ سب میں اندھیرا تھا۔ اندھیرے میں اور اندھیرا ہوتا گیا۔ اور اس اندھیرے میں بسی ماضی کی یادوں نے اُسے گھیر لیا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ سارے گھر میں خاموشی چھائی تھی۔ دس سالہ شہزاد نے چپکے سے کچن میں جھانکا تھا۔ اس نے لال رنگ کی فراک پہنی تھی اور بال پونی میں بندھے تھے۔ انس ابھی باہر سے آیا تھا اور لاؤنچ میں بیٹھائی وی پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ دبے قدموں اندر آئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ انس نے اُسے چپ کے سے جوس لانے کو کہا تھا۔ اسنے فریج کھولا اور جگ باہر نکلا۔
"کیا کر رہی ہو شہزاد؟" شائستہ بیگم کی غرجدار آواز کے ساتھ ہی وہ گھبرا گئی اور ہاتھ سے جگ چھوٹ کر ٹوٹ گیا۔ سارا جوس زمین بوس ہو چکا تھا۔

یا اللہ! یہ لڑکی میرے گھر کا ستیاناش کروائے گی ایک دن۔۔۔ چورنی کہیں کی۔ "وہ سخت تاثرات لیے چیخ رہی تھیں اور اُسکا بازو غصے سے دبوچ لیا تھا۔

"نہیں۔۔ امی۔ نہیں" وہ ڈری ہوئی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ شائستہ بیگم کی آواز سن کر دادی اور انس بھی وہاں آ گئے تھے۔ وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی کانپنے لگی تھی۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ

وہ چور نہیں ہے۔ وہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ انس نے منگایا تھا۔ اس نے انس کو دیکھا وہ بالکل چپ کھڑا تھا۔ وہ سچ نہیں بولا تھا۔

تبھی دادی آگے آئیں تھیں اور اُس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔

"ارے بچی ہے غلطی سے ہو گیا ہو گا۔ چھوڑنا شائستہ۔"

"چھوڑ دوں اٹا؟ سچ میں؟ ارے چھوڑ ہی تو رہی ہوں اٹا پانچ سالوں سے۔ نا جانے کون ہے؟ کس کا خون ہے؟ اس کی اٹا تو چھوڑ گئی اسے آپ کے پاس لینے آنے کا کہہ کر۔ اور ایسی گئی۔ کہ لوٹی ہی نہیں۔"

"ارے تو مجھے دے کر گئی تھی نا۔۔ میری بچی ہے یہ۔ اور اب چھوڑ میری بچی کو۔" دادی کو بھی ایک دم سے غصہ آ گیا اور وہ اُسے لیکر باہر چلی گئیں۔ انس وہیں دروازے میں کھڑا تھا۔ جاتے جاتے شزا نے اُسکی طرف دیکھا تھا۔ اس نے نظریں پھیر لیں اور وہ دنگ رہ گئی۔ وہ خاموش رہا تھا۔ وہ نہیں بولا تھا اور اُسکے بعد بھی کئی موقعوں پر وہ نہیں بولا تھا۔ اور شاید اُس نے آگے بھی نہیں بولنا تھا۔

جب صبح ہوئی تو چاروں طرف سورج کی روشنی پھیل گئی۔ حویلی پر بھی صبح کا سما تھا۔ فرزانہ بیگم قرآن کی تلاوت کر رہی تھیں اور اختر صاحب کمرے سے باہر تھے۔ احمد نے دروازہ

کھٹکھٹایا اور اندر داخل ہوئے۔ وہ ما کے پاس آ بیٹھے۔ فرزانہ بیگم نے تلاوت پوری کی اور بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

السلام علیکم۔ طبیعت کیسی ہے آپکی؟" احمد نے سلام کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"وعلیکم السلام۔ بالکل ٹھیک بیٹا الحمد للہ۔ آپ بتاؤ سب ٹھیک؟" فرزانہ بیگم نے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی الحمد للہ۔ سوچا آپکے پاس تھوڑی دیر بیٹھ جاؤں۔۔۔ اور کچھ بات بھی کرنی تھی۔" احمد نے ماں کو دیکھتے ہوئے تھوڑا سوچ کر کہا تھا۔

"ہاں ہاں بالکل بیٹا۔ بتاؤ۔"

"امی میری ایک ساتھ کی ہیں ڈاکٹر زعفران۔ ہسپتال میں ساتھ کام کرتی ہیں۔۔۔ اُنکی ایک بھانجی ہے۔۔۔ ماشاء اللہ سے ڈاکٹر ہے۔ اُنہوں نے کل مجھ سے۔۔۔ اُس کی بات کی تھی۔۔۔ اذانکے لیے۔" وہ ر کے اور ماں کے تاثرات غور سے دیکھے۔ وہ خاموش مسکراہٹ کے ساتھ بیٹے کی طرف متوجہ تھیں۔

"اچھا۔ تو آپ نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا شاید آپ نے اُس کے لیے کہیں بات کی ہوئی ہے۔ میں آپ سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔"

"اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے احمد؟ آپ جانتے تو ہو سب۔" اُن کی مسکراہٹ سمٹ چکی تھی مگر لہجہ نرم تھا۔

"جی امی، میں سب جانتا ہوں۔ اور یہ بھی کہ اذان کو بھی اب زندگی میں آگے بڑھنے دینا چاہیے۔ آخر کب تک وہ سولہ سال پہلے تک اٹکا رہے گا؟ آپ کھیں تو میں اُسے بات کروں۔"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ آپ شاید بھول رہے ہو کہ میں نے فتح سے وعدہ لیا تھا کہ اذان کی شادی وفا سے ہوگی۔" اُن کے لہجے سے نرمی غائب ہو چکی تھی اور اب وہ بالکل سنجیدہ تھیں۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے امی لیکن اب وفا کو کھوئے ہوئے سولہ سال بیت چکے ہیں۔ ناجانے بچی کہاں ہوگی؟ ہم لوگ جو نہیں ہے اُسکے لیے۔۔۔ جو ہے اُسکی زندگی تو نہیں روک سکتے نہ۔" اُنہوں نے دونوں ہاتھوں سے ماں کا ہاتھ تھام کر سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

"وفا جہاں کہیں ہوگی۔۔۔ ٹھیک ہوگی۔ اور اُس کی شادی اذان سے ضرور ہوگی۔ وہ بہت جلد مل جائیگی۔ انشاء اللہ۔ ہمیں پورا یقین ہے۔"

"انشاء اللہ امی۔ یقین تو مجھے بھی ہے لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اب تو اکیس سال کی ہو گئی ہوگی۔ ناجانے اُسے سب یاد ہوگا بھی یا نہیں۔"

"ہمیں پتا ہے احمد۔ اور ہمیں پتا ہے وہ مل جائیگی ایک دن۔ اللہ ملا دیگا۔ اور بہت سے ذریعے بھی تو ہیں۔ اُسکی آنکھیں بالکل زویا جیسے تھیں اور مزاج فتح جیسا۔۔ خاموش۔ اور تُم کو یاد ہے اُسکے ہاتھ میں وہ چاندی کا کڑا بھی تھا۔ زویا نے خاص بنوائے تھے وہ کڑے۔" وہ ایک دم سے یاد کر کے بہت تکلیف اور محبت سے بولیں تھیں۔ اور یہیں احمد چپ ہو جایا کرتے تھے۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر اٹھے۔ اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ما کو دیکھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ پیچھے فرزانہ بیگم دعا کرنے لگیں۔

"یا اللہ! میری بچیاں جہاں کہیں بھی ہوں اُنکی حفاظت کرنا۔"

پورا شہر جاگ چکا تھا اور سب اپنے معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔ جمنا کا پانی بھی معمول کے مطابق جاری تھا۔ ساری چیزیں معمول کے مطابق ہی سرانجام ہو رہیں تھیں۔ سڑک پر خاصا رش تھا۔ آگرہ یونیورسٹی کی بڑی سے عمارت بھی اپنی پوری شان کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ ایک بڑی یونیورسٹی تھی اور گیٹ سے اندر جاؤ تو دو تین راستے آتے تھے۔ ہر راستہ یونیورسٹی کے مختلف حصوں میں جاتا تھا اور چاروں طرف ہلکے ہلکے شور کے علاوہ خاموشی چھائی تھی۔ پیڑوں سے ہوا ٹکڑا کر آ رہی تھی اور شزا ہاتھ میں فون پکڑے کسی سے بات کر رہی تھی۔ وہ گیٹ نمبر۔ دو کے پاس راستے کے کنارے کھڑی تھی۔

"تم کہاں ہو فائزہ؟ جلدی آؤ۔۔ میں گیٹ نمبر۔ دو کے پاس ہی کھڑی ہوں۔" دوسری طرف سے بات سنی اور بند کر کے بیگ میں فون رکھنے لگی۔ اُس کا سارا دھیان بیگ میں فون رکھنے میں تھا اور آج سر میں بھی خاصہ درد تھا۔ اور اوپر سے فائزہ کو بھی دیر ہو گئی تھی تو اس وجہ سے وہ خاصا جھنجلائی ہوئی تھی۔ وہ فون رکھ ہی رہی تھی کہ اتنے میں ہی ایک تیز رفتار گاڑی اُسکے بہت قریب سے گزری اور اُس سے اُسے ٹکڑ لگنے ہی والی تھی کہ "بچ کر۔۔" کسی نے اُسکا بازو پکڑ کر پیچھے کو کھینچا تھا۔ شزا ایک دم گھبرا گئی اور اسے مڑ کر دیکھا تو کوئی لڑکی اُسے پوچھ رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"ہا۔۔ ہاں۔۔ شکریہ۔" اسنے بامشکل گھبراہٹ قابو کرتے ہوئی کہا تو اس لڑکی نے اُسکا بازو چھوڑ دیا۔ ایک عجیب سا احساس تھا جو شزا کو ہوا تھا۔ ناجانے کیوں؟ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ سیاہ کرتی اور جینگ میں سر پر سفید حجاب باندھے وہ مسکرا کر اُسے ہی دیکھ رہی تھی اور اُس کی آنکھوں پر نظر کا میٹل کا چشمہ لگا تھا۔ اُس کا نقش ناجانے کس میں ملتا تھا۔ سفید رنگت پہ ہلکے سرخ ملائم گال۔۔ گہری کانچ سی بھوری آنکھیں جو دھوپ پڑنے سے ہلکی ہلکی سی چمک رہی تھیں۔ اس کے ہلکے گلابی ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے اور شزا کو لگا کہ شاید اسنے اُسے کہیں دیکھا تھا کہ اتنے میں ہی۔۔ فائزہ نے پیچھے سے اُسے ہلایا۔ وہ اُسکی

طرف مڑی اور پھر مڑ کر سامنے دیکھا تو وہ حجاب والی لڑکی اب دور جا رہی تھی۔ "کیا ہوا شزا تم ٹھیک ہو؟" فائزہ اُسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"وہ لڑکی۔"

"کون لڑکی؟"

"وہ حجاب والی اسنے مجھے بچا لیا نہیں تو میرے لگ جاتی۔" شزا نے ہاتھ بلند کر کے اس دور جاتی ہوئی لڑکی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تو فائزہ نے بھی اُدھر دیکھا۔ "ارے تو ہوگی کوئی اللہ کی بندی۔ تم ٹھیک تو ہونا؟" اس نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور مڑ گئی۔

(اللہ کی بندی) شزا نے دل میں سوچا اور فائزہ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ چاروں طرف اب بھی ویسے ہی ہوا پیڑوں سے ٹکڑا کر آ رہی تھی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا لیکن شاید کچھ ویسا نہیں رہا تھا۔ یہ اُن کی پہلی ملاقات تھی لیکن شاید یہ آخری تو ہرگز نہیں ہونی تھی۔

"یہ سب آپ ٹھیک نہیں کر رہیں امی۔" نعیمہ نے ما کو دیکھتے ہوئے افسوس سے کہا تھا۔ جو بے فکری سے ٹی وی کے آگے بیٹھی ہوئی سیب کاٹتے ہوئے ساتھ ساتھ خا بھی رہیں تھیں۔ گھر میں اُنکے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ آج نعیمہ نے کالج سے چھٹی کی تھی اور وہ دونوں ٹی

وی دیکھ رہیں تھیں جب شائستہ بیگم نے اُسے کل کے مہمانوں کے بارے میں بتایا تھا۔ اُنکی بات پر وہ خاصا حیران ہوئی تھی۔

"ماہوں میں تمہاری۔ مجھے مت سکھاؤ۔" بیٹی کو دیکھ کر اُنہوں نے غصے سے کہا تھا۔ ایک دم سے نعیمة کی بات پر انکا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"مگر امی، اگر شزا آپ کی ہماری سگی نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ اُن کے ساتھ ایسا کریں۔" ان کا غصہ دیکھ کر نعیمة نے نرمی اور افسوس سے شائستہ بیگم سے کہا تھا۔

"میں کچھ غلط نہیں کر رہی نعیمة شزا کے ساتھ۔ اکیس سال کی ہو گئی ہے اور خوبصورت بھی بہت ہے۔

اور میں کوئی اُسکی دشمن نہیں ہوں لیکن اپنے بچوں کا بھی مجھے سوچنا ہے۔ دیکھا ہے میرے۔۔۔ آج کل انس اُسکی طرف کچھ زیادہ ہی دیکھ رہا ہے۔"

"امی آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں۔ شزا آپ کی ایسی نہیں ہیں۔ اور ابھی تو اُنکی پڑھائی کا ایک سال بچا ہے۔ کم سے کم اُنھیں انکا گریجویشن تو پورا کر لینے دیں پھر کر دینا شادی۔"

"چپ کرو تم اور مجھے مت بتاؤ کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ بیٹی سمجھ کر اگر بات بتا دی تو اُسکی وکالت کر رہی ہو۔ رہنے دو بس۔" شائستہ بیگم کہتی ہوئیں پلیٹ میز پر پتنگھنے کے سے

انداز میں رکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور نعیمہ وہیں افسوس سے بیٹھی رہ گئی۔ وہ جانتی تھی ما کے آگے وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ اور شزا کے لیے تو۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔

شہر کے ایک علاقے میں واقع پولیس اسٹیشن میں معمول کے کام جاری تھے۔ سورج اپنی پوری طاقت سے چمک رہا تھا اور آگرہ میں تو گرمی بھی کچھ زیادہ ہی پڑتی تھی۔ سب کا گرمی سے برا حال تھا اور سب جلدی جل اپنے کام نپٹانے میں لگے تھے کہ تبھی نیلی جینس پر گہری نیلی شرٹ پہنے ریاض داخل ہوتے ہوئے دکھائی دیا۔ منہ میں چنگم چباتے ہوئے وہ سب کو مصروف دیکھتا ہوا جینس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چل رہا تھا اور آستین کہنیوں سے نیچے موڈ رکھیں تھیں۔ اُسکے نقوش صوفیہ سے خاصہ ملتے تھے۔ سفید رنگت کا وہ خوبصورت شخص اپنی ہی موج میں مگن رہنے والا ایک بائیس سال کا نوجوان تھا۔ ریاض نے کیمین کا دروازہ کھولا اور اُس کے اندر جھانکا۔ سامنے ہی انسپکٹر اذان اختر کی ڈیسک پر لگی تختی کے ساتھ پیچھے پاور چیر پر پولیس یونیفارم میں ملبوس اذان اپنے کام میں مصروف نظر آیا۔

"آجاؤ ریاض۔" فائل پر نظرین جمائے ہوئے۔ بنا ریاض کو دیکھے اذان نے کہا تھا۔

"وہ تو میں آ ہی جاؤنگا لیکن یہ بتاؤ تمہیں پتا کیسے چل جاتا ہے؟ ہاں۔" ریاض نے اُسکے

سامنے والی چیر لے کر بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اذان ہلکے سے ہنسا پھر ریاض کو دیکھ کر

بولا۔ "انسپکٹر اذان اختر ہر بات نہیں بتایا کرتا مسٹر ریاض احمد۔"

"ہاں ہاں وہ تو پتا ہے مجھے۔" ریاض نے بھی ہاتھ ہوا میں ہلا کر کہتے ہوئے گویا بات اڑائی تھی۔ "خیر میں یہ پوچھ رہا تھا کہ دو دن بعد لیزا کی برتھ ڈے کی پارٹی ہے۔ تو آ رہا ہے یا نہیں؟"

"دو دن بعد تو مشکل ہے۔ مجھے کہیں جانا ہے ضروری کام سے۔" اذان نے سوچتے ہوئی جواب دیا تھا۔

"اور اگر میں یہ پوچھنگا کہ کہاں جانا ہے؟ تو آپ نہیں بتائیں گے۔ ہینہ۔" ہتھیلی پر چہرہ ٹکا کر ریاض نے معصومیت سے کہا تھا۔ اذان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے غور سے ریاض کو دیکھتے ہوئے سر اٹھنے والے انداز میں کہا۔

"تو مجھے بہت اچھے سے جاننے لگا ہے۔" ریاض اُسکی بات پر سیدھا ہوا اور سر کو خم دیکر بولا۔

"ہاں۔۔۔ بالکل ویسے ہی جیسے میرے آنے پر تو سمجھ جاتا ہے۔۔۔ اچھا چلو چلتا ہوں۔ اللہ حافظ۔" ریاض کہتے ہوئے کرسی سے اٹھا۔ اُس کے کھڑے ہونے پر اذان نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میں جانتا ہوں ریاض اتنی دھوپ میں مجھ سے۔۔۔ صرف لیزا کی برتھ ڈے پارٹی کے بارے میں پوچھنے تو نہیں آ سکتا۔ کیا بات ہے آخر؟"

"جب جانتے ہو تو بہتر ہو گا کہ یہ بھی مان لو کہ ریاض اپنے دوستوں کی فکر بھی کرتا ہے۔۔۔ احمد مامو سے بات ہوئی تھی میری کافی فکر کرتے ہیں یا وہ تیری۔۔۔ اسی لئے آیا تھا کہ ایک بار مل لون کہ تُو ٹھیک تو ہے۔ چلتا ہوں اب۔ اللہ حافظ۔" ایک ہی سانس میں پوری بات مسکرا کر کہہ دینے کے بعد وہ مڑ گیا اور باہر چلا گیا۔ اذان اُس کے جانے کے بعد کچھ دیر کو کچھ سوچتا رہا پھر ایک گہری سانس خارج کر کے فائل کھول لی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

دھوپ دھیرے دھیرے گھٹتی گئی اور شام نے آسمان کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ جمنا کے پانی پر کھڑے تاج محل کو بھی ڈھلتا ہوا سورج سنہرا دیکھانے لگا۔ اس ڈھلتی ہوئی شام میں مختار صاحب اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھے کتاب پڑھ رہے تھے جب دروازے پر دستک ہوئی اور شہزادہ اندر داخل ہوئی۔

"آپ نے بلایا پایا؟"

"جی بیٹا، ادھر آؤ پایا کے پاس۔" انہوں نے کتاب سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئی اُسے پاس بلایا۔ شہزادہ اُن کی چیر کے پاس بچھی قالین پر بیٹھ گئی۔ جامنی رنگ کے سوٹ میں سر پر دوپٹہ لپیئے، کالے بال جوڑے میں باندھے وہ اُنھیں ہمیشہ کی طرح بہت پیاری لگی تھی۔

"آپکی پڑھائی کیسی چل رہی ہے شزا؟" اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اُنہوں نے نرمی سے پوچھا تھا۔

"اچھی چل رہی ہے۔" شزا نے بھی سادگی سے جواب دیا۔

"یہ آپکی فیس ہے۔ کل یونیورسٹی میں جمع کرا دیجنگا۔" مختار صاحب نے پاس کی ٹیبل پر سے ایک سفید رنگ کا لفافہ اٹھا کر شزا کی طرف بڑھایا۔ شزا نے لفافہ تھام لیا۔ "بیٹا وہ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی پاپا۔"

"بیٹا کل جو شائستہ کی دوست آئیں تھیں نہ۔۔۔ اُنہوں نے۔۔۔ اپنے بیٹے کے لیے آپکو پسند کیا ہے۔ لڑکا اچھا ہے۔۔۔ ڈاکٹر ہے ماشاء اللہ۔۔۔ اور فیملی بھی اچھی ہے۔ آپکو پڑھائی آگے کرنے کی اجازت بھی ملے گی۔۔۔ وہ اسی مہینے شادیکرنا چاہتے ہیں۔" وہ بہت دھیان سے شزا کو دیکھتے ہوئے نرم لفظوں میں کہہ رہے تھے اور وہ سر جھکائے سن رہی تھی۔

"ہاں یہ کافی جلدی ہے مگر رشتا بہت اچھا ہے۔ آپ کا اس معاملے میں کیا خیال ہے؟" شزا نے سر اٹھایا اور اُنھیں دیکھا۔ اُسکے چہرے سے کچھ بھی واضح نہیں ہوتا تھا کہ اُسے یہ بات کسی لگی تھی۔ شزا کے خاموشی سے دوبارہ سر جھکا لینے پر اُنہوں نے دوبارہ کہنا درست سمجھا۔

"دیکھو شزا میرے لیے آپ میں اور نعيمہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو آپ کہو گی میں ویسے ہی کرونگا۔ آخری فیصلہ آپکا ہی ہوگا۔" شزا نے سر اٹھایا تو ہوٹوں پر ہلکی سی مسکان تھی البتہ آنکھیں بالکل خالی تھیں۔

"آپ میرے پایا ہیں۔ آپکا جو فیصلہ ہوگا وہ مجھے منظور ہے۔" مختار صاحب اُسے غور سے دیکھ رہے تھے جیسے جاننا چاہتے ہوں کہ وہ یہ دل سے کہہ رہی ہے یہ نہیں۔ "نہیں شزا میرا فیصلہ نہیں آپ اپنی مرضی بتاؤ۔"

"میں کہہ رہی ہوں نہ پایا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ان چہرہ ایک دم سے کھل اٹھا تھا انہوں نے شزا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے مان سے کہا۔

"آپ سے مجھے یہی اُمید تھی۔" شزا کی بات سے وہ خوش ہوئے تھے اور اسنے کہا بھی دل سے تھا۔ لیکن ہر دل سے کہی گئی بات میں خوشی بھی ہو یہ ضروری تو نہیں۔۔۔ دل کی باتیں اور دل کے فیصلے انسان کو مطمئن ضرور کر دیا کرتے ہیں کبھی کچھ وقت کے لیے۔۔۔ تو کبھی تا عمر کے لیے۔ کبھی سہی راستے کی جانب۔۔۔ تو کبھی غلط۔

ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا اور آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے۔ رات کا سما تھا اور حویلی میں لائٹس کھلی ہونے کے باعث روشنی پھیلی تھی۔ ہر چیز سے بیزار اور بے فکر سی آرزو

دروازے سے داخل ہوتی دکھائی دی۔ اسنے وائٹ جینس پر بلیک لونگ شرٹ پہنا تھا اور بال اونچی پونی میں باندھ رکھے تھے۔ جب وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی تو پیچھے سے اُسے عالیہ کی آواز سنائی دی۔ وہ وہیں رک گئی لیکن پلٹی نہیں۔

"کہاں تھیں آرزو؟ صبح سے رات ہو گئی۔ اب آرہی ہو تم۔" اُن کے چہرے پر واضح غصہ اور فکر مندی تھی۔ آرزو ایک ادا سے پلٹی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر ما کو دیکھنے لگی۔

"موم کتنی بار کہا ہے آپسے کہ ہمارے لیے پریشان نا ہوا کریں۔ آرزو اپنا خیال خد رخ سکتی ہے۔" اُسکے لحظے میں بے پرواہی اور غرور تھا۔ عالیہ اُسے دیکھ کر رہ گئیں۔ "یہ کیسا لہذا ہے تمہارا؟ اتنا غرور اللہ کو سخت نا پسند ہے۔"

"اوہ پلیز موم۔۔ اب یہ باتیں ہمیں آپ نا بتائیں۔ اور ویسے بھی غرور آرزو نسیم اختر کی خاصیت ہے۔" ہاتھ سے ماں کو روک کر اسنے سخت بے بیزاری سے جواب دیا تھا اور پلٹ کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی۔ عالیہ وہیں غصے اور افسوس سے کھڑی رہ گئیں۔ وہ اوپر آئی تو ناجانے کس دھن میں دائیں ہاتھ کی راہداری کو مڑ گئی۔ اب وہ اذانکے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ آرزو نے نوک کرنے کو ہاتھ اٹھایا اور کچھ لمحے لب کاٹتی رہی پھر پہلوؤں میں گرا لیا۔ ایک جھٹکے سے مڑی اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ اپنے انداز اور باتوں سے دوسروں کو چپ کر دینے والی آرزو میں اذانسے چاہ کر بھی سچ کہنے کی ہمت نہیں

تھی۔ دھیرے دھیرے رات اور گہری ہوتی جا رہی تھی اور صبح تک ایک اور رات بیت جانی تھی۔

اگلے دن صبح ہوئی مگر سیاہ بادلوں نے سورج کو نہیں نکلنے دیا۔ چاروں طرف آسمان پر بادل پھیلے تھے اور بارش کا موسم تھا۔ آگرہ یونیورسٹی کے کتب خانے میں بڑی شان سے کتابیں کھڑی تھیں۔ کتابوں سے محبت کرنے والوں کے لیے کوئی بھی کتب خانہ اس دنیا میں بسی چھوٹی سی جنت سے کم نہیں ہوتا۔ اس وقت بھی سارے میں خاموشی پھیلی تھی اور کچھ سٹوڈنٹس ادھر ادھر بیٹھ کر کتابوں میں مگن تھے۔ اُسی وقت جینس پر جیکٹ پہنے فائزہ داخل ہوئی تھی۔ اسنے بالوں کو کلچر سے قید اور آدھے بالوں کو کھلے چھوڑ رکھا تھا۔ ہلکی بادامی رنگت پر دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ لپ گلوں لگائے وہ اچھی لگ رہی تھی۔ وہ جلدی میں لگتی تھی اور ایک ہاتھ سے شیزا کا ہاتھ تھام رکھا تھا جو نیلے رنگ کے سادہ شلوار قمیض میں سر پر دوپٹہ لیے اُسکے ساتھ ہی تھی۔ اندر آکر فائزہ رکی اور چاروں اطراف دیکھ کر جائزہ لیا۔

"کیا ہوا فائزہ؟ آج یہاں کیوں آئی ہو؟" شیزا نے پہلے فائزہ اور پھر چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ ارے مجھے ایک بول لینے ہے۔ تُم رکو میں بس دو منٹ میں آئی۔ ایک کام کرو تُم وہاں بیٹھ جاؤ۔" فائزہ نے جلدی میں شیزا سے کہا اور ایک طرف اشارہ کر کے چلی

گئی۔ شزا بھی اسی طرف آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ کل پایا کو اسنے ہاں تو کے دی تھی۔۔۔ مگر کل سے کافی گھبراہٹ تھی۔ وہ بی۔ ایچ۔ ایم کر رہی تھی اور ایک بہترین شیف بننا چاہتی تھی۔ بچپن سے ہی اُسے ہوم سائنس میں کافی دلچسپی تھی اور پھر اسنے ہوٹل مینجمنٹ کا سوچ ہی لیا تھا۔ پر ناجانے اب اُسکی خواہش پوری ہونی بھی تھی یا نہیں۔۔۔ اسی دھیان میں اسنے بیگ سے فون نکلا اور چلانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں فائزہ آگئی اور وہ جلدی سے فون رکھ کر اٹھ گئی۔

"اچھا ہوا جلدی آگئیں مجھے فیس بھی جمع کرانے ہے آج۔" اٹھتے ہوئے فائزہ کو دیکھ کر شزا بتا رہی تھی جو کتاب کھول اپنا دھیان اس میں مرکوز کیے ہوئی تھی۔ "ہاں چلو۔" اسنے بھی بس ایک لفظی جواب دیا اور اپنا دھیان کتاب میں ہی رکھا۔ کچھ وقت بعد وہ دونوں راہداری میں آگے چلتی ہوئے فیس ڈیپارٹمنٹ تک آئیں اور شزا نے لفافہ نکالنے کے لیے بیگ کھولا۔ اُسکے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ ایک ایک کر کے ہر جیب میں ہاتھ ڈال رہی تھی اور چیک کر رہی تھی لیکن لفافہ کہیں بھی نہیں تھا۔

"کیا ہوا اتنا گھبرا کیوں گئیں؟" فائزہ نے کتاب سے نظرین ہٹا کر شزا کو دیکھا تو اُسکا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور گھبرا یا ہوا تھا۔ وہ ایک دم روہانسی ہو گئی۔ "فائی۔۔۔ زہ۔ فائزہ۔۔۔ لفافہ.. لفافہ نہیں.. نہیں مل رہا۔" شزا نے بیگ میں ہاتھ مارتے ہوئے بھر راتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا؟" فائزہ کو مانو چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ شزا کے ساتھ ہائی اسکول سے اُسکی

دوست تھی اور اُسکے اور اُسکی فیملی کے بارے میں جانتی تھی۔ دوستوں کے نام پر ایک فائزہ ہی تھی جس سے ہر وقت خاموش رہنے والی شزا بول لیا کرتی تھی۔

"دھیان سے دیکھو یہیں ہوگا؟" فائزہ نے بھی گھبرا کر کہا تھا۔

"نہیں ہے فائزہ۔" شزا کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔ فائزہ نے اُسے بیگ لیا اور ایک بار خود بھی چیک کیا۔ لیکن لفافہ نہیں تھا۔

"تمہیں یاد ہے تم نے رکھا تھا؟"

"ہاں۔"

"جسٹ ریلیکس شزا۔۔ یاد کرو تم نے کہیں نکالا تھا یا بیگ کھولا تھا؟" اُسے سنبھالتے ہوئے فائزہ نے اس کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ شزا کو ایک جھٹکے سے یاد آیا تھا۔ "ہاں میں نے لا بیری میں بیگ کھولا اور فون نکالا تھا۔"

"ہاں تو وہیں کہیں گر گیا ہوگا۔ ایک بار چیک کرتے ہیں۔ چلو۔" وہ دونوں جلدی سے راہداری پار کر کے لا بیری پہنچی اور جہاں کچھ دیر پہلے شزا بیٹھی تھی وہاں چیک کیا۔ وہ جگہ خالی تھی اور وہاں سارے میں اب بھی سب اپنی اپنی کتابوں اور اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ شزا گرنے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھی تھی اور اب تو اسے باقاعدہ رونا شروع کر دیا تھا۔

"فائزہ اب کیا ہوگا؟ میں کیا کروں؟"

"تم فکر نہ کرو۔۔ انشاء اللہ مل جائے گا۔ اور دیکھو یہاں تو کیمرہ بھی ہیں۔" فائزہ اُسے تسلی دے رہی تھی کہ اتنے میں دائیں جانب سے آواز آئی تھی۔ "سنو۔۔ یہ تمہارا ہے کیا؟" اُن دونوں نے چہرہ موڑ کر دیکھا تو وہاں وہ کھڑی تھی۔ سفید لونگ فروک پر سفید ہی حجاب باندھے آنکھوں پر چشمہ لگائے وہ وہی تھی اور اُنھیں ہی دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا ہوا تھا۔ اُسکے ہاتھ میں سفید لفافہ تھا۔ شزا جھٹکے سے اٹھی اور اُسکی طرف لپکے۔ "ہاں..ہاں۔۔ یہ..میرا ہے غلطی سے گر گیا تھا۔" شزا نے اُس کے ہاتھ سے لفافہ لیا اور اُسے کھول کر دیکھ۔ اب اُس کی جان میں جان آئی تھی۔

"تھینک یو۔ آپ کو کہاں ملا یہ؟" فائزہ نے بھی اُس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ وہ لڑکی مسکرائی اور آگے بڑھ کر شزا کے اپنائیت سے آنسو صاف کیے۔ شزا یکدم ساکت رہ گئی۔ وہ ایک ٹک اُسے دیکھ رہی تھی جو اب بڑے پیار سے کے رہی تھی۔

"بس میری جان۔۔ اتنا نہیں روتے اور ویسے بھی جو چیز ہماری ہوتی ہے نہ۔۔۔ وہ ہمیں مل ہی جاتی ہے۔" پھر اس نے فائزہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں یہاں کتاب لے کر بیٹھنے آئی تھی تو نیچے گرا تھا یہ۔ میں بس ابھی لائبریری کاؤنٹر پر جمع کرانے ہی جا رہی تھی کہ آپ دونوں اس طرف آتی ہوئی دکھائی دیں۔"

"تھینک یو سو مچ۔" فائزہ ایک بار پھر اُس کا شکر ادا کر رہی تھی اور شزا۔۔۔ وہ تو جیسے اُسکی پہلی بات میں کہیں کھو سی گئی تھی۔

"کیا سچ میں جو ہمارا ہوتا ہے وہ ہمیں مل جاتا ہے؟" وہ کسی خواب کی سے کیفیت میں بولی تھی اور اب اُس کے آنسو رک چکے تھے۔ اُس کی بات پر اُن دونوں نے چونک کر اُسے دیکھا اور پھر وہ لڑکی ہلکا سا ہنسی اور اُسے دیکھ کر بولی۔ "ارے یہ کونسے بڑی بات ہے۔ اللہ ہے نہ۔۔۔ وہ جو ہمارا ہوتا ہے ہم تک پہنچا ہی دیتا ہے۔"

"ٹم وہی ہو نہ۔۔۔ جسنے کل شزا کو بچایا تھا میرنے تمہیں پیچھے سے دیکھا تھا سفید حجاب یہ۔" فائزہ کو یاد آیا تو اسنے اُسکے حجاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں کون ہوتی ہوں بچانے والی۔ یہ اصلی کام تو اللہ کا ہے۔" اسنے پہلے فائزہ سے کہا تھا پھر خوشی سے شزا کی طرف متوجہ ہوئی۔ "بائے داوے۔ تمہارا نام شزا ہے۔ ماشاء اللہ۔۔۔ نائس نیم۔"

"ہاں۔" اُسکے کہنے پر شزا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"کس نے رکھا؟" وہ کافی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

"میری دادی نے۔"

پھر وہ لڑکی فائزہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "اور تمہارا؟"

"فائزہ۔"

"شزا اور فائزہ۔۔۔ بڑیا۔" اتنا کہہ کر وہ موڑنے لگی تو ایک دم سے شزا بولی۔

"سنو۔ تمہارا نام؟" وہ مڑی اور اُسے دیکھ کر بولی۔

"وفا۔" اور پلٹ کر چلی گئی۔ لائبریری میں خاموشی ابھی تک ویسے ہی تھی اور کھڑکیوں پر بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برسنے لگی تھیں۔

باب۔۴

آگرہ سے چالیس کلومیٹر کی دوری پر فتح پر سیکری واقع ہے۔ شام کا وقت تھا اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ازان اور ریاض آج فتح پر سیکری آئے تھے لیکن ازان ضروری کام کا کہہ کر ریاض کو وہاں کچھ دیر کو چھوڑ گیا۔ وہ کالی جینز اور گلابی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا اور اوپر سے کالی ہی شرٹ پہنی تھی۔ وہ کافی اچھا لگ رہا تھا لیکن چہرے پر ناراضگی صاف ظاہر تھی۔ آج موسم کافی خوشگوار تھا اسی لیے فتح پر سیکری کو دیکھنے آئے ہوئے لوگوں کی بھی عام دنوں کے برعکس خاصہ تعداد تھی۔ وہ بلند دروازے کے نیچے موجود تھا۔ یہ دروازہ بادشاہ اکبر نے تعمیر کرایا تھا اور اس تک پہنچنے کے لیے اسکے سامنے پوری بیالیس سیڑھیاں بنوائیں

گئیں تھیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا اور بلند دروازہ ہے۔ یہ پورا چوون میٹر اونچا اور پینتیس میٹر چوڑا ہے۔ اس کو انگریزی میں

"The Door of Victory" کہا جاتا ہے۔

ریاض کو اذان کا فون آیا تو اس نے ناچاہتے ہوئے بھی اٹھا لیا۔ اذان اُس کا گاڑی میں انتظار کر رہا تھا اور اُسے بلا رہا تھا۔ ریاض نے بنا جواب دیے ہی فون رکھا اور باہر کی جانب چل دیا۔

وہ دونوں اب واپس جا رہے تھے لیکن اذان نے نوٹ کیا تھا کہ ریاض کچھ بول نہیں رہا۔ اور ریاض اذان سے نابولے حیرانی کی بات تھی۔

"کیا بات ہے؟ خاموش کیوں ہے؟" اذان نے اُسے پوچھا جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ریاض نے اب بھی جواب نہیں دیا۔

"کیا ہوا ریاض؟ میں تجھ سے بات کر رہا ہوں۔" ریاض نے اُسکی جانب دیکھا اور ناراضگی سے بولا۔

"مجھ سے بات نا ہی کر تو اذان۔ اور ویسے بھی میں ناراض بھی ہوا تو تو نے منانا تو ہے نہیں۔"

"ارے تو کیا میری بیوی ہے جو میں تجھے ناراض ہونے پر مناؤں؟" ازان نے اُسے چھیڑا۔ ریاض کو تپ چڑھی۔

"بس رہنے دے۔ مجھے تو لگتا ہے تو اپنی بیوی کو بھی نہیں منائیگا کبھی۔ ایک تو مجھے وہاں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا۔ تجھے پتا بھی ہے مجھے کتنا غصہ آ رہا تھا۔" ازان کو ہنسی آئی۔

"کہہ تو ایسے رہا ہے جیسے تو کوئی لڑکی ہو اور میں دس لڑکوں میں اکیلا چھوڑ گیا ہوں۔"

"ہاں تو میں لڑکا ہوں تو کیا ہوا؟ مجھ مصوم اور ہینڈ سم کو دو لڑکیاں گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ مجھے اتنا غصہ آ رہا تھا۔ گھر میں باپ بھائی نہیں تھے کیا اُنکے؟ اوپر سے آپ جناب۔۔ مجھے کسی پلان میں لیتے تو ہیں نہیں۔ اگر ابھی میں پوچھوں گا کہ کہاں گئے تھے تو آپ نے بتانا بھی نہیں ہے۔" ازان کو اُس وقت بہت ہنسی آ رہی تھی لیکن وہ ہنس کر اُسے اور ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

"اچھا چل جب تو نے ایسا مان ہی لیا ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے تجھ سے ایک کام تو تھا۔" ازان نے افسوس سے کہا۔ اسکی بات پر پہلے تو ریاض کافی حیران ہوا مگر پھر سنبھل کر بولا۔

"سچ میں۔۔۔ ہاں بھائی۔ بول بول۔ کیا کام ہے؟ کیا ہوا؟" ازان نے گہری نظروں سے دیکھا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ کہے یا نہیں۔ اسے سمجھ کر ریاض نے گہری سانس لی۔

"دیکھ ازان۔ ہم بچپن سے ساتھ ہیں اور میں جانتا ہوں تُو اپنے پلانز کسی کو نہیں بتاتا۔ لیکن اگر کوئی بھی ایسی چیز ہے جس میں میں تیری مدد کر سکتا ہوں تو بول کر تو دیکھ۔۔۔ میں پوری کوشش کرونگا تیرے لیے۔" وہ زیادہ دیر تک اُس سے ناراض نہیں رہ سکتا تھا اور یہ وہ خد بھی جانتا تھا۔

ازان کے ہوٹوں پر ہلکی سی مسکان آئی اور اُس نے چہرہ پھر سامنے کی طرف موڑ لیا۔
"جانتا ہوں۔" ریاض کو اُس کی آواز بامشکل سنائی دی تھی۔

"اور ایک بات میں بھی جانتا ہوں کہ۔۔۔ تُو یہ سب وفا اور ائمہ کے لیے کر رہا ہے نہ۔" ازان کی اس بات پر مسکان غائب ہوئی اور گہری سانس لے کر بولا۔ "جب جانتا ہے تو پوچھ کیوں رہا ہے؟" ریاض چپ ہو گیا۔ کچھ لمحے ایسے ہی خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"ریاض تجھے پتا ہے؟ میں پانچ سال کا تھا جب ڈیڈ اور ممّا مجھے یتیم خانے سے لائے تھے۔" ریاض چپ رہا وہ جانتا تھا یہ سوال نہیں ہے۔ "اللہ کے بعد وہ لوگ پہلے تھے جن پر مینے پورا بھروسہ کیا۔ اُنہوں نے مجھے فیملی دی۔۔۔ نام دیا۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر۔۔۔ محبت بھی۔" وہ رکا اور ریاض کو دیکھا وہ خاموشی سے اُسکی طرف متوجہ تھا۔

"وفا بہت اچھی تھی اور میری بیسٹ فرینڈ تھی۔ اور میرے منہ سے ائمہ کو دیکھ کر پہلا لفظ پتا ہے کیا نکلا تھا؟

شہزادی۔۔ تبھی سے اُسے گھر میں پیار سے سب شہزادی کہنے لگے تھے۔ وہ چھوٹی تھی ریاض۔۔ اور وفا بڑی۔ صرف ایک منٹ۔ اور اس ایک منٹ کا وہ پورا فائدہ اٹھاتی تھی لیکن ہاں اُسکا خیال بھی اتنا ہی رکھتی تھی۔ میں نے ایک بار ممّا سے وعدہ کیا تھا کہ میں انکی زندگی میں حفاظت ضرور کرونگا۔ "کہتے کہتے ازان رکا اور ہنسا۔ وہ ایک زخمی ہنسی تھی۔

"اور میں اُن دونوں کی حفاظت نہیں سکا۔ کوشش بھی نہیں کر سکا۔ بٹ آئی سویر ریاض۔ "ازان کے چہرے پر ایک دم سے غصہ اور بے رحمی در آئی۔ "جس دن وہ شخص میرے ہاتھ لگا نہ۔ جس نے میرے ماباپ کی جان لی ہے اور مجھ سے میری سب سے اچھی دوستوں اور بہنوں کو دور کیا ہے۔ میں اُسکا حشر خراب کر دوں گا۔ آئی سویر۔ "ریاض جو خاموشی سے سن رہا تھا اچانک سے چونکا۔ "بہن؟ لیکن تیرا اور وفا کا تو رشتہ ہوا ہے نہ۔ "ازان نے گہری سانس لی اور بولا۔

"جو صرف دادو کی خواہش ہے۔ جب وہ تھی تو ایسا کچھ ہم لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔ مجھے بھی بعد میں معلوم ہوا تھا کہ دادو نے ڈیڈ سے میرے اور وفا کے لیے وعدہ لیا تھا۔ خیر وہ تو بعد کی بات ہے۔۔ تُو بتا۔ جیسا میں کہوں گا ویسا کریگا؟" ریاض کی طرف چہرہ موڑتے ہوئے ازان نے پوچھا۔

"بلکل۔ بول تُو کیا کرنا ہے؟" اُسکی بات سن کر ازان کے چہرے پر ہنسی آئی مگر وہ اُسے روک کر معصومیت سے بولا۔

"لیکن ہو سکتا ہے تُو اُس وجہ سے۔۔۔ لیزا کی برتھ ڈے پارٹی میں نا جاسکے۔" اُسکی بات پر پہلے تو ریاض کی مسکراہٹ غائب ہوئی پھر وہ زور سے ہنسا۔

"دفا کر یار۔ مجھے پسند ضرور ہے لیکن میں کوئی پاگل واگل تھوڑی ہوں اُس کے پیچھے۔ میرے لیے تو کوئی بہت ہی پیاری سی لڑکی آئے گی۔ جسے دیکھتے ہی میں کہونگا کہ۔۔ دیکھ ازان۔ تیری بھابھی کھڑی ہے۔" ازان نے بامشکل اپنا قہقہہ روکا۔

"اور تُو مجھ سے یہ کب کھیگا؟"

"اب یہ تو اللہ جانے۔ کیا پتا۔۔" اُسکی بات وہیں ادھوری رہ گئی۔ ازان نے اُسکی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا بھائی؟ بھابھی دکھ گئی کیا؟"

ازان نے اُسے چھیڑا لیکن وہ بت بنا سامنے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ ازان کے ہاتھ ہلانے پر جیسے ایک دم سے جاگا اور اُسی جانب دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "دیکھ۔۔ تیری بھابھی کھڑی ہے۔" ازان نے اچنبھے سے پہلے ریاض کو اور پھر سامنے دیکھا۔ وہاں سڑک کے اُس پار ایک لڑکی کھڑی تھی جس نے سفید جینز پر کالی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ آدھے بال کلچر میں قید تھے اور باقی کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ ہوا سے اُسکے بال اڑ رہے تھے۔ بادامی رنگت پہ صاف چہرہ کافی خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ جلدی میں لگتی تھی اور بار بار

گھڑی بھی دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ سے ہی ایک لڑکا بانیک پر آیا اور وہ اُس کے ساتھ بیٹھ کر چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد ازان نے ریاض کو دیکھا اور اُسے ہلا کر کہا۔

"بھائی۔ واپس زمین پر آجا۔۔۔ بھابھی چلی گئی۔۔۔" ریاض نے اُسکی طرف دیکھا۔ اُسکی آنکھوں میں ایک الگ ہی خوشی تھی۔

"جلدی جلدی بتا اپنا کام۔ پھر مجھے تیری ہونے والی بھابھی کا بھی پتہ لگانا ہے۔" اُسکی بات پر ازان زور سے ہنسا۔

بارش کے بادلوں نے آسمان کو گھیر رکھا تھا۔ ٹھنڈی تیز ہوا چل رہی تھی اور ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی دوبارہ شروع ہو چکی تھی۔ وہ لڑکی چھت پر کھڑی ہلکی ہلکی بارش میں بھیگتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے سفید رنگ کی ٹخنو تک آتی فراک اب بھی پہنی ہوئی تھی البتہ کالے رنگ پے ہلکے سنہرے جیسے بال کمر پر کھلے تھے اور اس کی خوبصورتی کو اور بڑھا رہے تھے۔ اس کے بال اُسکی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ کالے تھے لیکن غور کرو تو سنہرے۔

بھوری آنکھوں سے چشمہ ہٹا ہوا تھا اور چہرے پہ ایک الگ ہی خوشی پھیلی تھی۔ شاید اسے بارش بہت زیادہ پسند تھی۔ وہ تھوڑی دیر ایسے ہی گھومتی رہی پھر وہیں کھڑی ہو کر اپنے اللہ سے کہنے لگی۔۔۔

"اللہ پاک۔۔ آپ بڑے اچھے ہو سچ میں۔۔ آپکو پتا تھا نہ آج میرا بارش میں بھگنے کا کتنا دل کر رہا ہے۔۔ ہے نہ۔۔" وہ آسمان کی طرف دیکھ کر ایک ہاتھ کمر پر رکھے دوسرے کو ہلا ہلا کر مزے سے کہہ رہی تھی۔ کیا مان تھا۔ کیا یقین تھا۔ کہ جو وہاں اسمانوں میں ہے وہ سچ میں سن رہا ہے۔ دیکھ رہا ہے۔

"آپ کو پتا ہے آج مینے نی ناول شروع کی ہے اور اسکی کہانی اتنی (اتنی کو کھینچا اور دونو باہوں کو پھیلایا) اچھی ہے نہ کہ بس۔۔ اور پتا ہے۔۔ (پھر جیسے کچھ یاد آنے پر رکی اور بولی) اچھا ہاں۔۔ مجھے یاد آیا اب کافی دیر ہو چکی ہے چھت پر اب میں نیچے جا رہی ہوں نہیں تو پھر امی آوازیں لگانا شروع کر دینگی۔۔" جلدی سے کہہ کر اسنے اپنی فراک ہاتھوں سے پکڑ کر تھوڑا اوپر کی اور سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

"اللہ میں کیا کروں اس لڑکی کا۔۔ پچاسیوں بار کہا ہے کہ سیڑھی ہلکے اُترا کر۔" اسکے اترنے کی دھپ دھپ کی آواز پر نگمہ بیگم نے ڈانٹا۔

"یار امی۔۔ آرام سے ہی تو اتر رہی ہوں۔" وفا بھی منہ بناتی ہوئی رفتار ہلکی کر کے اترنے لگی اور پھر نیچے آکر انکے گلے لگ کر بولی۔ "امی۔۔ اتنا اچھا موسم ہو رہا ہے کہ بس۔۔" (پھر ان سے الگ ہوئی اور ادھر ادھر دیکھ کر بولی) اپنی کہاں ہیں؟

"اوپر ہوگی وہ اور چل تو بھی اوپر ہی چل میں بھی آ رہی ہوں۔۔ کبھی اور اب ٹی وی دیکھنے بیٹھ جائے۔" انکی بات پر وفانے سر ہلایا اور اوپر کو گئی۔

یہ ایک ایپر مڈل کلاس فیملی تھی۔ شاہد صاحب کا ایکسپورٹ کا بزنس تھا اور انکی بیوی نگہ بیگم بھی ایک ورکنگ و مین تھیں لیکن اسکے ساتھ گھر بھی دیکھتی تھیں۔ ان کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔۔ بڑی زونیرہ اور چھوٹی وفا۔

انکے گھر میں داخل ہوتے ہی ایک بیٹھک تھی اور سامنے ایک ہی کمرہ تھا۔ اسکے باہر سائیڈ سے کچن اور پھر سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔ اوپر آگے کو ایک کمرہ تھا جو دونوں بہنو کا ہی تھا۔ لیکن صرف نام کو۔۔ اور اسکے سامنے ایک ہال جو زیادہ تر خالی ہی رہتا تھا۔ کیونکہ چار ہی افراد تھے۔ لیکن سب سوتے ایک ہی جگہ تھے چاہے اوپر چاہے نیچے۔ بھی بجلی کے یونٹس ڈبل کیوں پھونکیں؟

وفا کمرے میں آئی تو زونیرہ دیوان پر لیٹی موبائل میں مگن تھی۔ وہ کھڑکیوں کے پاس آئی اور انھے کھولا تو سامنے دور تک پھیلا ہوا آسمان نظر آیا اور کھڑکی کے آگے ایک پیڈ بھی جسمے ایک چڑیا اپنے گھونسلے میں بیٹھی تھی۔ یہ جگہ وفا کو بہت پسند تھی اور وہ امومن کھڑکیوں کے آگے ہی نماز پڑھا کرتی تھی۔

"یار اپنی کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے دیکھو تو سہی۔" اسنے زونیرہ کو ہلاتے ہوئے کہا تو اسنے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ اسکے بھی لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ موسم ہی اتنا خوشگوار تھا۔

"رک۔۔ رک۔۔ میں پہلے سنیپ بھیج دوں ذرا۔" زونیرہ خوش ہو کر اٹھی اور کھڑکی کے باہر نظر آتے آسمان کی تصویر اپنے فون میں قید کرنے لگی۔

"یہ سنسپس اور سٹریکس سے کیا ملتا ہے بھلا؟" وفا بھی اسکے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔ "تجھے نوولز پڑھ کر کیا ملتا ہے؟"

"خوشی۔۔" وفا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

وہ ایسی ہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جانے والی۔۔ ہر وقت ہنستی بولتی رہنے والی۔۔ ڈانس کرنے والی۔۔ روتے کو ہنسانے والی۔۔ اللہ سے باتیں کرنے والی۔۔ حال معافی مانگ لینے اور دل صاف کر لینے والی۔۔ سڈک پر بیٹھے فکیر سے بھی محبت سے پیش آنے والی لیکن اگر ایک بار کوئی دل سے اتر جائے تو پلٹ کر دیکھنے تک نا والی۔۔

"اچھا میں کہہ رہی تھی کہ ڈیڈی کو فون کر کہ موموس کا کہہ دو نہ۔۔" وفا نے جوش سے کہا۔

"تو کہہ دے۔"

"ٹھیک ہے۔" زونیرہ کے فون بڑھانے پر وہ جلدی سے نمبر ملانے لگی۔

"ہیلو ڈیڈی.. کہاں ہو؟ کب آؤ گے؟" پھر دوسری طرف سے سنا اور بولی۔ "لاؤ تو موموس لے آنا ورنہ کوئی بات نہیں۔" دوبارہ رک کر سنا۔ "ہاں ہاں۔۔ میرے پیٹ میں بہت جگہ ہے۔۔ چاہو تو چاوین۔۔ پانی پوری۔۔ سمو سے وغیرہ بھی چل جائیگے۔۔" دوسری طرف سے شاید "اور کچھ" پوچھا گیا تھا جبھی اسنے اپنی لسٹ کھول دی تھی۔ ادھر زونیرہ نے آنکھیں

دکھائیں۔ اسکے فون رکھنے پر زونیرہ بولی۔ "ابھی یہ سب خاکی تو کھانا کیسے خاکی؟ اتنا جنگ نوڈ نہیں کھانا چاہیے۔"

"کھانا ہم آٹھ بجے کھاتے ہیں اور ابھی چھ بجے ہیں۔۔ تب کی تب دیکھی جاگی۔" ہاتھ ہلا کر کہتے ہوئے مانو وفانے بات اڈائی۔ زونیرہ اسے دیکھ کر رہ گئی اور پھر اُس کی بات پر ہنس دی۔

آسمان پر رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا لیکن رات میں بھی مول کے برابر سے روڈ پر موجود آئس کریم پارلر اپنی خوبصورت روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ دیکھنے سے یہ کافی مہنگا لگتا تھا اور یہاں آئے ہوئے لوگ آرام سے بیٹھے اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کوئی اپنے بچوں کے ساتھ آیا تھا تو کوئی اپنے گھر والوں کے ساتھ۔ تو کوئی اپنے دوستوں کے ساتھ بھی موجود تھا۔ اُن ہی میں سے ایک ٹیبل آرزو اور اُسکی دو دوستوں سے گھرا تھا۔ نشی اور ماریہ تو اپنی باتوں میں مصروف تھیں جب کہ آرزو اپنے فون میں لگی تھی لیکن وقفے وقفے سے انکی کسی بات پر بھی تبصرا کر کر موضوع میں حصہ لے لیتی۔ ویٹر آیا اور انکی آئس کریم انکے سامنے پیش کر کے چلا گیا تو وہ تینوں اُسکی طرف متوجہ ہوئیں۔ اپنی آئس کریم کی پہلی ہی بائٹ لیکر ماریہ نے سامنے دیکھا تو اُسکی نظر باہر کے شیشے سے اندر جھانکتے دو بچوں پر پڑی۔ وہ دونوں شاید یتیم تھے اور بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ انھیں اپنی جانب دیکھتا پا کر ماریہ نے

منہ بنایا۔" اوہ ہو۔۔ یہ دونوں بچے کہاں سے آگئے یہاں؟ سچ۔۔ کتنے گندے سے لگتے ہیں دیکھنے سے۔" اُسکی بات پر وہ دونوں بھی اُس جانب متوجہ ہوئیں۔ اثبات میں سر ہلا کر نشی نے بھی منہ بناتے ہوئے اُسکی ہاں میں ہاں ملائی۔ جب کہ آرزو ویسے ہی رہی۔۔ لا تعلق اور بے پرواہ۔۔

"صحی کہہ رہی ہو یا۔۔ پتا نہیں ایسے لوگ کیوں منہ اٹھا کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے آجاتے ہیں۔ بھائی اگر نہیں ہیں اس قابل تو اپنی اوقات میں رہیں نہ۔" نشی نے بھی بڑے عجیب طریقے سے اپنی بات رکھی۔ اور ساتھ ہی آرزو کو بھی اپنی بات میں شامل کرنا چاہا جو چو کلیٹ فلیور آئس کریم خانے میں مصروف تھی۔ "تمہارا کیا کہنا ہے اس بارے میں آرزو؟" اسنے ایک نظر پہلے اُن دونوں کو دیکھا اور پھر باہر کھڑے بچوں کو اور شانے اُچکا کر گویا ہوئی۔

"کم اون فرینڈز۔۔ تم دونوں بھی کیا باتیں کرنے بیٹھ گئیں لیکن ہم تمہیں بٹا دیتے ہیں کہ آرزو اختر کے پاس اتنا نا فالتو وقت ہے اور نا توجہ جو اپنے علاوہ ان لوگوں کے بارے میں بات کریں۔ جن سے نا تو ہمارا کوئی تعلق ہے اور نا مطلب۔" اُسکی بات پر وہ دونوں چپ رہ گئیں اور پھر جلدی سے ماریہ اُسکی ہاں نے ہاں ملاتے ہوئے بولی۔ "یس یو آر رائٹ آرزو۔ ہم لوگوں کو ان جیسے لوگوں پر دھیان ہی نہیں دینا چاہیے۔" آرزو نے کوئی جواب

نہیں دیا اور پھر کچھ دیر بعد اپنی آنس کریم ختم کر کے انکی طرف متوجہ ہوئی تو وہ بھی لگ بھگ ختم کر چکی تھیں۔

"تم دونوں چلو ہم بل پے کر کر آتے ہیں۔"

کچھ دیر بعد وہ تینوں باہر نکل رہیں تھیں۔ وہاں کھڑی آٹھ سالہ بچی اپنے بارہ سالہ بھائی سے بولی۔ "بھائی دیکھ نہ یہ تینوں لڑکیاں کتنی خوبصورت ہیں اور انکے کپڑے بھی کتنے مہنگے لگتے ہیں۔ اور یہ جگہ بھی اندر سے کتنی اچھی ہے۔"

"ہاں روحی۔ لیکن ان کے پاس یہ سب اس لیے ہے کیونکہ اللہ نے انکو یہ سب دیا ہے۔ تو فکر نا کر ایک دن تیرے بھائی کو بھی اللہ یہ سب کچھ دیگا اور پھر میں بھی تجھے ایسے ہی اچھے سے رکھونگا اور ایسے ہی اچھی سی جگہوں پر کھانا کھلایا کرونگا۔"

انکی باتیں سن کر ماریہ اور نشی کا قہقہہ گونجا۔ انھیں ہنستا دیکھ کر آرزو سختی سے بولی۔ "فوراً چلو یہاں سے۔"

"بھائی یہ ہم پر کیوں ہنسی تھی؟" روحی نے سمیر سے پوچھا۔

"یہ ہم پر نہیں ہنسی تھیں بیٹا۔ یہ اپنے آپ پر ہنسی تھیں۔ کہتے ہیں جو کسی پر ہنستا ہے نہ۔۔ قیامت کے دن اللہ کے یہاں اُس پر ہنسا جاتا ہے۔"

"سنو تم دونوں۔ کیا تمہیں آئس کریم کھانی ہے؟" ویٹر نے باہر آکر اُسے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔" سمیر نے کم آواز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ وہ جو ابھی نیلے کپڑوں میں لڑکی گئی ہے نہ۔ اُسے تمہارے پیسے دیے ہیں اور کہا ہے کہ تمہیں اندر بیٹھا کر کھلا دیا جائے۔" ویٹر نے کہتے ہوئے پارکنگ میں جاتی لڑکیوں میں سے آرزو کی طرح اشارہ کیا جو اب اپنی ریڈ سپورٹس کار کے قریب تھی اور دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر آگیا۔ روجی بھی اُسکے پیچھے ہی داخل ہوئی البتہ سمیر نے ایک بار چہرہ موڑ کر دیکھا تو آرزو اب ڈرائیونگ ڈور کھول رہی تھی اور اُس نے بھی اُسی وقت اُسے دیکھا تو ہلکا سا دیکھ کر مسکرائی۔ وہ بچہ بھی مسکرا دیا اور اندر کی جانب مڑ گیا۔

آگرہ یونیورسٹی کی بڑی سی امارت کھڑی تھی اور سورج کی کرنے اس پر پڑ رہی تھیں۔ آج آسمان صاف تھا اور دو دن پہلے جیسی بارش اب نہیں تھی۔ یہ یونیورسٹی ایک کافی وسیع جگہ میں پھیلی تھی اور کافی پرانی تھی۔ یہ نی یونیورسٹیز کی طرح ماربل اور شیشوں سے نہیں بلکہ لال پتھروں سے بنی تھی۔ وہی پتھر جسے کبھی آگرہ کا قلع بھی بنایا گیا تھا اور یہاں کی زیاتر سیر سپاٹے کی عمارتیں بھی اسی سے بنی ہیں۔ تھوڑی تھوڑی دور پر مختلف ڈیپارٹمنٹس کی مختلف بلڈنگز اور فلورس موجود تھے۔ یونیورسٹی میں داخل ہو تو لمبی سڑک پھیلی تھی اور اس کے دونوں طرف فٹ پاتھ بنے تھے جو کافی صاف تھے۔ ارد گرد پیڈ کھڈے تھے اور ہوا سے

پتے بھی گر رہے تھے۔ وہیں فٹ پاتھ پر کرسی کی طرح شزا بھی بیٹھی تھی اور دور آسمان میں دیکھ رہی تھی۔ اسنے آج نیلی جینس پر لال کرتی پھن رکھی تھی اور نیلا ہی سٹول سر پر ڈھنکا تھا۔ وہ ایک ٹک آسمان کو دیکھے جا رہی تھی اور تاصرات سپاٹ تھے۔ شاید کسی گہری سوچ میں تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟ اور ایسے اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟ آج تمہاری دوست کدھر ہے؟" ایک ہی سانس میں تین سوال پونچھ کر وفا بھی اسکے برابر ہی بیٹھ گئی۔ شزا نے چونک کر چہرہ موڑا اور پھر اسے دیکھ کر مسکرائی جو سادہ گلابی رنگ کی ٹخنو کو چھوتی ہوئی فراک میں ملبوس اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ اسنے اس پر سفید حجاب آج بھی باندھا ہوا تھا۔ "فائزہ آج آئی نہیں اور میری اس ٹائم کلاس فری ہے تو بس ایسے ہی بیٹھ گئی۔ اور آپ؟" شزا نے سادگی سے بتاتے ہوئے تھوڑا ہچکچا کر پوچھا۔

"میں تو لائبریری جا رہی تھی راستے میں تمہیں اس طرح بیٹھے دیکھا تو ادھر آگئی۔" وفانے بھی آدٹا جواب دیا اور ادھر ادھر بھی دیکھنے لگی۔ کچھ لمحے ایسے ہی بیت گئے تو پھر وفانے ہی پوچھ لیا۔

"تم کم ہی بولتی ہو یا۔۔ مجھ سے کم بول رہی ہو؟"

"پتا نہیں۔۔ میری بس فائزہ سے ہی دوستی ہے اور اس کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں جس سے میں زیادہ بات کروں اسلئے اب خاموشی میری عادت بن گئی ہے۔"

ان دونوں پر پیڈ کی چھایا پڑ رہی تھی اور ہوا سے وفا کی فراک بھی ٹخنوں سے فڈ فڈا رہی تھی۔ وہ جو بوتل سے پانی پی رہی تھی اسنے پیتے پیتے شزا کو تعجب سے دیکھا اور پھر بوتل بند کرتے ہوئے بولی۔ "کیوں بھئی۔۔ اللہ ہے تو اس سے بول لیا کرو یا اپنے آپ سے۔" اسکی بات پر شزا نے اسے نا سمجھی سے دیکھا اور پوچھا۔ "اللہ سے بولوں؟"

"بھائی صاحب دیکھو۔۔ یہ تو میں مانتی ہوں ک دنیا بری ہے۔۔ اس سے اپنے دل کی بات نہیں کی جاسکتی مگر اس دنیا کو بنانے والا تو اچھا ہے نہ۔۔ اس سے تو کی جاسکتی ہے۔"

"لیکن اللہ سے کیا بات کروں اور کیا وہ میری بات کا جواب دیگا؟" وفا خوش ہوتے ہوئے پوری طرح اسکی طرف متوجہ ہوئی۔۔

"بلکل دیگا۔۔ تم اس سے روز کی باتیں کرو۔۔ وہ باتیں کرو جو تم کسی سے نہیں کر سکتیں۔۔ اسے بتاؤ آج تمہارے ساتھ کیا ہوا۔ تمھے کیسا لگا۔" دائیں سے بائیں جانب ہاتھ ہلا کر وہ اپنے ہی انداز میں کہہ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا وہ بے فکر ہو کر فرست سے اس لڑکی سے یہ ساری باتیں کرنے کے لئیے ہی جیسے آج یہاں آئی تھی۔ اسے کوئی مطلب نا تھا کہ کون آ رہا تھا؟ کون جا رہا تھا؟ وہ اپنی باتوں میں ہی خوش تھی۔

"لیکن اللہ تو سب جانتا ہے میرے اسے سب بتانے کا کیا فائدہ؟"

"ہر چیز فائدے یا نقصان کی نہیں ہوتی شزا بی بی۔ کچھ چیزیں اس سے کہیں زیادہ بالاتر ہوتی ہیں۔ بیشق اللہ سب جانتا ہے وہ بھی جو ہم نہیں جانتے لیکن کہتے ہیں نہ کہ دل کی بات کسی سے کر لینے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے۔" آسمان پر اب بادل آگئے اور سورج کی روشنی چھپ گئی۔ شزا نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔۔ "اور اگر کچھ دل کی باتیں لفظوں میں نا کہی جا سکیں تو؟" وفانے آواز آہستہ اور لہذا اور نرم کیا۔ "تو اسکے آگے رو لیا کرو۔ دل ہلکا ہو جائے گا۔ اسے لفظوں کی ضرورت نہیں ہے۔۔ وہ تو اسکی بھی سنتا ہے جسکی زبان نہیں ہوتی یا جسے بولنا نہیں آتا۔"

"کیا وہ میری خاموشی اور آنسو سمجھ جاوگا؟"

"بلکل۔ جو اللہ کو جیسا سمجھتا ہے نہ وہ اسکے لیئے ویسا ہی ہوتا ہے۔ تم ہاتھ بڑھاؤ تو سہی وہ تھام لیگا۔" شزا ہلکا سا ہنسی اور اس سے کہا۔

"ہر کوئی تمہاری طرح نہیں سوچتا وفا۔ میں تو فجر کی نماز کے لیئے بھی نہیں اٹھ پاتی۔" ایک لمحے کو وفا کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور پھر وہ گہری سانس لے کر بولی۔ "میں خد بھی نہیں چاہتی کہ ہر کوئی میری طرح ہو۔ جو غلتیاں مجھ سے ہوئی ہیں وہ کسی اور سے بھی ہوں۔" شزا نے غور کیا ایک دم سے وہ اسے عجیب لگی تھی لیکن اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ پہلے کی طرح ہو گئی۔

"تمھے اگر فجر میں اٹھنا ہے نہ تو تم ایک طریق آزماؤ۔ جب اٹھا نہیں جائے نہ تو خدا سے کہنا۔ دیکھ یار۔۔ اللہ کے لیے اٹھ جا۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ تم اس کے لیے اپنا آرام چھوڑو اور وہ تم کو خالی ہاتھ لوٹا دے۔ اللہ بہت خدادار ہے۔ اگر ہم اس کے لیے اپنی ایک چیز قربان کرتے ہیں نہ تو وہ اس ایک کو سو کر کے ہمیں لوٹا دیتا ہے۔" شزا کے چہرے پر ایک مسکان در آئی۔ "تمہیں پتا ہے تمہاری ان باتوں میں ایک الگ ہی سکون ہے وفا۔"

"سکون اللہ کے ذکر میں ہے ورنہ میں تو ایک دن میں بہت کچھ بولتی ہوں اور شام ہونے تک خدا بھی بھول جاتی ہوں۔" وہ مزے سے بولی تو شزا ایک دم سے ہنس دی۔ "تمہارے تو بہت سے دوست ہونگے نہ؟ تم اتنا آرام سے بنا ڈرے جو باتیں کر لیتی ہو۔"

"دوست کہلانے میں اور ہونے میں بھی بہت فرق ہوتا ہے شزا۔ کہنے کو تو سب دوست ہیں لیکن ہونے کو صرف اللہ اور پھر ہم خدا۔" شزا نے اسے نا سمجھی سے دیکھا اور پوچھا۔ "مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم تمہارے دوست ہیں کہنا تو بہت آسان ہے لیکن دوست بن کر دکھانا۔۔ ساتھ دینا۔۔ بہت مشکل۔ کہنے کو تو میرے بہت سے دوست ہیں پر مجھے پتا ہے جب اصلی دوست کی بات آتی ہے تو سب سے پہلے میرا سب سے اچھا دوست میرا اللہ ہے اور اس کے بعد میں خدا اپنی۔" شزا نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر اسے دیکھ کر تھوڑا ہیچکچا کر پوچھا۔

"کیا تم میری دوست بنو گی وفا؟ کہلانے والی نہیں۔۔ نبھانے والی۔" وفا کی اس کے پوچھنے سے مسکراہٹ گہری ہوئی اور اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"میں وعدہ تو نہیں کرتی لیکن کبھی موقع ملا تو انشاء اللہ کوشش ضرور کروں گی۔" شزا کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ "اچھا اور اگر مجھے اپنی اس نئی دوست سے ملنا ہوا تو؟"

"بس اتنی سی بات؟ تو لا بیری ہے نہ۔۔ خالی پریڈس میں میں وہیں پر ہوتی ہوں۔" پھر تھوڑا جھکی اور رازداری سے بولی۔۔ "نولز پڑھنے کے لئے۔۔" شزا نے بھی راز کی سی آواز میں پوچھا۔ "تم نولز پڑھتی ہو؟"

"ہاں۔۔ کیوں تم نہیں پڑھتی کیا؟" وفا نے حیرت اور مایوسی کے ملے جھلے تاصرات میں پوچھا تو شزا نے نفی میں سر ہلایا۔ وفا کا منہ لٹک گیا۔ "کیوں؟"

"پتا نہیں؟ شاید اسلئے کیونکہ وہ ساری ایک سی ہوتی ہیں اور اچھے بھی نہیں ہوتے۔ ہیرو بلکل ظالم اور ہیروئن بلکل بچھی سی۔۔ اور پھر دھیرے دھیرے ان کو محبت ہو جاتی ہے اور پھر بس کہانی ختم۔۔" شزا نے شانے اچکا کر کہا اور پھر وفا کو دیکھا تو اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وفا بلکل چپ بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی اور شاید اسے برا لگا تھا۔

"سوری۔۔ اگر تمہے برا لگا ہو تو۔۔" شزا نے جلدی سے معذرت کی۔ وفا پہلے تو اسے دیکھتی رہی پھر زور سے ہنسی۔ اپنی ہنسی بامشکل روکی اور شزا کو دیکھا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وفا کو اور زیادہ ہنسی آ گئی۔

"ارے بہن۔۔ سہی بولا۔ کچھ میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی ایک لیول اوپر۔ لیکن میں ایسی ناولز نہیں پڑھتی۔۔ میں جو پڑھتی ہوں اس میں مسٹری ہوتی ہے۔۔ ڈرامہ۔۔ محبت۔۔ اللہ کی باتیں۔۔ مزے دار کہانی۔۔ یہ سب ہوتا ہے۔" اسکی بات سن کر شزا کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"شکر ہے۔ میں سمجھی تم ناراض ہو گئیں۔"

"میں اتنی جلدی ناراض نہیں ہوتی اور سب کا الگ نظریا ہوتا ہے لیکن اگر تم میری طرح کی پڑھو گی نہ۔۔ تو تمہاری سوچ بدل جائیگی۔" وہ دونوں باتوں میں مگن تھیں اور آنے جانے والے لوگ انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے جو ہر چیز سے بے فکر ہو کر اپنی باتوں میں لگیں تھیں۔

"تمہیں پتا ہے وفا۔ میں آج پہلی بار کسی سے اتنی کھل کر بات کر رہی ہوں اور وہ بھی کسی ایسی لڑکی سے جو مجھے دوسری بار ملی ہے۔"

"تیسری بار۔" وفا نے تصدیق کی۔ "سمجھتی ہوں تمہاری بات بلکہ میں تو مانتی ہوں کہ دنیا بری ہے لیکن۔۔" تھوڑا آگے کو جھکی اور رازدار آنا انداز میں بولی۔ "لیکن مجھے لگتا ہے کہ دنیا اتنی بھی بری نہیں ہے بس۔۔ ہم کچھ زیادہ اچھے ہیں۔" اُس نے افسوس سے منہ بنا کر کہا اور خلخلا کر ہنس دی۔ اسے ہنستے دیکھ شزا کا بھی قہقہا گونجا۔ ہوا سے پتے بکھر رہے تھے۔ بادل آسمان کو گھیر چکے تھے اور ہلکی ہلکی بوندے پڑنا شروع ہو گئیں۔ انہوں نے پہلے آسمان کو دیکھا پھر ایک دوسرے کو اور جلدی سے اٹھ کر اندر کو بھاگ لگائی۔

صبح صبح کا وقت تھا۔ دھوپ پوری طرح سے نہیں پھیلی تھی۔ اور احمد مینشن میں آئیں تو ریاض جینس پر ہوڈی پہنے۔۔ بالوں کو سیٹ کئے اچھے سے تیار ہو چکا تھا اور اپنا عکس آئینے میں دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ وہ پوری طرح تیار تھا۔ لیزا کی پارٹی کے لئے نہیں بلکہ ازان کے لئے۔ اور پھر اس کے بعد اسے ازان کی بھابھی کو بھی تو ڈھونڈنا تھا۔ جو صرف پہلی بار میں ہی ناجانے اسے اتنی زیادہ پسند کیوں آئی تھی؟

"خدا خیر کرے۔۔ آج اتنی صبح صبح۔ کدھر جانے کا ارادہ ہے؟" ریاض کو تیار ہو کر ٹیبل پر بیٹھتے دیکھ صوفیہ کو حیرت ہوئی۔ انکے کہنے پر ارشد صاحب نے بھی بیٹے کو اچنبھے سے دیکھا۔ ان دونوں کے ریشمنز پر ریاض نے منہ بنایا۔

"کم اون امی۔ اب ایسی بھی کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ کونسا مجھے تاج محل کا خوفنا خزانہ مل گیا ہے جو آپ اتنی شوک ہو رہی ہیں۔"

"بیٹا جس قسم کی تمہاری حرکتیں ہیں نہ۔۔ خزانہ مل ہی نا جائے تمھے۔" ارشد صاحب نے بیٹے کو تپانے والے انداز میں کہہ کر اپنی بیگم کو دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔ صوفیہ نے ان کو آنکھیں دیکھائیں۔ "کیوں چھیڑ رہے ہیں میرے بیٹے کو؟"

"بیگم میں تو نہیں چھیڑ رہا لیکن آپکے صاحب زادے کی تیاری دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ ضرور جا رہا ہے کوئی لڑکی چھیڑنے۔"

"نہیں یار ڈیڈ۔ اب میں ایسا بھی نہیں ہوں۔ دوست کے ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔"

"ارے ہاں۔ ضروری کام سے یاد آیا۔ میرنے ایک لڑکی پسند کی ہے تمہارے لئے۔ اس کے گھر جانا ہے ذرا۔" یاد آنے پر صوفیہ نے خوشی سے بتایا اور یہ سن کر ریاض کو جو س پیتے ہوئے پھندا لگا۔

"نہیں امی پلیز۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔"

"تو کب کرنی ہے؟ ماشاء اللہ سے تینیس سال کے ہو گئے ہو۔ اپنے باپ کے بزنس میں بھی ہاتھ بٹانے لگے ہو۔ تو شادی کب کرنی ہے؟ اور ابھی تو میں صرف لڑکی دیکھ رہی ہوں۔"

دیکھنے بھالنے میں بھی وقت لگتا ہے یا اگر تم نے کوئی دیکھ رکھی ہے تو بتا دو۔" صوفیہ کے جواب کہنے پر ریاض زیریلب مسکرایا۔

"بس تھوڑا سا صبر کر لیں۔ پھر سیدھا آپ سے کہو ننگا کہ دیکھیے امی آپ کی بہو کھڑی ہے۔" ریاض کی بات پر صوفیہ کو ہنسی آئی جب کہ ارشد صاحب نے آنکھیں چھوٹی کر کر اسے غور سے دیکھا اور اسکا کندھا تھپتھا کر کہا۔

"بس ہاں بس۔ صبح ہو گئی ہے جاگ جاؤ۔ اب زمین پر آ جاؤ۔" اور ہنس دیے۔

"ڈیڈ پلیر یار۔" ریاض نے پہلے تو منہ بنایا لیکن پھر ان دونوں کو دیکھ کر خد بھی ہنس دیا۔

لابریری میں کتابوں سے بھری ہوئی اونچی الماریاں کھڑی تھیں۔ کھڑکیوں سے دھوپ اندر چھن کر آ رہی تھی اور وہ تینو وہیں ساتھ بیٹھیں باتیں کر رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ انکی دوستی کچھ دن پہلے ہی ہوئی ہے بلکہ دیکھنے سے ایسا لگتا تھا کہ ناجانے کب سے ساتھ ہیں۔ اسی وقت کسی کام سے شزا اٹھ کر گئی تو فائزہ وفا سے مخاطب ہوئی۔ "ایک بات کہوں وفا؟" وفا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہے پتا نہیں لیکن میں نے نوٹ کیا ہے کہ جب سے تم ملی ہو نہ۔ شہزاد بہت خوش رہنے لگی ہے۔ اور سچ میں میں اس بات سے کتنی زیادہ خوش ہوں بتا نہیں سکتی۔ اسنے جو کچھ دیکھا ہے اس کے بعد۔"

"جو کچھ دیکھا ہے مطلب؟" وفانے اسکی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھو شہزاد نے شاید تمہے نہیں بتایا تو میں بھی اس معاملے میں کچھ نہیں کہہ سکتی بٹ ٹرسٹ می اسنے بہت سفر کیا ہے لائف میں اور خاموشی تو اسنے اپنی عادت بنالی ہے۔ اپنے لئے نا بولنا۔۔۔ سبکی باتیں یا الزام سن لینا۔۔۔" فائزہ نے گہری سانس لی اور وہ وقفے کے بعد بولی۔

"میں نے پتا ہے اسے بہت بار سمجھایا ہے اسے کہ اپنے لئے بولا کرے لیکن خیر۔۔۔ دیکھو وفا میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ تم ایک بار کوشش کر کر دیکھنا پلیز۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری بات سمجھ جائے۔" وفا پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ اسکے خاموش ہونے پر بولی۔

"فائزہ میں نے بہت دوست دیکھے ہیں۔ اپنے بھی اور اپنی اپنی کے بھی۔ اور آخر میں اپنے بہت سے دوستوں سے ایک آد بار دل تڈوانے کے بات یہ بات سمجھ آ ہی گئی کہ ہمارا سب سے اچھا دوست اللہ ہے اور اسکے بعد ہم خدا اپنے۔ لیکن آج تمہاری باتوں سے مجھے احساس ہو رہا ہے کہ۔۔۔ اسکے بعد کچھ لوگوں کے تمہارے جیسے دوست بھی ہوتے ہیں۔" فائزہ اسے دیکھ کر صرف مسکرا دی اور اتنے میں ہی شہزاد بھی آگئی۔ "کیا بات ہو رہی ہے؟" شہزاد

معصومیت سے پوچھتی انکے ساتھ بیٹھ گئی۔ وفانے اسے محبت سے دیکھا اور اپنے انداز میں شروع ہوئی۔

"ارے اچھا ہوا جلدی آگئی۔ میں ابھی فائزہ کو اپنا ایک قصہ سنانے والی تھی اچھا ہے تم بھی سن و۔" وہ دونوں اسکی جانب متوجہ ہو گئیں۔ وفانے بتانا شروع کیا۔

"جب میں اسکول میں تھی نہ تو ایک بار میم نے مجھے مونیٹر بنایا تھا کیونکہ پہلے بھی میرا کلاس پر کنٹرول تھا اور میں پڑھائی میں بھی اچھی۔ اور ماشاء اللہ سمجھدار بھی۔" وہ مزے سے شوخی انداز میں بتا رہی تھی اور وہ دونوں ہنسی ضبط کیے ہوئے سن رہی تھیں۔

"سب سہی جا رہا تھا اور میں بھی سمجھال رہی تھی لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ مجھ پر بہت زیادہ برڈس پڑتا جا رہا ہے اور اوپر سے کلاس کے کچھ بچوں کو بھی میں خٹکنے لگی ہوں۔ سارے کام کے لئے مجھے ہی ادھر سے ادھر بھگایا جاتا اور چھٹی کے بعد بھی مجھے روکتیں۔ تو مجھے غصہ آتا۔ میرا مسئلہ پتا ہے کیا تھا میں نا نہیں کہہ پڑی تھی۔"

فائزہ ہنسی اور بولی۔ "ارے واہ شزا۔ نی بات پتا چلی۔ وفا کو غصہ بھی آتا ہے۔" اسکی بات پر شزا بھی ہنسی تو وفامنہ بنا کر بولی۔ "مجھے بہت برا والا غصہ آتا ہے لیکن مجھے میرے غصے پر کنٹرول ہے اسلئے سب کو یہی لگتا ہے۔۔ اچھا اب آگے تو سنو۔"

"ہاں ہاں سناؤ۔۔ آگے کیا ہوا۔" شزرا نے اسے مزید بتانے کو کہا اور فائزہ بھی سر ہلا کر منہ پر انگلی رکھ گئی۔

"ہاں تو پھر مینے اس بارے میں سوچا اور اپنی کو بھی بتایا۔ تو وہ بولیں تجھ سے زیادہ اہم تھوڑی ہے یہ سب۔ تو پہلے اپنے آپ کو دیکھ۔ تو پھر مینے ایک دن مونیٹر سے ہٹنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔" وفا رکی اور ان دونوں کو دیکھا جو اب بہت غور سے سن رہی تھیں۔

"سب کو شوک لگا کہ میں کیوں ہٹ رہی ہوں اور میم تو مجھے ہٹنے ہی نہیں دے رہیں تھیں اور بچے۔۔ سامنے روک رہے تھے لیکن میں بھی ڈٹی رہی۔ یہاں تک کہ میری ایک بہت اچھی دوست بھی مجھ سے کہنے لگی کہ وفامت ہٹو۔ کلاس کو تمہاری ضرورت ہے ورنہ اتنا اچھا کون سمجھا لگا۔ مجھے اتنا برا کسی بات کا نہیں لگا جتنا اس کا لگا کیونکہ مجھے امید تھی کہ کم سے کم وہ تو یہ سمجھ گئی کہ ہاں میں تھک رہی ہوں۔ میری طبیعت خراب ہے لیکن نہیں۔" وفانے گہری سانس لی۔ اسکے چہرے پر افسوس واضح تھا اور وہ دونوں ایک ٹک اسے سن رہی تھیں۔

"پھر تم نے کیا کیا؟" شزرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وفا ہلکا سا مسکرائی۔

"مینے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ میں اپنی بات پر قائم رہی۔ نا مینے سب میں اشتہار لگایا کہ میں کس وجہ سے ہٹ رہی ہوں اور نا کمزور پڑی۔ مینے بس یہی کہا کہ میرا دل راضی

نہیں ہے۔ اور آخر میں میم کو دوسری مونیٹر بنانا ہی پڑا۔ "فائزہ اور شزا نے خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ انکے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔

"مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی اور میں روئی بھی تھی۔ لیکن خیر۔۔ میں پھر بھی اپنے ساتھ کھڑی رہی اور میرا اللہ بھی تو میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس لڑکی سے اپنی دوستی ختم نہیں کی لیکن میں یہ سمجھ گئی۔" اسنے شزا کی آنکھوں میں دیکھا اور آواز آہستہ کی۔ "کہ کوئی ہمارے لئے تب تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک ہم خد اپنے لئے کچھ نہیں کرتے۔ جب تک ہم اپنی قدر خد نہیں کرتے نہ تب تک کوئی ہماری قدر نہیں کرتا۔ خاموشی صرف تب تک اچھی لگتی ہے جب تک وہ ہماری طاقت یا صبر ہو۔ اسے اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہیے۔" وہ خاموش ہو گئی اور شزا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اور فائزہ۔۔ اسکے چہرے پر ایک خوشی اور امید آ گئی تھی۔ کہ شاید۔۔ شید شزا سمجھ جائے۔ اسنے وفا کو دیکھا جو اپنے صرف ایک واقع سے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کر چکی تھی۔ لیکن اسکی کوشش کا کامیاب ہونا کس کو پتا تھا؟ کیا شزا سمجھی تھی؟ کیونکہ کوئی ہماری مدد تب تک نہیں کر سکتا جب تک ہم خود کی نہیں کرتے۔

باب-۵

ہندوستان کی راجدھانی دہلی کا موسم خاصہ خوشگوار تھا۔ سورج اپنی پوری طاقت سے لوگوں کے سروں پر چمک رہا تھا۔ دہلی کے لوگ اپنی بھاگ دوڑ بھری زندگی میں مصروف تھے اور دفاتروں میں بھی کام جاری تھے۔ ایسے ہی ایک دفتر کی اونچی سی امارت میں داخل ہونے پر وہاں موجود تیسری منزل کے ایک کینبن میں قیس نعیم اپنی پاور چیئر پر بیٹھا نظر آتا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگار تھا جب کے دوسرے سے وہ فون کان پر لگائے کسی سے ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ سوٹ پہن کر شاندار سا تیار ہوا وہ ایک پتالیس سال کا آدمی تھا۔ اسی دوران اس کی پی اے اندر آئی۔ "سر اپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" اس نے کافی ہچکچا کر خبر دی۔ قیس نے ناگواری سے اسے دیکھا اور الوداع قلمات کہہ کر فون ٹیبل پر ڈالا۔ اپنی پی اے کو دیکھتے ہوئے غصہ سے جھڈکا۔

"ویر از یور مینرز؟ ایسا کون آیا ہے جو تم نے مجھے بات کرتے ہوئے ڈسٹرب کیا؟" پی اے خاصہ گھبرا گئی۔ "سر کوئی لڑکا ہے۔ اپنا نام ازان اختر بتایا ہے اسنے۔" قیس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔ لیکن اس نے سر اثبات میں ہلا کر اجازت دی۔

کچھ دیر بعد نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس ازان اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ خد ہی قیس کے سامنے کرسی کھینچ کر ٹانگ پر ٹانگ ٹکا کر بیٹھ گیا اور چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا۔ قیس بالکل سنجیدہ اور الرٹ آگے کو ہو کر بیٹھا تھا اور نظریں ازان پر جمی تھیں۔

"مجھے اپنا تعارف کرانے کی تو ضرورت نہیں ہے ناں قیس معمول؟ چلیں اچھا ہے مددے پر آتے ہیں۔" ازان تھوڑا آگے کو ہوا اور قیس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"وفا اور آئمہ کہاں ہیں؟" قیس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تو ازان نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ "مجھ سے یہ نہ کہیگا کہ آپ نہیں جانتے یا کہ وہ زندہ نہیں ہیں کیونکہ لاشیں صرف ممّا اور ڈیڈ کی ملی تھیں اور میں جانتا ہوں کہ وہ زندہ ہیں اور ضرور آپ کے پاس ہیں۔" ازان نے سرد لہزے میں لفظ ادا کیے تھے۔ قیس لب بھینچ کر رہ گیا لیکن پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"دیکھو بیٹا۔ میں مانتا ہوں زویا میری سوتیلی بہن تھی اور اس نے فتح سے میری رضامندی کے خلاف شادی کی تھی لیکن اس کے بدلے میں اس سے تعلق ختم کر دیا تھا۔" صاف ظاہر تھا کہ ازان بڑی مشکل سے اپنا غصہ کنٹرول کر رہا ہے ورنہ اس کا بس چلے تو وہ ابھی قیس کو شوٹ کر دے۔ جب کہ قیس کافی نرمی سے پیش آ رہا تھا۔

"یقین کرو۔ مجھے بھی اس کا دکھ آج تک ہے لیکن مجھے اس بات کا زیادہ افسوس ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ اس سب کے پیچھے میں تھا؟ میں اپنی بھانجیوں کو نقصان پہنچاؤنگا؟ تو تم غلط ہو۔"

"اور۔" ازان نے اسے مزید بولنے کو کہا۔

"اور کچھ نہیں۔ لیکن دیکھو اس سے مینے سارے شکوے اسی وقت ختم کر دیے تھے جب مجھے اس کی موت کی خبر ملی۔ اور میں آیا بھی تو تھا دفن میں۔ تم سے پہلی ملاقات بھی وہیں ہوئی تھی میری۔ تمہیں یاد نہیں کیا؟" قیس بہت محبت سے اسے دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"اور۔" ازان نے محض اتنا کہا۔ اس پر قیس نے گہری سانس لی۔

"میں مان چکا ہوں وہ ایک حادثہ تھا۔ بہتر ہو گا تم بھی مان لو اور کیا پتا تمہے غلط فہمی ہو اور وہ دونوں بھی نہ بچ پائیں ہوں۔ یا خدا جانے انھے کوئی لے گیا ہو۔" ازان نے اپنا آپا کھو دیا اور ٹیبل پر ہاتھ مار کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"غلط بالکل غلط۔ ہماری پہلی ملاقات وہاں نہیں ہوئی تھی مسٹر قیس نعیم۔ مثلاً تو یہی ہے کہ مجھے سب یاد ہے۔ ہماری پہلی ملاقات وہاں مول میں ہوئی تھی جہاں ملنے پر تم نے میری ما کو دھمکی دی تھی کہ ان کو کبھی خوش نہیں رہنے دو گے۔ یاد آیا کچھ؟" قیس اسے حیرانگی سے دیکھ رہا تھا جو اس سے نفرت سے مخاطب تھا۔

"تم نے مجھے نہیں دیکھا تھا مگر میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ اس بچے نے دیکھا تھا اور ایک بات اور۔" ازان اسکی ٹیبل پر ہاتھ جما کر جھکا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "اس وقت وہ لڑکا ایک نو سالہ بچہ تھا لیکن آج جو تمہارے سامنے کھڑا ہے وہ ایک پچیس سالہ انسپکٹر ازان اختر ہے۔ اور یقین کرو۔۔ یہ ازان بہت خطرناک ہے۔" پھر سیدھا ہوا اور اپنا کوٹ درست کیا۔

"اور ان دونوں کو تو میں ڈھونڈھ ہی لوں گا لیکن اگر اس سب کے پیچھے تم نکلے ناں۔۔ تو تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا۔" انگلی سے تنبیہ کرتے ہوئے وہ اسی غصے سے باہر کو بڑھ گیا اور پیچھے قیس ہتھکڑیاں لگا کر دیکھا۔

ازان تیز تیز قدموں سے راہداری پار کرتا ہوا نیچے آیا تو سامنے سے آتے پیوں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس پیوں کے ہاتھوں میں ٹرے تھی جس میں پانی اور چائے رکھی تھی۔ پاس سے گزرتے ہوئے ازان نے اس کی جانب نہیں دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

پیوں اندر داخل ہوا تو قیس کو آرام سے مسکراتے ہوئے چیر پر بیٹھے پایا۔ اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور پہلے پانی دیا۔ "کیا بات ہے یہ ماسک کیوں لگا ہے تمہارے؟" قیس نے اس کے ماسک کو دیکھ کر پوچھا اور پانی کا گلاس منہ سے لگایا۔ "صاحب جی۔ خانی ہے تھوڑی سی ہم کو۔" پیوں نے کہتے ہوئے خانسا شروع کر دیا۔ "اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ رکھ دو چائے اور جاؤ۔"

"ارے ایسے کیسے صاحب جی؟ تم کو پتا ہے آج ہماری نوکری کا پہلا دن ہے۔ اور ہماری ام نے کہا ہے کہ ہم تم کا اچھے سے خیال رکھوں۔" قیس اس سے پہلے کچھ کہہ پاتا پیوں نے چائے اٹھا کر آگے بڑھائی اور جلدی میں قیس کے ہاتھ پر گرا دی۔ قیس بلبلا اٹھا اور تیزی سے واشروم میں بھاگا۔ پیوں اس کے جاتے ہی نیچے جھکا۔ ٹیبل کے نیچے سے کچھ اٹھایا اور جیب میں ڈالا۔ مڈا ہی تھا کہ۔۔

"اوے رک۔ کہاں بھاگ رہا ہے؟" قیس پیچھے سے چیخا۔

"ہم کو کہاں بھاگنا ہے صاحب جی؟ ہم تو تمہاری مدد کے واسطے کسی کو بلانے جا رہا تھا۔ تم ٹھیک تو ہو نا۔ تم کو زیادہ تو نہ جلا صاحب جی؟" پیوں فکر مندی سے اس کی جانب بڑھا۔

"وہیں رک جا۔ میں ابھی اور اسی وقت تجھے نوکری سے نکلتا ہوں اور ابھی ہیڈ آف اسٹاف کو خبر کرتا ہوں کہ تجھے آج کے دن کی تنخواہ بھی نہیں ملنی چاہئے۔"

"ارے ایسا نہ کرو صاحب جی۔ ہم بہت غریب آدمی ہوں۔ ہمارے ساتھ ایسا نہ کرو۔" قیس نے اس کی ایک نہیں سنی اور سکیورٹی کو بلانے کی دھمکی دی۔ تو وہ بیچارہ افسوس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ بلڈنگ سے نکل کر جاتے ہوئے اس پیوں نے بڈ بڈایا۔

"آپ سے اللہ پوچھیگا صاحب جی۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔۔۔ ہاں بس ان کی ما کو ڈھونڈنا باقی ہے۔" ریاض نے مسکرا کر ماسک ہٹایا اور چمکتی ہوئی دھوپ میں آگے بڑھ گیا۔

مسجدوں میں موزن زوہر کی نماز کے لئے لوگوں کو بلا رہا تھا۔ اور چند نمازیوں کا رخ مسجد کی جانب تھا۔ مسجد اللہ کا گھر ہوتی ہے لیکن اس وقت وہ اللہ کا گھر اللہ کے بندوں سے آدھا خالی تھا یا شاید صرف آدھا بھرا تھا۔

شرزا یونیورسٹی سے آئی خانا کھانے کمرے میں بیٹھی تھی کہ اتنے میں ہی شائستہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

"یہ کس کا ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ کیا تم نے چوری کی ہے؟" انہوں نے خاصہ غصے سے پوچھا اور شرزا کے قدموں میں چاندی کا کڈا پھینکا۔ "میں تمہارے کپڑے دیکھنے آئی تھی کہ کونسے تمہارے ساتھ تمہارے سسرال بھیجنے لایک ہیں۔ لیکن مجھے یہ ملا۔ کیا بچپن میں جوس کے علاوہ اور بھی کچھ چوری کرتی تھیں؟" وہ آگے ہاتھ باندھے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"امی وہ یہ میرا ہے۔ جب میری ما۔۔" شرزا کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ آٹکا۔ "مجھے دادی کے پاس دے کر گئی تھیں۔۔ تو یہ میرے ہاتھ میں تھا۔ دادی نے یہ سمجھال کر رکھ دیا

تھا۔ "شزا نے گھبراتے ہوئے وضاحت دی۔ شائستہ بیگم نے منہ بگاڑا اور ان کے شانے ڈھیلے پڑے۔ اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے جس رفتار سے آئین تھیں۔ ویسے ہی باہر چلی گئی۔ شزا نے جھک کر کڈا اٹھایا اور بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ "یا اللہ۔۔" روتے ہوئے اس کے منہ سے صرف یہی الفاظ نکلے تھے۔ اور بیشق بندا چاہے جہاں بھی چلا جائے لیکن تکلیف میں اسے صرف اپنا رب یاد آتا ہے۔

تھوڑی دیر میں ہی اس کا فون بجا تو اس نے آنسو صاف کیے اور کول اٹھائی۔ دوسری طرف وفا تھی۔

"ہیلو السلام علیکم شزا۔"

"ہاں وعلیکم السلام۔" وہ رونا بند کر چکی تھی لیکن آواز کدرے بھیگی ہوئی تھی۔ "تم رو رہی ہو شزا؟ کیا ہوا سب ٹھیک ہے نا؟" وفا اس کے لئے پریشان ہوئی۔

"نہیں یار۔ بس گلے میں درد ہے۔"

"یونیورسٹی میں تو نہیں تھا۔" وفا نے اس کا جھوٹ پکڑا۔

"درد کب ساتھ چھوڑتا ہے وفا؟ وہ تو ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ ہاں لیکن جب انسان اپنے دوستوں کے ساتھ ہوتا ہے تو اُسے کچھ دیر کو بھول جاتا ہے۔ خیر۔۔۔ تم بتاؤ سب ٹھیک؟"

"ہاں وہ مینے یہ بتانے کو فون کیا تھا کہ تمہاری گھڑی میرے بیگ میں رہ گئی ہے۔ کبھی تم پریشان ہو۔"

"اچھا۔ ٹھیک ہے تو تم سمجھال کر رکھ لینا کیونکہ اب تو تم ایک ہفتے بعد ہی آگرہ واپس اوگی۔"

"ہاں میں سمجھال کر رکھوں گی۔ تم بتاؤ خانہ کھا لیا؟" شزا نے ایک نظر سامنے ٹرے میں رکھے خانے کو دیکھا۔ "ہاں خالیا؟"

"ویسے جھوٹ بولنا گناہ ہے شزا بی بی۔" ادھر سے وفانے بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور لال لال سیب میں دانت گاڈے۔ شزا کے ماتھے پر بل پڑے۔ "اچھا اور آج جو تم نے فائزہ کے لئے میم سے جھوٹ بولا؟ وہ بھی گناہ تھا۔"

"اَسْتَغْفِرُ اللہ۔۔" وفا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ شزا کو ہنسی آئی جسے اس نے روک لیا۔ "میں جھوٹ نہیں بولتی شزا۔ ہاں بس دو انسانوں کو ایک دوسرے سے ملانے یا غلط فہمی دور کرنے کے لئے سچ چھپا لیتی ہوں۔" وفانے اپنے ازلی انداز میں سیب کھاتے ہوئے کہا۔

"اور یہ بھی تم نے کسی ناول میں پڑھا ہوگا وفا بی بی۔"

"نہیں یہ میرا اپنا ہے۔ اور تمہیں علم ہے؟ جب میں چھوٹی تھی نا تو میری ایک فینٹسی تھی کہ کسی دن کوئی ماباپ آئین اور کہیں کہ وفا ہماری بیٹی ہے اور میں سو دوسو کروڑ کی مالکن نکل آؤں۔"

"کیا!" شزا کا منہ حیرت سے کھل گیا اور پھر اس کا قہقہا گونجا۔ "سچ میں وفا۔ تم انٹیک ہو۔ تمہاری جیسی دوسری نہیں ملے گی۔"

"ہاں وہ تو میں ہوں۔ لیکن تم میرا مزاق بنا رہی ہو؟" وفانے منہ پھولایا۔ شزا کو بریک لگا۔ "نہیں۔ بلکل نہیں۔ سوری۔ اچھا اور بھی فینٹسیز ہو گئی تمہاری؟" شزا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بہت ہیں۔ لیکن اب میں تم کو نہیں بتانے والی۔ جاؤ دفا ہو جاؤ۔" وفانے کہا اور خد بھی ہنس دی۔

"اچھا تمہاری کوئی ہیرو یا شہزادے کی بھی فینٹسی ضرور ہوگی کیونکہ میں نے سنا ہے کہ جو لڑکیاں ناولز پڑھتی ہیں نا۔ ان کی ایکسیکیشنس بہت ہائی ہوتی ہیں۔"

"ہاں وہ تو میری بھی ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کیوں میں الگ ہوں اور شاید عجیب بھی۔ مجھے پتا ہے کہ یہ دنیا اس دنیا سے بہت مختلف ہے۔ یہاں ہر لڑکی کے لئے شہزادے یا ہیرو نہیں آیا کرتے۔ ہمیں اپنی شہزادی خد بننا پڑتا ہے۔ خد کے لئے خد کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ کبھی رو کر

تو کبھی ہنس کر۔ "شزا لا جواب رہ گئی۔ اسے وفا جیسی چلبلی لڑکی سے اتنے گہرے جواب کی توقع نہیں تھی۔ دوسری طرف سے وفا کی آواز سنائی دی۔

"لیکن ایک بات کہوں؟ مجھے میرا تو نہیں علم لیکن مجھے لگتا ہے انشاء اللہ تمہارے لئے کوئی شہزادہ یا ہیرو ضرور آئے گا۔" اس کی بات پر شزا ہنس پڑی۔ وفا کو اس کی ہنسی کچھ عجیب لگی تھی۔

"اپ کے علم میں اضافہ کرنے کے لئے عرض ہے کہ اسی مہینے میں میری شادی ہے۔"

"کیا؟" وفا اس بات پر خوشی سے اچھل پڑی۔ "سچ میں؟ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اور اتنی جلدی؟ مطلب یار۔ کتنا مزہ آئے گا تمہاری شادی پر؟ اور کیا پتا تمہاری جس سے شادی ہے وہی کوئی شہزادہ یا ہیرو ہو تمہارا۔" وہ ایک دم سے جوش میں آگئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ شخص کسی قسم سے ناول کا شہزادہ یا ہیرو نہیں لگتا اور یہ اصل زندگی ہے۔ ابھی تم نے خد ہی تو کہا یہ مختلف ہے۔" وفا نے منہ بگاڑا۔ "تو یہ بھی میں ہی کہہ رہی ہوں کہ یہ مختلف ہے۔ اگر اللہ چاہے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" اسکی باتوں پر شزا صرف "ہاں شاید" کہہ کر رہ گئی۔

"اچھا اب میں ذرا اپنی اپنی کو پریشان کر لوں۔ بیچاری صبح سے سکون سے ہیں اور تم خانہ گرم کر کر کھا لینا ٹھنڈا ہو گیا ہو گا رکھے رکھے۔ اللہ حافظ۔" وفا نے جلدی میں کہا اور فون رکھ

دیا۔ شزا نے ہتھکڑیاں چہرے کے ساتھ پہلے سامنے رکھے خانے کو دیکھا اور پھر اپنے فون کو۔ "اسے کیسے پتا چلا۔" وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

دلی میں موجود اونچی عمارتوں پر سے دھوپ کم ہو گئی اور سورج بھی مغرب کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ جامع مسجد کا علاقہ بہت بھید بھاڑ والا تھا۔ وہیں پاس میں ایک کالے رنگ کی بڑی سی گاڑی بھی کھڑی تھی۔ ریاض دور سے چلتا ہوا آیا اور کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ اب وہ واپس اسی لباس میں تھا جو اس نے صبح پہنا تھا۔ اسکے آتے ہی اذان نے کار سٹارٹ کر دی اور اب انکی منزل آگرہ تھی۔ وہ صبح بھی ایسے ہی آئے تھے۔ راستہ بائیں روڈ ڈھا آؤس کلو میٹر سے کم ہی تھا۔ اذان نے پانی کی بوتل ریاض کی طرف بڑھائی اور پوچھا۔

"اتنی دیر کیسے ہو گئی؟ میں پریشان ہو رہا تھا کہ پتا نہیں کیا ہوا؟"

"تجھے دیر کی پڑی ہے؟ مجھ بیچارے کو پہلے دن ہی نوکری سے نکال دیا اور اب میں اپنے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو کیا کھلاؤنگا۔" ریاض نے بوتل بند کر کے رکھتے ہوئے کہا اور اپنے نہ بہنے والے آنسو صاف کیے۔

"کیا؟ بچے کہاں سے آگئے؟ اور اب یہ نہ کہنا کہ تو نے وہاں اپنی اور ایکٹنگ کی دکان کھولی تھی۔" اذان نے اسے گھورا۔

"بچے اے نہیں ہیں لیکن آجائے۔ اور صرف دکان؟ مینے تو پورا مول کھولا تھا مول۔ اور آتے آتے اس کا چائے سے ہاتھ بھی جلا آیا۔" ریاض نے بڑی خوشدلی سے اپنا کارنامہ بتایا۔ ازان غصہ ہوا۔ "بہت غلط کیا تو نے۔ اگر پھنس جاتا تو کیا ہوتا؟"

"ریاض پھنسنے والوں میں سے نہیں پھنسانے والوں میں سے ہے۔ اور تو نے مجھے اندیکھا کیوں کیا وہاں سے نکلتے وقت؟ مجھے سچ میں برا لگا۔ تجھے دیکھ کے تو مجھے لگا تھا کہ کہیں اندر اسے غصہ میں مار وارنا آیا ہو۔"

"ان دیکھا نہیں کرتا تو کیا تیرے ساتھ وہاں ناچتا؟ اب چل بگ سے چپ نکال کر لیپ ٹوپ میں لگا۔" ریاض نے کوئی جواب نہیں دیا اور پیچھے سے لیپ ٹوپ اٹھا کر اس میں چپ لگانے لگا۔ "ایک بات بتا۔ تجھے لگا تھا کہ یہ پلان کام کریگا؟ کیونکہ میں اندر گیا تو وہ آرام سے بیٹھا تھا۔"

"بلکل مجھے یقین تھا۔ جتنی جانکاری مینے قیس کی نکالی تھی نہ اس سے میں سمجھ گیا تھا کہ یہ کام یہ انسان اکیلے نہیں کر سکتا۔ دلی میں بیٹھ کر آگرہ میں قتل کروانا اس جیسے کچے خلائی سے نہیں ہوگا۔ اور یہ اس سب میں ہے تو ضرور لیکن اس کے ساتھ اور کون ہے مجھے یہ جاننا ہے۔ اسی لئے تو اسے غصہ سے ڈرا کر اور یہ بگ چھوڑ کر آیا تھا تاکہ وہ جب اپنے ساتھی کو بتائے تو انکی گفتگو ہم تک پہنچ سکے۔" ریاض کی انگلیاں کی بورڈ پر تیز تیز چل رہی تھیں۔ اسنے سر اسبات میں ہیلایا اور پوچھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن وفا اور آئتمہ کو قیس کے پاس سے کیسے نکالنا ہے؟" ازان نے گہری سانس لی اور جواب دیا۔ "وہ دونو اسکے پاس نہیں ہیں۔ اور یہ میں پہلے سے جانتا ہوں لیکن ہو سکتا ہے اسکے ساتھی کے پاس ہوں۔"

"اچھا تو مطلب تو نے اسکے ساتھ خیل کھیلا ہے۔ اسے غصہ سے ڈرایا دھمکایا اور اپنے مطلب کی جانکاری نکلوا لی۔ بہت اچھے۔" ریاض نے خوشی سے ازان کی تعریف کی۔

"بلکل۔ ازان اختر کو لوگوں کے دماغ کے ساتھ کھیلنا بہت اچھے سے آتا ہے۔"

شزا خانا گرم کر کر لائی اور آرام سے بیٹھ کر کھایا۔ پھر واپس ٹرے رکھنے جانے کو اٹھی تو نعیمہ دروازہ نوک کر کے اندر آئی۔

"شزا آپ فری ہو؟"

"ہاں بس یہ رکھنے جا رہی تھی۔ تم بتاؤ کوئی کام تھا کیا؟"

"ہاں۔ نہیں وہ میں اپنی ایک دوست کے گھر جا رہی ہوں۔ اسکے بھائی کی بیٹی ہوئی ہے اسے دیکھنے۔ تو کیوں نا آپ بھی میرے ساتھ چلو لیکن آئی تھنک آپ نے ابھی خانا کھایا ہے تو مطلب آپ نے آرام بھی نہیں کیا ہوگا یونیورسٹی سے آکر۔ تو کوئی بات نہیں ہے۔" نعیمہ نے بہت محبت سے کہا تھا۔

"میری پیاری آرام کی بات نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلتی لیکن مجھے فائل بنانی ہے ایک۔" شزا تھوڑی شرمندہ ہوئی۔

"ارے آپ۔ کوئی بات نہیں۔ میں چلی جاؤنگی۔" نعیمہ شزا سے کہہ کر مڈنے لگی تھی کہ اسکی نظر سائیڈ ڈرور پر رکھے کڈے پر پڑی۔ "واو آپ۔ کتنا کیوٹ ہے یہ۔ چھوٹو سا۔۔ یہ آپ کا ہے؟" نعیمہ تعریف کرتی ہوئی کڈا دیکھنے لگی۔

"ہاں میرا ہے۔" شزا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو یہ میں لے جاؤں۔ مجھے ایک بار یہ کسی چھوٹے بچے کے ہاتھ میں دیکھنا ہے۔ میں پک آپ کو واپس کر دوںگی۔" نعیمہ بہت جوش اور امید سے پوچھ رہی تھی۔ شزا اسے منا نہیں کر پائی۔ اور اس بات میں سر ہلا دیا۔ "شکریہ آپ۔۔" نعیمہ خوشی سے کہتی باہر چلی گئی۔

واپس اگر دلی سے آگرہ کے جانے والے راستے پر آئیں تو وہ کالی کار اب تیز رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ اور اس میں بیٹھا ریاض اب سپیکر وِن کر رہا تھا۔ وہ ایک وائس ریکورڈنگ تھی اور اسے سے قیس نعیم کی آواز صاف آ رہی تھی۔ ازان نے گاڑھی سائیڈ پر روک دی اور پہلے توجہ سے سننے لگا۔

ازان کے دروازہ بند کر کے باہر جانے کی آواز آئی۔ پھر قیس کے اٹھنے اور کسی کو فون کرنے کی بھی۔ انکی خوش بختی یہ ہوئی کہ قیس کے فون کی آواز اس وقت تیز تھی اور وہ بگ کے پاس ہی کھڑا تھا تو دوسرے طرف کی بھی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ جسے وہ سن سکتے تھے۔

"ہیلو۔ ہاں وہ ازان آیا تھا۔" قیس کی گھبراہٹ ہوئی سی آواز ابھری۔

"کیا؟ ازان آیا تھا؟ مگر کیوں؟ اور تم اتنے گھبرائے کیوں ہو؟" دوسری جانب سے ایک بڑے عمر کے آدمی کی آواز ابھری جو کافی شناسا تھی۔ ازان اور ریاض نے ایک دوسرے کو نا سمجھی سے دیکھا۔

"ارے اسے شق ہے مجھ پر نسیم صاحب۔" کچھ دیر کو چاروں طرف سنٹا چھا گیا۔ باہر گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ لیکن وہ دونو اس ایک نام "نسیم صاحب" پر ہی ساکت رہ گئے۔ اب دوسری جانب سے آواز آرہی تھی۔

"ارے تو وہ شق کی بنیاد پر کیا کر لیگا؟ فکر نہ کرو۔ بچہ ہے ابھی۔ نیا نیا ہے۔ ہار کر خد ہی بیٹھ جاوے گا۔" کار میں نسیم کی آواز گونج رہی تھی اور وہ دونو سانس روکے سن رہے تھے۔ انہونے کبھی نہیں سوچا تھا کہ انکا کوئی اپنا اتنا گہرا زخم دے جاوے گا۔ اور بیشق گہرے زخم اپنے ہی دیتے ہیں۔

"وہ کہہ رہا تھا ان دونوں کو ڈھونڈھ لیگا۔" قیس کی آواز اب کدرے ٹھنڈی تھی۔

"اجی ہاں بس ڈھونڈھ لیا۔ ہمیں تو ملی نہیں وہ۔ خاگیے ہونگے جانور انہیں۔" وہ بہت نفرت سے انکا ذکر کر رہے تھے۔ "تم فکر نہ کرو قیس صاحب۔ کچھ نہیں ہونے والا اور باقی میں تمہیں مشورہ کر کے بتاتا ہوں اس معاملے میں کہ کیا کرنا ہے۔"

"ہاں صحتی کہہ رہے ہو۔ ٹھیک ہے۔" قیس اب بہت مطمئن تھا۔ اور فون کول ختم ہو چکی تھی۔ ریاض نے سپیکر بند کر دیا اور ازان نے خاموشی سے کار سٹارٹ کر دی۔ پوری کار میں خاموشی چھائی تھی۔ دونو چپ تھے۔ ایسا لگا تھا مانو سارے الفاظ ہی ختم ہو گئے ہوں۔

"آپ اپنے فیصلے سے مطمئن نہیں ہیں کیا؟" شائستہ بیگم حیرانگی سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں جو انکے سامنے راوکنگ چیر پر بیٹھے تھے۔

"پتا نہیں شائستہ۔۔ اسد اچھا لڑکا ہے لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔ کہیں میں جلدی یا کچھ غلط تو نہیں کر رہا؟" وہ بہت نرمی سے اپنی بات بیوی کے سامنے رکھ رہے تھے۔

"اپ کو یونہی لگ رہا ہے۔ ورنہ مینے پوری جانچ کی ہے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن شزا نے صرف میرے لئے ہاں کی ہے۔ بس میں چاہتا ہوں اس بچی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو مجھ سے۔" شاستہ کا ہلکے سے کڑوا ہو گیا تھا لیکن وہ پھر بھی خاموش ہو گئی۔

کالی رات آسمان پر پھیلی چکی تھی اور ہوا بھی چل رہی تھی لیکن آج چاند نے بادلوں سے پردہ کر رکھا تھا۔ سفر پورا کر کے وہ دونوں اب آگرہ پہنچ چکے تھے۔ پورے راستے کار میں خاموشی رہی تھی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اذان نے ریاض کے گھر کے باہر گاڑی روک دی۔ لیکن نہ ریاض اترا نہ اذان کچھ بولا۔

"کیا ہوا آج کار میں ہی سونے کا ارادہ ہے کیا؟" کچھ وقت بعد اذان نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے پوچھا۔ اسکی سائیڈ پر روڈ اور پیڈ تھے اور وہ انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ریاض پورا اسکی جانب مڑا۔

"اذان مجھے یقین نہیں آ رہا یہ سب۔۔۔ یہ سب کوئی خواب ہے کیا؟" وہ بہت بے چین تھا البتہ اذان اس کے برعکس بے تاصر تھا یا شاید اپنا تاصر چھپا رہا تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے تھے اور کوٹ پچھلی سیٹ پر پڑا تھا۔ شرٹ کی آستینے کلاہوں سے تھوڑا اوپر مڑی تھیں۔ اس بکھرے ہلیے میں بھی وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

اس نے ریاض کی جانب دیکھا۔ "تجھے کیا لگتا ہے مجھے یقین آ گیا ہے؟ مجھے تو یہ تک سمجھ نہیں آ رہا کہ میں ریکٹ کیسے کروں؟ لیکن ہمارے نہ ماننے سے سچ نہیں بدل جائے گا۔" ازان نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا لیا۔ وہ اس وقت بہت الجھا ہوا تھا۔ ریاض چپ ہو گیا پھر کچھ دیر بعد بولا۔

"لیکن نسیم معمولیہ کیوں کریں گے؟ کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہئے؟" ازان نے اسکی طرف دیکھا اور غصہ سے بولا۔ "وجہ ہے۔ پروپرٹی۔۔ پیسہ۔۔ لالچ۔" اور ریاض کو لگا اسنے بہت بے رحمی سے سچ کہا ہے۔

"لیکن کیسے؟ نانوں نے تو امی کی شادی پر ہی بٹوارہ کر دیا تھا نہ؟" ریاض اب بھی نہیں سمجھا تھا۔ ازان نے گہری سانس لی اور اسے سمجھایا۔

"دیکھ۔ دادا نے کر دیا تھا مگر پھوپھو کو پیسہ ڈیڈ نے دیا تھا اسلئے ڈیڈ کے شیرس پچاس پرسینٹ ہیں اور نسیم اور احمد چاچو کے پچیس پچیس۔ احمد چاچو کے کاروبار کا حصہ نسیم چاچو نے خرید لیا تھا کیونکہ انہیں ہسپتال کے لئے ضرورت تھی۔ اب کاروبار میں نسیم چاچو اور ڈیڈ پارٹنرز ہوئے۔ دادا کے لئے سب ایک جگہ رہتے ہیں اور بہت خوش ہیں۔ لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ نسیم چاچو پیسے کے پیچھے کتنے پاگل ہیں۔" ریاض نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"اب سمجھا مطلب فتح معمولی کے بعد ہر چیز پر خاص کر کے بزنس پر نسیم معمولی کا قبضہ ہے۔" پھر اور سر ہلا کر بولا۔ "اچھا۔" جبھی تو میں سوچ رہا تھا کہ سوہیل کاروبار میں اتنی دلچسپی کیوں لینے لگا؟ "ازان چپ رہا۔"

"لیکن یار اب ہم ان دونوں کو کیسے ڈھونڈھینگے؟ انکی باتوں سے تو لگتا ہے کہ ان کو ان کا نہیں معلوم۔"

"میں بھی تو یہی سوچ رہا ہوں کب سے۔ مگر میں دو باتیں تو سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا؟" ریاض پوری طرح اسکی طرف متوجہ تھا۔ ازان نے انگلی سے اشارہ کیا۔

"پہلی۔۔ وہ دونوں جہاں بھی ہیں۔ ان لوگوں کی پہنچ سے تو دور ہیں۔" دوسری انگلی کھولی۔ "اور دوسری۔۔ اس سب میں کوئی اور بھی شامل ہے۔ کیونکہ آخر میں نسیم چاچو نے کہا کہ باقی میں مشورہ کر کے بتاتا ہوں۔ یعنی کوئی اور بھی ہے جو انکے ساتھ ہے اور سب جانتا ہے۔"

ریاض نے سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن کون؟ شاید کوئی دوست۔ عیدوا نزر یا پھر۔۔۔ کوئی گھر کا؟" ازان کا چہرہ سفید ہو گیا۔ مانو کسی نے سارا خون نکال لیا ہو۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پھر ریاض کو اسکی ہلکی روندھی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تجھے معلوم ہے ریاض۔۔ دنیا سے جیتنا آسان ہوتا ہے۔ یہ تو اپنے گھر والے ہوتے ہیں جن سے انسان ہار جاتا ہے۔" پل بھر کو ریاض لاجواب رہ گیا۔ پھر اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہزے میں کہا۔

"میں سمجھتا ہوں یہ سب تیرے لئے بہت مشکل ہے لیکن دیکھ بھائی۔ جذبات میں اس وقت کوئی ایسا کام نہیں کرنا کہ انہیں علم ہو جائے کہ تو سب جانتا ہے۔ کیونکہ۔۔ جو شخص اپنے بھائی کا نہ ہو تو پھر تو اس کا پھر کوئی نہیں۔" ازان نے اس بات میں سر ہلایا۔ "اور دیکھ تو اکیلا بالکل نہیں ہے۔ میں ہوں تیرے ساتھ اور ریاض احمد اپنے دوستوں کا ساتھ اتنی آسانی سے نہیں چھوڑا کرتا۔" اس کے ماہول کو ہلکا کرنے کے لئے کہنے پر ازان اس کی طرف دیکھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا۔

"ہیلو السلام علیکم۔" فون کے رسیو ہونے پر ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔

"مسیس فرزانہ اختر کو فون دیا جائے۔" دوسرے طرف سے لہزا حکمیہ تھا۔

"کیا سلام کا جواب دینا بھی نہیں آتا آپ کو؟" اس لڑکی کی آواز ہلکی طنز میں بدلی۔

"اوہ جسٹ شٹ اپ۔۔ میں ملازمو سے بات نہیں کیا کرتا؟" اس بار رائے کے ماتھے پر بل پڑے اور آواز میں تھوڑی کڑواہٹ گھلی۔ "او ہیلو مسٹر۔ میں کوئی ملازما نہیں ہوں۔ اس حویلی

کی ہونے والی بہو اور اس حویلی کے بیٹے ڈاکٹر احمد اختر کی ہونے والی بیوی ہوں۔ بہتر ہوگا ذرا تمیز سے بات کریں۔ اور اگر میری جگہ سچ میں کوئی ملازم ہوتا تو کیا ملازم انسان نہیں ہوتے؟"

احمد کو حیرت ہوئی۔ یہ لڑکی کیا تھی کہ اس کے نام کی اسے ہی اکڈ دکھا رہی تھی۔ لیکن وہ بھی کہاں پیچھے رہنے والوں میں سے تھا۔

"تو میری ہونے والی بیگم صاحبہ۔ اپنی ساس جی کو خبر دے دینا کہ اپ کا ہونے والا شوہر کل ڈگری ملنے کے بعد شام کو واپس آ رہا ہے۔ اور ابھی تو مجھے ڈگری ملی بھی نہیں اور اپ نے پہلے ہی میرے نام کے آگے ڈاکٹر لگا دیا۔"

رائہ کو چپچی لگی اور اس نے فون رکھ دیا۔

فون کی بیل پر احمد کو ہوش آیا۔ انہوں نے دیکھا ازان کے انتظار میں لاؤنچ میں ہی بیٹھے بیٹھے ان کو جھپکی آگئی تھی۔

حویلی سے تھوڑی ہی دور جائیں تو رات کافی ہو چکی تھی لیکن وہ دونو ابھی ابھی احمد مینشن کے باہر کار میں بیٹھے تھے۔

"اب پہلے یہ پتا لگانا ہے کہ وہ دونو کہاں گئیں؟" ازان نے سنجیدہ لہزے میں سوچتے ہوئے کہا۔

"مگر کیسے؟ آئی مین ان کا تو کوئی بھی نشان نہیں ہے۔ ایکسیڈنٹ بھی جنگل کے علاقے میں ہوا تھا۔ کہیں سچ میں تو جنگلی جانور۔۔" ریاض بات مکمل نہیں کر سکا اور خاموش ہو گیا۔ "نہیں۔۔ وہ زندہ ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ بچ گئی تھیں۔ مینے بہت معلومات حاصل کی ہے۔ اس رات پورے آگرہ میں دو اس عمر کی لڑکیوں کی لاش تو کیا ٹکڑا تک نہیں ملا اور اگر ملی تو وہ انکی نہیں تھی۔" اسنے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"شروع سے شروع کرتے ہیں۔۔ وہ لوگ ایک ساتھ واپس آرہے تھے۔ راستے میں کار کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ جس میں بلاسٹ کی وجہ سے ڈیڈ کی لاش کار میں ہی جلی ملی البتہ ماما کی وہاں سے دور ایک آبادی والے علاقے میں۔ وہ بھی ایکسیڈنٹ سے۔ کیسے؟ لیکن اس سب کے درمیان سے وہ دونوں غائب۔ زمین خاگی یا آسمان نغل گیا؟"

"کیا معلوم ماما اپنی جان بچانے کے لیے یا مدد کو گئی ہوں وہاں؟" وہ سنسان سڈک پر کار میں بیٹھے کڈی سے کڈی ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"نہیں یار۔ وہ ایک مانتھیں۔ خد سے پہلے اپنے بچوں کو بچاؤ۔"

"کیا پتا انہوں نے یہی کیا ہو؟" ریاض نے الجھ کر ازان سے کہا۔

"مطلب؟" اس نے اسے نہ سمجھی سے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ کیا پتا مامی انہیں اپنے ساتھ لیکر گئیں ہوں؟ آئی مین آج وہ شہر کا ایک بڑا علاقہ ہے۔ سولہ سال پہلے بھی تھا۔ کیا پتا مامی نے انہیں حفاظت کے لیے کہیں چھپا دیا ہو۔" ریاض سوچ سوچ کر بول رہا تھا اور ازان بہت غور سے سن رہا تھا۔ "شاید کسی گھر میں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے کیونکہ اس وقت وہ صرف پانچ سال کی تھیں۔ اتنے چھوٹے بچوں کو تو تھوڑی دیر کے لئے کوئی بھی رکھ لگا۔" واقعے کے بعد بولا۔ "ایک کام کر سکتے ہیں۔ کسی طرح یہ پتا چل جائے کہ اس علاقے میں کتنے گھروں میں اکیس سال کی لڑکیاں ہیں۔ یا پہلے کسی گھر میں کوئی بچا چھوڑ گیا تھا یا وہاں کہیں چھوٹے بچے ملے تھے۔" ریاض کو اس کے آئیڈیا پر جھٹکا لگا۔

"او۔ بھائی ہم لڑکے ہیں۔ گھروں میں اگر لڑکیوں کا پوچھنے جائینگے نہ تو جوئے خائینگے۔" ازان نے منہ بگاڑا۔ "ابے پاگل۔ کس نے کہا کہ ہم گھر گھر جا کر پوچھینگے۔ تو زیادہ مت سوچ۔ میں جانکاری نکلوا لوں گا۔ تو اچھا گمان رکھ اللہ سے۔ جس نے یہاں تک پہنچایا ہے۔ وہ ایک دن ملو ابھی دیگا۔"

ریاض انشاء اللہ کہہ کر اتر گیا تو ازان نے پکارا۔ "ریاض سن۔ تھینک یو۔" ریاض ہنس کر کھڑکی پر ہاتھ ٹکا کر اسے کہنے لگا۔

"تھینک یو کے بدلے تو مجھ سے ایک وعدہ کر کہ اس کیس میں ہم دونو ساتھ ہیں۔ تو مجھ سے کچھ نہیں چھپایگا۔ لیکن میرے دماغ میں ایک آئیڈیا ہے کہ کیوں نا میں بھی ڈیٹیکٹیو بن جاؤں۔ دونو مل کر کیسیس حل کریں گے۔" ازان اسکی باتوں پر صرف ہنس دیا اور گاڑی سٹارٹ کر کہ آگے بڑھا دی۔

ہر دن کی طرح نی صبح تلو ہوئی تو تاج محل کا عکس جمنا کے پانی پر چمکنے لگا۔ آج اتوار کا دن تھا اور سبھی گھر میں موجود تھے۔ بچن کی کھڑکی سے گرما گرم پراٹھوں کی خشبو کے ساتھ ساتھ دھواں بھی آرہا تھا۔ آسمانی رنگ کا سادہ شلوار قمیض پہنے شزا ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔ بال جوڈے میں بندھے تھے اور دوپٹا آگے گلے میں ڈلا تھا۔ ناشتہ بنا کر اور شیلف صاف کر کے وہ مڈی تو سامنے ہی انس اندر داخل ہوتا نظر آیا۔ شزا نے جلدی سے سر ڈھکا اور دوپٹہ اپنے گرد پھیلایا۔ وہ چلتا ہوا اسکے بالکل سامنے آکھڑا ہوا اور سخت لہزے میں پوچھا۔

"تم نے پایا کو ہاں کیوں کی ہے؟" شزا کا سر جھکا تھا لیکن آج وہ خاموش نہیں رہی تھی۔ ہلکی آواز میں انس کو جواب دیا۔

"پاپا نے پوچھا تھا۔ مینے ہاں کر دی۔ اس میں اپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔" انس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ پھر میں بھی دیکھتا ہوں تمہاری شادی میرے علاوہ کس سے ہوتی ہے؟"

"چاہے کسی سے ہو یا نہ ہو۔ لیکن آپ سے تو کبھی نہیں ہوگی۔" شزا نے اسکو دیکھا تک نہیں اور ناشتہ لے کر باہر نکل گئی۔ انس پیچھے غصے سے مٹھیاں بھیج کر رہ گیا۔

مختار صاحب اخبار پڑھ رہے تھے اور ٹیبل پر سب موجود تھے۔ شزا سب کو چائے دے رہی تھی۔

"شزا آپ۔ آپ بیٹھ جائیں۔ چائے میں دے دیتی ہوں آج۔"

"کیوں وہ دے تو رہی ہے نعیمہ۔" شزائستہ بیگم نے نعیمہ کو جھڈکا اور پھر شزا کی جانب متوجہ ہوئیں۔ "ہاں شزا میں سب کے سامنے آج ہی بتا دیتی ہوں کہ تم کل یونیورسٹی سے جلدی آ جانا۔ شادی کی شوپنگ کے لئے جانا ہے۔ وقت پتا نہیں چلیگا اب اور سمرین بھی آجائیں گی۔" شزا نے ایک نظر انس کو دیکھا لیکن وہ بالکل بے نیاز سا ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔ جیسے اسے مطلب ہی نہ ہو۔ شزا بھی اس بات میں سر ہلا گئی۔

"اچھا ہے۔ شوپنگ سے تم لوگوں کا دل بھی لگ جائیگا۔ میں تو کل شہر باہر جا رہا ہوں۔"

"مگر کیوں پایا؟" علی نے پوچھا۔

"ایسے ہی کچھ ضروری کام ہے۔" انہوں نے اخبار سائیڈ میں رکھتے ہوئے سرسری سا جواب دیا۔

"امی میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" انس نے کپ منہ سے لگاتے ہوئے ما سے کہا۔ اس کے اچانک سے کہنے پر شائستہ بیگم سنگ سبھی کو جھٹکا لگا۔ نعیمہ کا ہاتھ منہ تک جاتے جاتے رہ گیا اور شزا کے دل میں ایک ڈر کی لہر ڈوڑی۔

"کس سے بیٹا؟" شائستہ بیگم نے بامشکل پوچھا۔

"میری ایک پرانی دوست ہے اس سے۔" منے کہہ دیا تھا اسے کہ آج آپ اسکے گھر جائیگی۔ اور اچھا ہے پھوپھو بھی آ رہی ہیں تو آپ دونوں ساتھ چلی جانا۔"

"بلکل بیٹا۔ جیسی تمہاری خوشی۔" انکے چہرے پر خوشی پھیل گئی البتہ مختار صاحب خاموش رہے۔ انہوں نے بس ایک نظر بیٹے اور بیوی کو دیکھا تھا۔ وہ انکے دل کا خوف اچھے سے جانتے تھے۔

ایک ایک کر کے سب لوگ ناشتہ کر کے اٹھ گئے تو شزا بھی کچن میں برتن دھونے لگی۔ "یہ کیسا انسان ہے؟ ہر پل رنگ بدلتا ہے؟" شزا نے سوچا۔ ایک پل کو تو وہ سچ میں ڈر گئی تھی۔ لیکن پھر اسنے سر جھٹکا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اسنے اسے اس دوغلے شخص سے بچا لیا۔ اب وہ کل کے بارے میں سوچ رہی تھی لیکن جو اصل میں کل ہونے والا تھا وہ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

اگلا دن آیا تو اپنے ساتھ نی صبح اور بہت سی نی کہانیاں بھی لایا۔ کچھ اچھا تو کچھ برا بھی۔ لیکن کون جانتا تھا کہ آج کس کا مقدر کہاں جانے والا ہے؟ کسے کس سے ملوانے والا ہے؟ بیشق اللہ کے علاوہ اور کون جانتا ہے کہ کس روز کونسی نی کہانی کی شروعات ہونی ہے؟

سویرے سے ہی آج انچے آسمان پر بادلوں کا قبضہ تھا۔ اور انہوں نے شہر پر سورج کی ایک بھی کرن نہیں پڑنے دی تھی۔ "چل شزا میں چلتی ہوں۔ بھائی آگے ہونگے اور تجھے بھی تو جلدی جانا ہے نہ آج؟" فائزہ نے گیٹ سے تھوڑی دور رکتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں بھی بس میم سے نوٹس لے لوں پھر نکلتی ہوں۔" شزا نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن دھیان سے جانا۔ اگر ضروری نہیں ہوتا تو میں سچ میں رک جاتی۔"

"ارے بہن۔ میں چھوٹی بچی تھوڑی ہوں۔ چلی جاؤنگی۔ تو پریشان مت ہو۔" فائزہ نے صرف اس بات میں سر ہلا دیا اور چلی گئی۔

کچھ دیر بعد شزا روڈ پر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ آج سادہ گلابی رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس تھی اور دوپٹا سر پر ڈھکا تھا البتہ اس نے اپنے اوپر چادر بھی لے رکھی

تھی۔ روڈ کافی خالی تھا تو اسے رکشہ بھی نہیں مل سکا۔ اسی وقت دو بائیک سوار اے اور اسے راستے میں روک لیا۔ "جلدی جلدی بیگ دے ادھر۔" ایک نے اتر کر اس سے کہا۔ شزا نے مدد کے لئے نظر دوڑای لیکن روڈ پر بہت کم لوگ آ جا رہے تھے۔

"اے لڑکی۔ ادھر ادھر کیا دیکھ رہی ہے۔ لا بیگ دے ادھر۔" ایک آدمی نے چیکھتے ہوئے اسکے سر پر گن تانی اور بیگ چھین کر نو دو گیارہ ہو گئے۔

شزا کو کچھ لمحے تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ اسکے ساتھ یہ ہوا کیا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر اپنے خالی ہاتوں کو دیکھا اور پھر اپنے ارد گرد۔ "یا اللہ۔۔۔ اب میں کیا کروں؟" ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے شزا نے لفٹ کے لئے دیکھا تو ایک گاڑی والا رکا۔ اس نے شزا کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور اشارے سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ اب باقاعدہ روحانسی ہو گئی تھی۔

اتنے میں ہی ایک ریڈ سپورٹس کار رکی اور اس میں سے ایک لڑکی نے اسکی جانب دیکھا۔ وہ بلیک جینس پر کریم لونگ کوٹ پہنے۔ بالوں کو جوڈے میں باندھے آرزو تھی۔

"کیا ہوا لفٹ چاہیے؟" آرزو نے اپنے مغرور انداز میں پوچھا۔ شزا پہلے تو چپ رہی پھر حمّت کر کے اسے ساری بات بتائی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ "اوہ اچھا۔ چلو ہم تمہیں پولیس اسٹیشن چھوڑ دیتے ہیں۔"

"پولیس سٹیشن؟ شزا اور گھبراہٹ کی۔ آرزو نے گہری سانس لی۔" دیکھو۔ بقول تمہارے۔ تمہارے بیگ میں تمہارا فون۔ پیسے۔ آئی ڈی۔ وغیرہ سب تھا۔ تو ایف۔ آئی۔ آر۔ تو کرانی چاہیے نا۔" نرم لہزے میں بات کرتے ہوئے وہ اس وقت ایک بہت مختلف آرزو لگ رہی تھی جو ایک انجان لڑکی کے لئے فکر مند تھی۔

"آپ پلیز میری ایک کول کرا سکتی ہیں میرے پاپا کو؟" شزا کے پوچھنے پر آرزو نے اسے اپنا فون دے دیا۔ اس نے مختار صاحب کو فون کیا اور انہیں پوری بات بتائی۔

"بیٹا پریشان مت ہو۔ یہ لڑکی سہی کہہ رہی ہے پہلے ایف۔ آئی۔ آر۔ کرا دو۔ اور گھر پر میں بتا دوں گا۔ تم واپسی پر مجھے بتا دینا میں انس یا علی میں سے کسی کو تمہیں لینے بھیج دوں گا۔" ان کے سمجھانے پر شزا کی گھبراہٹ کم ہوئی اور وہ بات کر کے کار میں بیٹھ گئی۔

"Well..what is your name?"

آرزو نے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔

"Shiza..and yours?"

"آرزو اختر۔" آرزو نے بہت فخر سے اپنا نام بتایا تھا۔ اور کچھ ہی دیر میں وہ لوگ پولیس سٹیشن کے سامنے موجود تھیں۔ "یہاں میرا ایک کزن بھی ہے۔ انسپکٹر ازان اختر۔ اگر کوئی پروہلم ہو تو اس سے ہیلپ لے لینا۔ بہت اچھا انسان ہے منا نہیں کریگا۔"

"تھینک یو آرزو۔" شزا نے اترتے ہوئے اسکا شکریہ ادا کیا۔ آرزو صرف مسکرا دی اور کار بڑھالے گئی۔

اگلے منظر میں شزا کرسی پر بیٹھی تھی اور سامنے موجود لیڈی افسر سے بات کر رہی تھی۔ وہ شخص پولس یونیفورم میں ملبوس کچھ مصروف سائیکلین سے باہر نکلا اور انکی ٹیبل کی جانب آیا۔ "بلو والی فائل کہاں ہے اوفیسر؟" وہ لیڈی اوفیسر سے مخاطب ہوا تو شزا نے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی نظر اس شخص کی نیم پلیٹ پر پڑی تو اس پر "ازان اختر" نام چمک رہا تھا۔

شزا نے دیکھا کہ صاف رنگت پر کالی آنکھیں۔ اونچی ناک اور بنی ہوئی بیرڈ والا پولیس کی وردی میں وہ شخص واقعی بہت ہینڈسم تھا اور اس کی پرسنلیٹی پر اس کا یہ نام چلتا بھی تھا۔ شزا نے نظریں جھکا لیں۔ وہ فائل لیکر مڈنے ہی لگا تھا کہ اس کی نظر اس لڑکی پر پڑیں جو اپنے آپ کو چادر میں چھپائے کافی گھبرائی ہوئی سی لگتی تھی۔

"کیا کیس ہے؟" ازان نے شزا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لیڈی افسر سے پوچھا تو اس نے بھی ازاں کی جانب دیکھا۔ "سر۔۔ ان کا سمان چوری ہو گیا ہے۔" لیڈی افسر بتا رہی تھی۔ ان دونوں کی نظریں ایک لمحے کو ٹکرائیں۔ کالی آنکھیں بھوری آنکھوں سے ملیں اور پھر شزا نے نظریں جھکا لیں اور ازاں بھی افسر کی بات پر سر ہلا کر کیمین میں چلا گیا۔ بس ایک لمحے

کا اہل تھا اور یہ سولہ سال بعد ان کی پہلی ملاقات تھی۔ جس میں اس نے اس لڑکی کا نام تک نہیں جانا تھا جو اس کے مقدر میں شاید بہت پہلے ہی لکھی جا چکی تھی۔



باب-۶

کہتے ہیں مقدر بہت بے اعتبار چیز ہوتا ہے۔ نا جانے انسان کو کب کہاں لے جائے؟ کب کس سے ملا دے؟ اور کب کس سے جدا کر دے؟ انسان اپنے پلانز بناتے رہ جاتے ہیں اور اللہ کا بنایا ہوا پلان پورا بھی ہو جاتا ہے۔ اور انسان کچھ سمجھ ہی نہیں پاتا۔ ہماری کہانی میں بھی شاید کچھ ایسا ہی ہونا تھا۔

جمنا کا پانی آج کافی تیز بہاؤ سے بہ رہا تھا۔ ٹھنڈی تیز ہوا چل رہی تھی اور کالے بادل بھی سب میں چھائے تھے۔ ابھی مغرب کا وقت بھی نہیں ہوا تھا مگر کالے بادلوں سے اندھیرا لگتا تھا۔ تارکول کی لمبی اور چوڑی روڈ پر سر جھکائے شزا تیز تیز قدم بڑھا رہی تھی۔ اسے پولیس اسٹیشن میں خاصہ دیر ہو گئی تھی۔ اس نے لیڈی افسر کے فون سے پایا کو کال کی تو وہ رسیو ہی نہیں ہوئی۔ اسے کسی اور کا نمبر بھی اتنے اچھے سے یاد نہیں تھا۔ نمبر یاد رکھنے کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے ہی خراب تھی۔ سڑک پر بہت کم گاڑیاں آ جا رہی تھیں اور روز کے مقابلے سے آج روڈ کافی خالی تھا۔ اسے رہ رہ کر رونا اور غصہ آ رہا تھا۔ اپنی ہی سوچوں

میں گم وہ تیز رفتار سے بڑھ رہی تھی جب اس کے برابر سے ایک سفید بڑی کار آکر رکی جس میں وہ شخص موجود تھا۔ شزا کو یاد آیا جس کا نام شاید اذان تھا۔

"آپ اکیلی جا رہی ہیں؟" وہ سنجیدہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ شزا نے سر جھکا لیا اور آگے بڑھنے لگی۔ "ایک منٹ۔۔ آپ دیکھ سکتی ہیں میں ایک پولیس والا ہوں۔ کوئی سڈک چلتا نہیں۔ آپ کا اکیلے جانا ٹھیک نہیں رہیگا۔ آپ کسی کو بلا لیں۔" شزا نے بنا اس کی جانب دیکھے کہا۔ "آپ میرے لئے پریشان مت ہوں۔ میں اکیلی چلی جاؤنگی۔"

"میں پریشان ہو بھی نہیں رہا۔ اس جسٹ مائی ڈیوٹی۔۔ آپ کو شاید علم نہیں لیکن آج رکشہ وغیرہ کی اسٹرانک ہے اور موسم بھی ٹھیک نہیں ہے۔" اس کی بات پر شزا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ کچھ دیر میں ہی کوئی سواری اسے مل جائے گی۔ اذان شاید سمجھ گیا تھا جیسی بولا۔ "دیکھیں۔۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں باقی آپ کی مرضی۔ مگر میری مائیں تو اکیلی نہ جائیں۔" شزا کچھ لمحے تو سوچتی رہی پھر ہار کر خد کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بیٹھ گئی۔ یہ وہ خد بھی مانتی تھی کہ اس وقت اس کے پاس اس انجان شخص کی مدد لینے کی علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اوپر سے وہ ہے بھی ڈرپوک لڑکی۔

سارا راستہ خاموشی سے پورا ہوا تھا۔ اذان نے صرف ایک بار ایڈریس کے لئے شزا کو مخاطب کیا تھا۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ یہ لڑکی کافی ڈری ہوئی تھی اور دروازے سے لگ کر بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔ "آج وفا اور آئمہ بھی شاید اتنی ہی عمر کی ہوں گی۔ ناجانے کہاں ہوں گی؟" اس نے اسے دیکھ کر ایک ہلکی مسکان کے ساتھ سوچا تھا۔

شزا کے بتائے گئے علاقے میں آکر کار روکنے پر اسے یاد آیا کہ یہ وہی علاق تھا جہاں زویا کی لاش ملی تھی۔ شکریہ کہہ کر شزا گاڑی سے اتری اور سامنے تھوڑے فاصلے پر موجود اپنے گھر کی جانب قدم بڑھائے۔ کسی بھی وقت بارش ہو سکتی تھی۔ کالے آسمان پر وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی اور اس کی تیز آواز بھی گرج رہی تھی۔ اسے اپنی پشت سے اذان کی آواز سنائی دی۔ وہ مڈی تو اس نے دیکھا وہ اس کی جانب آ رہا تھا اور اب اس کے سامنے کھڑا سنجیدہ لہزے میں اس سے مخاطب تھا۔

"آپ کو اگر علم ہو تو آپ بتا سکتی ہیں کہ اس علاقے میں سولہ سال پہلے۔۔۔ کیا کوئی دو لڑکیاں ملی تھیں۔۔۔ یا کیا کوئی یہاں کسی گھر میں دے گیا ہو؟ اس وقت ان کی عمر پانچ سال ہوگی۔" شزا ساکت اور حیران ہوئی اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس کے دل میں ڈر کی لہر دوڑی۔ کچھ لمبے تو وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ پھر ایک دم سے نفی میں سر ہلایا۔ "میں کچھ نہیں جانتی۔"

اذان نے اس کی حیرانگی کو نا سمجھی سے دیکھا پھر بے ساختہ اپنے انداز کو پروفیشنل بنایا اور وضاحت کی۔ "اصل میں ہمارے پاس ایک کیس آیا ہے۔ تو بس مینے آپ سے یو نہی پوچھ لیا۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"چھوڑ تو مجھے بھی کوئی گیا تھا لیکن وہ دونوں شاید کوئی اور خوش بخت ہو گئی جن کو کم سے کم کوئی ڈھونڈھنے والا تو ہے۔" شزا نے اپنے دل میں اعتراف کیا مگر کہا نہیں۔ "کوئی بات نہیں۔ اب میں چلتی ہوں۔ آپ کا شکریہ۔" شزا دوبارہ دو تین قدم ہی بڑھی تھی کہ اسے سامنے انس موجود ملا۔ وہ اس کے پاس آیا اور اچانک سے اس پر ہاتھ اٹھانے لگا۔ لیکن اس کا ہاتھ ہوا میں ہی اذان نے روک لیا جو اس کو چہرے کی سختی اور ماتھے کے بل کے ساتھ اس لڑکی کی جانب آتا دیکھ مڑتے مڑتے رہ گیا تھا۔ شزا نے حیرانگی سے پہلے انس اور پھر اذان کو دیکھا جو اب کہہ رہا تھا۔

"کون ہو تم اور اس طرح سے اس لڑکی پر ہاتھ کیوں اٹھا رہے ہو؟"

"میں کوئی بھی ہوں۔ تم کون ہوتے ہو درمیان میں آنے والے؟" جواب میں انس نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے غصہ سے کہا۔

"میں انسپکٹر اذان اختر ہوں اور میرے سامنے کوئی مرد کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ عورت پر ہاتھ اٹھانے والا شخص مرد ہی نہیں ہوتا ہے۔" اذان

کا انداز بہت سنجیدہ اور تیز تھا جو انس کو اندر تک جلا گیا۔ اس سے پہلے انس مزید کچھ بولتا
سمرین پھوپھو جو انس کو دیکھنے ای تھیں ان تینو کو دیکھ کر اندر سے سب کو بلا لائیں۔

"شزا آپی۔۔ آپ کہاں تھیں؟" نعیمہ فکر مندی سے شزا کے گلے لگی۔

"ارے کہاں تھی سے کیا مطلب ہے؟ ہوگی اسی پولیس والے کے ساتھ۔" انس کے لفظوں
پر سب حیران رہ گئے۔

"شزا یہ انس کیا بول رہا ہے؟ اور کون ہے یہ شخص؟" اس بار پوچھنے والی شائستہ تھیں لیکن
ان کے انداز میں نرمی یا فکر مندی کہیں نہیں تھی۔ شزا نے گھبرا کر وضاحت کی۔

"نہ۔۔ نہیں امی۔۔ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔۔ میرا بیگ چوری ہو گیا تھا تو میں پولیس اسٹیشن
گئی تھی اور۔۔ اور آپ پایا سے پوچھ۔۔۔" شزا کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی انس
درمیان میں بولا۔۔ "پولیس اسٹیشن گئیں تھیں یا پولیس والے کو گھر لانے؟"

"جسٹ شٹ اپ۔۔ اب اگر تم نے مزید کچھ غلط کہا تو میں برداشت نہیں کرونگا۔ اگر اپنی
گھر کی عورتوں کو سچ میں اپنی عزت مانتے ہو تو پہلے ان پر اعتبار اور پھر ان کی حفاظت کرنا
سیکھو۔" اذان کو بھی اب غصہ آ گیا تھا۔

"امی آپ یقین کریں میرا اندھیرا ہو گیا تھا اور میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا تو
صرف انہوں نے مجھے گھر تک چھوڑا ہے۔" شزا رونے لگی تھی اور اب وقفے وقفے سے بجلی

چمکنا بھی تیز ہو چکی تھی۔ کبھی بھی برسات شروع ہو سکتی تھی۔ ان کے درمیان بھی عجیب ماحول تھا تو ایسے میں سمرین بھی کہاں چپ رہنے والی تھی۔

"دیکھ لو بھابھی۔۔ یہی ہے وہ جسے آپ نے اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ ارے میں تو ہمیشہ سے یہی کہتی ہوں کہ اللہ جانے کون ہے؟ کس خاندان کی ہے؟ کس خون کی ہے؟ اس کی ما بھی تو ایسے ہی چھوڑ گئی تھی اسے۔ بھلا کوئی ما اپنی اولاد کو ایسے چھوڑتی ہے کیا؟" وہ ان کی بات پر پتھر ہو گئی۔ "اور اب تو یہ رو کر ہی دکھائے گی کہ کہیں اسے گھر سے ہی نہ نکال دیں۔" کہیں بہت زور سے بجلی گری تھی اور اسے لگا۔ کہ وہ اس پر کیوں نہیں گری؟ اذان کا ذہن "ما بھی تو ایسے ہی چھوڑ گئی تھی" پر ہی رہ گیا تھا۔ وہ نا سمجھی سے سب دیکھ رہا تھا۔ "پھوپھو آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ شزا ایسی نہیں ہے۔" اس بار اس کے لئے بولنے والا علی تھا۔ لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ تو بس شائستہ کو دیکھ رہی تھی جسے وہ بچپن سے امی کہتی آئی تھی۔ اور آج اسے احساس ہوا تھا کہ صرف انہیں ما وہی کہتی تھی۔ ورنہ ان کی آنکھوں میں آج اس کے لئے بے یقینی نہیں ہوتی۔ "لو اب تو تمہاری بیٹی کے ساتھ ساتھ بیٹا بھی اس لڑکی کے لئے بولنے لگا۔ کب ہوش سے کام لوگی بھابھی؟"

"نیمہ۔۔ شزا کا سامان باندھو اور باہر لاؤ۔" یہ الفاظ شائستہ کے تھے۔ اور اب شزا کو محسوس ہوا کہ بجلی گرنا کیسا ہوتا ہے۔ "یہ آپ کیا بول رہی ہیں امی؟ آپ ایسے کہاں

جانتگی؟" شائستہ نے نعیمہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو وہ خاموش ہو گئی۔ سمرین نفی میں سر ہلاتی ہوئی اندر کی جانب بھاگی۔ یہ کام بھی شاید آج اسے ہی کرنا تھا۔

"رک جائیں۔ کم سے کم پیپا کو تو واپس آنے دیں۔"

"علی خبردار جو تم آج اس لڑکی کی طرف سے بولے۔ ارے یہ تو ہے ہی۔۔" چٹاخن۔۔" اس بار شزا کا ہاتھ اٹھا تھا اور انس کے گال پر ایک بہت زور دار تھپیر کا نشان چھوڑ گیا تھا۔ وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے اسے بے یقینی سے دیکھ کر رہ گیا۔ جس لڑکی کا اس کے آگے سر نہیں اٹھتا تھا۔ آج اس کا اس پر ہاتھ اٹھا تھا؟

"چپ۔۔ بلکل چپ۔۔ میرے بارے میں اگر تم نے اب مزید کچھ بھی غلط کہا ناں تو بہت برا ہو گا انس۔" اذان سمیت سب اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے اور جلدی میں سمرین بھی اس کا بیگ لے کر آگئی تھی۔ شزا کے لئے اس لمحے ہر آواز بند ہو گئی تھی۔ اسے اپنے ارد گرد صرف ایک آواز آرہی تھی۔ (کوئی ہمارے لیے تب تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک ہم خد اپنے لئے نہیں کرتے۔ کوئی ہماری قدر تب تک نہیں کرتا جب تک ہم خد اپنی قدر نہیں کرتے۔ خاموشی صرف تب تک اچھی ہوتی ہے جب تک وہ ہماری طاقت یا صبر ہو۔ اسے ہماری کمزوری نہیں بنانا چاہئے۔)

"تم ہوتے کون ہو میرے بارے میں یہ سب بولنے والے؟ ہاں؟ ہوتے کون ہو تم؟ بلکہ نہیں۔۔۔ غلطی تمہاری نہیں ہے۔۔۔ کچھ لڑکے ہوتے ہی ایسے ہیں۔۔۔ گھٹیا اور پیچ۔ جب انہیں کسی لڑکی کا انکار برداشت نہیں ہوتا ناں۔ تو وہ یہی کوشش کرتے ہیں کہ اسے بھی سب کی نظروں میں گرا دیں۔ (وقفہ دیا اور گہری سانس لے کر خد کو سمجھانے کی کوشش کی۔ آج وہ کمزور نہیں پڑ سکتی تھی۔) تم نے مجھے غلط سمجھ لیا انس۔۔۔ تم نے مجھے غلط سمجھ

لیا۔۔۔ خاموشی صرف تب تک اچھی ہوتی ہے جب تک وہ ہماری طاقت یا صبر ہو۔۔۔ کمزوری نہیں۔ اور میری خاموشی میری کمزوری نہیں ہے۔" آخری الفاظ خاصہ بلند آواز میں کہے گئے تھے۔ آج اس کی خاموشی ٹوٹ گئی تھی۔ آج نہ اس کی آواز ہلکی رہی تھی نہ اس کی نظریں یا سر جھکا تھا۔ اب وہ سمرین سے مخاطب تھی۔ "اور کیا کہا آپ نے؟ اللہ جانے کون ہے؟ تو سن لیں آپ۔۔۔ جس کا کوئی نہیں ہوتا ناں۔۔۔ اس کا اللہ ہوتا ہے۔ میں اکیلی نہیں ہوں۔ میرا وارث میرا اللہ ہے ابھی۔" آنسو اس کے گالوں سے پھسل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر نعیمہ بھی اپنے جذبات روک نہیں سکی تھی۔ "اور آپ امی۔۔۔ سوری انٹی۔ اگر آج میری جگہ نعیمہ ہوتی تو بھی کیا آپ یہی سب کرتیں؟"

"میری نعیمہ کو اس سب میں لانے کی ضرورت نہیں ہے شہزاد۔" جواب میں شائستہ چیخیں۔

"ٹھیک ہے۔ نہیں لاتی۔ آج تک آپ کی ہر بات مانی ہے ناں مینے؟ آج ایک اور سہی۔"

"آ۔۔آپی۔۔آپی نہیں۔" نعیمہ نے اسے پکارا۔ شزا نے ہاتھ کی پشت سے گال پر بہتے آنسو صاف کیے اور ایک جھٹکے سے اپنے سامان کا بیگ کھینچ کر مڈ گئی۔ نعیمہ نے اسے آواز لگائی لیکن اس نے ان سنی کر دی۔ شائستہ بیگم پلٹ کر اندر بڑھ گئیں۔ ان کے پیچھے ہی انس اور سمرین بھی پلٹ گئے۔ نعیمہ کو ساتھ لیے علی بھی چلا گیا۔ غصے اور افسوس کے ساتھ نفی میں سر ہلاتا ہوا اذان اپنی کار کی طرف بڑھنے لگا تو اسے پیچھے سے کسی کے روکنے کی آواز ای۔ وہ پلٹا تو نعیمہ اس کی جانب اندر سے بھاگ کر آتی ہوئی دکھائی دی۔ پھولی ہوئی سانس اور جلدی میں اس کے ہاتھ میں کچھ دے کر بولی۔ "دیکھیں۔۔ میں جانتی ہوں میری آپنی غلط نہیں ہیں۔ پر میں کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ ان کا ہے۔ پلیز یہ انہیں دے دیجئے گا۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔" اذان اس سے پہلے جواب میں کچھ کہہ پاتا یا انکار کر پاتا وہ جلدی میں واپس گھر کی جانب جا چکی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ دیکھا تو اس میں ایک کڈا تھا۔ چھوٹا سا اور شاید چاندی کا بھی۔ بالکل ویسا ہی یا شاید وہی۔۔ جو اس نے کبھی کسی اور کے ہاتھ میں بھی دیکھا تھا۔ لیکن کس کے؟ شاید وفا کے۔۔ وہ لمبے کے اس حصے میں اس کالی رات سے ماضی کی ایک یاد میں پہنچ گیا تھا۔

"یہ کیا ہے ماما؟" پانچ سال کا اذان زویا سے پوچھ رہا تھا۔ "یہ چھوٹے چھوٹے دو کڈے ہیں۔ ایک وفا کا اور دوسرا اذان کی شہزادی کا۔" زویا نے اسے بتاتے ہوئے باری باری بے بی

کوٹ میں لیٹی وفا اور آئمہ کو پہنایا۔ یہ ان دونوں کے عقیقے کی رات تھی۔ پوری اختر منزل خوبصورت روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ "یہ تو سیم ہیں۔ اگر ایکسچینج ہو گئے تو؟" اذان کو فکر لاحق ہوئی۔ اس کے انداز پر سونے پر زویا کے برابر میں موجود رائے داؤد ہنس دی۔ وہ لوگ زویا کے کمرے میں موجود تھے جسے بھی بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ اور یہ سارا عمل احمد کا تھا۔ آخر اختر منزل میں کتنے وقت بعد بیٹیوں کے روپ میں اللہ کی رحمت اتری تھی۔ زویا نے اذان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔ "نہیں ہونگے ایکسچینج۔ وفا والے میں سٹار بنا ہے اور آئمہ کے میں ہارٹ۔"

"بس؟" اس بار اذان کے مزید پوچھنے پر رائے نے محبت سے کہا۔

"ارے مسٹر چھوٹو! پریشان نہیں ہو آپ۔ آپ کی ممانے خاص بنوے ہیں یہ۔ اور ان پر ان دونوں کا نام بھی لکھوایا ہے چھوٹا چھوٹا سا۔"

"اوہ۔۔۔ پھر ٹھیک ہے۔" مسٹر چھوٹو کے سکھ کا سانس لینے پر وہ دونوں بھی مسکرا

دیں۔ رائے نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تو دروازے میں ہی احمد کھڑا تھا۔ بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس مسکرا کر رائے کو ہی دیکھ رہا تھا۔ جس نے آج خوبصورت بلیک سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا اور کالے لمبے بال داھینے شانے پر آگے ڈلے تھے۔

"ماشاء اللہ! تم دونوں نے ٹونگ کی ہے کیا؟" زویا کے اچانک سے کہنے پر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اوہ کم اون بھابھی۔ آپ کو لگتا ہے میں یہ سب کر سکتا ہوں؟" احمد نے اندر آ کر بے بی کوٹ پر جھکتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اٹھتے ہوئے نظر اٹھا کر رائے کو بھی مسکرا کر دیکھا جو ایک دم سے لا تعلق ہو کر موبائل میں مصروف ہو گئی تھی۔ جیسے ناجانے کونسا اہم کام رہ گیا ہو اس کا۔ احمد اس رد عمل پر ہنسی ضبط کر کے رہ گیا۔ ان دونوں کی نظروں پر غور کیے بنا زویا نے اسے چھیڑا۔ "کوئی بات نہیں دیور جی۔ کرتے نہیں ہو تو کیا ہوا؟ آہستہ آہستہ میری ہونے والی دیورانی کے ساتھ رہ کر کرنے لگو گے۔"

"دیکھتے ہیں۔" احمد مسکراہٹ کے ساتھ جواب دے کر اذان کو لئے روم سے نکل گیا۔

اس بار بادل بہت زور سے گرجے تھے۔ اور بہت تیز بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔ اذان وہیں بارش میں ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔ اسے اپنے کانوں میں اپنی ہی آواز سنائی دے رہی تھی۔ (اللہ سے اچھا گمان رکھ۔ جس نے یہاں تک پہنچایا ہے۔ وہ ایک دن ملوا بھی دیگا۔) اور بیشق اللہ سہی وقت پر سہی انسان سے ملوا ہی دیتا ہے۔

برستی ہوئی برسات میں اس وقت سڑکوں پر سٹریٹ لائٹس جل رہی تھیں۔ شرافٹ پاتھ پر اپنے تیز تیز قدم بڑھا رہی تھی۔ اس کے ایک جانب دیوار تھی اور دوسری جانب روڈ۔ وہ پوری بھیگ چکی تھی اور آنسو بھی اس کے گالوں سے پھسل کر زمین میں بارش کے قوتوں کے ساتھ مل رہے تھے۔ سٹریٹ لائٹ کے پول کے پاس آ کر وہ رک گئی اور وہیں گھٹنوں

کے بل بیٹھ گئی۔ وہ بہت رو رہی تھی۔ اس میں اب اور چلنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے تھک گئی تھی۔ زندگی میں بھی اور راستے میں بھی۔ اسے اس لمبے جگہ وقت کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ علم تھا تو صرف اتنا کہ آج اس کی بس ہو گئی ہے۔

"کیوں؟؟؟ آخر میں ہی کیوں؟ کیا بگاڑا ہے میں نے کسی کا؟ یا اللہ!" وہ چیخ پڑی مگر اس کے منہ سے بہت آہستہ آواز نکلی تھی۔ اس کا دوپٹا سر سے پھسل گیا تھا اور شال بھی ایک جانب سے ڈھلک گئی تھی۔ اچانک سے کسی کا اپنے شانے پر شال کا کونا ڈالنا اسے محسوس ہوا۔ اس نے گھبرا کر اپنی داہینی جانب دیکھا تو وہ خوف میں مبتلا ہو گئی۔ وہ شخص بھی پورا بارش میں بھیگا ہوا اسی کے ساتھ گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ اذان نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور اس میں موجود کڈا اسے دکھا کر پوچھا۔ "یہ تمہارا ہے؟" شزا نے اثبات میں سر ہلایا اور وہ اس سے لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کے ہاتھ کو نظر انداز کر اس نے اپنا اگلا سوال پوچھا۔ "یہ تمہیں کس نے دیا؟" اُس نے محسوس کیا وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کے چہرے سے ہی یہ جان لینا چاہتا ہو کہ وہ سچ کہہ رہی ہے یا جھوٹ۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس سے بولی۔ "یہ میرا ہے آپ پلیز مجھے دے دیں۔"

"میرا سوال ہے۔۔۔ یہ تمہیں کس نے دیا؟"

"اس سے آپ کا کوئی مطلب نہیں ہے۔" اذان کا اس کی بات پر دماغ ہی گھوم گیا۔ "مطلب نہیں ہے؟ سچ میں؟ مجھے مطلب نہیں ہے؟ مجھے مطلب ہے۔ اس سے بھی اور تم

سے بھی۔ سمجھیں۔۔ "اذان نے اسے کوہنی سے پکڑ کر اپنے ساتھ کھڑا کیا اور بولا۔ "دیکھو میں تم سے بہت آرام سے پوچھ رہا ہوں۔ مجھے بتا دو کہ یہ تمہیں کس نے دیا ہے اور تم آخر کون ہو؟" شزا اس کے سنجیدہ لہزے پر ڈرنے کے بدلے بھڑک اٹھی۔ برسوں کی تکلیف کا غبار اس چند گھنٹے پہلے ملے شخص پر نکال دیا۔ اپنا ہاتھ اس سے جھٹکے سے آزاد کرایا۔

"چھوڑو مجھے۔ میں یہاں اس وقت آپ کے سوالوں کا جواب دینے کے لئے موجود نہیں ہوں۔ اور کیا ہے آپ کا سوال؟ ہاں۔۔ کہ میں کون ہوں یا یہ مجھے کس نے دیا؟ (وقفے کے ساتھ خد کو کچھ غلط کہنے سے باز رکھا۔ لیکن اس کی آواز ہلکی نہ ہوئی۔) مجھے خد بھی نہیں علم کہ میں آخر ہوں کون؟ مجھے نہیں علم کہ یہ مجھے کس نے دیا۔۔ میری ما تو سولہ سال پہلے مجھے ایسے ہی کسی انجان کے گھر چھوڑ کر چلی گئی۔۔ چلی گئی۔۔ ایسے کوئی۔۔ ایسے کوئی کسی کو چھوڑتا ہے کیا؟ چھوڑتا ہے کیا؟ یا خدا جانے وہ میری ما تھی بھی یا نہیں۔ خدا جانے۔۔" وہ اس پر چلائی ہوئی آخر میں رو دی تھی۔ "میں ہار گئی ہوں اب۔۔ بس۔۔ بس ہار گئی آج میں۔" وہ رہی تھی مگر آنسو اس کی آنکھ سے بھی بہ رہے تھے۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ جن کے لئے وہ ساری دنیا جیت رہا ہے۔۔ وہ اسے برستی رات میں ہاری ہوئی ملیگی۔ کیا مقدر کے کھیل ایسے ہوتے ہیں؟

"تم ہاری نہیں ہو۔۔ تم جیت گئی ہو۔۔ ہارا تو میں ہوں آج۔ جس نے تمہیں تلاش کرنے میں اتنا وقت لگا دیا۔" شزا نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ بارش تیز تھی مگر وہ پھر بھی محسوس کر پا رہی تھی کہ اس شخص کی آنکھیں بھی نم ہیں۔ یا شاید اصلی نمی تو اسی کی آنکھوں میں تھی۔ وہ اپنا رونا بھول گئی۔ اب وہ اس سٹریٹ لائٹ کی مدد ہم روشنی میں بھیگی آواز کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"وہ تمہاری ماتھیں شزا۔۔ وہ تمہاری ہی تو ماتھیں جو مرتے مرتے بھی تمہیں زندگی دے گئیں۔ اور ایک میں وہ بدنصیب انسان ہوں جو آج تک ان کا اس رات سے واپس آنے کا انتظار کرتا ہوں۔"

"مرتے مرتے؟" شزا کے لب ہلے۔ لیکن وہ اب سن نہیں رہا تھا۔ صرف کہہ رہا تھا۔ صرف بتا رہا تھا۔ "میں نہیں جانتا کہ اس رات اصل میں کیا ہوا تھا۔ ماما اور ڈیڈ تم دونوں کے ساتھ ڈنر پر گئے تھے۔ میں ساری رات تم لوگوں کا انتظار کرتا رہا مگر کوئی نہیں آیا اور اگلی صبح۔۔ ماما اور ڈیڈ کی موت کی خبر ای۔۔۔ مگر تم دونوں کا کچھ پتا نہیں چلا۔" وہ بالکل ساکت اسے سنتی رہ گئی۔ اس نے آج اسے بتا دیا کہ وہ کون ہے؟ زویا اور فتح کون تھے؟ اذان کون ہے؟

بارش اب کدرے ہلکی ہو چکی تھی۔ شزا کو کچھ لمبے لگے اتنا سب سمجھنے میں پھر وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ "نہیں۔۔۔ میرے ماما باپ مر نہیں سکتے۔۔۔ مینے تو ان کو دیکھا

تک نہیں ہے۔ وہ۔۔ نہیں۔۔ میں یتیم نہیں ہو سکتی۔" اذان نے اسے صدمے سے دیکھا۔ "نہیں۔۔ تم یتیم نہیں ہو وفا۔ میں ہوں ابھی زندہ۔ میں ہوں۔ میں پورے سولہ سال سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔ کوئی یتیم خانہ۔۔ ہسپتال۔۔ پولیس اسٹیشن۔۔ کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی مینے جہاں تم دونوں کی کوئی خبر مل سکے۔ مینے ہمیشہ سے یہی دعا کی ہے کہ تم دونوں مجھے مل جاؤ۔" اب وہ خاموش تھا اور ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ لمبے بالکل خاموش رہی۔ کوئی پتہ نہ ہو جیسے۔ صدمے سے۔ حیرانی سے۔ یہ سب آخر اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ "آپ کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی نا؟ شاید وہ کوئی اور ہو جسے۔۔۔ جسے آپ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور صرف ایک کڈے پر وفا لکھا ہونے سے میں آپ کی وفا تو نہیں ہو جاؤنگی نا۔" اس کا دل یہ ماننے پر راضی ہی نہیں تھا کہ اسے بھی کوئی ڈھونڈ سکتا ہے؟ کیا وہ بھی کبھی کسی کی تلاش ہو سکتی ہے؟

"میں نہیں جانتا تم کون ہو۔۔۔ لیکن میں بس اتنا جانتا ہوں کہ تم میری سولہ سال کی تلاش ہو۔ میں تمہیں پہچان سکتا ہوں۔ اس کڈے کو پہچان سکتا ہوں اور اب بس بہت ہوا یہ سب۔۔۔ (وہ اب اپنی آنکھوں کی دھندہ صاف کر رہا تھا۔ کہ کہیں وہ پھر اس دھند میں کہیں غائب نہ ہو جائے۔) تم ابھی میرے ساتھ گھر چل رہی ہو۔" وہ اس کی بات پر گھبرا گئی۔ "نہیں۔۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔ مجھے کسی گھر نہیں جانا۔ اگر آپ واقعی میں میرے اپنے ہیں تو پلیز مجھے میری دوست کے گھر چھوڑ دیں۔" اذان اس کی بات پر بھڑک اٹھا۔ "ریلی۔۔ دوست کے گھر؟ اتنے وقت بعد تم ملی ہو اور میں تمہیں تمہاری دوست کے

گھر چھوڑ دوں؟ تم جانتی ہو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ ابھی مینے جو تصویر دکھائی وہ بھی تم پہچانتی ہو۔ تو یہ کیوں کہہ رہی ہو؟" اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس لڑکی کو کیسے سمجھائے۔

"ہاں میں مانتی ہوں کہ آپ جھوٹ نہیں کہہ رہے۔ مگر میں ایسے کیسے وہاں چلی جاؤں؟ میں سب کا سامنا کیسے کرونگی؟ کیا جواب دوں گی کہ کہاں تھی میں؟ کیسی تھی؟ مطلب مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا لیکن وہ سمجھ چکا تھا۔ یہ لڑکی شاید بہت مشکل بھی نہیں تھی اس کے لئے۔ بس وہ اچانک سے اتنا سب سمجھال نہیں پا رہی تھی۔

"وفا۔" شزا نے اس کی جانب اجنبیت سے دیکھا۔ "مطلب شزا۔" میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب تمہارے لئے اچانک سے بہت مشکل ہے۔ لیکن اعتبار کرو مجھ پر۔ وہاں تم سے کوئی کچھ نہیں کہیگا۔ تم سے پوچھے گئے ہر سوال کا جواب میں دوں گا۔ اور اگر پھر بھی نہیں تو ٹھیک ہے۔ میں ساری رات تمہارے ساتھ اس بارش میں کھڑے رہنے کو تیار ہوں۔ لیکن تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہ خد کہیں جاؤنگا نہ تمہیں جانے دوں گا۔" اذان نے ضدی انداز میں کہا اور اپنی کار کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ شزا کچھ وقت اسے دیکھتی رہی جس کے چہرے پر بہت کچھ تھا۔ تکلیف۔۔ ضبط۔۔ سنجیدگی۔۔ سختی۔۔ اور ضد بھی۔ وہ آہستہ قدموں سے اپنا بیگ لے کر اس تک آئی اور معصومیت سے اس سے بولی۔ "سنیے۔۔" وہ کنفیوز تھی کہ کیا کہے؟ اذان نے

اس کی جانب سوالیہ دیکھا۔ "بارش رک چکی ہے۔" اذان نے اوپر آسمان کو دیکھا۔ یہ لڑکی اسے صرف بارش کا بتانے ای تھی؟ "تو؟"

"تو یہ کہ رات بھر بارش میں رکنے کی بات ہوئی تھی۔ بنا بارش کے نہیں۔" وہ کچھ لمبے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہنس دیا اور پیسینجر سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ شزا نے سوچا۔ "اللہ جانے میرا مقدر مجھے کہاں لے جانے والا ہے۔" اور پھر بیٹھ گئی۔ اذان اپنی سائیڈ پر آیا اور کار سٹارٹ کر دی۔ جس انجان لڑکی کو مدد سمجھ کر چھوڑنے آیا تھا۔ اب اسے ہی پورے حق سے ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ کہانی کے دو ٹکڑے مل چکے تھے۔ اب باری تیسرے ٹکڑے کی تھی۔

"وفا۔۔ بیٹا نماز پڑھ لی؟"

"ہاں امی آئی۔" وفا ہاتھ میں ہلکا گرم تیل لے کر ای اور نگمہ کے پاؤں میں لگانے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ آج وہ بہت چلی ہیں تو ان کے درد ہو رہا ہو گا۔ "اللہ میری بچی کو کامیاب کرے۔ اس کا نصیب اچھا کرے۔ یہ سبھی کا خیال رکھتی ہے۔" ان کی دعا اور تعریف کو سن کر وفا نے فخر یا مسکراہٹ کے ساتھ زنیہ کی جانب دیکھا۔ "زیادہ مت اترا لال بھالو۔" اس نے بھی جواب میں ہنس کر وفا کے پورے لال اور ڈھیلے نائٹ سوٹ میں ملبوس ہونے پر تبصرا کیا۔ وہ جب بھی یہ نائٹ سوٹ پہنتی تھی تو وہ یہ ضرور کہتی تھی۔

"ای باجی۔۔ دیکھو تمہاری لڑکی کیا کہہ رہی ہے۔" وفا نے نگمہ سے مذاق میں منہ بنا کر کہا۔ وہ ہمیشہ اپنی باتوں سے سب کو ہنساتی رہتی تھی۔ زنیہ نے کچھ نہیں کہا اور دوبارہ اپنی کتاب کھول لی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ اب اتنی جلدی چُپ نہیں ہونے والی۔ اور وہ واقع چُپ نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنا بولنا چالو رکھا تھا۔ "ارے باجی میں تو تم سے کتنا کہوں۔۔ کہ اتنا مت چلا کرو مگر مجال ہے جو میری اس گھر میں کوئی سن لے۔ اور ایک یہ ہیں۔۔ ہمارے بھائی صاحب۔ یہ بھی میری نہیں مانتے۔ ان کی لڑکی سے تو پھر خیر ہے۔" وفا اپنی باتوں کا خد ہی مزہ لے کر بولے جا رہی تھی اور ساتھ میں ہنس بھی رہی تھی۔ پھر وہ نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں کرنے لگی۔ پورا آدھا گھنٹہ ہونے کو آیا مگر اس کی باتیں ختم نہ ہوئیں۔ "او بھائی صاحب کی ام۔۔ اب جا کر کھانا لگا دو۔" شاہد صاحب نے اسے ٹوکا تو ان کی بات پر زنیہ کا قہقہا گونجا۔ لیکن وفا خاموش نہیں ہوئی۔ جواب میں منہ پھلایا اور نگمہ سے بولی۔ "دیکھ رہی ہو بہو تمہارے شوہر کیا کہہ رہے ہیں۔"

نگمہ بے ساختہ ہنسی اور پھر آنکھیں دکھا کر اسے ڈانٹا۔ "بس کر لڑکی۔ بہت تیز ہو گئی ہے۔ اتنا مت بولا کر۔ نظر ہو جائے گی۔" اس نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا اور بولی۔ "کھانا اپنی لگائنگی۔"

"بنایا مینے تھا تو اب لگائنگی تو۔" زنیہ کے کہنے پر وہ منہ بنا کر اٹھ گئی۔ لیکن پھر بولی۔ "اچھا کل ٹرین میں ونڈو سیٹ پر میں بیٹھونگی۔"

"نہیں میں بیٹھو گی۔" زنیرہ نے بھی ضد کی۔ تو گہری سانس لے کر اس نے حل نکالا۔ "اچھا چلو جاتے میں تم۔ آتے میں میں۔"

اختر منزل کے گیٹ کے باہر اذان نے ہارن بجایا تو چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ شزا نے سر اٹھا کر اس اونچی سفید رنگ کی حویلی کو دیکھا۔ وہ ابھی بھی بھیگی ہوئی تھی اور گیلے بال ماتھے پر چپکے تھے۔ مگر شال سے اس کا وجود ڈھکا ہوا تھا۔ اذان اترا اور دوسری سائیڈ کا دروازہ کھولا تو وہ بھی اتر گئی۔ کچھ لمبے تو وہ اس حقیقت کو دیکھتی رہی جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ جو اُسے ایک اندیکھا خواب لگ رہی تھی۔ اذان نے حویلی کے دروازے کی جانب قدم بڑھائے تو وہ بھی اس کے پیچھے ہو لی۔ سبھی ہال میں موجود تھے۔ اس کو اندر داخل ہوتا دیکھ عالیہ فکر مندی سے اٹھیں اور دوسرے ہی لمبے اس کے پیچھے ایک انجان لڑکی کو داخل ہوتا دیکھ کر وہیں رک گئیں۔ اذان نے بلند آواز میں سلام کیا تو سبھی کا دھیان اس کی جانب متوجہ ہوا۔ اختر صاحب پوتے کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اٹھے اور پھر وہیں ٹھٹھک کر رکے۔ ان کو دیکھ کر شزا نے بے ساختہ گھبرا کر اذان کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی۔ "یہ لڑکی کون ہے اذان؟" فرزانہ بیگم نے نرمی سے شزا کو دیکھ کر پوچھا۔

"اس گھر کی بیٹی ہے دادو۔" اذان کے جواب پر سبھی ساکت رہ گئے۔ چاروں طرف سنٹا پھیل گیا۔ بے یقینی کا سنٹا۔ حیرانی کا سنٹا۔ اور کچھ کے لئے۔ موت کا سنٹا۔ جسے اس بار نسیم کی آواز نے توڑا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ اس گھر کی بیٹی؟" اذان نے اپنے پیچھے سے شزا کو آگے کیا اور اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

"اذان تم جواب کیوں نہیں دے رہے؟ بولو آخر کون ہے یہ؟" سہیل نے بھی اپنی حصیداری ڈالی۔ "یہ فتح ڈیڈ اور زویا ماما کی بیٹی ہے۔ یہ آپ کی پوتی ہے دادا۔ یہ میری اس سولہ سال کی تلاش کا ایک حصہ ہے جو بہت جلد مکمل ہونے والی ہے۔" کچھ پل تو کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ سب کبھی پورے اعتماد کے ساتھ کھڑے اذان کو دیکھتے تھے تو کبھی اس کے نزدیک گھبرای ہوئی سی کھڑی اس لڑکی کو۔ شزا کا سر اور نظریں دونو جھکی ہوئی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔ اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ وہ چٹکی بجائے اور کہیں غائب ہو جائے۔ کسی کے اپنی طرف قدم بڑھتے ہوئے دکھے تو اس نے آنسوؤں سے بھری نظریں اٹھائیں۔ فرزانہ داؤد اب اس کے سامنے موجود تھیں۔ اور آنسو ان کے گالوں پر بھی بہ رہے تھے۔ انہوں نے اپنا کپکپاتا ہوا بوڑھا ہاتھ اٹھایا اور شزا کے گال پر رکھا۔ وہ بے یقینی اور یقین کے درمیان میں کہیں تھیں۔ ان کے کپکپاتے ہوئے لب ہلے۔ "میرے فتح اور زویا کی بیٹی؟" اور اس پل شزا کی ساری گھبراہٹ کہیں دور چلی گئی۔ پورے سولہ سال جیسے کہیں غائب ہو گئے۔

"میرے فتح اور زویا کی بیٹی؟" انہوں نے روتے ہوئے اذان کی جانب دیکھا تو اس نے گہری سانس لے کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"میرے فتح اور زویا کی بیٹی۔۔" فرزانہ نے بے ساختہ روتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا۔ وہ زار و قتار رونے لگیں۔ کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ سب جانتے تھے کہ سب نے ہار مان لی تھی لیکن اذان نے نہیں مانی تھی۔ وہ غلط فہمی میں بھی ایسے ہی کسی لڑکی کو یہ مقام نہیں دے سکتا تھا۔ اختر صاحب کو بھی آگے بڑھتے دیکھ نسیم نے پوچھا۔

"امی آپ یہ کیسے مان سکتی ہیں؟ کیا خبر اذان کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو؟" اذان کو ان سے یہی امید تھی۔ لیکن وہ ضبط کر کے رہ گیا۔ فرزانہ شزا سے الگ ہوئیں اور تیز آواز میں نسیم کو ٹوکا۔ "اذان کو غلط فہمی ہو سکتی ہے نسیم۔۔ لیکن اپنے فتح کے خون کو پہچاننے میں مجھے نہیں ہو سکتی۔ ایک ما سے یہ نہیں پوچھتے بیٹا کہ اس نے اپنی اولاد کو کیسے پہچانا۔ ایک ما سے یہ نہیں پوچھتے۔۔" وہ خد بھی رو رہی تھیں اور ساتھ روتی شزا کو بھی چپا رہی تھیں۔ اختر صاحب ان کے پاس آئے اور انہوں نے بھی نم آنکھوں کے ساتھ ان دونوں کو اپنے ساتھ لگایا۔ اذان کی آنکھوں کی نمی کو محسوس کر احمد بے اختیار آکر اس کے گلے لگے اور اسے سمجھالا۔ "مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی چاچو۔۔ یہ۔۔ یہ کڈا۔" اذان نے دھیمی اور بھرپور ہوئی آواز کے ساتھ کڈا احمد کی جانب بڑھایا۔ تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر نم آنکھوں کے ساتھ اختر صاحب سے کہا۔

"اتنے سالوں بعد گھر کی رحمت لوٹی ہے بابا۔ کیا سارا وقت اب روتے رہینگے؟" ان کی بات پر اختر نفی میں سر ہلاتے ہوئے الگ ہوئے اور ان دونوں کو لے کر آگے بڑھے۔ عالیہ بھی روتی ہوئی آئی اور محبت سے شزا کو خد سے لگایا۔ پھر اس سے الگ ہوئی اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں تھی میری بیٹی؟ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ تمہاری اس مانے تمہارے لئے کتنی دعائیں کی ہیں۔ کتنا انتظار کیا ہے۔" اور اسی سوال کا جواب شزا نہیں دے سکتی تھی۔

"کہاں تھی؟ کیسی تھی سے کیا فرق پڑتا ہے چاچی؟ اہم تو یہ ہے ناکہ اب شزا ہمارے ساتھ ہے۔" اذان کے کہنے پر وہ مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "شزا؟ ماشاء اللہ! بہت پیارا نام ہے۔" عالیہ نے نرمی سے اس کے سر کو چومتے ہوئے تعریف کی۔ سیڈھیوں کے ساتھ سے کھڑی آرزو نے ما کو بہت غور سے دیکھا۔ "اتنی محبت آخر ان میں کہاں سے آگئی؟" آرزو نے دل میں سوال کیا۔ نسیم بھی آگے بڑھے اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور اذان اس لمحے بہت مشکل سے ضبط کر سکا تھا۔ ورنہ اس کا بس چلتا تو وہ شزا پر ان کا سایہ بھی نہ پڑنے دیتا۔ وہ اُن سے ضرور کہتا۔ "انسان کی زندگی میں محرومیاں بھرنے والے محبت سے پر ہاتھ رکھتے اچھے نہیں لگتے چاچو۔۔۔ بلکل اچھے نہیں لگتے۔"

آج اختر منزل پورے سولہ سال بعد پھر سے مانو جی اٹھی تھی۔ اس کے اوپر سے سازشوں اور مقکاریوں کا ایک بادل ہٹ گیا تھا۔ اور چاند کی ایک روشن لکیر اس پر پڑ گئی تھی۔

"تمہیں شزا کیسے ملی اذان؟" اذان کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد احمد نے اس سے پوچھا۔ اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ وہ اب ڈھیلی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس بیڈ پر بیٹھا تھا۔ وہ بھی اسی کے پاس بیٹھ گئے۔ "وہ میرے مقدّر میں تھی چاچو۔ مجھے ملنی ہی تھی۔ اب کیا فرق پڑتا ہے کہ کیسے ملی؟" اس کی بات پر احمد ہنس دے۔ وہ جانتے تھے جو بات وہ نہیں چاہتا ہے۔ وہ نہیں بتاتا ہے۔ وہ اب سائنڈ ٹیبل سے کڈا اٹھا کر انہیں دکھا رہا تھا۔ "یہ یاد ہے آپ کو؟ یہ ممانے ان دونوں کے عقیقے والے دن انہیں پہناے تھے۔ یاد ہے جس دن آپ نے اور رائنہ چاچی نے ٹونگ بھی کی تھی۔" احمد نے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے یاد ہے اذان۔۔ میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ وہ دن تو میری خوبصورت یادوں میں سے ایک یاد ہے۔" "سہی کہہ رہے ہیں آپ۔ لیکن آپ فکر نہ کرنا۔ وفا مل گئی ہے نا۔ بہت جلد ہماری شہزادی بھی مل جائے گی۔ پھر ہم بالکل اسی دن کی طرح خوشیاں منائے نگے۔ مجھے پورا یقین ہے۔" "مجھے بھی ہے بیٹا۔" دنیا کے لئے وہ انسپکٹر اذان تھا۔ لیکن احمد کے لئے وہ آج بھی وہی بچہ تھا جو اپنے ماباپ کی موت پر ان کے گلے لگ کر خوب رویا تھا۔ جس کا بچپن صرف امید اور یقین میں ہی گزر گیا تھا۔ جو وقت سے پہلے ہی سمجھدار ہو گیا تھا۔

جمنا کے پانی پر تیرتے ہوئے جھاگ سنہیرے آفتاب کی روشنی سے چمک رہے تھے۔ ہوا کے جھوکے بھی داؤد ہاؤس کے لون کے درختوں سے ٹکرا رہے تھے۔ داؤد ہاؤس میں داخل ہو کر لیونگ روم کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کسی کی آواز پر وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ یہ ایک تو وہی آواز تھی جو اس نے ایک ہفتہ پہلے کال پر سنی تھی۔ لیکن یہ دوسری؟ یہ دوسری آواز کس کی تھی؟

"رائے تم سوچ بھی نہیں سکتیں میں کتنے وقت سے آنا چاہ رہی تھی مگر مجھے موقع ہی نہیں مل سکا۔"

"کوئی بات نہیں اب تو مل گیا ناں۔ بلکہ میں تو بہت خوش ہوں تمہارے آنے سے۔" دروازے کے باہر موجود احمد اس دوسری آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا جب اسے پیچھے سے صابر داؤد کی خوشگوار آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ وہ بہت خوشی سے آگے بڑھے اور اُسے اپنے ساتھ لگایا۔ وہ احمد کے ساتھ اندر داخل ہوئے تو سامنے ہی اسے کو سونے پر رائے اور انعم بیٹھی نظر آئیں۔ احمد کو دیکھ کر رائے بے ساختہ کھڑی ہوئی اور سلام کیا۔ وہ بھی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دے کر صابر صاحب کے ساتھ ہی دوسرے سونے پر سامنے بیٹھ گیا۔

"احمد بہت خوشی ہوئی مجھے کہ تم مجھ سے ملنے آئے۔ آخر ایک ہفتے بعد وقت مل ہی گیا معمول سے ملنے کا۔" انہوں نے محبت سے شکوہ کیا۔ "وقت کی بات نہیں ہے معمول جان۔ بس آپ یقین کریں۔۔ پورے ہفتے حویلی میں ہی رہا ہوں میں۔ کہیں نہیں گیا۔" احمد نے وضاحت دی۔ وہ کچھ وقت انہی سے باتیں کرتا رہا۔ پھر صابر کسی کی کال سننے اٹھ کر چلے گئے تو موقع دیکھتے ہی انعم نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا بات ہے! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں میری ملاقات آپ سے ہو جائے گی۔" اس کو اس کا مخاطب کرنا ناگوار گزرا مگر ضبط کر گیا۔ صرف سر کو اثبات میں ہلایا۔ احمد کا چہرہ بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔ رائے نے دونوں کو نا سمجھی سے دیکھا اور اس سے پوچھا۔

"تم جانتی ہو انہیں انعم؟" انعم کے سرخ لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی اور اس نے براؤن جینس پر بلیک شرٹ پہنے سامنے بیٹھے خوبصورت شخص کو ہی دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "ارے انہیں کون نہیں جانتا رائے؟ خاصہ فینس شخصیت ہیں یہ اور کافی مغرور بھی۔ ہر لڑکی سے تو بات تک نہیں کرتے۔" احمد نے اپنی نظریں فون سے ہٹا کر سامنے ایک شان سے بیٹھی اس موڈرن لڑکی کو دیکھا جو بہت دلچسپی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"چلو تم نے کرا دیا تو میں بھی اپنی جانب سے ان کا تعارف کرا دیتی ہوں۔" رائے کے مسکرا کر کہنے پر احمد نے اس کی جانب دیکھا جو جینس پر لونگ پیلا کرتا پہنے پورے اعتماد سے انعم

کو دیکھ رہی تھی۔ بالوں کا لپیٹ کر جوڑا بنا تھا اور دوپٹا آکے کو ڈلا تھا۔ احمد نے غور کیا کہ وہ اس گھریلو ہلیے میں بھی اچھی لگ رہی تھی۔

"یہ ڈاکٹر احمد اختر ہیں۔ میرے کزن اور ہونے والے شوہر۔" پل بھر میں انعم کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ وہ دونوں حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔ کسی کو بھی رائے کے اس تعارف کی توقع نہیں تھی۔ کچھ لمبے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ جسے اندر آ کر صابر صاحب نے توڑا۔ ان کے آنے کے بعد انعم مزید نہیں رکی تھی۔ مسکراہٹ کے ساتھ رائے سے ملی اور چلی گئی۔ اب وہ تینو باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ اُن دونوں کے چہرے پر پچھلی بات کا کوئی اثر نظر نہیں آرہا تھا۔ "اللہ جانے رائے میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی۔ انداز سے تو دونوں کافی اچھی دوستیں لگ رہی تھیں۔ ایک منٹ۔۔ لیکن مجھے رائے کی سوچ سے کب سے فرق پڑنے لگا؟" احمد نے سر جھٹکا اور صابر صاحب کی بات سننے لگا۔

اپنی کار کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے احمد نے ساتھ چلتی رائے سے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری ذات کا تعارف کبھی کسی لڑکی کے لئے اتنا اہم ہو سکتا ہے۔" رائے نے حیرانی سے اُسے دیکھا جو اب اپنی کار کے پاس رک کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ جینس کی جیبوں میں ڈالے تھے۔ سنہری آنکھیں آفتاب کی روشنی سے چمک رہی تھیں اور اس کی کالی آنکھوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ بھی چہرے کو سنجیدہ بنا کر

پورے اعتماد سے گویا ہوئی۔ "ایسا کچھ نہیں ہے۔۔ بہتر ہوگا آپ کسی بھی خوش فہمی کا شکار نہ ہوں۔ مجھے بس انعم کا وہ سب کہنا اچھا نہیں لگا۔"

"لیکن اس کی بات ہر ف با ہر ف سچ تھی۔ میں مغرور بھی ہوں اور ہر لڑکی سے بات بھی نہیں کرتا۔"

"مجھے اس کے لفظ نہیں۔ اس کا انداز برا لگا تھا۔" رائے نے کہتے ہوئے رخ بدل لیا اور داؤد ہاؤس کو دیکھنے لگی۔ احمد اب بھی مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ "کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کو اس کا انداز کیوں برا لگا؟" اس نے احمد کی جانب خفگی سے دیکھا۔ آخر اس مغرور شخص کو آج اُس سے بات کرنے کا کچھ زیادہ ہی شوق نہیں کا رہا تھا؟ "کیوں؟ نہیں لگنا چاہیے تھا کیا؟" پھر اس کی جانب پوری گھومی۔ اور ہاتھ سامنے باندھے۔ "دیکھئے مسٹر احمد۔۔ میں جانتی ہوں آپ کو میرے جیسی سمپل لڑکیاں شاید نہیں پسند ہوں گی۔ لیکن اب جو بھی ہے۔ جیسا بھی ہے۔ آپ کی اور میری ذات ایک دوسرے سے جڈ چکی ہے۔ اور مجھے بالکل نہیں پسند کہ مجھ سے جڈے کسی بھی شخص کے بارے میں کوئی بھی کچھ غلط کہے۔" رائے کا انداز دو ٹوک تھا۔ جیسے وہ پہلے ہی سب کلیئر کر دینا چاہتی ہو۔ لیکن احمد کی مسکراہٹ پھر بھی برقرار رہی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس لڑکی کو اتنی خفگی کیوں ہے۔

"آپ کلیئر کر رہی ہیں تو میں بھی کر دیتا ہوں۔۔ میں ایک بد تمیز اور خاصہ مغرور شخص ہوں۔ جو ہر لڑکی کو منہ بھی نہیں لگاتا اور آپ سے اس رشتے کے لئے بھی تیار نہیں

تھا۔ لیکن اس کی وجہ آپ نہیں تھیں۔ بلکہ میرے ارد گرد ہی اتنی لڑکیاں گھومتی ہیں کہ مجھے ہر لڑکی سے اب کوفت ہوتی ہے۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ رہی ہوں گی۔" رائنہ کے ماتھے پر ہل پڑے۔ "مطلب کیا ہے آپ کا؟ آپ کو علم بھی ہے مینے کتنے لڑکوں کو ریجیکٹ کیا ہے؟ لیکن آپ کے لئے صرف پاپا کے کہنے پر ہاں کی ہے۔ ورنہ مجھے سچ میں آپ میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" احمد نے اپنی ہنسی ضبط کی۔ وہ خد بھی حیران تھا کہ آخر اسے اس لڑکی کی باتیں بری کیوں نہیں لگ رہیں؟

"اچھی بات ہے۔ خیر۔۔۔ میں فنکشن پر بلیک پہن رہا ہوں۔"

"مینے آپ سے پوچھا؟ مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟" اس کا انداز اب بھی خفگی بھرا تھا۔

"ایسے ہی۔۔۔ سنا ہے ایک لڑکی کو ٹوئنگ کرنا بہت پسند ہے۔" احمد نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور بنا رائنہ کو دیکھے کار کا ڈور کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ رخ بدل کر سامنے دیکھ رہی تھی اور اس کی احمد سے اب پشت تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ آگے قدم اٹھاتی اسے اس کی آواز سنائی دی۔ "جاتے جاتے ایک اور بات کلیئر کرنا چاہوں گا۔ میری پسند کے بنا کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ کسی لڑکی کے ہاتھ میں میرے نام کی انگھوٹی پہنا سکے۔" رائنہ ساکت رہ گئی۔ کیا احمد یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ اسے پسند ہے؟ مطلب سچ میں؟

اگلے دن کالی رات میں پوری اختر منزل روشنیوں سے جگمگا اٹھی۔ ہر طرف خوبصورتی اور رونق پھیلی تھی۔ عقیقے کی دعوت میں ہر طرح کی تیاری کی گئی تھی۔ لون میں ہی اوپن فنکشن تھا۔ مرد حضرات اور عورتیں سبھی اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ بچے ادھر ادھر بھاگتے اور کھیلتے نظر آتے تھے۔ احمد اپنے ایک دوست سے باتیں کر رہا تھا جب انجانے میں اس کی نظریں اٹھیں اور پھر پلٹنا ہی بھول گئیں۔ رائے داؤد بلیک سوٹ میں تیار ہوئی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ لمبے بال داھینے شانے پر ڈال رکھے تھے اور لائٹ میک اپ بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ رائے نے بھی احمد کو بلیک تھری پیس سوٹ میں بہت اچھے سے تیار ہوا دیکھا۔ جس نے آج بال جیل سے سیٹ کیے ہوئے تھے اور مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے تھوڑی دور سے گزر کر سامنے زویا کے پاس چلی گئی۔

فنکشن اپنے عروج پر تھا اور سبھی بہت خوش تھے۔ کوئی کال سننے کے لئے رائے سائیڈ میں گئی اور پھر واپس جانے کو مڈی تو جاندار مسکراہٹ کے ساتھ احمد سامنے ہی موجود تھا۔ "آج کوئی بہت خوبصورت نہیں لگ رہا ہے؟" اس کے سوال پر وہ ناچاہتے ہوئے بھی بلش کر گئی۔ لیکن پھر جواب میں الٹا سوال دیا۔

"آج کوئی بہت غور سے نہیں دیکھ رہا ہے؟" احمد بے ساختہ ہنس دیا۔ اور رائے بھی مسکرا کر اس کے برابر سے نکل کر آگے بڑھ گئی۔ اس کا دوپٹا احمد کے ہاتھ سے مس ہوا تھا۔ اچانک سے پردے کے اپنے ہاتھ سے مس ہونے پر احمد کی آنکھ کھلی۔ اس نے اپنے ارد گرد دیکھا

تو یاد آیا وہ کھڑکی کے آگے سوئے پر ہی سو گیا تھا۔ اس نے سامنے دیکھا تو وہ آج گلابی ساڈی میں ملبوس مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اپنی ایک بھوں کو اٹھا کر اشارے سے احمد سے پوچھا اور گھڑی کی جانب دیکھا۔ احمد نے گردن موڑ کر دیکھا تو رات کے دو بج رہے تھے اور اب سامنے دیکھنے پر وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ کسی دھندہ کی طرح غائب ہو گئی تھی۔ احمد نے گہری سانس لے کر اپنی گلابی شرٹ کو دیکھا اور پھر سر جھٹک دیا۔ انہوں نے سوچا تھا۔ "سب اچھا ہو سکتا ہے اذان۔ لیکن پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔ نہ اب وہ فنکشن کی رات واپس آ سکتی ہے۔ نہ اس رات میں موجود لوگ۔"

آفتاب نے سرے سے تلو ہوا تو کھڑکیوں سے اس کی روشنی اندر آنے لگی۔ شہزاد نے نیند میں کروٹ بدلی اور مندی مندی سی آنکھیں کھولیں تو انجانی جگہ کے خیال سے گھبرا کر اٹھی۔ پھر اسے ایک جھٹکے سے سب یاد آیا تو اس کا سانس بحال ہوا۔ اب وہ اس بڑے سے کمرے کو دیکھ رہی تھی جو حقیقتاً اس کا تھا۔ خوبصورتی سے سجا ہوا۔ دیواروں پر تصویریں لگی ہوئیں۔ کوئی زویا اور فتح کی تھی۔ تو کوئی ان پانچوں کی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور اذان اندر آیا۔ "کیسی ہو؟ رات ڈر تو نہیں لگا؟" مسکراہٹ کے ساتھ اس سے نرمی سے پوچھ کر وہ تھوڑے فاصلے سے بیڈ پر ہی بیٹھ گیا۔ پولیس یونیفورم میں شاندار سا تیار ہوا وہ اسے آج بھی کل کی طرح بہت اچھا لگا رہا تھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن آپ ٹھیک نہیں لگ رہے۔" شزا نے سر پر دوپٹا ڈھکتے ہوئے اس کے زرد چہرے کی جانب اشارہ کیا۔ "ہاں بس تھوڑا سا بخار ہے۔ لیکن میں ٹھیک ہوں۔" اذان نے کہتے ہوئے اس کی لال ہو رہی آنکھوں اور سرخ چہرے کو دیکھا۔ "اچھا شزا۔ مجھے تم سے ایک اہم بات کہنی تھی۔" شزا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اذان پہلے تو لفظ ترتیب دیتا رہا پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "تمہیں کچھ یاد ہے اس رات کیا ہوا تھا؟ مطلب جب تم سب گھر واپس لوٹ رہے تھے تب؟" شزا اسے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں۔۔۔ مجھے سچ میں کچھ یاد نہیں۔ مجھے پانچ سال تک کی بھی یادیں بہت دھندلی سی یاد ہیں۔ وہ بھی بس کل رات یہاں آنے کے بعد ہی یاد آئی ہیں۔" اثبات میں سر ہلا کر اذان خاموش ہو گیا تو شزا مزید بولی۔ "ہاں ایک خواب تھا بس جو ہمیشہ دکھائی دیتا تھا۔"

"کیسا خواب؟"

"معلوم نہیں۔ بس کوئی عورت تھیں جس سے میرا ہاتھ چھوٹ رہا تھا۔ میں بہت رو رہی تھی لیکن وہ ہاتھ پھر بھی چھوٹ گیا۔ ان کا چہرہ گالے کپڑے سے ڈھکا تھا۔ یاد نہیں کون تھیں۔ شاید۔۔۔"

"شاید نا۔" اذان کے کہنے پر اس کی آنکھیں بھگنے لگیں جسے اس نے بامشکل ضبط سے روکا۔ "مجھے تم سے ایک اور ضروری بات کہنی ہے شزا۔" وہ رکا اور اس کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ "یہ حویلی تمہارا گھر ہے۔ یہاں کے سب لوگ تمہارے اپنے ہیں"

لیکن۔۔ اگر کوئی بھی چیز۔ کسی کی کوئی بات۔ کوئی انداز۔ تمہیں کسی بھی طرح عجیب یا غلط لگتا ہے تو تم سب سے پہلے مجھ سے شیئر کرو گی۔ سمجھیں۔۔ "شزانے کوئی سوال نہیں کیا اور اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔" چلو اب جلدی سے نیچے آ جاؤ۔ یہاں ناشتہ سب ساتھ ہی کرتے ہیں۔" اذان اس سے کہہ کر باہر آ گیا اور راہداری میں رک کر ریاض کو کال کی۔ پانچویں بیل پر جناب کی آدھی نیند سے بھری آواز آئی۔ "ہیلو۔۔"

"ہیلو ریاض۔ ہاں وفا مل گئی ہے۔" اذان نے خوشی سے اسے بتایا۔ "ہاں بھائی تو پریشان مت ہو مل جائے گی۔" ریاض نے تکیے میں منہ دے کر نیند میں کہا۔

"ارے مل جائے گی نہیں۔۔ مل گئی ہے۔" اُس نے زور دیا۔ "ہاں خواب میں ملی ہو گی۔ حقیقت میں بھی مل جائے گی تو سو جا اب اور مجھے بھی سونے دے۔ مجھے بھی تیری بھابھی خواب میں ملی تھی۔" اذان نے دانت پیس کر اسے جھڈکا۔ "ابے پاگل! حقیقت میں مل گئی ہے۔۔ اور اگر تو ایسے ہی دنیا سے بے خبر سوتا رہا نا۔ تو میری بھابھی بھی تجھے صرف خوابوں میں ہی ملیگی۔ حقیقت میں نہیں۔ سو جا اب۔ شب خیر۔۔" اذان کے فون کاٹ دینے پر ریاض دوبارہ سو گیا تو کچھ ہی وقت میں ارشد صاحب اس کے کمرے میں دروازہ کھول کر داخل ہوئے اور اسے جگایا۔ "ریاض۔۔ اٹھ جاؤ لڑکے۔۔ اور اپنی امی کو لے کر اختر منزل کا رخ کرو۔"

"کیوں آپ کیا دوسری شادی کرنے والے ہیں جو میں امی کو لے کر وہاں کا رخ کروں؟ دیکھیں میں بتا رہا ہوں کہ میں اپنی ما کے ساتھ بے وفائی برداشت نہیں کروں گا۔" اس کی بات پر ارشد نے ضبط سے اس کا کمبل کھینچا۔ "ما کے لاڈلے۔ تمہاری ما کی بھتیجی مل گئی ہے۔ جس سے ملنے کے لئے وہ کل رات سے بے تاب ہیں۔ اسی لئے شرافت سے انہیں لے کر جاؤ۔"

"ہاں ہاں جا رہا ہوں۔ میں تو ہوں ہی ما کا لاڈلا اور باپ کا مثلاً۔" ریاض منہ بنا کر اٹھا اور کہتا ہوا واش روم میں گھس گیا۔ "اندر مت سو جانا۔" وہ اس سے کہہ کر ہنستے ہوئے باہر چلے گئے۔

عصر کا وقت آہستہ آہستہ مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا بلکل اسے طرح جیسے جمنا کا پانی آہستہ آہستہ بہتا ہے۔ اختر منزل میں جیسے آج بہت وقت بعد خواتین حضرات کی محفل اتنی خوشی سے جمع تھی۔ صوفیہ جو صبح شزا سے ملنے ای تو پھر یہیں رک گئی۔ اس وقت بھی دادو کے کمرے میں دادو کے ساتھ شزا صوفیہ عالیہ سبھی خواتین موجود تھیں۔ آرزو بھی سنگل سونے پر بیٹھی سب کو دیکھ رہی تھی جن میں شزا تو زیادہ تر خاموش ہی تھی لیکن ان تینوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ فرزانہ بیگم بھی کبھی ہنسنے لگتیں تو کبھی نم آنکھوں سے شزا کا ماتھا چومتیں۔ کبھی وہ تینوں زویا کا ذکر کرنے لگتیں تو کبھی سبھی بچپوں کے بچپن کا۔ اور اتنی محبتیں

محسوس کر کے شزا بار بار اپنے رونے پر ضبط کر رہی تھی۔ وہ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی کتنے وقت تک پراؤں کے گھر میں اپنے تلاش کرتی رہی تھی۔ کیا مقدر کے کھیل ایسے بھی ہوتے ہیں؟

"ارے بیٹا تم جانتی ہو زویا بھابھی اور فتح بھائی کی پسند کی شادی ہوئی تھی؟" صوفیہ نے شزا کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"سچ میں؟" اس نے حیرانی اور خوشی سے پوچھا۔ "بلکل اور جب ہمارے قیس بھائی اس کے لئے انکار کر رہے تھے تو میں نے اپنی بہن کا پورا ساتھ دیا تھا۔" آرزو کے پاس رکھے دوسرے سونے پر بیٹھی عالیہ نے بتایا اور کپ میں چائے ڈالی۔ شزا کو آج یہ بھی علم ہوا تھا کہ عالیہ اور زویا بہن تھیں۔ شاید جہی ان کی محبت اتنی گہری تھی۔ اور بہن کا رشتہ تو واقعی میں محبت سے بنا ہوتا ہے۔

"مجھے بھی ان کی کہانی جانی ہے۔" شزا نے جوش سے کہا۔

مبین صاحب کی پہلی شادی گھر والوں کی پسند سے نازیہ بیگم سے ہوئی تھی۔ جن سے ان کی ایک ہی اولاد زویا مبین تھی۔ زویا کی پیدائش پر ہی نازیہ کا انتقال ہو گیا تو دو سال بعد مبین صاحب نے اپنی پسند سے دوسری شادی اقصیٰ سے کر لی۔ جن سے ان کا بیٹا قیس اور بیٹی

عالیہ بھی دنیا میں آگئے۔ پہلے پہل تو سب ٹھیک رہا مگر پھر اقصیٰ زویا کو ناپسند کرنے لگیں۔ جب مبین نے گھر کا ماحول خراب ہوتے دیکھا تو بارہ برس کی زویا کو ہوٹل میں داخل کرا دیا۔ اس دن ہوٹل پہنچنے کے بعد زویا مبین کے گلے لگ کر بہت روی تھی۔ "بابا۔۔ نہ۔۔ بابا نہیں۔۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔" زویا نے روتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"بیٹا بس تھوڑے وقت کی بات ہے۔ میں بہت جلد اقصیٰ سے بات کر کے آپ کو یہاں سے لے جاؤنگا۔" مبین اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے سمجھا رہے تھے۔

"بابا پلیز۔۔ میں پکا کوئی شرارت نہیں کرونگی۔ اقصیٰ ممی کو بھی پریشان نہیں کرونگی۔ ساری باتیں مانونگی۔" مبین نے اسے گلے لگا لیا۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ زویا کو چھوڑنا ان کے لئے اس قدر مشکل فیصلہ ہوگا۔ انہوں نے اس سے بہت جلد لے جانے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ جلد۔ جلد نہیں آیا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ بیتا گیا۔ زویا پورے چوبیس سال کی ہو گئی اور قیس اور عالیہ اکیس اور بائیس سال کے۔ ان بارہ سالوں میں زویا صرف دو بار اپنے گھر گئی تھی ورنہ مبین ہی ہر تین مہینوں میں اس سے ملنے آ جایا کرتے تھے۔ پہلے وہ ہر بار ضد کرتی تھی لیکن پھر اسے سمجھ آ گیا کہ ہر ضد پوری نہیں ہوا کرتی۔ وہ دلی یونیورسٹی میں پڑھنے لگی تھی اور ایک دن اچانک سے ہی فتح اختر سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ وہ دونو ایک ہی کلاس میں تھے۔ خاموش

مزاج فتح کو وہ ہنس مکھ لڑکی بہت پسند ای تھی۔ اور ایک دن فتح نے اپنی دوست زویا سے شادی کے لئے بھی پوچھ لیا۔ زویا کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ پورے بارہ سال بعد اس بار جب وہ مبین صاحب سے ملنے آئی تو انہیں فتح کے مطلق سب بتا دیا۔ اس دن مبین بہت خوش تھے لیکن قیس کے پسند کی شادی پر اعتراض اٹھانے پر ان کی ساری خوشی ہوا ہو گئی۔

"میں کبھی اس گھر کے لوگوں کے معاملات میں نہیں پڑی قیس۔ تو آج تمہیں میری پسند پر کیوں اعتراض ہے؟" زویا نے سنجیدگی سے قیس سے پوچھا تھا جو سونے پر مبین کے برابر میں بیٹھا انکار کر رہا تھا۔ مبین صاحب البتہ خاموش تھے۔ اور عالیہ اور اقصیٰ بھی خاموشی سے سب دیکھ رہی تھیں۔ "کیونکہ میں تمہارا بھائی ہوں اور مجھے یہ شادی منظور نہیں۔" اُس نے دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

"بھائی؟ سچ میں؟ تو بارہ سالوں سے کہاں تھا میرا یہ "بھائی"؟"

"زویا سہی کہہ رہی ہے۔" عالیہ کے مداخلت کرنے پر سب اسے دیکھنے لگے۔ اقصیٰ نے بیٹی کو اس معاملے دور رہنے کے لئے گھورا مگر وہ اب اپنی جگہ سے اٹھ کر زویا کے ساتھ قیس اور مبین کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "زویا سہی کہہ رہی ہے بابا۔ جب اس نے اس گھر کا ہر فیصلہ مانا ہے۔ تو کیا غلط ہے اگر اس گھر کے لوگ اس کی ایک خوشی مان لیں۔"

"یہ تم کیوں کہہ رہی ہو عالیہ؟" اقصیٰ نے غصے سے پوچھا۔

"یہ میں اپنی بہن کے لئے کہہ رہی ہوں مُمی۔" اور یہاں اقصیٰ صدمے سے دم سادھے اسے دیکھنے لگیں۔ زویا بھی اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے یاد نہیں تھا کہ کبھی اس کی اور عالیہ کی کوئی خاص دوستی یا باتیں رہی ہوں۔ وہ مہمانوں کی طرح آتی تھی اور ویسے ہی چلی جاتی تھی۔ "بابا زویا اپنی جگہ بالکل سہی ہے۔ اور اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہے تو قیس بھائی آپ کو کیوں اعتراض ہے؟ میں بھی تو کسی کو پسند کر سکتی ہوں نا۔ یہ تو ہر لڑکی کا حق ہے۔" عالیہ نے زویا کا پورا ساتھ دیا تھا اور آخر میں مبین فتح اور اس کی فیملی سے ملنے کے لئے تیار بھی ہو گئے۔ اس رات زویا بہت خوش تھی۔ اس رات وہ پہلی بار عالیہ کے کمرے میں آئی تھی اور اسے بہت محبت اور خوشی سے گلے لگا کر بولی تھی۔

"تمہارا بہت شکریہ عالیہ۔ آج تم نے مجھے یقین دلا دیا کہ بہن بہن ہوتی ہے۔ چاہے سگی ہو یا سوتیلی۔"

"بہن بھی کہہ رہی ہو اور شکریہ بھی؟" عالیہ کے محبت سے کہنے پر وہ نم آنکھوں کے ساتھ ہنس دی۔ وہ حیران تھی کہ کیا مقدر کے کھیل ایسے بھی ہوتے ہیں؟

عالیہ نے اپنی آنکھوں کے آنسو صاف کرتے ہوئے ایک بار سب پر نظر ڈالی۔ صوفیہ اور فرزانه بیگم خاموش تھیں۔ لیکن تکلیف ان کے چہروں سے صاف جھلک رہی تھی۔ "اما نے اتنا سب برداشت کیا تھا؟" شہزاد حیرانی سے انہیں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔ "اسی بات کا تو دکھ ہے بیٹا۔ وہ اتنے سب کے بعد بھی خوش نہیں رہ پائی۔ جب اس کی آسانیں لمبی ہوئیں تو عمر

چھوٹی رہ گئی۔"عالیہ دکھ اور تکلیف سے کہہ رہی تھی اور اس پوری کہانی میں آرزو بہت غور سے اپنی ما کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر آج بھی وہی نقاب تھا۔ لا تعلقی اور بے پرواہی کا۔ لیکن وہ اپنی مسکراہٹ ضبط کرنے کے ساتھ سوچ بھی رہی تھی۔ "اگر ہماری موم نے ایکٹنگ کی دنیا میں قدم رکھا ہوتا ناں۔ تو آج ہم ایک کامیاب ایکٹریس کی بیٹی ہوتے۔"

حویلی کے درختوں سے ہوا ٹکرا کر چاروں طرف بڑھنے لگی۔ سبز گھاس اس سے سرسو کے کھیتوں کی طرح لہرانے لگی۔ اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑی شزا اس سبز گھاس کو دیکھتی ہوئی کسی گہری سوچ میں تھی۔ "کیا پاپا واپس آ گئے ہونگے؟ ہاں اب تو چار دن ہو چکے ہیں انہیں گئے ہوئے۔ اور تین دن مجھے وہاں سے نکلے ہوئے۔ لیکن کیا انہوں نے مجھے ڈھونڈھا ہوگا؟ وہ پریشان تو ہوئے ہونگے۔ کیا نعیمہ ٹھیک ہوگی؟" شزا اپنی ہی سوچوں میں گم تھی جب اس کے ہاتھ میں موجود فون پر اذان کی کال آئی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پرسو ہی اس نے شزا کو نیا فون لا کر دیا تھا اور اس وقت کال کر کے خیریت ضرور پوچھتا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ سب خیریت؟" اذان نے دوسری سائیڈ سے ایک فائل پر نظریں ٹکائی ہوئے پوچھا۔ "جی الحمد للہ۔ آپ بتائیں۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ کچھ سوچ رہی تھیں کیا؟" اذان کے سوال پر شزا حیران ہوئی۔ "نہیں کچھ بھی نہیں۔"

"جھوٹ بولنے گناہ ہوتا ہے شزا۔" اذان کی بات پر ایک اور آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ (ویسے جھوٹ بولنا گناہ ہے شزا بی بی۔)

"ہیلو شزا؟" اذان کے پکارنے پر وہ بولی۔ "جی۔ یہیں ہوں۔ کچھ نہیں بس وہ پاپا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" وہ دوسری سائیڈ سے ہنس دیا۔ "ارے تو کیا ہوا؟ تم تو ایسے اعتراف کر رہی ہو جیسے کچھ چوری کرنے کا سوچا ہو۔ اور میں تمہیں ابھی جیل میں ڈال دوں گا۔" اس کی سماعت سے ایک اور آواز ٹکرائی۔ (کیا بچپن میں جوس کے علاوہ اور بھی کچھ چراتی تھیں شزا؟)

"پھر کچھ سوچنے لگیں؟" اس بار وہ پوچھ بیٹھی۔ "آپ میری سوچ کیسے پڑھ رہے ہیں؟" وہ پھر ہنس دیا۔ "بچپن میں جب بھی تم دونوں کو کوئی کھلونا پسند آتا تھا ناں۔ تو تم لوگوں کے کہنے سے پہلے میں وہ ماما سے خریدنے کے لئے کہہ دیتا تھا۔" شزا نے منہ بنایا۔

"یہ سہی ہے۔ مطلب میں آپ سے اور وفا سے کبھی جھوٹ بول ہی نہیں سکتی۔" وہ فائل بند کرتے ہوئے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "ایک منٹ۔۔ کون وفا؟"

"وفا؟ میری دوست ہے ایک۔ کچھ ہفتے پہلے ہی ملی ہے مگر مجھے سمجھتی ایسے ہے جیسے اللہ جانے کب سے جانتی ہو۔ اور وہ صرف مجھے ہی نہیں۔ سب کو سمجھتی ہے۔ کہتی ہے وفا کو آنکھیں پڑھنا آتی ہیں۔" اذان اس کی بات پر صرف "اچھا" کہہ کر رہ گیا پھر پوچھا۔ "یونیورسٹی ٹھیک رہی آج؟ اور فائزہ سے ملی؟"

"آپ کو فائزہ یاد رہی۔" اسے خوش گوار حیرت ہوئی۔

"تمہاری بتائی ہوئی مجھے ہر ایک بات یاد ہے۔"

"ہاں سب ٹھیک رہا۔ اور مینے فائزہ سے نمبر بھی لے لیا اس کا۔"

"اچھی بات ہے۔ اچھا شام کو تیار رہنا کہیں واک پر چلیں گے۔"

"ہم؟"

"جی" ہم۔ "کوئی مثلاً ہے کیا۔"

"نہیں لیکن مجھے رات میں گھر سے نکلنے میں ڈر لگتا ہے۔" وہ جواباً ہنس دیا۔ "ایک پولیس والے کے ساتھ بھی ڈر لگتا ہے؟" پھر گہری سانس لیے کے نرمی سے گویا ہوا۔ "اللہ کے علاوہ کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور میرے ہوتے ہوئے تو بالکل بھی نہیں۔ اور اب میں فون رکھ رہا ہوں۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" شزا نے بھی فون رکھ دیا اور اب وہ دوبارہ اس سبز گھاس کو دیکھنے لگی۔ پچھلے تین دن میں اس کی زندگی کسی کہانی کی طرح ہی بدلی ہے۔ (مجھے لگتا ہے انشاء اللہ تمہارے لئے کوئی شہزادہ یا ہیرو ضرور آئے گا۔) ایک بار پھر وفا کی آواز گونجی تو اُس نے سر جھٹک دیا اور اندر چلی گئی۔

گیس پر دودھ ابل رہا تھا۔ اور عالیہ اس دھودھ کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ سب رات کا کھانا کھا کر اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ آرزو اپنے نائٹ سوٹ میں کچن میں داخل ہوئی تو اسے دیکھ کر فرڈج سے بوتل نکلتے ہوئے بولی۔ "اب کیا چل رہا ہے آپ کے دماغ میں؟" عالیہ نے اسے نا سمجھی سے دیکھا۔ "کیسی باتیں کرتی رہتی ہو آرزو۔ میرے دماغ میں کیا چلنا ہے؟"

"کم و ن موم۔ کیا آپ شزا کے بارے میں نہیں سوچ رہیں؟" شزا کے ذکر پر ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ارے اس کے بارے میں تو سوچتی ہی ہوں۔ تیری طرح میری بیٹی جو ہے وہ۔ وہ تو بس مقدر کے بدلنے کی وجہ سے مجھ سے دور ہو گئی تھی۔" آرزو ان کے برابر میں شیف سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے بال جڈے میں بندھے تھے اور چہرہ صاف تھا۔ شاید وہ ابھی سکن کیئر روٹین فولو کر کے ای تھی۔ مسکراہٹ کے ساتھ ما سے بولی۔

"مقدّر اللہ کی مرضی سے بدلتے ہیں موم۔ جھوٹ اور دھوکوں سے نہیں۔ یہ گھر اس کے مقدّر میں اللہ نے لکھا تھا۔ اسے اس گھر میں آنا ہی تھا۔" عالیہ آرزو کو دیکھ کر رہ گئی۔ حیرانگی سے۔ صدمے سے۔ افسوس سے۔ تکلیف سے۔

"تیری باتیں کبھی کبھی مجھے ڈرا دیتی ہیں آرزو۔ ما کا دل اتنا مت دکھا کہ ما کے دل سے ہی اتر جائے۔" آرزو خاموش ہو گئی۔ اس کی ہاتھ میں موجود بوتل پر گرفت سخت ہوئی اور وہ کچن سے باہر نکل گئی۔ عالیہ کی دکھی نگاہوں نے اس کا دور تک پیچھا کیا تھا۔ دودھ ابل کر گرنے لگا تو عالیہ نے گیس بند کر دی۔

کالے آسمان پر موجود چاند کی روشنی میں جمنا کا پانی چمک رہا تھا۔ ہوا بھی چلتی ہوئی بہت اچھی محسوس ہو رہی تھی۔ اختر منزل سے تھوڑے آگے فٹ پاتھ پر شزا اور اذان آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے تھے۔ ہوا سے پیڑوں کے پتے گر کر ان کے قدموں کے نیچے آ رہے تھے۔ اذان نے سفید کرتا پاجامہ پہنا تھا اور شزا ہلکے سبز رنگ کے سادہ سوٹ میں ملبوس تھی۔ اُس کے سر پر آج بھی دوپٹا جمع ہوا تھا اور شال بھی گرد پھیلی تھی۔

"گھر میں تو سب ٹھیک چل رہا ہے ناں شزا۔ کوئی بات تو نہیں ہوئی۔" خاموشی کو اذان کے سوال نے توڑا تھا۔ "جی۔ سب ٹھیک ہے۔ لیکن آپ مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھتے ہیں؟ کوئی بات ہے کیا؟"

"نہیں۔ ایسے ہی۔" اذان نے انداز کو سرسری سا بنا کر جواب دیا اور پھر موضوع بدلنے کی قرض سے مسکرا کر بولا۔ "ویسے مینے سنا ہے۔ لڑکیوں کا ہمیشہ خواب ہوتا ہے رات میں واک کرنے کا۔ لیکن تم ڈر رہی تھیں۔ کیوں؟"

"میرا نہیں ہے۔"

"کیوں؟" اُس نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"خواب سب کے ہوتے ہیں لیکن وہ ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اور مجھے ادھورے خوابوں سے ڈر لگتا ہے۔ وہ پورے نہیں ہوتے۔"

"خواب پورے نہیں ہوتے شزا۔ انہیں پورا کرنا پڑتا ہے۔ دعاؤں سے۔ کوششوں سے۔ اور ایک دن وہ پورے ہو ہی جاتے ہیں۔"

"کیا آپ کا کوئی خواب پورا ہوا ہے کبھی؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں بالکل۔"

"سچ۔ کیا تھا آپ کا خواب؟" شزا نے جوش اور خوشی سے پوچھا۔

"تم۔" اذان نے مسکرا کر اسے دیکھ کر صرف ایک لفظی جواب دیا۔ وہ اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ "کیا میں بھی کسی کا خواب ہو سکتی ہوں؟" اُس نے اپنے دل سے پوچھا۔ اب اذان

سامنے موجود آئس کریم والے کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ "کون سی آئس کریم کھاو گی؟" شزرا جو اس کے جواب پر تھمی تھی جلدی سے بولی۔ "بٹر سکوچ۔" اذان ایک لمبے کو حیران ہوا اور پھر مسکرا کر چلا گیا۔ وہ اُسے روڈ کے اُس پار جاتے اور پھر دو آئس کریم لاتے دیکھتی رہی۔ "آپ کو بھی بٹر سکوچ پسند ہے؟" شزرا نے اس سے دو بٹر سکوچ لانے پر پوچھا۔ "ہاں۔ مجھے اور شہزادی دونوں کو بٹر سکوچ ہی پسند تھی۔ اصل میں وہ ہمیشہ میری ہی آئس کریم لیتی تھی اسی لئے اسے بھی وہی پسند ہو گئی۔ مجھے تو لگا تھا وفا تم چاکلیٹ کھو گی۔ لیکن شاید تمہاری پسند وقت کے ساتھ بدل گئی ہو گی۔" اب وہ دونو واپس لوٹ رہے تھے۔ اور باتیں کرتے ہوئے ساتھ ساتھ کھا بھی رہے تھے۔ "آپ کبھی مجھے وفا کہتے ہیں۔ کبھی شزرا۔ میں کنفیوز ہو جاتی ہوں؟" اُس کے خفگی سے کہنے پر وہ ہنس دیا۔ "دماغ کہتا ہے تمہیں وفا کہوں۔ دل کو تم پر شزرا نام زیادہ اچھا کرتا ہے۔" شزرا اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"وفا۔" زنیہ کے پکارنے پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ اس کے سامنے ای اور محبت سے پوچھا۔ "تو رو رہی ہے؟" وفانے آنکھ کی نوک سے آنسو صاف کرتے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ نماز کی کالی چادر اس کے بندھی ہوئی تھی اور وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ "چل جھوٹی۔ ایک بات پوچھوں تجھ سے؟"

"ہم۔" وفانے اسے پوچھنے کے لئے کہا۔

"تو ہر بار تکلیف کے باوجود کیسے مسکرا لیتی ہے؟" وہ اس کو دیکھ کر رہ گئی پھر جلدی سے اپنے انداز میں بولی۔

"ارے۔۔۔ مجھے کون سے غم لگے ہیں اپنی جو میں نہ مسکراؤں۔"

"کوئی نہیں۔ اور تجھے غم لگ بھی نہیں سکتا۔ تو خدا ہی اتنا بڑا غم ہے۔" زنیہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اُسے چھیڑا تو وہ منہ بنا کر رہ گئی۔ "ایک بات یاد رکھنا تو۔۔۔ ہم چاروں ایک فیملی ہیں۔ اور ہمیشہ ایک فیملی ہی رہیں گے۔" اس کی بات پر وفانے سر ہلا دیا اور اس کے گلے لگ گئی۔ "اب چل ڈرامہ کوئین۔ نیچے چل کر کھانا کھا لے۔ امی بلا رہیں ہیں۔"

"چلو آ رہی ہوں۔" زنیہ جانے کے لئے مڈی تو وفانے پکارا۔ "اپنی۔۔۔"

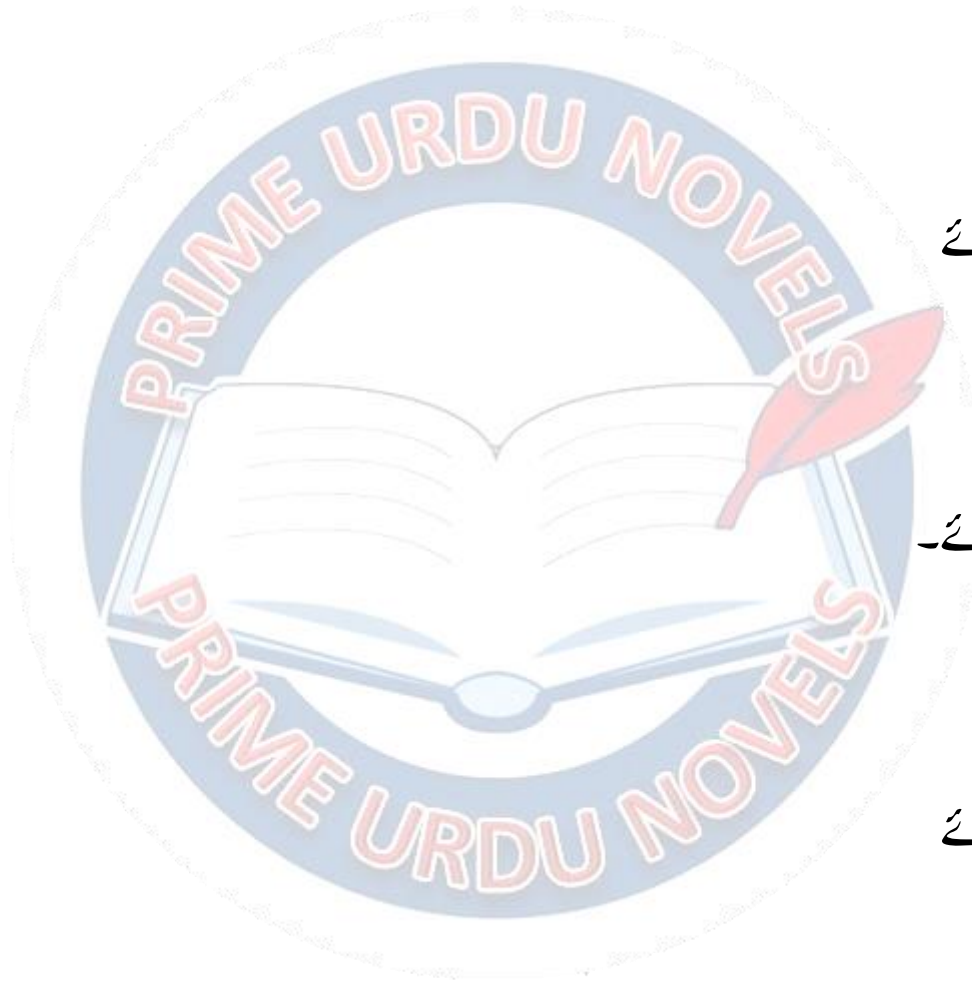
"ہاں۔"

"میں واپس ضرور آؤں گی۔" وفا کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ "یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں وفا۔ ورنہ کون بے وقوف لڑکی اتنا سب کچھ ملنے کے بعد واپس آنا چاہے گی۔" زنیہ اپنے خیالوں میں اُس سے کہہ کر سر جھٹک کر چلی گئی اور وفا ایک بار پھر کھڑکی میں سے سامنے موجود اس درخت کو دیکھ رہی تھی۔ جس پر بیٹھی چڑیا کا گھوسلا گزرے ایک ہفتے پہلے

کی تیز بارش اور ہوا سے ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن وہ مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی اس کے لوٹنے تک یہ گھوسلا و بارہ بن چکا ہوگا۔



باب۔ ۷



کوئی کیا جانے
کب کیا ہو جائے
کوئی کیا مانے
کب کیا ہو جائے۔
کوئی کیا چاہے
کب کیا ہو جائے
کوئی کیا جانے
کب کیا ہو جائے۔

یہ بروز جمعہ تھا۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا اور رات قریب تھی۔ اونچا آسمان صاف تھا اور اس پر چاند بھی اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اختر منزل کے مکین آج سب

ساتھ جمع تھے۔ باورچی خانے سے لیز کھانوں کی خوشبو بھی آرہی تھی۔ اذان فریش ہو کر سیاہ کرتا پاجامہ زیب تن کیے آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا جب شزا نے دروازہ کھٹکھٹا اور اندر داخل ہوئی۔ وہ بہت خوش لگ رہی تھی اور اس کی صحت بھی پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ سفید رنگ کے سادہ سوٹ میں سر پر دوپٹے ڈھکے وہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔ "بلکل سہی وقت پر چائے لائی ہو شزا۔ مجھے اسی کا دل ہو رہا تھا۔" اذان نے آگے بڑھ کر کپ اٹھاتے ہوئے کہا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔ فون سے نظریں ہٹا کر ریاض نے اذان کے چہرے پر موجود نرمی کو غور سے دیکھا۔ "ریاض۔۔ یہ تمہاری چائے۔" شزا نے اس کے سونے کے سامنے سینٹر ٹیبل پر کپ رکھتے ہوئے کہا۔ ریاض نے اس کی جانب ایک مسکراہٹ اچھال دی۔ "چائے کیسی بنی ہے اذان؟" ریاض نے کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "ماشاء اللہ۔ بہت اچھی بنی ہے ریاض۔ اور شزا تو کھانا بھی اتنا اچھا بناتی ہے۔" اذان نے تعریف کرتے ہوئے شزا کی ایک اور خوبی بیان کی۔ وہ "شکریہ" کہہ کر چلی گئی تو ریاض اپنی انگلیوں پر کچھ گننے لگا۔ "کیا گن رہا ہے؟" اذان نے اسے دیکھنا سمجھی سے پوچھا۔ "حساب کر رہا ہوں کہ تو نے آج تک میری بنائی ہوئی چائے کی کتنی بار تعریف کی ہے۔" مسکراہٹ ضبط کر کے کہے گئے ریاض کے لفظوں پر اذان نے گھورا۔ "مجھے آنکھیں مت دکھاؤ مسٹر اذان اختر۔ ہاں البتہ میری آنکھیں بہت کچھ دیکھ رہی ہیں۔"

"مجھے تیری کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی۔" اذان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں بالکل ویسے ہی نا۔ جیسے پورے خاندان میں سب کو پسند آنے والی میری بنائی ہوئی چائے آج تک آپ کو پسند نہیں ای جناب۔" اس نے اذان کی نانصافی گنوائی۔

"شزا واقعی میں اچھی چائے بناتی ہے۔" اس نے اپنی دلیل دی۔

"وہ تو ہے ہی بہت اچھی لڑکی لیکن تو نے کتنو کی اتنی نرمی سے آج تک تعریف کی ہے؟ یا میں کہوں۔۔۔ نرمی سے نہیں۔۔۔ محبت سے۔" ریاض نے معصومیت سے کہتے ہوئے اپنا کپ خالی کر کے رکھا۔

"ریاض فالتو مت بول۔" اذان نے بھی اپنا کپ رکھتے ہوئے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے اپنا فون اٹھایا۔

"میں فالتو بول بھی نہیں رہا بھائی۔ صرف وہی بتا رہا ہوں جو مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ تو ہمیشہ لڑکیوں سے کام کی ہی بات کرنے والا یوں اچانک کسی لڑکی کے لئے اتنا سب کریگا تو کسی اندھے کو بھی دکھ جائے۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میری تو پھر دونوں آنکھیں سلامت ہیں۔" دوسری جانب خاموشی رہی۔ وہ اپنے فون میں ہی لگا رہا۔ "مان لے اذان تجھے شزا پسند ہے۔"

"ہاں ہے۔ تو؟" وہ ایک دم خاموش ہو گیا جیسے انجانے میں اعتراف کر بیٹھا ہو۔ ریاض کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "یہی اعتراف تو میں سننا چاہتا تھا۔" اذان ضبط سے

دروازے کی جانب بڑھنے لگا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "ارے میں تو تیرا ارادہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اچھا اگر وہ تجھے نہ مل سکی تو کیا تو اس کے لئے اسٹینڈ لیگا؟"

"وہ مجھے پورے سولہ سال بعد ملی ہے ریاض۔ اس بار میں کسی کو درمیان میں نہیں آنے دوں گا۔ ہمارے مقدر کو بھی نہیں۔" اذان نے ایک جھٹکے سے مڈ کر اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا اور پھر مڈ کر باہر چلا گیا۔ "شکر ہے اب کم سے کم یہ سنگل تو نہیں مرے گا۔" ریاض بھی اپنی خوشی ضبط کرتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگا۔

اذان نیچے آیا تو سبھی لوگ موجود تھے۔ خواتین اپنی باتوں میں مصروف تھیں اور مرد اپنی۔ شزا دادو کے ساتھ بیٹھی تھی اور سہیل نسیم کے۔ البتہ آرزو اور سمی چپس کھاتے ہوئے اپنے اپنے فونز میں لگے تھے۔ "بس اللہ اب میری ائمہ کو بھی مجھ سے جلد ہی ملا دے۔" دادو شزا کو پیار کرتی ہوئی دعا کر رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی بیٹھی ان سب مکینو کو خاموشی سے مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ اسے سچ جانے اور یہاں اے ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ وہ اکثر سوچتی تھی کہ اللہ جانے اس کی بہن کیسی ہوگی؟ کہاں ہوگی؟ کیسی دکھتی ہوگی؟ اور اللہ جانے اس سے کب ملیگی۔

اذان کے برابر میں کھڑے ریاض کو پتا نہیں کیا سو جھی۔ "نانو جب وہ مل جائے گی تو کیا ہوگا؟" وہ ہنس دیں۔ "کیا ہوگا سے کیا مطلب ہے بیٹا؟ میرا خاندان پورا ہو جائے گا۔" اس سے

پہلے ریاض مزید کسی سوال کا اضافہ کرتا۔ مونو بھاگا بھاگا آیا۔ "کیا بات ہے لڑکے؟ ایسے بھاگ کر کیوں آرہے ہو؟" اختر صاحب نے اس سے پوچھا۔ سبھی لوگ اس جانب متوجہ ہوئے۔ "بڑے صاحب۔۔ کوئی خاتون آئیں ہیں۔ آپ کو بلانے کا کہا ہے۔ اور میں نے پوچھا کہ کون ہو؟ تو کہتی ہیں کہ آپ کی بیٹی۔" مونو نے ایک ہی سانس میں سب بتا دیا۔ اختر صاحب حیرانی سے اٹھے تو سہمی کے بے ساختہ منہ سے نکلا۔ "ہو گیا خاندان پورا۔" آرزو نے ایک دم اس کے کوہنی ماری۔

ریاض نے اذان نے کان میں ہلکی آواز میں پوچھا۔ "نانا نے کوئی دوسری شادی بھی کی تھی کیا؟ جو میری کوئی خالہ اسی ہوں۔" اذان سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے بڑھا تو اختر صاحب نے روک دیا اور خد آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے باقی سب بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ "کون ہو تم؟" اختر صاحب کی بلند آواز سب میں گونجی۔ وہ لڑکی پلٹی اور مسکراہٹ کے ساتھ پورے اعتماد سے بولی۔

"وفا فتح اختر۔"

"وفا فتح اختر۔" اس ہلکی آواز اور مضبوط لہزے کے سامنے ان کی بلند آواز بھی لمبے بھر کو پست پڑ گئی۔ سب لوگ حیرانی سے اس سیاہ سادہ فرائک میں ملبوس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے سر پر آج سیاہ ہی حجاب بندھا تھا اور بنا چشمے کے بھوری کانچ سی آنکھیں

سادگی اور محبت لئے چمک رہی تھیں۔ وقت بدل گیا تھا لیکن وہ پہچان گئے تھے۔ وہ وہی تھی۔ نرمی اور مسکراہٹ لئے پورے اعتماد کے ساتھ انہیں دیکھتی ہوئی پہلے خد کو "زویا فتح اختر" کہتی تھی اور آج کسی اور روپ میں تھوڑے فرق کے ساتھ دوبارہ ان کے سامنے کھڑی خد کو "وفا فتح اختر" کہہ رہی تھی۔

"وفا۔۔ لیکن وفا تو شزا ہے نا۔" خاموشی کے وقفے کو سہیل کی آواز نے توڑا۔ "شزا وفا نہیں۔ آئمہ ہے۔" اذان کے جواب پر سبھی اسے حیرانی اور نا سمجھی سے دیکھنے لگے۔ کیا وہ پہلے سے جانتا تھا؟ کیا اس نے جھوٹ بولا؟ اذان نے سبھی کی آنکھوں میں سوال دیکھتے سوائے شزا کے۔ وہ صرف بے یقینی سے کبھی وفا۔ تو کبھی اذان کو دیکھ رہی تھی۔

"کوئی مجھے بتایگا آخر اس گھر میں چل کیا رہا ہے؟" نسیم نے غصہ سے پوچھا۔ "ہاں اذان تم نے تو کہا تھا کہ وفا شزا ہے۔" صوفیہ نے نا سمجھی سے پوچھا۔ "مجھے بھی یہی لگا تھا کہ وفا شزا ہے۔ کیونکہ ساری کڑیاں شزا پر ہی جڑ رہی تھیں۔ اسی کے پاس وفا کا کڈا بھی تھا۔" سب اسے اچھٹے سے دیکھ رہے تھے سوائے وفا کے۔ جس کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ جیسے ناجانے کون سا قلعہ فتح کر کے ای ہو۔

"لیکن میرے دل میں ایک بے یقینی تھی۔ میں وفا کو پہچاننے میں غلط ہو سکتا ہوں پھوپھو۔ لیکن اذان اپنی شہزادی کو پہچاننے میں غلط نہیں ہو سکتا۔ شزا کی پسند۔ ناپسند۔ باتیں۔۔ مجھے اسے وفا قبول کرنے ہی نہیں دے رہی تھیں۔ اور میں کل سے

اس معاملے کو بھی دیکھنے والا تھا۔ "وہ خاموش ہوا تو دادو گہری سانس لے کر وہیں سوئے پر بیٹھ گئیں۔

"بڑے بابا۔۔۔" وفانے کہتے ہوئے اختر صاحب کی جانب پہلا قدم بڑھایا۔ ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ (Trust me dear)۔

پھر دوسرا قدم بڑھایا۔ (I didn't do anything)۔

پھر تیسرا۔ (Its just a)۔ اور پھر آخری۔ (Game of MUQADDAR) اسے لگ رہا تھا اگر اب ایک اور بڑھایا تو وہ گر جائے گی۔ اور پہل کرنا تو ہمیشہ مشکل ہی ہوتا ہے۔

دو قدموں کا فاصلہ مٹا کر اختر صاحب آگے آئے اور نم آنکھوں سے اس کا ماتھا چوما۔ "میری بیٹی۔۔۔ اتنا وقت کیوں لگا دیا مجھے بڑے بابا کہنے میں۔" انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا۔ "بہت مشکل تھا میرے لئے۔ بہت دور پہنچ گئی تھی میں۔ اور پلٹنا تو بالکل آسان نہیں ہوتا ناں۔" وفانے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تمہارے پاس آخر کیا ثبوت ہے کہ تم ہی وفا ہو؟" نسیم کے سوال پر اس میں اشتیال آیا۔ "مجھے اپنا آپ ثابت کرنے کے لئے کسی کو کوئی ثبوت دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ میں اتنے وقت میں بھی نہیں پلٹ سکی۔" وہ اس کی بات پر ضبط کر گئے۔ "نہیں۔۔۔ مجھے کوئی ثبوت نہیں چاہیے۔ میں جانتا ہوں یہ میری وفا ہی ہے۔ مجھے بڑے

بابا صرف میری وفا ہی کہہ سکتی ہے۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے کہا اور اسے لئے آگے بڑھے۔ اسے فرزانہ بیگم کے ساتھ بیٹھا کر خد بھی بیٹھ گئے۔ "دادو۔۔" وفانے بھیگی آواز کے ساتھ انہیں پکارا۔ تو وہ اس سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ "شرزا؟" اس نے ان سب کو دیکھتے ہوئے اسے ڈھونڈھا جس کے لئے وہ یہاں ای تھی۔ وہ پول سے لگی کھڑی بے یقینی لئے نم آنکھیں اسی پر جماع ہوئی تھی۔ دادو الگ ہوئیں تو وفا تیزی سے اٹھی اور اس سے جا لگی۔ اور یہاں شرزا کے آنسو اس کی آنکھوں کا بان توڑ کر بہ نکلے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وفا اسے بھیگی آواز میں حوصلہ دے رہی تھی۔ "بس میری جان۔۔۔ بس۔۔۔ میں اب تمہیں اکیلا نہیں ہونے دوں گی۔۔" سب اسے دیکھ رہے تھے جو آج واقع میں اس کی بڑی بہن لگ رہی تھی۔

"تم ایک دوسرے کے بارے میں جانتی ہو؟" صوفیہ آنسو صاف کرتی ہوئی ان کے پاس ای اور پوچھا۔ وفانے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی۔۔ ہماری دوستی یونی میں ہوئی تھی لیکن میں اس وقت نہیں جانتی تھی کہ شرزا کون ہے۔"

"تمہیں میرے یہاں ہونے کا کیسے معلوم ہوا وفا؟" وہ اب اپنے اوپر ضبط کرتی ہوئی پوچھنے لگی۔ وفانے آنکھوں کو بڈا کیا اور راز کے سے انداز میں اس کے سامنے انگلیاں گھما کر بولی۔ "جادو سے۔۔۔" سب اسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔ اس نے ساتھ کھڑی صوفیہ کا چہرہ دیکھا جو نا سمجھی اور حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی تو قہقہا لگا کر ہنس دی۔ پھر خفگی بھرے

انداز میں ناراضگی سے بولی۔ "کل دوپہر میری فائزہ سے بات ہوئی تو تمہاری ان رازدار موحترمہ نے بڑے اسرار کے بعد بتایا کہ تم یہاں ہو اور کون ہو۔ اور تمہیں تو اتنی توفیق ہوئی نہیں کبھی کہ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتا ہی دو بد تمیز لڑکی۔" شزا بے ساختہ ہنس دی اور اسے ہنستا دیکھ وہ لوگ بھی مسکرا دیے۔ عالیہ کہنے لگی۔ "یہ سوپر سینٹ ہماری وفا ہی ہے۔ پل بھر میں اس نے روتے کو ہنسا دیا۔"

"چلو مطلب آخر کار ہماری دادو کا خاندان مکمل ہو ہی گیا۔" سسی کے کہنے پر وہ سب مسکرا دیے۔ چاہے دل سے۔ چاہے بے دلی سے۔ "ہاں بالکل۔ یہ وقت بھی آ ہی گیا۔ لیکن خاندان کے مکمل نہیں۔ شاید الگ ہونے کا۔" وفانے دل میں خد سے کہا مگر شاید ابھی یہ زبان سے کہنے کا موقع نہیں آیا تھا۔

"یہ تو کچھ نہیں جانتی تھی۔ لیکن تمہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ تمہیں سب معلوم تھا وفا۔ تو گھر واپس کیوں نہیں آئیں؟" وہ خاموش رہی تو صوفیہ نے مزید کچھ نہیں پوچھا اور پیار سے ان دونوں کو سونے پر لا کر بیٹھا دیا۔ فرزانہ بیگم نے باری باری دونوں کا ماتھا چوما اور پھر اس سے شکوہ کیا۔ "بیٹا تمہیں ہماری یاد نہیں آئی؟" اور اس سوال پر اس کا ضبط جواب دے گیا۔ "دکھ تو یہی ہے کہ مجھے سب یاد ہے دادو۔۔۔ اور مثلاً تو یہی ہے کہ میں چاہ کر بھی کچھ نہیں بھول پائی۔"

"آج تم نے میری تعریف نہیں کی فتح؟" زویا نے شکوہ کیا۔ فتح نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی بیوی کو دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تمہاری تعریف تو سب کرتے ہیں۔"

"سب کریں اور تم نہ کرو تو ایسی تعریف کا کیا فائدہ۔" اس کی بات پر فتح ہنس دیا اور دوسرے ہاتھ سے ساتھ بیٹھی سیاہ ساڈی میں ملبوس زویا کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "میری پیاری بیگم صاحبہ۔۔۔ مسیز زویا فتح اختر۔۔۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آج آپ بہت حسین لگ رہی ہیں۔ بہت بہت خوبصورت۔" فتح کی تعریف پر پیچھے بیٹھی پانچ سالہ وفانے تالیں بجائیں۔ آئمہ گہری نیند میں سو رہی تھی۔ زویا شرمائی اور شکریہ کہہ کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ راستے کی خاموشی کو وفا کی پریشان آواز نے توڑا۔ "مما۔۔۔ شہزادی کا کڈا غائب ہے۔ دیکھو اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔"

"کیا؟ کہاں گیا؟" فتح نے بھی مرر میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ارے کہیں نہیں گیا میرے بیگم میں ہے۔ پتا نہیں کیسے ٹوٹ گیا تھا تو مینے اتار لیا ورنہ لگ جاتا اس کے۔" زویا کے بتانے پر اس نے گہری سانس لی۔ اور اپنا کڈا اتار کر اسے پہنانے لگی۔ "یہ کیوں کر رہی ہو وفا؟ میں ٹھیک کرا کر شہزادی کو پہنا دوں گی۔"

"شہزادی بھی تو میری ہی ہے ناں ممما۔ اور اس کا خالی ہاتھ اچھا نہیں لگ رہا۔" زویا خاموش ہو گئی اور اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ "دیکھ لو بیگم۔ ہماری وفا پوری تم پر لگی ہے۔"

"یہی تو میں نہیں چاہتی فتح کہ یہ مجھ پر جائے۔ کیونکہ جو دوسروں کے ہاتھوں کو بھرتے ہیں ناں۔ بعض اوقات ان کے خد کے ہاتھ خالی رہ جاتے ہیں۔" زویا اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ فتح نے ماضی کی یادوں سے ایک بار پھر اس کا ذہن ہٹایا۔ "اچھا جی یعنی تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو۔"

"اب میں ایسا کب کہا؟"

"مجھے تو یہی لگا۔"

"غلط لگا۔" زویا نے ماتھے پر بل لے کر کہا۔

"تو کیا تم خوش ہو؟" فتح نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ کامیاب ہو گیا تھا۔

"خوش نہ ہوتی تو کیا تمہارے ساتھ یہاں موجود ہوتی؟" فتح ایک بار پھر ہنس دیا جب ایک دم سے اس کی مسکراہٹ سمٹی۔ "کیا ہوا؟" زویا نے پوچھا۔ "میں دیکھ رہا ہوں یہ گاڑی بہت دیر سے ہمارے ساتھ چل رہی ہے۔" زویا نے اسے فکر مندی سے دیکھا۔ اس سے پہلے اور لمبے بیتے۔ اس پیچھے آ رہی کالی کار نے انہیں بہت زور سے ٹکڑ مارا۔ وہ پورے ہل کر رہ گئے لیکن ان کی کار سمجھل گئی۔ "فتح یہ کیا ہو رہا ہے؟"

کچھ ہی وقت میں اس کار نے دوبارہ ٹلکر ماری اور تیز رفتار سے آگے بڑھ گئی۔ ایک زور دار آواز ای۔ان کی گاڑی کے پلٹنے کی۔ شیشوں کے ٹوٹنے کی۔ ان لوگوں کی چیخوں کی۔ ان چیخوں کی جن کی آواز میں خوف تھا۔ پریشانی تھی۔ صدمہ تھا۔ حیرانی تھی۔ جن میں۔۔۔ دھوکے اور بے وفائی کی تکلیف تھی۔ شیشے ٹوٹ کر ان سب کے لگ گئے تھے۔ تیل بھی گر کر پھیلنے لگا تھا۔ "وفا۔۔ آئمہ۔۔ تم دونوں ٹھیک ہو؟"

"مما میرا پیر پھس گیا ہے اور آئمہ کے سر سے بھی خون نکل رہا ہے۔" زویا نے بامشکل اپنی بیلٹ کھولی اور کسی طرح باہر ای۔"فتح۔۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں لیکن یہ بیلٹ نہیں کھل رہی۔" زویا نے پیچھے کا دروازہ کھول کر آئمہ کو باہر نکالا۔ وہ نیم بے ہوشی میں ما کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ وفا کی جانب بڑھی۔ "بیٹا بس تھوڑا سا برداشت کر لو۔ ممما ابھی پیر نکال دیگی۔" زویا کے بھی ہاتھوں میں کانچ چبھ گئے تھے لیکن وہ کوشش کر رہی تھی اور وفا آنکھوں میں آنسو لئے اسے ضبط سے دیکھ رہی تھی۔ "فتح یہ مجھ سے نہیں ہو پا رہا۔ میں تمہاری بیلٹ کھولنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"نہیں تم جاؤ زویا۔ اس سے پہلے کہ آئمہ کا بھی زیادہ بلڈ لوس ہو اور تیل آگ پکڑ لے۔ تم اسے لے کر جاؤ۔" زویا چیخ پڑی۔ "تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟ تمہیں اور وفا کو چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا رہی۔"

"بات کو سمجھو۔۔ وہ کار دوبارہ بھی آ سکتی ہے۔ اور وفا کو میں بچا لوں گا۔ تم ایک کو لے کر تو جاؤ۔ کہیں مدد دیکھو۔"

"نہیں فتح میں۔۔۔"

"میرا یقین کرو یا۔ زویا پلیز۔۔" زویا نے نم آنکھوں سے پہلے اسے دیکھا پھر وفا کو جو ڈری ہوئی سی اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ اور اس کا گال چوم کر آئہ کو لے کر جہاں آگے کہیں سے روشنیاں دکھائی پڑ رہی تھیں۔ وہاں کی جانب بھاگی۔

"بیٹا بس بابا ابھی کچھ کرتے ہیں۔" فتح نے کہتے ہوئے کانچ کے ٹکڑے سے بیلٹ کاٹنے کی کوشش کی۔ "بابا فون۔۔" وفانے نظر آنے پر پاس پڑا فون اٹھا کر ان کی جانب بڑھایا۔ فتح نے احمد کا نمبر ملایا لیکن اس جانب سے کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ اتنے میں ہی وہ کار دوبارہ ای اور ایک بار پھر انہیں ٹکڑے مار کر بڑھ گئی۔ ان کی گاڑی اور دور پہنچ گئی۔ اور دوبارہ سے تیل اس کے گرد جمع ہونے لگا۔ فتح کو کچھ سمجھ نہ آیا ایسے وقت میں کسے فون کرے جو جلدی آجائے۔ اس علاقے میں پولیس بھی آنے میں خاصہ وقت لیتی۔ جیسی اسے ایک دوست کا خیال آیا۔ پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں شاہد وہاں پہنچ گئے تھے اور اس کی جانب بڑھے تو فتح نے پہلے وفا کی جانب اشارہ کیا۔ شاہد نے پہلے وفا کو نکالا اور پھر اس کی جانب بڑھے۔ بیلٹ ایسے وقت میں کٹ بھی نہیں رہی تھی۔ "یہ کٹ کیوں نہیں رہی ہے

فتح؟" شاہد نے پریشانی کے عالم میں کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "جو چیز جس وقت پر ہونی ہوتی ہے ناں۔ وہ ہو کر رہتی ہے۔ بہت کم وقت بچا ہے شاہد۔ وفا کو اپنے ساتھ لے جا۔"

"تو کیسی باتیں کر رہا ہے؟ میں اپنے بچپن کے دوست کو مرنے کے لئے چھوڑ جاؤں؟"

"لیکن اس دوست کی بیٹی کو بچا لے یار۔ کار کسی بھی وقت آگ پکڑ سکتی ہے۔ اسے کم سے کم اس سے تو دور لے جا۔"

"بابا اللہ پاک آپ کو بچا لینگے۔ اور میں کہیں نہیں جاؤنگی آپ کے بنا۔" پاس کھڑی وفانے روتے ہوئے کہا۔ شاہد لگاتار اپنی کوشش کر رہے تھے۔ "بیٹا آپ نے اپنا خیال رکھنا ہے۔ ہم سب ایک دن دوبارہ ضرور ملیں گے۔" فتح نے اس سے کہا اور پھر شاہد کو دھکا دیا۔ "وفا کو دور لے جا۔ پلیز اسے بچا لے اور اس کا خیال رکھنا۔ اس کی جان کو خطرہ ہے۔" شاہد نے فتح کو بے بسی سے دیکھا اور پھر وفا کو اٹھا کر کار سے دور لے گئے۔ "بابا۔۔۔ بابا۔۔۔" وہ روتے ہوئے اپنی پوری قوت سے چیخ کر اپنے باپ کو پکار رہی تھی۔ "بابا۔۔۔ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ بابا۔۔۔" جو اب اسے زخمی ہنسی کے ساتھ پیار سے دیکھ رہا تھا۔ فتح کے سر سے بہتی خون کی لکیر اس کے بہتے آنسو کے ساتھ مل کر گر رہی تھی۔ شاہد اسے اتار کر دوبارہ مڈ کر فتح کی جانب بڑھے ہی تھے کہ ایک زوردار دھماکے کے ساتھ ہی پوری کار جل گئی۔ "فتح۔۔۔" وہ چند لمہے کو تو ساکت رہ گئے۔ آگ کی لپٹیں بہت اونچی اٹھ رہی تھیں۔ اور اپنے ساتھ بہتوں کی خوشیاں بھی جلا کر راکھ کر رہی تھیں۔ اچانک سے انہیں وفا کا خیال آیا

تو انہو نے مڈ کر دیکھا۔ وہ دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے زخمی ہاتھ اور پیر سے خون بہ رہا تھا۔ شاہد نے اسے گود میں اٹھایا اور اپنی کار کی طرف بھاگے۔ انہیں اس وقت وفا کو ہو سپٹل لے جانا تھا۔

زویا بھاگتی ہوئی اس آبادی والے علاقے میں پہنچی لیکن اسے وہاں اتنی رات میں کوئی نہ دکھا۔ اتنے میں ہی اسے وہ تیز رفتار کالی کار دوبارہ آتی دکھائی دی۔ زویا نے دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کے شیشوں پر بھی کالا کپڑا لگا تھا۔ جس سے باہر سے کچھ دکھائی نہ پڑ سکا۔ اسے اپنی جانب آتا دیکھ وہ بہت تیزی سے بھاگی اور ایک گھر کا دروازہ بجایا۔ دروازہ کسی بوڑھی عورت نے کھولا۔ "آپ پلیز میری بیٹی کو کچھ وقت کے لئے حفاظت سے رکھ لیں۔ میں ابھی آکر اسے لے جاؤنگی۔" اس عورت نے پہلے تو انکار کیا مگر زویا کے ہاتھ جوڑنے پر اس کی مدد کرنے کا سوچ کر اس نے بچی کو اپنی گود میں لے لیا۔ آئٹم نے روتے ہوئے ہلکی بے ہوشی کے عالم میں وہ ہاتھ پکڑے رہنے کی کوشش کی لیکن وہ ہاتھ چھوٹ گیا۔ زویا وہاں سے سیدھا روڈ پر فتح کی جانب جانے کو بھاگی تو اس کار نے تیز رفتار سے آکر اسے ٹکڑا کر دی۔ اس نے اپنے آپ کو ہوا میں محسوس کیا۔ اس نے اپنے آپ کو بہت دور جا کر گرتا ہوا محسوس کیا۔ اس نے ایک درد کی تیز لہر کے ساتھ اپنے سر سے خون بہنا محسوس کیا۔ اس کے ذہن میں سارے منظر ابھرنے لگے۔

(بابا۔۔نہ۔۔بابا نہیں۔۔مجھے یہاں نہیں رہنا۔مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔)۔

(کیا تم مجھ سے شادی کروگی زویا؟)۔

(تمہارا بہت شکریہ عالیہ۔ آج تم نے مجھے یقین دلا دیا کہ بہن بہن ہوتی ہے۔ چاہے سگی ہو یا سوتیلی۔)۔

(میں وعدہ کرتا ہوں زویا۔ میں تمہارا اپنی آخری سانس تک ساتھ دوں گا۔)

(آپ اتنی پیاری کیوں ہیں؟)۔

(کیا میں آپ کو مماکہہ سکتا ہوں؟)۔

(مماکہیں ناں شہزادی سے کہ میں اس سے بڑی ہوں۔ چاہے ایک منٹ ہی سہی۔)۔

(مما وفا گر گئی۔)۔

(Trust me dear.I didn't do anything.Its just a Game of Muqaddar).

زویا کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو گئیں۔ اور پھر اس کے مقدر کی داستان بھی وہیں ختم ہو گئی۔ اس کے ذہن میں ابھرنے والی آخری تصویر ان پانچوں کے ساتھ ہونے کی تھی۔

اگلی صبح اس کی لاش کی پہچان کے لئے وہ سب اے تو پورے اختر خاندان پر تکلیف کا پہاڑ ٹوٹ گیا۔ اس کی اور اس کے برابر میں فتح کی جلی ہوئی لاش دونوں موجود تھیں۔ عالیہ بہن کو دیکھ کر پاگلوں کی طرح نسیم سے لگ کر رونے لگی تھی۔ بیٹے اور بہنوں کی موت سے شدت سے روتے ہوئے اختر صاحب کو احمد سہارا دیے ٹوٹا ہوا کھڑا تھا۔ اگر اسے دیکھ کر یہ کہا جاتا کہ کل رات اس حویلی میں موجود اگر کسی شخص کا سب سے زیادہ نقصان ہوا تھا تو وہ شاید احمد ہی تھا تو یہ بھی غلط نہ ہوتا۔ صوفیہ نے نم آنکھوں کے ساتھ زویا کو بہت غور سے دیکھا تھا لیکن آج وہ اسے سیاہ رنگ میں بلکل اچھی نہیں لگی تھی۔ نظر لگ چکی تھی۔ اور اختر منزل کی خوشیوں کو نفل بھی چکی تھی۔ اور پھر نظر تو پتھر کو بھی توڑ دیتی ہے۔

اسے پورے دو ہفتے بعد تیز بخار کے اترنے پر پوری طرح ہوش آیا تھا۔ وہ کسی گھر کے کمرے میں موجود تھی۔ کھڑکیوں سے صاف آسمان دکھائی پڑ رہا تھا۔ اس کے باہر ایک پیڑ بھی تھا۔ کتنی ہی دیر وہ خاموشی سے اس ہرے بھرے پیڑ کو گھورتی رہی۔ پھر اچانک سے سب یاد اور سمجھ آنے پر ایک جھٹکے سے اٹھی۔ اس نے خوف سے ادھر ادھر نظریں گھمائی۔ اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھی تو کسی آواز پر ٹھٹھک کر رکی۔ "مجھے تو اس بچی کے سوالوں سے ابھی سے ڈر لگ رہا ہے شاہد۔ جب وہ ٹھیک ہو کر اٹھگی تو ہم اسے کیسے بتائینگے کہ اس کے ماباپ نہیں رہے؟" وہ ایک دم سن ہو گئی۔ اسے لگا وہ ابھی گر جاگی۔ "وہ تو بعد

کے سوال ہیں۔ پہلے اسے ہوش تو آجائے۔ "شاہد کی فکر مند سی آواز گونجی۔" تم اسے اس کے خاندان کو دے آؤ گے کیا؟

"بلکل نہیں۔۔ فتح اپنے گھر والوں پر جان چھڑکتا تھا۔ کوئی تو بات ہوگی جو اس نے وفا کا خیال رکھنے کے لئے مجھ سے کہا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کی جان کو خطرہ ہے۔"

"لیکن اسے کس حق سے یہاں رکھو گے؟ وہ جانے کی ضد ضرور کریگی۔ اور اس کی بہن کا کچھ پتا چلا؟"

"نہیں۔ اس کا تو کچھ بھی پتا نہیں چل رہا۔ سب کو لگتا ہے دونوں کہیں کھو چکی ہیں۔ میرے دماغ میں بھی آیا کہ نسیم کو وفا کے بارے میں بتا دوں لیکن میرا دل نہیں مانا۔" اور اپنی شہزادی کا سن کر وہ لڑکھڑا کر گر گئی۔ کتنی ہی دیر وہ زمین پر بیٹھی رہی پھر اٹھی اور خاموشی سے کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ "وفا۔۔" نغمہ بیگم جو اسے دیکھنے آئی تھیں۔ پکار کر تیزی سے اس تک آئیں۔ وفانے دیوار سے لگے ہوئے خوف سے انہیں مڑ کر دیکھا تو وہ دم سادھے رہ گئیں۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ چہرہ سرخ اور بھیگا ہوا تھا۔ وہ بہت آہستہ سے گھٹنوں کے بل بیٹھیں اور اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ پہلے تو وہ دیکھتی رہی پھر آہستہ سے اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ انہوں نے اسے خد سے لگا لیا۔ وفا تڑپ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔ وہ آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

(Trust me dear....I didn't do anything)

وہ روتے ہوئے ہی سو گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔ اسے اپنے اوپر ایک آٹھ سالہ بچی جھکی دکھائی دی۔ اس کے ڈر کر بیٹھنے پر وہ اپنی آنکھیں بڈی کر کے اس سے مسکرا کر بولی۔ "شکر ہے تم اٹھ گئیں۔ تم کتنا سوتی ہو۔ جب سے ای ہو سوے جا رہی ہو۔ اور تمہیں پتا بھی ہے میں تمہارے اٹھنے کا کب سے انتظار کر رہی ہوں؟" وفانے سر نفی میں ہلا دیا۔ اس لڑکی نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ "ارے ہاں۔ تمہیں کیسے پتا ہوگا تم تو سو رہی تھیں ناں۔ ویسے میرا نام زنیرہ ہے۔ لیکن تم مجھے اپنی کہنا۔ میرا کوئی چھوٹا بھائی بہن نہیں ہے لیکن ڈیڈی نے کہا ہے تم میری بہن ہو۔ مجھ سے دوستی کرو گی؟" اس نے کہتے ہوئے جوش سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ وفانے نہیں تھا تو اس کے چہرے پر افسوس پھیلا۔ "کوئی بات نہیں تم تھوڑا اور سو جاؤ۔" اس نے کہا اور بیڈ سے اترنے لگی۔ وفانے اسے جاتا دیکھ خوف سے روکا۔ "اپنی۔۔ مت جاؤ۔" زنیرہ نے رک کر اسے حیرانی سے دیکھا اور پھر خوشی سے اس کے ساتھ ہی لیٹ گئی۔ کچھ ہی وقت میں وہ دونوں ہی ساتھ سو چکی تھیں۔

اس نے خاموشی باندھ لی تھی۔ نہ کوئی شکوہ۔ نہ کوئی سوال۔ نہ ان میں سے کسی سے کچھ پوچھا۔ نہ بتایا۔ شاہد نے اسے ڈاکٹر کو بھی دکھایا۔ لیکن انہوں نے بھی اسے بالکل ٹھیک بتایا۔ نگہ اس سے پہلے بھی ملی تھیں۔ جانتی تھیں کہ وہ خاموش مزاج کی ہے لیکن اتنی خاموشی انہیں

تکلیف دیتی تھی۔ انہوں نے اسے اپنی چھوٹی بیٹی ہی مان لیا۔ کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔ آہستہ آہستہ وہ بھی سمجھل گئی۔ اس نے اپنے آپ کو انہی کا ایک فرد بنا لیا۔ پہلے وہ خاموش رہتی تھی لیکن پھر وہ بولنے لگی۔ اور بہت زیادہ بولنے لگی۔ بہت زیادہ ہنسنے لگی۔ ہنسانے لگی۔ وہ کبھی کبھی بہت حیران ہوتی تھیں۔ کہ اللہ نے اس بچی کو اتنا صبر کیسے دے دیا؟ وہ لوگ سمجھتے تھے وہ سب بھول چکی ہے۔ لیکن یہ صرف وہی جانتی تھی کہ اسے سب یاد ہے۔ سب کچھ۔ وقت کے ساتھ سب بدل جاتا ہے۔ انسان بھی۔ اور اس کا مزاج بھی۔ لیکن اگر کچھ نہیں بدلتا۔ تو وہ ہے اس کا ماضی۔

رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ سیاہ آسمان پر سفید چاند جگمگاتے تاروں کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اختر منزل کے پیچھے کے لون میں موجود سفید رنگ کے جھولے پر شزا بیٹھی تھی۔ خاموشی میں ڈوبے لون میں اس کی ہلکی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ اذان آہستہ سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا تو شزا نے اپنے رونے پر ضبط کر لیا۔ "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔"

"آج پورا چاند ہے۔ اچھا لگ رہا ہے نا؟" اذان چاند کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دوسری جانب خاموشی رہی۔ "اس رات بھی پورا چاند تھا۔ میں پانچ سال کا تھا جب دادا کے ساتھ ہو اسپتال گیا تھا۔ دو جھولے موجود تھے وہاں۔ میں پہلے میں دیکھا تو وفا سکون سے سو رہی

تھی۔ "شزا اذان کو دیکھنے لگی۔ آنسو اب بھی اس کے گال سے پھسل رہے تھے۔" پھر میں دوسرے کی جانب گیا۔ لیکن اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ پاس کی کھلی کھڑکی سے چاند کی چاندنی اس بچی پر پڑ رہی تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ بہت معصوم۔ بالکل شہزادیوں جیسی۔ کسی حلیہ سے اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ رونے لگی۔ میں گھبرا گیا۔ اس وقت میرے منہ سے کیا لفظ نکلے تھے جانتی ہو؟" اس نے شزا کی جانب دیکھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ اذان اسے دیکھ کر ہلکے سے مسکرایا۔ "شہزادیاں روتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔" شزا کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر ہاتھ کی پشت سے گال صاف کیے۔ "شہزادیاں روتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں اذان لیکن میں شہزادی تھوڑی ہوں۔ مجھے تو یہ تک سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کون ہوں؟"

"تم اذان کی شہزادی ہو۔۔" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ یہ شخص آخر اسے اتنی اہمیت کیوں دیتا تھا؟ کیا وہ اس کے لئے ہمیشہ سے ہی اتنی اہم تھی؟ "میں جانتا ہوں تم اچانک سے سب سمجھ نہیں پا رہیں۔ لیکن ہر بات سمجھنے والی ہوتی بھی نہیں ہے شزا۔ اتنا مت سوچا کرو۔ تم صرف اتنا سمجھو کہ تم اس گھر کی بیٹی ہو اور اذان کی شہزادی بھی۔ اور اب بالکل نہیں رونا ہے کیونکہ شہزادیاں روتی ہوئی۔۔۔"

"اچھی نہیں لگتیں۔" شزا وہ جملہ مکمل کرتی ہوئی ہنس دی۔ "مجھے آپ سے سوری کہنا تھا۔"

"کس لئے؟" اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"میں بچپن میں آپ کی آئس کریم کھا جاتی تھی ناں اس لئے۔" وہ ہنس دی تو سر جھٹک کر وہ بھی ہنس دیا۔

"کیا میں بھی تم لوگوں کو جوائن کر سکتی ہوں؟" ان دونوں نے مڈ کر دیکھا تو وفا سیاہ شال اپنے گرد باندھے مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ "بلکل وفا۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" اذان کے کہنے پر وہ آکر شزا کے برابر میں بیٹھ گئی۔ "میں نماز پڑھ کر شزا کو دیکھتی ہوئی یہاں آگئی۔ میں باتیں نہیں سنتی تو سوچا ڈائریکٹ ہی پوچھ لیتی ہوں۔"

"تم سن بھی لیتیں تو بھی کوئی مثلاً نہیں تھا لیکن اچھا کیا آگئیں۔ اگلی بار پوچھنے کی زہمت مت کرنا۔" اذان کے کہنے پر وہ مسکرا دی۔ کچھ لمبے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ تو وفا ہی بول پڑی۔ "اب ایسے خاموش کیوں بیٹھے ہو تم لوگ؟ میرے آنے کا صدمہ وغیرہ لگ گیا کیا؟" "کیسی باتیں کر رہی ہو وفا۔ میں تو رہتی ہی خاموش ہوں۔"

"ارے یہی تو مثلاً ہے میرا کہ تم خاموش کیوں رہتی ہو؟ ہنسا بولا کرو ناں یار۔ (پھر اذان کو بھی شامل کیا) اور تم بتاؤ اذان۔۔ تم بھی خاموش رہتے ہو کیا؟"

"معلوم نہیں۔۔ میں بس نارمل بندہ ہوں۔"

"تو ہم دونوں ابنار مل ہیں کیا؟" وفانے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔ "ارے اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا وفا۔" وہ دونوں ہی ہنس دیں۔ "ہاں معلوم ہے۔ لیکن آپ دونوں کے علم میں اضافہ کرنے کی غرض سے عرض ہے کہ پہلے یہاں کیا ہوتا تھا مجھے نہیں علم۔ لیکن اب سب نے ہنسا ہے۔ بولنا ہے اور خوش رہنا ہے۔ اس حویلی کے اندھیرے اور خاموشی سے تو مجھے خوف آ رہا ہے۔"

"یہ ایسی ہی ہے اذان۔ جہاں جاتی ہے خوشیاں پھیلا دیتی ہے۔" شزا کے کہنے پر وفانے گردن اکڑای۔ "اس تعریف کے لئے شکریہ شزا بی بی۔"

"تم دونوں سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں آج کتنا خوش ہوں۔ آخر کار آج تم دونوں مل ہی گئیں۔ اور تم دونوں نے میری ایک بات پوری طرح ماننی ہے۔" وہ دونوں اس کی جانب متوجہ تھیں جو اب کافی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "تم دونوں نے ایک دوسرے کا بہت خیال رکھنا ہے اور یہاں پر کسی بھی طریقے کا کوئی بھی مثلاً ہو تو مجھے ضرور بتانا ہے۔" شزا نے "ٹھیک ہے" کہہ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ لیکن وفا اور بنا کسی سوال کے مان جائے؟ مشکل ہے۔

"مگر کیوں؟ یہاں ہمیں کوئی خطرہ ہے کیا؟ یا یہاں کوئی ہمارا دشمن ہے؟" اذان اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اتنے ہلکے میں لے رہی تھی کیا وہ اس کی باتوں کو؟ "میں صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم لوگوں کو یہاں ایڈجسٹ ہونے میں وقت لگے گا۔"

"یہ بھی خیر ہے۔ لیکن تم زیادہ پریشان مت ہو۔ مینے بتایا بھی تھا کہ میں شزا کی وجہ سے یہاں واپس لوٹی ہوں۔ تو میں تو اس کا خیال رکھوں گی لیکن ایک بات کہوں؟" دونوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "میری مانو تو تم بھی اپنا خیال رکھنا اذان کیونکہ چور اکثر چوکیدار ہی ہوتے ہیں۔" اذان تو کچھ پل بول ہی نہ سکا۔ لیکن شزا نے پوچھا۔ "مطلب؟"

"مطلب کہ دھوکا ہمیشہ وہیں سے ملتا ہے جہاں سے امید نہیں ہوتی۔ اپنے بہت سے ہوتے ہیں۔ لیکن ہر کوئی اپنا نہیں ہوتا۔" وہ بتا شزا کو رہی تھی لیکن دیکھ اذان کو رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ یہ اسی سے کہہ رہی ہو۔ جیسے کوئی اشارہ ہو۔ کوئی صلاح ہو۔ "کبھی کبھی تو میں حیران رہ جاتی ہوں وفا۔ تم اتنی گہری باتیں کیسے کر لیتی ہو؟"

"وہی تو کہہ رہی ہوں۔ لوگ ہمیشہ ویسے نہیں ہوتے جیسے نظر آتے ہیں۔" وہ کہہ کر جھولے سے اتر گئی۔ اذان اچانک سے اٹھا اور اس کو کوہنی سے روک کر بولا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟ آخر کیا جانتی ہو تم؟" وفا کے چہرے کا اچانک سے رنگ بدلا۔ نرمی کی جگہ سختی نے لے لی۔ "آئندہ میرا ہاتھ پکڑنے کی غلطی سے بھی غلطی مت کرنا۔ ورنہ یقین کرو۔ تم مجھے ابھی جانتے نہیں ہو۔" وہ ایک جھٹکے سے اپنی کوہنی چھڑا کر بولی تھی۔ نہ وہ چیخی تھی نہ اس کی آواز تیز ہوئی تھی۔ لیکن اس کے لہزے میں ایک مضبوطی تھی۔ جو شاید ہر لڑکی میں ہونی چاہئے۔ "ارے یار میں تو نارمل سی ایک بات کہہ رہی ہوں۔" وہ واپس اپنے پہلے والے انداز میں آگئی۔ وہ دونوں کھڑے اسے نا سمجھی سے دیکھ کر رہ گئے۔ "یہ نارمل سی بات نہیں

ہے۔ مینے محسوس کیا ہے تمہاری بہت سی باتیں ذو معنی ہیں۔ تم نے کہا تمہیں سب یاد ہے۔ تم چاہ کر بھی کچھ نہیں بھول پائیں۔ مطلب تم ضرور کچھ جانتی ہو۔ اور اب یہ باتیں۔ "اذان سنجیدگی سے مخاطب تھا اور وہ مطمئن سی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھڑی تھی۔ اس نے اب شزا کی جانب اشارہ کیا۔ "شزا نے پوچھا تم اتنی گہری باتیں کیسے کر لیتی ہو؟ تو تم نے کہا کہ لوگ ویسے نہیں ہوتے جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ تم بھی ویسی نہیں ہو جیسی دکھائی دے رہی ہو۔"

"یہ سب کیا باتیں ہیں؟ کس بہس میں پڑ رہے ہو تم لوگ؟" شزا نے پریشانی سے کہا۔ "کوئی بہس نہیں ہو رہی شزا۔ مجھے تو الٹا خوشی ہو رہی ہے کہ چلو کوئی تو ہے اس حویلی میں جو میری ذو معنی باتوں کو سمجھتا ہے۔" پھر اذان کی جانب دیکھا۔ "اور ماننا پڑیگا انسپکٹر اذان اختر۔ تم واقع میں زہین ہو۔ لیکن میں اتنی بھی آسان نہیں ہوں۔ تم یہ تو سمجھ گئے کہ میں کچھ جانتی ہوں۔ لیکن یہ نہیں بتانا چاہتے کہ تم کیا جانتے ہو؟" اب وہ بالکل سنجیدہ تھی۔ چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ البتہ ضبط ضرور تھا۔ "چلو میں تو یہاں نی ہوں لیکن شزا تو یہاں ایک ہفتے سے ہے نا۔ تم نے اس کے دماغ میں یہ تو بیٹھا دیا کہ اسے یہاں سب سے زیادہ تم پر اعتبار کرنا ہے۔ لکین یہ نہیں بتایا کہ کیوں کرنا ہے؟ (طنزہ ہنسی۔) مینے دیکھا تھا تمہاری آنکھوں میں نسیم چاچو کے لئے ضبط۔ ماننا پڑیگا۔ جب انسان کو سب کچھ مل جاتا ہے نا تو وہ ان ماباپ کو بھول جاتا ہے جن سے اسے وہ سب ملا تھا۔ شاید تم بھی بھول گئے ہو۔" اذان کو لگا آج اس لڑکی نے اسے بہت زور سے چاٹا مار دیا

ہو۔" میں کچھ نہیں بھولا وفا۔ مجھے یاد ہیں میرے ما باپ۔" اس نے اگے ہاتھ باندھے اور بائیں بھوں اٹھا کر بولی۔ "لائک سیریلی؟ سال بھر پہلے اس سیریل کلر کو تو ڈھونڈھ لیا تھا تم نے۔ اپنے ما باپ کے قاتلوں کو نہیں ڈھونڈھ پائے؟ یا ڈھونڈھ کر بھی خاموش ہو؟" تینو کے درمیان خاموشی آگئی۔ صرف ہوا کے پیڈ کے سبز پتوں سے ٹکرانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شزا کچھ لمبے انہیں نا سمجھی سے دیکھتی رہی مگر پھر بول پڑی۔ "وفا کا کیا مطلب ہے اذان؟ آپ جانتے ہیں ممّا اور ڈیڈ کے قاتلوں کو؟" شزا کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ اذان کو کچھ سمجھ نہ آیا وہ کیا کہے۔ اس نے غصے اور بے بسی سے وفا کو دیکھا۔ وہ چاہ کر بھی اس لڑکی پر سختی نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں کی خاموشی کو دیکھ کر وہ دوبارہ بولی۔ "میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں۔ مجھے بھی سچ جتنا ہے۔"

"ممّا اور ڈیڈ کا قتل نسیم چاچو نے کروایا تھا شزا۔"

"نسیم چاچو نے؟" شزا شک سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں یہ بات تمہیں بتانا چاہتا تھا لیکن میں ڈر گیا تھا کہ تم اتنا سب اچانک سے برداشت نہ کر سکیں یا تم نے جذبات میں آ کر کوئی غلط قدم اٹھا لیا تو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ سب اور مشکل ہو جائے۔" وہ اب بھی بے یقین تھی۔ وہ انتظار میں رہا وہ کچھ بولیگی۔ ری ایکٹ کریگی

لیکن وہ خاموش رہی۔ اس نے وفا کو دیکھا جو بہت غور سے شزا کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کی سوچیں پڑھنا چاہتی ہو۔

"اذان نے اس وقت کے لحاظ سے بالکل سہی کیا تھا شزا۔" وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ لڑکی ابھی اس سے لڑنے کو تیار کھڑی تھی۔ اور اب اسی کے لئے شزا کو سمجھا رہی تھی۔ وفانے اسے شانوں سے تھما اور آہستہ آواز میں نرمی سے بولی۔ "بات سنو میری۔۔ تم کوئی چھوٹی بچی نہیں ہو۔ ما باپ ہم تینوں نے کھوئے ہیں۔ تکلیف ہم تینوں نے اٹھائی ہے اسی لئے یہ سچ بھی ہم تینوں کو ہی معلوم ہونا چاہیے۔" شزا اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"لیکن ہمیں بہت خیال کرنا ہے شزا۔ کوئی بھی غلطی نہیں کرنی۔ کسی کو بھی اس بارے میں خبر نہیں ہونی چاہیے کہ ہمیں کچھ بھی معلوم ہے۔ کیونکہ جنہوں نے ہمارے ماں باپ کے ساتھ برا کیا وہ کبھی ہمارے ساتھ بھی اچھا نہیں کریں گے۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مشکلات اس نے بھی دیکھی تھیں۔ وہ اتنی بھی کمزور نہیں تھی کہ سچ قبول نہ کر سکے۔

"اب آگے کیا کرنا ہے؟" شزا نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے ان دونوں سے پوچھا۔ اذان نے سکھ کی سانس لی۔ شکر ہے وہ سمجھ گئی تھی۔

"اب آگے جو کرنا ہے مجھے کرنا ہے۔ تم دونوں نے صرف اپنا خیال رکھنا ہے اور کچھ الٹا سیدھا نہیں سوچنا۔"

"اور کیا یار۔۔ یہ انسپکٹر صاحب کس لئے ہیں؟ یہ کرینگے ناکیس ہینڈل۔" وفانے ہنس کر اپنے ازلی انداز میں کہا تو وہ دونوں بھی ہنس دیے۔

وہاں سے اذان اپنے کمرے میں آ گیا۔ لیکن لیٹنے کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے بہت دور تھی۔ اس کے دماغ میں وفا کے سوال گونج رہے تھے۔ وہ خد بھی مشکل میں تھا۔ کوئی بھی کلو ایسا نہیں مل رہا تھا جس سے وہ کچھ آگے کر سکے۔ اس نے سائیڈ ٹیبل سے زویا اور فتح کی تصویر کا فریم نکال لیا۔ اور اسے دیکھنے لگا۔ کمرے میں ایک چھوٹا بلب جل رہا تھا۔ جس کی ہلکی روشنی میں وہ انہیں دیکھتے ہوئے ماضی میں کھو گیا۔

آفتاب اپنی پوری طاقت سے چمک رہا تھا۔ یہ منظر ایک یتیم خانے کا تھا جہاں پر ہر بچہ اپنے آپ میں ایک کہانی لئے ہوئے تھا۔ پانچ سالہ اذان جھولے پر بیٹھا تھا جب دو بڈے لڈکے اے اور اس سے اترنے کو کہا۔ وہ خاموشی سے اتر گیا۔ وہ وہاں سے اپنے کمرے کی جانب جانے لگا تو بے ساختہ اس کی نظر ایک آسمانی رنگ کے جوڑے میں ملبوس ایک عورت پر پڑی۔ اسے ناجانے کیا ہوا وہ اسے دیکھتے ہوئے ان کی ہیڈ کے آفس تک پہنچ گیا۔ اذان نے اپنی بڈی بڈی کالی آنکھوں سے اندر جھانکا تو وہ عورت ان کی ہیڈ ارم کے سامنے بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی۔ "بہت وقت ہو گیا زویا لیکن تم تو بالکل نہیں بدلیں۔ اور بتاؤ فتح کیسا ہے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن تم نے یہ یتیم خانہ کھول کر بہت اچھا کیا۔" زویا مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ "یہ مینے نہیں کھولا یا۔ یہ میرے دادا نے کھولا تھا۔ اب بس میں اسے چلا رہی ہوں۔" جواب دیتے ہوئے اس کی نظر دروازے میں کھڑے اذان پر پڑی۔ "اذان۔۔ بیٹا یہاں آؤ۔" اس کے بلانے پر وہ ڈرتا ہوا اندر آیا تو ارم نے اسے اٹھا کر اپنی گود میں بیٹھا لیا۔ اذان نے اپنے سامنے دیکھا تو زویا اسے ہی مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ "اس بچے کے چوٹ کیسے لگی ارم؟" وہ اس کے ماتھے پر موجود پٹٹی کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "کیسے لگنی ہے؟ یہ جناب ہیں بہت سیدھے۔ کوئی بھی بچہ ان پر اپنا غصہ نکال جاتا ہے اور ہمیں بعد میں علم ہوتا ہے۔ یہ ہمارا بہت اچھا بچہ ہے۔ آج تک کبھی کسی بات پر اسے ڈانٹنا تک نہیں پڑا۔" ارم اسے پیار کرتی ہوئی زویا کو بتا رہی تھی۔ باہر سے کسی شور کے آنے پر وہ اٹھ کر چلی گئی۔ زویا نے اسے اپنی گود میں بیٹھا لیا اور بیگ سے چاکلیٹ نکال کر دی۔ وہ اسے پیار کرتے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی تو اذان نے پوچھا۔ "آپ اتنی پیاری کیوں ہیں؟" وہ ہنس دی اور بولی۔ "صرف میں نہیں آپ بھی تو بہت پیارے ہو۔" اذان شرمہ گیا۔ اس دن اسے پہلی بار کوئی اچھا لگا تھا۔ جب زویا گئی تو وہ اسے بہت تکلیف اور حسرت سے دیکھتا رہا۔ لیکن شاید وہ بھی اس کے جذبات محسوس کر گئی تھی۔ وہ اگلے دن پھر ای لیکن اس سے ملے بنا ہی چلی گئی۔ وہ اس دن بہت رویا تھا لیکن اگلے چند روز بعد زویا ایک بار پھر ای لیکن اس بار وہ اکیلی نہیں ای تھی۔ اذان نے دیکھا اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا جس کے چہرے پر بہت سنجیدگی تھی۔ اسے ارم ان کے پاس لے کر گئی تو زویا نے اسے خد سے لگا لیا

البتہ سونے پر بیٹھا فتح اسے کچھ وقت تک بہت غور سے دیکھتا رہا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے آہستہ آواز میں سنجیدگی سے پوچھا۔ "اذان۔" وہ بامشکل بول پایا۔ فتح نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے اور اپنے سامنے کیا۔ "اور آج سے تمہارا پورا نام اذان فتح اختر ہے۔ ٹھیک؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا تو فتح نے مسکرا کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اور وہ اسے ہمیشہ کے لئے اس یتیم خانے سے لے گئے۔

جب وہ اختر منزل میں آیا تو سبھی نے اسے بہت محبت دی۔ زویا نے اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا اور پھر اسے اس کے ایک بڑے سے کمرے میں لے آئی۔ وہ اس کمرے کو دیکھ کر رہ گیا۔ اس نے اتنا بڑا کمرہ پہلی بار دیکھا تھا۔ زویا نے اسے بیٹھایا اور اس سے باتیں کرنے لگی۔ "کیا میں آپ کو ماما کہہ سکتا ہوں؟" اذان نے تھوڑا ہچکچا کر پوچھا۔ "بلکل کہہ سکتے ہو۔ بچے اپنی ماما کو کہتے ہیں تو میں بھی تو تمہاری ماما ہی ہوں۔"

"ہاں اور مجھے ڈیڈ بھی۔" فتح بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"ماما وفا گر گئی۔" روتی ہوئی پانچ سال کی آئمہ زویا سے کہہ رہی تھی۔ زویا نے اسے گود میں بیٹھایا اور نرمی سے اسے چپ کرنے لگی۔ "کوئی بات نہیں بیٹا۔ دیکھو وفا ٹھیک ہے بلکل۔"

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں شہزادی۔" بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھی وفانے بھی اس سے کہا۔ اس کے سر پر سفید پٹٹی بندھی تھی۔ اذان بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ "لیکن۔۔ لیکن وہ میری وجہ سے گری ہے۔"

"نہیں شہزادی وہ آپ کی وجہ سے نہیں گری۔ اس کے یہ چوٹ لگنی ہی تھی تو لگ گئی۔ اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔"

"لیکن ماما اگر وہ مجھے نہیں بچاتی تو یہ تو میرے لگنے والی تھی ناں۔"

"میں نے نہیں بچایا تمہیں۔ یہ سب تو اللہ پاک کرتے ہیں۔" وفانے اپنی کانچ سی بھوری آنکھوں کو بڑا کر کے اسے بہت اہم بات بتائی۔

زویا نے گہری سانس لی اور اذان کو دیکھا تو وہ ہنس دیا۔ وہ بھی مسکرا کر رہ

گئی۔ "بیٹا۔۔ میری بات سنو۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ سب سے بڑے ہیں۔ ہمیں کب کیا ملنا ہے؟ کیا نہیں ملنا ہے؟ ہمارے ساتھ کب کیا ہونا ہے؟ یہ سب اللہ

تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اور اس کا فیصلہ بھی وہی کرتے ہیں۔ جب وہ ہمیں کچھ دینا چاہتے ہیں تو وہ چیز ہمیں مل کر رہتی ہے۔ اور اگر وہ نہیں دینا چاہتے تو وہ چیز ہمیں نہیں ملتی۔" وہ تینو بہت غور سے اسے سن رہے تھے۔ "مجھے نہیں پتا میں کتنی سہی ہوں لیکن میرے نظریہ سے تین چیزیں بہت اہم ہیں۔ مقدر۔۔ کوشش۔۔ اور دعا۔"

مقدّر وہ ہوتا ہے جو اللہ پاک ہمارے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی لکھ دیتے ہیں۔ کہ ہمیں کب کیا ملے گا؟ کب کیا نہیں ملے گا؟ ہم کہاں جائیں گے؟ کیا کریں گے؟ یہ سب اللہ اپنی مرضی سے ہمارے مقدّر میں لکھتے ہیں۔

دوسری چیز ہوتی ہے کوشش۔ جو ہم کرتے ہیں۔

اور تیسری اور سب سے ضروری چیز ہوتی ہے دعا۔

جیسے کہ کوئی چیز ہمارے مقدّر میں نہیں ہے۔ لیکن وہ ہمیں چاہیے اور ہم اس کے لئے کوشش بھی کریں گے اور دعا بھی۔ تو اللہ پاک ہم سے خوش ہو کر وہ چیز بھی ہمیں دے دیتے ہیں۔ ہمارے ساتھ وہی ہوتا ہے جو ہمارے مقدّر میں ہو۔ لیکن ہمارا مقدّر بدل بھی جاتا ہے۔ ہماری کوشش اور دعا سے۔ یہ دو چیزیں اللہ نے انسان کے ہاتھ میں دی ہیں۔ اور مقدّر کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

اتنا سمجھ آیا؟ "زویا کے پوچھنے پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جیسے یہ چوٹ وفا کے لگنی ہی تھی۔ آج نہیں تو شاید کل۔ یہ اس کے مقدّر میں تھی۔ اور ایک چوٹ وہ ہوتی جو آج گرنے سے آئندہ کو لگتی لیکن جب وفانے اپنی بہن کو گرتے دیکھا اور اسے بچانے کی کوشش کی تو وہ کوشش اللہ پاک نے کامیاب کر دی۔ اور جو چوٹ آج ہماری شہزادی کو لگنے والی تھی وہ نہیں لگی۔ اس طرح مدد تو اللہ نے ہی کی لیکن وفا

ایک ذریع بن گئی۔ اور وہ ذریع اسلئے بنی کیونکہ اس نے کوشش کی۔ "زویا خاموش ہوئی تو ان کے چہروں کو دیکھ کر پوچھا۔ "سمجھ آیا؟" وفا نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "تھوڑا تھوڑا۔ مطلب اللہ پاک نے میرے ذریع شہزادی کو بچایا۔ یہ چوٹ میرے لگنی ہی تھی کیونکہ یہ میرے مقدر میں تھی۔ لیکن جو چوٹ آج آئمہ کو لگنے والی تھی وہ اللہ پاک نے میری کوشش سے خوش ہو کر اسے نہیں لگنے دی۔"

"بلکل۔۔" اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن مہاجب سب اللہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو کوشش ہم کیسے کر سکتے ہیں؟" یہ سوال آئمہ کی طرف سے آیا تھا۔ "بلکل۔۔ سب اللہ کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہے لیکن اللہ پاک کون ہیں؟ وہ جو ہمارے سب سے اچھے دوست ہیں۔ جو ہمارا سب سے زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ جو ہم سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں کوئی چیز چاہیے اور وہ چیز ہمارے حق میں اچھی بھی ہے تو وہ ہمارے دل میں کوشش کا خیال ڈال دیتے ہیں۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو ہم سے کوشش کروائی جاتی ہے تاکہ ہمیں کامیابی دی جاسکے۔" زویا کی بات پر ان سب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جانتی تھی یہ ساری باتیں شاید ان کے چھوٹے سے دماغ میں نہیں ای ہونگی۔ "اچھا اب بس۔ باقی اللہ پاک ہیں نا۔ آہستہ آہستہ وہ جو تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا ہے وہ بھی سمجھا دیں گے اسی لئے اب زیادہ نہیں سوچنا اور یہ یاد رکھنا کہ کوشش اور دعا ہمیں کبھی نہیں چھوڑنی چاہیے۔ اور یہ بھی کہ ہر چیز اللہ کے

ہاتھ میں ہوتی ہے تو اگر کبھی کامیاب نہ ہو سکو تو اس کی رضا مان لینی ہے۔ اور اب چلو اذان۔۔ بیٹا سونے کے لئے لیٹ ہو رہا ہے۔۔ "اس کے کہنے پر اذان جلدی سے اتر ا اور اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔ زویا نے ان دونوں کو بھی سلایا اور باہر آگئی۔ وہ اذان کے کمرے میں گئی تو وہ جاگ رہا تھا۔ "کیا ہوا اذان تم سوئے نہیں؟" زویا نے اس کے بیڈ پر کوہنی کے بل لیٹتے ہوئے پوچھا۔ "مما اللہ پاک ہماری دعا اور کوشش کرنے پر ہمارا ساتھ دیتے ہیں نا چاہے وہ چیز ہمارے مقدر میں ہو یا نہ ہو؟"

"ہاں دیتے ہیں۔"

"تو انہوں نے میری دعا کیوں نہیں سنی؟"

"کوئی؟"

"جب میں یتیم خانے میں تھا نا تو وہاں پر بڑے بچے مجھے مارتے تھے۔ میں چھوٹا تھا تو انہیں گرانے کی کوشش میں روز اللہ پاک سے دعا کرتا تھا کہ وہ بھی گر جائے۔ ان کے بھی چوٹ لگے۔ لیکن وہ پھر بھی ہر بار بچ جاتے تھے۔ وہ کیوں نہیں گرے؟" مطلب میری دعا پوری نہیں ہوئی۔ "زویا اسے دیکھ کر رہ گئی۔ "اذان۔۔ بیٹا میں نے کہا نا ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور اللہ کبھی ہمارے ساتھ برا نہیں کرتا۔ وہ کبھی کبھی ہماری ہزار کوششوں اور دعاؤں کے بعد بھی ہمارا مقدر نہیں بدلتا لیکن ایسا صرف ہمیں لگتا ہے۔ وہ ہمیں ان کوششوں اور دعاؤں کے بدلے کچھ اور بہت ہی اچھا دے دیتا ہے۔ جو ہم نہیں جانتے لیکن

اللہ جانتا ہے۔ اب تم دیکھو وہ بچے تمہارے ساتھ برا کرتے تھے تو کیا اللہ پاک نے بھی تمہارے ساتھ برا کیا؟ نہیں۔ انہوں نے تمہیں صرف اذان سے اذان فتح اختر بنا دیا۔ تمہیں ما۔ باپ۔ سب کچھ دیا۔ اور اس نے تمہیں ان باقیوں کے جیسے برا نہیں بننے دیا۔ اس نے تمہیں اچھا بچہ بنایا۔ انہوں نے تمہاری مدد کی نا۔ بس کسی اور طریقے سے۔ "اذان نے نم آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے زویا کی آہستہ اور نرم آواز سنائی دی۔" کوشش اور دعا نہیں چھوڑنا۔ اور اگر کبھی کامیاب نہ ہو سکو تو اللہ کی رضا میں راضی ہو جانا۔ بیشق ہم نہیں جانتے لیکن وہ سب جانتا ہے۔ "وہ اس کے ماتھے کو چومتی ہوئی نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہی۔ اذان کچھ ہی دیر میں گہری نیند میں سو گیا۔ اور وہ تصویر اپنے سینے پر رکھے حال میں بھی ماضی کی یاد سے نیند کی وعدی میں اتر گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا مانو زویا ابھی بھی اس کے بال سہلا رہی ہو۔ بس جو نرمی اس دن اس کی آنکھوں میں رک گئی تھی۔ آج بند آنکھوں سے پھسل کر تکیہ میں فنا ہو گئی۔

اگلے روز فجر کی اذان کی صدا کے ساتھ ہی سائیڈ ٹیبل پر رکھا الارم بجا۔ وفانے مندی مندی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اٹھ گئی۔ اس نے اپنے ساتھ لیٹی شزا کو دیکھا تو مسکرا کر اسے جگانے لگی۔ "نہیں مجھے نیند آ رہی ہے۔" شزا کی نیند سے بھری آواز اسے بامشکل سنائی دی۔ "پھر بھی میری جان اٹھ جاؤ نا۔ نیند نماز سے زیادہ اہم تو نہیں ہوتی۔"

"وفا مجھ سے نہیں اٹھا جا رہا۔ میں پکا قرضہ پڑھ لوں گی۔"

"ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے۔ نماز بھی۔ چاہے پڑھ کر سو جانا لیکن اٹھو۔" وفانے اسے زبردستی اٹھایا تو وہ ماتھے پر بل لئے اسے منہ بنا کر دیکھنے لگی۔ وہ بنا کوئی اثر لئے اٹھ کر وضو کرنے چلی گئی۔

شزرا نے نماز پوری کر کے اپنے برابر میں وفا کو دیکھا تو وہ کالی شال سے پوری ڈھنکی دعا مانگ رہی تھی۔ شزرا کچھ وقت اسے دیکھتی ہوئی صوفے پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرتی رہی۔ اس کی دعائیں بہت لمبی تھیں۔ جب وہ اٹھی تو شزرا نے پوچھا۔ "تم کیا مانگتی ہو وفا؟" اس نے اپنی آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ "میں اپنی دعائیں تمہیں کیوں بتاؤں؟" شزرا ہنس دی۔ "اچھا نہ بتاؤ۔ میں تو بس دیکھ رہی تھی کہ تمہاری دعائیں ماشاء اللہ سے بہت لمبی ہیں۔"

"ہاں تو مجھے چاہیے بھی تو اپنے اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ "اچھا۔ چلو مجھے گیس کرنے دو۔ صحت۔ سلامتی۔ مافی۔ کامیابی۔ دولت۔ نام۔ کوئی خوبصورت سا محل۔ کوئی ناول جیسا ہیرو۔ خوشیاں۔ وعیرہ۔ وغیرہ۔" وفا اس کی بات پر ہنس دی۔ "تم یہ سب مانگتی ہو شزرا؟"

"نہیں میں تو تمہارا گیس کر رہی ہوں۔"

"ہاں شاید لڑکیاں یہ مانگتی ہوگی۔ لیکن میں یہ سب نہیں مانگتی۔" اس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "میں اللہ سے اللہ کو مانگتی ہوں شزا۔" اور وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ "میں اللہ سے مافی مانگتی ہوں۔ اس سے اس کی دوستی مانگتی ہوں۔ محبت مانگتی ہوں۔ ساتھ۔ رحمت۔ ہدایت۔ مدد۔ اور اپنی آخرت۔۔۔ اس کے علاوہ اپنوں کے لئے بھی ظاہر سی بات ہے بہت کچھ مانگتی ہوں لیکن اپنے لئے میں دنیا نہیں مانگتی۔ کیونکہ جس کا رب ہوتا ہے نا۔ اس کا سب ہوتا ہے۔" شزا کچھ بول ہی نہ سکی۔ یہ لڑکی آخر اسے لاجواب کیوں کر دیتی تھی؟

"تم کیا مانگتی ہو شزا؟" وہ اب اس سے پوچھ رہی تھی۔ اسی محبت سے۔ اپنیپن سے۔ "میں؟ میں بھی یہی سب مانگتی ہوں لیکن کبھی اس نظریے سے نہیں مانگا مینے۔" "میں پہلے بھی کہا تھا شزا۔ ہم اپنے رب کو جیسا مانتے ہیں نا۔ وہ ہمارے لئے ویسا ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم اس سے نہ امید ہو جائیگے تو اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑیگا لیکن ہمیں پڑیگا۔ اور اگر ہم اس سے پر امید رہیں گے نا۔ تو دیکھ لینا وہ ہماری مدد بھی کریگا اور ہمیں کامیاب بھی۔ صرف نظریہ کی بات ہے۔"

"تم اتنا پازیٹو کیسے سوچ لیتی ہو یار؟ تمہارے دل میں نہ امید کی خیال نہیں آتے کیا؟" "کہا نا لڑکی۔۔ بس ہر انسان کے نظریہ کی بات ہے اور خیال تو مجھے بھی آتے ہیں۔ بہت آتے ہیں۔ لیکن میں خد سے یہ کہتی ہوں کہ میرے اللہ پاک ان سارے خیالوں سے بہت

بڑے ہیں۔ ان کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اور ابھی کون سا وقت نکل گیا؟ تم اپنی دعاوں میں یہ نظریہ اور ایڈ کر لو۔ دنیا تو سب مانگتے ہی ہیں۔ بس آخرت کو دنیا سے اوپر مانگ لو۔ اللہ کا ساتھ سب سے اوپر مانگ لو۔ کیونکہ کہتے ہیں جو آخرت مانگتا ہے نا۔ اس کی دنیا اللہ خد بناتا ہے۔ اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ خوش ہو گیا تو آخرت بھی بن جائے گی۔ ہے نا پوانٹ؟ "شزا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وفا اب اٹھی اور بالکنی میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے مڈ کر دیکھا تو اب وہ دوبارہ سونے کے لئے لیٹ چکی تھی۔ اسے بے ساختہ زنجیر یاد آئی۔ وہ بھی یہی کرتی تھی۔ جلدی سے دوبارہ سو جاتی تھی۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ سمٹ گئی۔ آفتاب تلو ہونے والا تھا۔ پرندے ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ اسے اختر منزل کا بڈا گیٹ کھلتا اور پھر ٹریک سوٹ میں اذان اختر جو گنگ پر جاتا ہوا دکھائی دیا۔ وفا کی پر سوچ نظروں نے اس کا بہت دور تک پیچھا کیا تھا۔ جواب موڈ مڈ کر غائب ہو چکا تھا۔

آفتاب تلو ہو چکا تھا اور آسمان کا رنگ بھی سنہرا ہونے لگا تھا۔ ریاض جو گنگ کے بعد تھک کر اب ایک بیچ پر بیٹھا تھا۔ اس کے تھوڑے وقت بعد ہی اذان بھی اپنی جو گنگ ختم کر کے اسی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ "کوئی بات ہے کیا؟" ریاض نے اسے بوتل دیتے ہوئے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ کچھ لمبے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ "تو مجھے ڈسٹرب لگ رہا

ہے اذان۔ وفا کی وجہ سے پریشان ہے کیا؟ کہ۔۔۔ اب دادو کو وفا کی جگہ شزا کے لئے کیسے منائے گا؟"

"پاگل ہے کیا؟ شزا کے لئے پسندیدگی اپنی جگہ لیکن میرے لئے وہ دونوں ہی معنی رکھتی ہیں۔"

"تو؟ پھر کیا بات ہے؟ تجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ جو تو چاہتا تھا وہ ہو گیا؟ (گہری سانس لی مانو اصلی محنت تو اس کی ہی ہو۔) آخر کار تیری کوششوں میں کامیاب ہو ہی گئیں۔"

"میں خوش ہوں ریاض لیکن میری کوششوں میں ابھی پوری نہیں ہوئیں۔ ابھی ماما ڈیڈ کا کیس سلجھانا باقی ہے۔ اور وفا سب جانتی ہے۔"

"کیا؟ وہ کیا جانتی ہے؟" ریاض الرٹ سا اس کے نزدیک ہوا۔ اذان نے اسے کل رات کے بارے میں بتایا۔ "یا اللہ! یہ لڑکی کیا چیز ہے یار؟ یہ تو بہت تیز نکلی۔"

"غلط وہ بھی نہیں ہے یار۔ اللہ جانے اس نے کیا کچھ برداشت کیا ہے جو وہ اتنی گہری باتیں کر جاتی ہے۔ اور مجھے لگ رہا ہے وہ مزید کچھ اور بھی جانتی ہے۔"

"لیکن اگر وہ کچھ اور بھی جانتی ہے تو اس نے تجھے بتایا کیوں نہیں؟ اور وہ یہ سب جانتی کیسے ہے؟" ریاض پریشان ہو گیا تھا البتہ اذان بالکل تھنڈا تھا۔ "مجھے اس بات پر کوئی حیرانی نہیں ہے کہ وہ کیسے جانتی ہے۔ مجھے لگتا ہے اس رات مزید کچھ اور بھی ہوا تھا جو اس نے نہیں

بتایا ہے۔ کیونکہ وہ چاہتی ہے کہ میں خد اس کیس کو حل کروں۔" ریاض نے کچھ کہنے کو لب کھولے تو اذان بولا۔ "میری نظر میں وہ یہاں بھی غلط نہیں ہے ریاض۔ بس اسے مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ آخر مینے بھی تو سولہ سال اسی حویلی میں اسی کے مکینو کے ساتھ گزارے ہیں نا۔ جن میں سے ایک ہی اصلی مجرم نکلا۔ شاید اسے لگا ہو کہ میں بھی سبھی کی طرح اس کیس کو بھلا چکا ہوں۔"

"یہ بات بھی ہے۔۔ جب وہ کل اس ایکسیڈنٹ کا بتا رہی تھی تو مجھے خوف آ رہا تھا کہ اس عمر میں اس نے اپنے باپ کو اپنے سامنے مرتے دیکھا ہو گا۔ اور پھر بھی وہ اتنی مضبوط کیسے ہے؟ اس پر غلط اثر نہیں پڑا ہو گا کیا؟" اذان خاموش رہا۔

"قیس اور نسیم معمول کی کالز ریکارڈ کروانے سے کچھ معلوم ہوا؟" وہ دونوں اب واپس لوٹ رہے تھے جب ریاض نے اس سے پوچھا۔

"اپنی پوری کوشش کی ہے مینے یار۔ لیکن انہوں نے کسی سے بھی اس معاملے میں بات ہی نہیں کی۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہا شروع کروں تو کدھر سے کروں؟ کوئی کلو بھی تو نہیں مل رہا۔" وہ افسوس سے کہتا ہوا آخر میں غصے میں آ گیا۔ "کالز سے کچھ نہیں ملا تو کیا معلوم ان کے آفس سے مل جائے؟ بلکہ ایک کام کر سکتے ہیں۔ ان کے آفس اور روم کی تلاشی لے کر دیکھیں؟" اذان نے اسے حیرت سے دیکھا جو جوش میں بول رہا تھا۔ "تو جوش میں ہوش مت کھو۔ روم تو پھر بھی ممکن ہے لیکن آفس کی کیسے کرینگے؟ تو بھول رہا ہے انہیں یہ

معلوم ہے کہ میں انسپکٹر بننے کے بعد یہ کیس ری اوپن کرا چکا ہوں۔ میرے لئے آفس کی تلاشی بہت مشکل ہے۔ اوپر سے اختر انٹرپرائزز کا بہت نام ہے۔ اگر کسی باہر والے سے کروانی چاہی اور اللہ نہ کرے وہ پکڑ گیا تو پورے خاندان کی بہت بدنامی ہوگی۔ "ریاض خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ لمبے سوچ کر بولا۔ "ایک کام کر وفا کو بھیج آفس کے لئے۔ وہ تیز بھی ہے اور اس کی معصوم شکل سے کوئی شق بھی نہیں کریگا۔"

"اچھا جی؟ اور آفس کے کیمرے؟"

"ان کے لئے میں ہوں تو۔ وہ میں ہیک کر لوں گا۔ اور ابھی تو تو بولا کہ اختر انٹرپرائزز کا بہت نام ہے تو کرا ہو گا کسی دشمن نے ہیک۔ ہمیں کیا خبر۔" ریاض نے شانے اچکاتے ہوئے مثلی کا حل پیش کیا۔ اذان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے رک کر اسے اچانک حیرانی سے دیکھا۔ "اور تو یہ کیسے کرے گا؟" ریاض مسکرایا اور خد بھی رک کر اس کے قریب آیا۔ "AK کے لئے یہ بالکل مشکل نہیں۔" وہ اپنے سر پر پیچھے گری کیپ ڈھکتے ہوئے بولا اور آگے بڑھ گیا۔ اذان ساکت رہ گیا۔ یہ نام۔ یہ انداز۔ پل بھر میں اس کے دماغ نے کام کیا۔ تو وہ دوڑتا ہوا اس تک آیا اور اس کے سر پر ایک لگائی۔ "مجھے پہلے نہیں بتا سکتا تھا کہ AK تو ہے۔ اور تجھے شرم نہیں ای اپنے ہی بھائی سے فیس چارج کرتے ہوئے۔"

"بھئی۔۔ میں پیشے سے ایک بزنس مین بھی ہوں۔ پیسے کے معاملے میں مجھے کوئی شرم نہیں۔ اور مجھے تو لگا تھا تو پہچان لیگا لیکن انسپکٹر صاحب کا پورا دھیان اس سیریل کلر پر جو ٹکا تھا۔ تجھے

غور کرنا چاہیے تھا کہ میرا پورا نام ریاض احمد خان ہے تو میں یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟" اذان نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔ "یہ کام کب سے کر رہا ہے؟" وہ اب پارک سے نکل چکے تھے اور صاف روڈ کے سائیڈ بنے فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ "پہلے مین ڈور کا کیمرہ ہیک کرتا تھا تاکہ بابا کو خبر نہ ہو کہ میں کتنے بجے رات کو گھر لوٹا ہوں۔ پھر ایک دن تیرے ہی لئے AK بن کر کام کیا۔ اور الحمد للہ تب سے اب تک پورے دس کیسز میں شامل ہو چکا ہوں لیکن پکڑا نہیں کیا۔" ریاض نے مسکراہٹ کے ساتھ اپنا کارنامہ بتایا۔ اذان نے اسے غور سے دیکھا تو ریاض نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"کہیں کچھ وقت پہلے جو ٹریفک سسٹم ہیک ہوا تھا وہ بھی تو نے ہی تو نہیں کیا تھا؟" ریاض نے افسوس سے سر جھٹکا۔ "کر کے بھی کیا فائدہ ہوا؟ مجھے تیری بھابھی کو ڈھونڈنے کے لئے کیمروں کی ریکارڈنگ چاہیے تھی لیکن اس کی پھر بھی کچھ خبر نہیں ملی۔" وہ پہلے حیران ہوا۔ پھر غصہ۔ "دماغ گھر سوتا چھوڑ کر آیا ہے کیا؟ یہ کیا بول رہا ہے؟ تو نے ایک لڑکی کے لئے پورا ٹریفک سسٹم ہیک کر لیا؟ اگر پھنس جاتا تو؟"

"کیوں بھول جاتا ہے کہ ریاض احمد پھنسنے والوں میں سے نہیں پھنسانے والوں میں سے ہے۔"

"میں اس چیز کے لئے تجھے اریسٹ بھی کر سکتا ہوں۔" اذان نے مسکرا کر کہا۔ روڈ لگبھگ خالی ہی تھا لیکن اب وقفے وقفے سے گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ "کس چیز کے لئے؟"

"جو تو نے ابھی قبول کیا۔"

"اور کیا ثبوت ہے کہ میں کچھ قبول کیا ہے؟" اذان ضبط کر کے رہ گیا تو ریاض کا قہقہہ گونجا۔

باب-۸

"بھائی۔۔ وہ۔" اسکول یونیفرم میں ملبوس چودہ سال کی آرزو وٹینگ روم میں بیٹھی رو رہی تھی۔ سہیل اسے ساتھ لگے بیٹھا تھا۔ وہ اتنا رو رہی تھی کہ اس کے لئے بولنا بھی مشکل تھا۔

"بس بھائی کی جان۔۔ میں آگیا ہوں نا اب۔ چلو مجھے جلدی سے بتاؤ کہ کیا بات ہے؟" اس نے اس کے بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ وہ انیس سال کا ایک خوبصورت لڑکا تھا جو اپنی بہن کے ایک فون پر بھاگا چلا آیا تھا۔

"بھائی وہ ایک۔۔ ایک سینئر لڑکا ہے۔۔ وہ سب لڑکیوں کو پریشان کرتا ہے۔ آج۔۔ آج اس نے مجھے بھی کیا۔ میں نے اس کو منا کیا پریشان کرنے سے تو اس نے۔۔ اس نے میرا ہاتھ

موڈ دیا۔ "آرزو اسے اپنا ہاتھ دکھاتے ہوئے دوبارہ رونے لگی تھی۔ اس کی کلائی سرخ تھی۔ اس کو تکتی سہیل کی سرمئی آنکھیں بھی سرخ ہوئیں۔ وہ اسے لے کر اٹھا اور آگے بڑھا تو وہ بے ساختہ ڈر کر رکی۔ "نہیں بھائی۔ وہ بہت خطرناک ہے۔ ٹیچرز کی بھی کبھی نہیں سنتا۔"

"وہ کبھی سنگا بھی نہیں آرزو۔ وہ لاتوں کا بھوت ہے۔ باتوں سے نہیں ماننے والا۔" وہ اسے ساتھ لئے بڑھ آیا۔ میدان میں سبھی بچے ادھر ادھر تھے۔ کچھ کھڑے باتیں کر رہی تھے تو کچھ کھیل رہے تھے۔ سہیل درمیان میں آکر رکا اور آرزو کی جانب دیکھا تو اس نے سامنے ایک ٹین ایجر کی جانب اشارہ کیا۔ وہ اس سفید یونیفرم میں اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑے لڑکے کے سامنے آیا۔ وہ جو اپنی باتوں میں لگا تھا اس کو دیکھ ایک لمحے کو حیران ہوا۔ پھر ساتھ موجود خوفزدہ لڑکی کو دیکھ اس نے ایک طنزیہ مسکان اچھالی تو وہ بھائی کے پیچھے چھپ گئی۔ سہیل نے اسے سامنے کیا اور سرد آواز میں بولا۔

"اسے تھپیر مار آرزو۔" اس کی بات سن آرزو نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ اس لڑکے کا بھی زور دار قہقہا گونجا۔ آس پاس کے سب لوگ ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"تھپیر؟ اور مجھے؟ وہ بھی یہ مارے گی؟ کیوں مذاق کر رہے ہو یا؟" سہیل نے آرزو کی سرمئی آنکھوں میں دیکھا اور اسی سرد انداز میں دوہرایا۔ "مینے کہا اسے تھپیر مار آرزو۔" وہ لڑکا

دوبارہ ہنسا لیکن اس بار اس کی ہنسی کے ساتھ ایک زوردار تھپیر کی آواز بھی گونجی تھی۔ سہیل اس لڑکے کو دیکھتا ہلکا سا مسکرایا۔

لڑکے نے غصہ سے بدلا لینے کی کوشش کی تو اس نے اس کا ہاتھ درمیان میں ہی روک کر پوری طاقت سے موڈ دیا۔ ایک ڈرا دینے والی چیخ پورے میدان میں گونجی۔ اس کے ہاتھ کی ہڈی شاید ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بے اختیار بلبلا کر گھٹنوں کے بل گرا۔ آرزو گھبرای ہوئی دو قدم پیچھے کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اسی لمحے اس کا ایک دوست آگے آیا تو سہیل نے ایک لات اس کے پیٹ میں ماری۔ وہ تڈپ کر دور جاگرا۔ ان دو کا حال دیکھ کر کسی تیسرے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ لڑکا ان سب سے عمر اور طاقت میں بڑا تھا۔ اور انہیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ پھر وہ نیچے جھکا اور اس لڑکے کے بال کھینچ کر چہرہ اوپر کیا۔

"تیرا کیا نام ہے مجھے جاننے میں ذرا دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن میرا نام سہیل ہے۔ سہیل اختر۔۔ آئندہ اگر تو نے یا تیرے کسی بھی پالتو کتے نے میری بہن کی جانب دیکھا بھی نا۔ تو تیری آنکھیں نکال کر کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔ بہتر ہو گا یہ بات اپنے اس کچرے جیسے دماغ میں اچھے سے بیٹھا لے۔" ہر لفظ زور دے کر سختی سے ادا کیا گیا تھا۔ اس لڑکے نے آنکھوں میں خوف اور تکلیف لئے اسے دیکھا۔ اس کے بال جھٹکے سے چھوڑ اب وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر پلٹ کر آرزو تک آیا اور اس لڑکے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"اگر ان جیسوں سے ڈرنے کا وقت آگیا نا آرزو۔ تو لڑکیوں کے ڈر ڈر کر مرنے کا وقت آجایگا۔" آرزو نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ سہیل آگے بڑھ گیا تو اس نے ایک نگاہ اس لڑکے پر ڈالی جسے اب اس کے دوست سہارا دے کر اٹھا رہے تھے۔ وہ ہلکا سا مسکرائی اور اپنے بھائی کے پیچھے ہو لی۔

"آپ ہر بار میرے بلانے پر آیا کرو گے نا بھائی؟" وہ ساتھ چلتی ہوئی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

کہتے ہیں گھر محبتوں سے بنتا ہے۔ گھر گھر کے مکینوں سے بنتا ہے۔ ورنہ محل بھی صرف ایک پتھروں کی عمارت ہے۔ اور اگر محبت نہ ہو تو گھر میں رہنے والوں کے دلوں میں فاصلے آ جاتے ہیں۔ انا بڑھ جاتی ہے۔ غلط فہمیاں بڑھ جاتی ہیں۔ اور جہاں یہ سب آ جائے تو پھر وہاں نفرت آتے وقت نہیں لگتا۔ شاید اختر منزل کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ ایک بہت بڑی حویلی تھی لیکن شاید اس کے مکینوں کے دل اتنے ہی چھوٹے ہو چکے تھے۔

ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگایا جا رہا تھا۔ آج کی صبح یہاں ایک الگ ہی رونق تھی۔ فرزانہ بیگم اور عالیہ ملازمین کو ہدایات جاری کر رہی تھیں۔ کچن میں الگ ہی منظر تھا۔ سبھی ملازم اپنے کاموں میں لگے تھے۔ وفا اور شہزادہ سے باہر آئیں تو بالکل فریش لگ رہی تھیں۔ گلابی کرتے اور اسی کے ہم رنگ پاجامہ پہنے شہزادہ کچھ کہہ رہی تھی جس پر وفا دل کھول کر ہنس

رہی تھی۔ اس نے ایک اونچی پونی بنا رکھی تھی جس پر گلابی ہی دوپٹا ڈھنکا تھا البتہ وفا ڈھیلے ڈھالے نیلے رنگ کے فلپر سوٹ میں ملبوس تھی اور اس کا دوپٹا اپنے سر پر لپیٹ رکھا تھا۔ وہ باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں جب انہیں سامنے سے آتی آرزو دکھائی دی۔ اس نے جینس پر لونگ شرٹ پہن رکھی تھی اور کالے بال جوڈے میں لپٹے تھے۔ صاف چہرہ کافی کھلا کھلا لگتا تھا۔ ان کے سامنے آ کر وہ ہلکا سا مسکرائی تو وفا بھی کھلے دل سے مسکرائی۔ لیکن شزا کو حیرت ہوئی تھی۔ اسے یاد نہیں تھا کہ ایک ہفتے میں آرزو نے اس سے بات بھی کی ہو۔

"تو کیسی ہیں ٹوئسنس سسٹرز؟ اب ہم نے سوچا مہمانوں کا تھوڑا حال ہی پوچھ لیں۔" شزا کی آنکھوں میں نا سمجھی ای البتہ وفا اور بھی زیادہ خوشی اور جوش سے آگے بڑھی اور اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے۔

"الحمد للہ۔ ہم دونوں تو مزے میں ہیں البتہ تم مجھے ہمارے یہاں ہونے پر بالکل مزے میں نہیں لگ رہیں۔ کیوں کچھ ہوا ہے کیا؟" آرزو طنزیہ مسکرائی۔

"ہمیں کیا ہونا ہے؟ ہم تو حیران ہیں۔ دوسری بہن پہلی کے پیچھے آگئی اور پہلی۔۔ (شزا کی جانب دیکھا) اسے تو بس اپنے کزن تک راستہ دکھانے کی دیر تھی۔ اس نے اسی دن سیدھا گھر میں انٹری مار لی۔ کیا بات ہے!" بس تالیاں بجانا رہ گئیں تھیں۔ ورنہ آرزو نے کوئی کثر

نہیں چھوڑی تھی۔ لیکن ہماری وفا محترمہ بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھی؟ اس نے خد ہی تالیاں بجا ڈالیں۔ "بیسیے۔۔۔"

آرزو کو لگا اس کا دماغ شاید چل نکلا ہے۔ لیکن اسے کیا علم کہ اس کا دماغ پہلے سے ہی چلا ہوا ہے۔ شزا کے لئے اپنی ہنسی دبانا مشکل ہوا تھا۔

"کتنے مزے کی انٹری ہوئی نا ہم دونوں کی؟ سچ میں دل خوش ہو گیا میرا۔ لیکن سمجھل کر پیاری۔۔ (اس کے شانو کو تھاما اور ہلکا سا آگے جھگ کر دبایا) کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری انٹری سے زیادہ تمہارا ایکزٹ مزے کا ہو جائے۔"

"تم ہمیں ہمارے ہی گھر سے نکالو گی؟" اسے جیسے صدمہ لگا تھا۔

"یہ تمہارا گھر ہے؟؟ لیکن تم جس حساب سے یہاں الگ تھلگ رہتی ہو۔۔ لگتا تو نہیں ہے۔" ماتھے پر بل ڈال کر معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔ آرزو نے سختی سے اپنی مٹھٹھیاں بند کیں۔ اور ایک سخت نظر ان پر ڈال کر پلٹ گئی۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا وفا۔" شزا نے راہیداری میں دور جاتی لڑکی کو دیکھ کر کہا۔ وہ اس کی جانب سختی سے مڑی۔ "اچھا! کوئی میری بہن کے بارے میں کچھ بھی کہیگا تو میں سنتی رہو گی کیا؟ مینے سہی کر دینا تھا اس کو۔"

"لیکن پھر بھی۔" اس کو ہاتھ سے روکا۔

"بس۔۔ زبردستی کسی کو چھیڑو مت۔ اور کوئی چھیڑے تو اس کو چھوڑو مت۔ سمپل۔۔" وفا مسکرای اور پلٹ کر آگے بڑھ گئی۔ شزا نے بھی سر جھٹک کر آگے قدم بڑھا دیے۔

یہ منظر ڈانگ ٹیبل کا تھا۔ سفید حویلی کے سارے مکین ناشتہ کر رہے تھے۔ عالیہ کھاتے ہوئے سب کا خیال بھی رکھ رہی تھی۔ "ارے آرزو بیٹا کیا ہوا؟ تم کچھ لے کیوں نہیں رہیں؟" آرزو نے ایک نظر سامنے بیٹھی اپنی ما کو دیکھا پھر اپنے برابر میں بیٹھی شزا کو۔ "نہیں موم۔۔ ہم لے رہے ہیں۔"

"ہاں عالیہ تم ناشتہ کرو۔ ہماری گڑیا لے لیگی خد۔" اختر صاحب نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا تو عالیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہم نے پرسو ایک دعوت رکھی ہے۔" اختر صاحب کی آواز پر سب ان کی جانب دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں سنہری تھیں اور بال سارے سفید ہو چکے تھے لیکن عمر کے اس حصے میں بھی وہ ایک شاندار شخصیت کے مالک تھے۔

"کیسی دعوت بابا؟" اذان کے ساتھ بیٹھے احمد نے پوچھا۔ اس بار جواب ان کی زوجہ کی جانب سے آیا تھا۔

"ہم نے سوچا ہے۔۔۔ اب جب ہماری دونوں پوتیاں مل گئی ہیں تو کیوں نا ایک فنکشن ہو جائے؟ جس میں ہمارے سارے رشتے داروں کی بھی ان دونوں سے ملاقات ہو جائیگی۔"

"اور ہم میڈیا کو بھی بلا رہے ہیں۔ ایک طرح سے سب کو وفا اور شہزاد کے بارے میں بتانے کا ارادہ ہے ہمارا۔" اختر صاحب کی روہدار آواز میں بتائے گئے خیال سے سبھی متاثر ہوئے تھے۔

"ارے یہ تو بہت ہی اچھا خیال ہے بابا۔ لیکن اتنے کم وقت میں ساری تیاریاں کیسے ہونگی؟" عالیہ کو فکر ہوئی۔

"ہو جائیگی بھابھی۔۔۔ وہ سب میں ارتج کر لوں گا۔" احمد نے مسکراتے ہوئے آرزو کے ساتھ بیٹھی ان دونوں کو دیکھا جو انہی کو دیکھ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے! سہیل اور اذان زیادہ مصروف ہوتے ہیں تو سہی۔۔۔ تم احمد کی مدد کرو گے۔" نسیم کے حکم پر سہی نے خوشی سے اثبات میں سر ہلایا۔

("ہو گئے ان کے ڈرامے شروع۔۔") آرزو نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا اور اپنے ناشتے کی طرف دھیان دیا۔

آفتاب اپنی پوری طاقت سے چمک کر نیلے آسمان کو دوپہر کے وقت سنہرا کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اختر انٹرپرائزز میں نسیم اختر میٹنگ روم سے باہر نکل رہے تھے۔ ساتھ ان کا مینیجر کچھ بات بھی کر رہا تھا جب کوئی کال ای۔ وہ بات درمیان میں ہی چھوڑ کر اپنے کیمین میں آ گئے۔ سختی سے ایک ہاتھ سے ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ رک کر اپنے دراز میں سے دوسرا فون نکالا اور کال ملائی۔

"ہیلو!" دوسری جانب سے آواز ابھری۔ نسیم نے غصے سے مٹھی بند کی۔

"میںے منا کیا تھا نا کہ اس نمبر سے رابطہ مت کرنا۔ تمہیں علم ہونا چاہیے کہ وہ اذان ہاتھ دھو کر اس کیس کے پیچھے پڑا ہے۔ اسے شق بھی ہو سکتا ہے۔" دوسری جانب آواز اور بلند ہوئی۔

"جہنم میں گیا اذان اختر۔ مجھے یہ جانا ہے کہ وہ دونوں اس رات بچ کیسے گئیں؟ تم نے کہا تھا لاش نہیں ملی مگر پھر بھی وہ کبھی واپس نہیں آئیں گی لیکن سب الٹا ہو گیا ہے۔"

"اب بھی کچھ الٹا نہیں ہوا ہے۔ تم پریشان مت ہو۔ میں انہیں راستے سے ہٹوا دوں گا۔" انہوں نے ضبط سے معاملہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"جلد سے جلد یہ کام کرو۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا نسیم اختر۔" ایک جھٹکے سے فون رکھ دیا گیا۔ وہ فون پر گرفت سخت کر کے گلاس وال ونڈو سے باہر ڈھلتے آفتاب کو دیکھنے لگے۔

("اس سے پہلے پانی سر سے اوپر چلا جائے۔ مجھے کچھ نا کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔")

سہیل اپنے کبین کی پاور چیئر پر بیٹھا کوئی فائل کھولے ہوئے تھا۔ اس کا قد بڑا تھا۔ سرمئی آنکھیں سفید سرخ چہرے پر موجود رہنے والی سنجیدگی اور سختی کے ساتھ مل کر اس کی شخصیت کو اور اچھا دکھاتی تھیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ زیادہ خوبصورت ہے یا اذان۔ دونوں مختلف تھے لیکن مقابلہ بھی ٹکڑ کا رہتا تھا۔ اس کے بال ہلکے سے بکھر کر ماتھے پر آ رہے تھے لیکن وہ بالکل بے نیاز تھا۔ وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ اگر دیکھا جائے تو اس معاملے میں وہ اذان سے بھی ایک قدم آگے تھا۔ اپنے گھر میں بھی وہ بہت کم ہنستا ہوا پایا جاتا تھا۔

نسیم اندر داخل ہوئے اور اُس کے سامنے آ بیٹھے۔ سہیل اپنے کام میں مصروف رہا۔

"بات سنو میری!" ان کے مخاطب کرنے پر اس نے فائل بند کر ٹیبل پر ڈال دی اور دونوں ہاتھ آگے ٹکا کر گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

"جی سنائیے!" وہ آہستہ آواز میں بولتا تھا لیکن انداز ایسا ہوتا تھا کہ مخالف متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے۔

"اس بار میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ہر کام پرفیکٹ کرنے والا میرا بیٹا اپنے دشمنوں سے کیسے نپٹتا ہے۔"

"اور اپنے اس ہر کام پرفیکٹ کرنے والے بیٹے کو اُس کے دشمنوں کا نام بتانا چاہیے گے آپ؟" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ بقول سہی کہ اس کا انداز اور چہرے کی سنجیدگی مذاق کو بھی اہمیت دینے کے لئے کافی ہوتی تھی۔

"کیوں تم نہیں جانتے کیا؟ خیر۔۔ وفا اور شہزاد۔" وہ ہلکا سا ہنسا اور نا سمجھی سے ماتھے پر بل ڈالے۔

"اچھا! وہ دونوں ہماری دشمن ہیں؟ مجھے تو نہیں لگیں۔" افس۔۔ اس پر ہنسی واقعی اچھی لگتی تھی۔ نسیم کے بھی ماتھے پر بل پڑے۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں سہیل۔ مجھے وہ وفا لگی بھی مشکوک ہے۔"

"تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں انہیں قتل کروا دوں؟" وہ سیدھا مددے پر آیا تھا۔ نسیم سرخ ہوئے۔ وہ جانتے تھے یہ اس نے کیوں کہا ہے۔ پھر گہری سانس لے کر خد کو سمجھالا اور مسکرا کر اسے دیکھا جو انہیں پوری سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ میں تم پر چھوڑتا ہوں۔ چاہے ڈراؤ۔ دھمکاؤ۔ یا۔ مار دو۔" سہیل اثبات میں سر ہلا کر پیچھے ہو بیٹھا اور فائل دوبارہ کھول لی۔ وہ خاموشی سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔

جمنا کے بہتے پانی پر آسمان میں چمکتے چاند کا عکس دکھائی پڑنے لگا تھا۔ ایک نئی رات دوبارہ آ گئی تھی۔ سب لوگ کھانا کھا کر اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ جبھی موقع دیکھ کر اذان نے آہستہ سے نسیم کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ نسیم آج کسی ڈنر پر گئے تھے اور عالیہ بھی کچن میں کام دیکھ رہی تھی۔ وہ لوئر ٹی شرٹ میں ملبوس پھرتی سے سارے کمرے کی تلاشی لے رہا تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے تھے اور چہرے پر سنجیدگی تھی۔ اسے اپنے ہر کام میں مہارت حاصل تھی۔ بامشکل پانچ منٹ میں وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ پھر بھی خالی رہ گئے تھے۔ اس نے کوئی سراغ ایسا نہیں چھوڑا تھا جس سے کسی کو بھی شق گزرے کہ یہاں کے سمان کو کسی نے ہاتھ بھی لگایا ہے۔

افسوس سے نفی میں سر ہلاتا ہوا وہ اب دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا کہ عالیہ آگئی۔

"اذان تم یہاں؟ اور وہ بھی اس وقت؟" عالیہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا جو ایک پل کو تو گھبرا ہی گیا تھا لیکن مخالف کو اندازہ نہ ہونے دیا۔ وہ اس موقع کے لئے راضی نہیں تھا اسلئے تیزی سے ذہن میں لفظ ترتیب دینے لگا۔ "جی چاچی۔۔ وہ میں یہاں۔۔"

"ارے یار اذان تم بھی نا۔" وفا بوتل کے جن کی طرح اچانک ناجانے کہاں سے آگئی تھی۔ وہ آگے ای اور عالیہ سے بولی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی تھی چاچی۔۔ تو میلے آپ کو بلانے کے لئے اذان کو بھیجا تھا۔ پھر میں بھی خد ہی آگئی۔" وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا پھر جلدی سے آگے آیا۔ "جی میں آپ کو ہی بلانے آیا تھا لیکن آپ تھیں ہی نہیں یہاں۔ تو اب بس میں واپس ہی جا رہا تھا۔" عالیہ سمجھ کر اثبات میں سر ہلاتی ہوئی مسکرائی۔

"اچھا۔ تو کیا بات کرنی تھی وفا؟ بیٹا کچھ چاہیے تھا کیا؟" اذان نے وفا کو دیکھا جو اب بھی پورے اعتماد سے کھڑی تھی۔

"کچھ خاص نہیں تھا۔ بس۔۔ دل کر رہا تھا آپ سے بات کرنے کا۔ لیکن پھر مینے سوچا کافی دیر ہو گئی ہے۔ آپ آرام کر رہی ہو گی تو میں کل آپ سے بات کر لوں گی۔" وفا کی محبت پر تو عالیہ کی آنکھیں ہی نم ہو گئیں۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔۔ میری بیٹی مجھ سے بات کرنے ای ہے۔ آؤ نا بیٹھو۔۔" وفا کا دل کیا اس وقت اپنا سر دیوار سے مار لے۔ اس نے ایک نظر اذان کو دیکھا پھر عالیہ کے گلے لگی۔

"نہیں آپ ابھی آرام کریں۔ ہم کل خوب ساری باتیں کریں گے۔" اس کے معصومیت سے کہنے پر عالیہ نے حامی بھر لی۔ پھر وہ دونوں باہر نکل گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ اذان کا اٹکا سانس بحال ہوا تو وہ پلٹا اور ایک نظر بند دروازے کو دیکھا۔ پھر وفا کو۔ اور وہ ساکت رہ گیا۔

جو وفا اندر اتنی محبت سے پیش آ رہی تھی اب اسی کے چہرے پر دنیا جہاں کی ناپسندیدگی اور نفرت تھی۔ کالی شال میں اس کا پر نور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ تنصف بھاری تھا اور آنکھیں زخمی۔ وہ بنا اسے دیکھے بھاگ کر باہر چلی گئی۔ وہ بے ساختہ اس کے پیچھے آیا۔

وفا سبز لون میں پیچھے کی جانب موجود پول کے پاس کھڑی تھی۔ اذان چاروں طرف اسے ڈھونڈھتا ہوا اس جانب آیا تو اسے دیکھ کر گہرا سانس لیا اور ساتھ آ کھڑا ہوا۔ وہ پانی کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" دوسری جانب خاموشی رہی۔ جیسے کوئی موجود ہی نہ ہو۔

"وفا۔۔" اس کی پکار پر وہ جھٹکے سے حال میں لوٹی اور اس کی جانب پلٹی۔ اس کے چہرے پر اب صرف غصہ تھا۔ "دماغ تو ٹھیک ہے نا تمہارا؟ ایک پولیس والے ہو کر چوروں والی حرکتیں کیوں کر رہے تھے؟" اذان کے ماتھے پر بل پڑے۔

"او ہیلو! میں کوئی چوروں والی حرکتیں نہیں کر رہا تھا۔ تلاشی لے رہا تھا ان کے کمرے کی کہ شاید کوئی ثبوت مل جائے۔" وہ ہلکا سا مسکرائی اور معصومیت سے پوچھا۔

"اچھا! تو مل گیا ثبوت؟" مخالف نے سختی سے مٹھیاں بند کیں اور چہرہ موڈ کر پول کے پانی کو دیکھنے لگا۔ وفانے بھی رخ بدل لیا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ "تمہیں اچانک سے کیا ہو گیا تھا وفا؟"

"کچھ خاص نہیں۔ بس میں کبھی کبھی اپنا آپا کھونے لگتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔۔ شاید کچھ سوالوں کے جواب ہم انسانوں کے پاس نہیں ہوتے۔ ہمارے پاس تو صرف۔۔ ادھورے سوال ہوتے ہیں۔ ادھورے جواب ہوتے ہیں۔"

"اتنی گہری باتیں کیسے کر جاتی ہو تم؟" وہ لڑکی ہلکا سا مسکرائی۔

"یہ سمندر سی گہرائی ہے اذان۔۔ غوتے کھا کر ہی سمجھ آگئی۔" وہ بھی ہنس دیا۔ قمر کی چاندنی میں دو ہویلے پانی میں دکھائی پڑ رہے تھے۔ آج دو ادھورے لوگ۔۔ پانی کو دیکھتے ہوئے پوری گفتگو کر رہے تھے۔ "سمجھ گیا۔"

"کیا؟"

"یہی کہ جب تک غوتا نہ کھایا جائے۔ سمندر کی گہرائی معلوم نہیں ہو سکتی۔۔ یعنی گہری باتوں کے لئے بھی گہرے زخموں سے گزرنا ضروری ہے۔"

"کیا بات ہے انسپکٹر صاحب! آپ تو واقعی بہت ذہین ہیں۔ میری باتیں بہت جلد سمجھ جاتے ہیں۔" وفا اس کی جانب مڑی اور آگے ہاتھ باندھے۔ اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ "لیکن میں تمہیں نہیں سمجھ پاتا لڑکی۔" وفا ہنس دی۔

"آئندہ چور مت بننا۔ پھنس بھی سکتے ہو۔"

"پھنس بھی کیا تو کیا ہوا؟ تم ہونا۔ آجانا پھر کہیں سے بوتل کے جن کی طرح۔"

"تم اتنی معصوم لڑکی کو جن کہہ رہے ہو؟" بھوری آنکھیں صدمے سے پھیلیں۔

"کیوں جن معصوم نہیں ہو سکتے کیا؟" دوسری جانب بھی حیرت سے سوال آیا۔ وفانے منہ بنایا۔

"اب میں تمہاری اس بات پر شرماتی ہوئی اچھی تھوڑی لگوں گی؟"

"وہی۔۔ بلکل اچھی نہیں لگوں گی اسلئے کوشش بھی مت کرنا۔" وہ بھی اپنے آپ میں ایک ہی تھا۔ کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ وفانے سر جھٹکا۔

"خیر۔۔ مزاق سے ہٹ کر۔ تمہیں کس بیوقوف نے ان کے کمرے کی تلاشی لینے کا مشورہ دیا تھا؟" اذان نے مسکراہٹ دہائی۔

"واقعی میں۔۔ ایک بیوقوف نے ہی دیا تھا۔ لیکن اتنا بھی کوئی برا مشورہ نہیں تھا یہ۔" وفا کا دل کیا پانی میں چھلانگ لگا لے۔ کیونکہ اسے تو دھکا دے نہیں سکتی۔ آخر وفا جو ٹھیری۔

"اف۔۔ اف ہے تم پر انسپٹر۔ چلو مانا مشورہ برا نہیں تھا۔ لیکن تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ اس کیس کو سالوں بیت چکے ہیں۔ اور مجرم بھی گھر کا ہی بندہ ہے۔ اوپر سے ہے بھی اتنا تیز۔ تو وہ کوئی بھی ثبوت اپنے ہی گھر میں کیوں رکھیگا؟ اور وہ بھی تب جب پولیس والا بھی گھر کا ہی ہو؟" اذان خاموش ہو گیا۔ اس کی بات میں دم تو تھا۔

"لیکن اور کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے۔ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتا نا۔ کہیں سے تو شروعات کرنی ہی ہوگی۔" اس بار خاموش ہونے کی باری وفا کی تھی۔ دم اس کی بات میں بھی تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔ لیکن تم اس طرح اکیلے یہ سب نہیں کرو گے۔ میں بھی اس میں شامل ہوں گی۔" اذان نے نفی کی۔

"نہیں۔۔ میں خد سنبھال لوں گا۔ تمہارا شامل ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ ویسے بھی تم بھی تو یہی چاہتی ہو کہ۔۔۔" اس نے درمیان میں بات کاٹی۔

"مسٹر میں پوچھ نہیں رہی۔ بتا رہی ہوں۔ میں اس سب میں شامل ہوں۔ بلکہ شاید میں تو ہمیشہ سے ہی اس سب میں شامل تھی۔۔ اور تم زیادہ پریشان مت ہو۔ اللہ پر یقین رکھو۔ سب ہو جائیگا۔" وہ بنا اس کا انکار یا اعتراف سننے "اللہ حافظ" بول کر حویلی کی جانب چلی گئی۔ پانی پر اب صرف ایک ہی سایا رہ گیا تھا۔

"بی بی جی۔ صاحب آچکے ہیں۔" ملازمہ نے آکر اتلا دی تو رائنہ داؤد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بیڈ پر پڑا اپنا سفید رنگ کا دوپٹا اٹھایا اور آئینے کے سامنے ای۔ اس کی آنکھیں سیاہ تھیں۔ اور رنگت سفید۔ اس کی ناک تھوڑی سی موٹی تھی لیکن وہ واقعی ایک بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ اس نے آج سفید رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا جس پر آسمانی رنگ کا کام موجود تھا۔ لمبے بال کلیچر میں قید تھے اور دو چھوٹی لٹیں دونوں اطراف ڈلی تھیں۔ اس نے ایک مسکراتی ہوئی نظر اپنے اوپر ڈالی اور پھر اپنا بیگ لئے باہر نکل آئی۔ ان کی شادی کے دن

قریب تھے۔ اور احمد کی خواہش تھی کہ رائے نکاح کا جوڑا اپنی پسند سے لے۔ اسی لئے آج وہ اسے شوپنگ پر لے جانے آیا تھا۔

سفید ٹالیوں کے فرش پر ہیلز کی ٹک ٹک کی آواز گونج رہی تھی۔ رائے جب باہر ای تو ٹھٹھک کر رک گئی۔ سامنے سبز گھاس پر کھڑا احمد بلو جینس پر سفید شرٹ پہنے تھا۔ اور اس کی گود میں ان کی ملازمہ کا تین سال کا بیٹا بھی تھا۔ وہ اس بچے کے ساتھ بہت خوش لگ رہا تھا۔ اسے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کچھ دکھا بھی رہا تھا۔ وہ پلٹا تو رائے کو خوشگوار حیرت سے اپنی جانب دیکھتا پایا۔ وہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے سامنے ای اور سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں آپ؟" اس بچے کو نیچے اتارتے ہوئے احمد نے مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"حیران ہوں۔" وہ اسی طرح بولی۔

"میں بھی۔"

"آپ کس لئے؟"

"کیا اتفاق اتنے خوبصورت بھی ہوتے ہیں؟"

"جی؟" اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔ پھر اس کی نظر شرٹ پر گئی تو بے ساختہ اس کا قہقہا نکلا۔ احمد بھی ہنس دیا۔

"اف۔۔ میرا تو ادھر دھیان ہی نہیں گیا تھا۔" احمد نے مصنوعی منہ بنایا۔

"محترمہ ذرا اپنے دھیان کو درست کر لیں۔ اب زندگی بھر آپ کا دھیان ادھر ہی رہنا ہے۔" رائے کی ہنسی غائب ہوئی۔ اور وہ بنا جواب دیے آگے بڑھ گئی۔ احمد نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔ آگے بڑھتی رائے داؤد نے اپنی آنکھوں کی چمک چھپاتے ہوئے پلکیں بند کر کے کھولیں۔ ("اف۔۔ یہ شخص آخر باتوں باتوں میں ایسی باتیں کیوں کر جاتا ہے؟")

یہ منظر آگرہ کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی اس کار کا تھا جس میں خاموشی کا راج تھا۔ احمد خاموشی سے ڈرائیو کرتے ہوئے ایک نظر ساتھ بیٹھی محترمہ پر بھی ڈال لیتا تھا۔ پھر ہار کر خد ہی گلا صاف کرتے ہوئے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ "ویسے کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کس بات پر حیران تھیں؟" رائے اور بھی زیادہ حیران ہوئی۔

"آپ کو میرا حیران ہونا یاد ہے؟" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مجھے آپ پوری کی پوری یاد ہیں۔" رائے کے گال سرخ ہوئے۔ ماتھے پر بل ڈال کر کھگی سے کہا گیا۔ "آپ کوئی موقع چھوڑ نہیں سکتے کیا مجھ سے فلرٹ کرنے کا؟"

"ایک بھی نہیں۔" ایک دم سے جواب آیا تھا۔ وہ صرف گہری سانس لے کر رہ گئی۔ پھر خد بھی ہنس دی۔

"آپ ہمیشہ سے ایسے ہی ہیں؟ سب لڑکیوں سے فلرٹ کرنے والے؟"

"سب لڑکیوں سے نہیں۔ صرف ایک لڑکی سے۔ رائنہ داؤد سے۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اور اپنا چہرہ موڈ کر باہر دیکھنے لگی۔ تو کچھ دیر بعد احمد کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔

"ویسے میں آپ سے فلرٹ نہیں کر رہا تھا۔" اس کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے تیزی سے گردن موڈ کر ڈرائیو کرتے ہوئے شخص سے پوچھا۔

"تو کیا کر رہے تھے؟" احمد نے مسکراہٹ چھپائی۔ اور انداز کو سرسری سا بنایا۔

"مذاق۔" وہ جو اس سے کوئی اعتراف سننے کی منتظر تھی۔ سیاہ آنکھوں میں غم و غصہ سے بھر گئیں۔ ("اس شخص سے تو کوئی امید رکھنا ہی بے کار ہے۔")

شوپنگ کے بعد ایک ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے ہوئے احمد اور رائنہ خاموش ہی تھے۔ اس پاس بھی بہت سے لوگ اپنے کھانے اور باتوں میں مصروف تھے۔ جبھی ایک احمد کی ہم عمر شخص وہاں سے گزرا تو رائنہ کو دیکھ کر رک گیا۔

"السلام علیکم رائنہ داؤد۔" ارمان کے خوشی سے مخاطب کرنے پر ان دونوں کا ہی دھیان اس کی جانب گیا۔ وہ ایک اچھے قد قاتھے کا خوبصورت مرد تھا۔

"وعلیکم السلام ارمان۔۔ تم یہاں؟" رائنہ بھی حیرانگی اور خوشی کے ساتھ ہی کہتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی۔ احمد نے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔

"ہاں کچھ دن پہلے ہی انڈیا لوٹا ہوں۔ یہاں تو ایک دوست سے ملنے آیا تھا لیکن کیا معلوم تھا ایک اور دوست مل جائیگی۔" اس نے پوچھتے ہوئے ایک نظر احمد کو دیکھا جو اپنا کھانا روک کر مسکراہٹ کے ساتھ انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ رائنہ نے تعریف کرایا۔

"یہ ڈاکٹر احمد ہیں۔ میرے کزن اور منگیترا۔ اور احمد۔۔ یہ میرا یونیورسٹی کا دوست ہے۔ ارمان۔" احمد بھی کھڑا ہوا اور اس سے ملا۔

"ماشاء اللہ! تم دونوں کی جوڑی تو بہت اچھی لگ رہی ہے راعنہ۔ اب جلدی سے یہ بتاؤ کہ شادی کب ہے؟"

"اسی ماہ ہے۔" اس بار جواب احمد نے دیا تھا۔

"تم یہ ماہ تو رکو گے نا انڈیا میں؟"

"ہاں بالکل۔ اور انشاء اللہ تم لوگ بلاؤ گے تو تمہاری شادی میں بھی ضرور آؤنگا۔" ارمان ہنس کر بولا تھا۔ وہ دونوں بھی ہنس دیے۔

"جی آپ نے ضرور آنا ہے۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوگی آپ آؤ گے تو۔" احمد کے کہنے پر ارمان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ جا چکا تھا تو وہ دونوں دوبارہ اپنے کھانے کی طرف متوجہ تھے۔ رائے نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"آپ کو ارمان سے مل کر برا نہیں لگا؟" احمد نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔۔ مجھے برا کیوں لگے گا؟"

"میں تو سنا ہے مردوں کو بالکل اچھا نہیں لگتا اگر ان کی بیوی کا کوئی دوست ہو تو۔" وہ بہت معصومیت سے پوچھ بیٹھی تھی۔ اسے شاید اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ کیا بول گئی ہے۔ احمد نے مسکراہٹ چھپانے کے لئے جلدی سے پانی کا گلاس منہ سے لگایا اور ایک ہی باری میں پورا گلاس خالی کر دیا۔ ("مطلب محترمہ اپنے آپ کو میری بیوی مان چکی ہیں۔") وہ اب بھی اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ہوتے ہونگے ایسے مرد لیکن میں ایسا نہیں ہوں۔ سب کے دوست ہوتے ہیں۔ ہاں بس ہر دوست کی کچھ حدود ہوتی ہیں۔ جو مجھے آپ کے اور ارمان کے درمیان نظر آگئی تھیں۔" رائے کی سیاہ آنکھوں کی چمک بڑھی۔ "سچ میں؟ آپ ایسا سوچتے ہو؟" احمد نے حامی بھری۔

"ہاں۔۔ کیونکہ مجھے اپنے ہم سفر کی پہچان ہے رائے۔ میں جانتا ہوں کہ میری بیوی صرف میری ہے۔ چاہے کتنے ہی ارمان کیوں نامل جائیں۔ وہ صرف میری ہی رہے گی۔" الفاظ تھے یا کیا؟ رائے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اور سے ہلا کر مسکرا کر کھانا کھانے لگی۔

لیکن اب صرف وہ کھا نہیں رہی تھی۔ ساتھ ساتھ بول بھی رہی تھی۔ اپنی پسند ناپسند کے بارے میں۔ اس کے بچپن کا کوئی قصہ۔ اس کے ٹین ایج کا کوئی واقعہ۔ اس کے باتوں میں سر ہلانے پر اس کی دونوں لٹیں بھی ہلکا ہلکا سا جھول رہی تھیں۔ اب وہ ساری باتیں کر رہی تھی جو وہ اس سے کرنا چاہتی تھی۔ اور احمد مسکرا کر سن رہا تھا۔ وہ تھوڑا حیران بھی تھا کہ اگر وہ اس سے اتنی باتیں کر سکتی تھی تو اب تک چپ کیوں تھی؟

"اچھا آپ نے مجھ سے پوچھا تھا نا کہ میں حیران کیوں ہوئی تھی؟" کھانے کے بعد اب وہ اپنی کار کی جانب بڑھ رہے تھے جب رائے کو ایک اور بات یاد آئی۔ اس نے حامی بھری۔

"وہ میں ہماری ملازمہ کے بچے کو آپ کے ساتھ دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ آپ نے کہا تھا نا کہ آپ ملازموں سے بات نہیں کرتے۔" احمد کے ماتھے پر بل پڑی۔ اس نے یاد کیا کہ یہ اس نے کب کہا تو یاد آنے پر گہری سانس لی اور سر ہلایا۔

"رائہ میں ایک خاموش طبیعت کا مالک ہوں۔ ہر کسی سے ایک دم نہیں کھل پاتا۔ سچ کہوں تو تم سے بھی بہت سی باتیں اب تک نہیں کہہ سکا ہوں۔" وہ اب کار میں بیٹھ رہے تھے۔ اور رائہ اسے غور سے سن رہی تھی۔

"میں مغرور نہیں ہوں۔ لیکن بس ہر کسی سے حدود بنا کر رکھتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں کہ مخالف اپنی حد پار کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو اسے وارن کر کے اس سے آہستہ آہستہ دور ہو جاتا ہوں۔ چاہے وہ کوئی فیملی فرینڈ ہو۔ کزن یا ملازمہ۔" وہ اب کار روڈ پر ڈال چکا تھا۔ اور رائہ بھی اس کی بات کا معنی سمجھ کر خاموش تھی۔ لیکن کچھ دیر بعد تھوڑا ہچکچا کر بولی۔ "ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں پوچھو۔" احمد کا دھیان ڈرائیونگ پر تھا۔

"آپ کی زندگی میں مجھ سے پہلے کوئی لڑکی رہی ہے کیا؟ مطلب کیا آپ کو کوئی پسند تھی؟" احمد کا پاؤں اچانک بریک پر پڑا۔ اس نے سپیڈ آہستہ کی اور ہنس کر اسے دیکھا۔

"تم نے میری ان باتوں کا یہ مطلب نکالا ہے؟" اس نے جلدی سے نفی کی۔

"نہیں۔ وہ تو میں سمجھ گئی۔ یہ تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"ہاں ایک دو تھیں۔ لیکن کوئی چکّر وغیرہ نہیں تھا ہاں میرا۔ بس پسند تھیں اور وہ بھی سیریس قسم کی پسند نہیں تھیں۔"

"اگر ہوتیں تو؟" ایک اور سوال آیا۔ احمد نے اسی سکون اور مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"تو آج یہاں میرے برابر میں موجود ہوتیں۔" رائے کا تو منہ ہی پھول گیا۔ "مطلب؟ میں کیا ہوں پھر؟ گھروالوں کی پسند؟" اس نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"نہیں بھئی۔۔ تم بھی میری ہی پسند ہو۔ وہ بھی سیریس والی۔ جبھی تو یہاں میرے ساتھ ہو۔" اب کے وہ لڑکی مسکرائی اور گردن اکڑا کر بولی۔

"گڈ! میں یہی تو سننا چاہتی تھی۔" احمد نے اپنے لفظوں پر غور کیا تو ٹھٹھکا۔ پھر سر جھٹک کر ہنس دیا۔ وہ بھی ہنس دی۔

"کیا اور کچھ بھی ہے جو آپ مجھ سے کہنا چاہتے ہو؟ سوچ لیں۔۔۔ یہ ہماری شادی سے پہلے آخری ملاقات ہے۔"

"ہاں ایک بات کہنی ہے۔" وہ تیزی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔ "کیا؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔۔ میری زندگی میں تم پہلی نہیں ہو۔ لیکن آخری ضرور ہوگی۔" اور یہاں رائے داؤد کے لئے احمد اختر کا ہر اعتراف پورا ہو گیا تھا۔ کوئی ان لفظوں کی اہمیت اس لڑکی سے پوچھتا۔ جو ساکت تھی۔ یہ صرف الفاظ نہیں تھے۔ یہ ایک وعدہ تھا۔ اور وعدہ بھی تاعمر کا تھا۔ جو تاعمر تک ہی رہنے والا تھا اور شاید۔۔ احمد کی تاعمر بھی لے جانے والا تھا۔ وعدہ اس شخص نے کیا تھا۔۔ تو قربانی بھی تو اسی نے دینی تھی۔

سفر کو منزل ملنے پر ڈریور نے کار کا ہارن بجایا تو احمد جھٹکے سے ماضی سے حال میں لوٹے۔ چوکیدار نے اختر منزل کا دروازہ کھول دیا تو کار اندر آگئی۔ سفید حویلی کو دیکھتے ہوئے احمد نے گہری سانس لی۔ ان کے دل نے بہت شدت سے سوال کیا تھا۔ ("جب کچھ لوگ ہمیں چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔ تو ان کی یادیں ہمیں کیوں نہیں چھوڑتیں؟")

تاج محل ہلکا گلابی دکھنے لگا تو صبح کے ساتھ ہی پرندے بھی چہچہانے لگے۔ آج اختر منزل میں صبح بھی کچھ جلدی ہوئی تھی۔ سبھی اپنے اپنے کاموں پر تھے۔ اور کچھ شام کو ہونے والے فنکشن کی بھی تیاری میں مصروف تھے۔ احمد اپنی نگرانی میں لائٹنگ کا کام کروا رہے تھے۔ اختر منزل کا لان اتنا پھیلا ہوا تھا کہ فنکشنز وہاں آرام سے ہو جاتے تھے۔

آگے ہاتھ باندھے وفا۔ حویلی کے سفید پلر سے سہارا لئے انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال شاید بھگے ہوئے تھے جبھی آج دوپٹا صرف ڈھنکا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں باتیں بھی کر رہی تھی۔ ("اللہ پاک یہ احمد چاچو آخر اتنے عجیب سے کیوں ہیں؟ مطلب ویسے عجیب تو یہاں سبھی ہیں۔ سب سے بڑی تو شاید میں ہی ہوں لیکن یہ۔۔۔ یہ پتا نہیں کیا ہیں؟") وہ کنفیوز تھی۔ اس شخص سے اسے ہمیشہ اچھی وابستہ ہی آتی تھیں۔ وفا خیالوں کو جھٹک کر مڈی تو اپنے قریب ہی موجود آرزو کو دیکھ کر چونکی۔

وہ آگے بڑھنے کو ہوئی تو آرزو بھی مڈی۔ وہ کنارے پر کھڑی تھی تو لڈ کھڑا کر گرنے ہی لگی تھی کہ وفانے ہوا میں ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔ آرزو نے ڈر کر نیچے دیکھا جہاں زمین سے تھوڑی اونچائی تھی۔ بھلے ہی خطرناک نہیں تھا لیکن اگر وہ گرتی تو چوٹ ضرور لگتی۔ اس نے وفا کی جانب دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "کیا کہتی ہو آرزو اختر؟ ہاتھ چھوڑ دوں؟"

"اگر ہاتھ چھوڑنا ہی تھا۔ تو تھاما کیوں؟" اس نے عجیب شکوہ کیا تھا۔ وفا اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسے آرزو سے یہ توقع نہیں تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچ کر اوپر کر لیا۔ لیکن اگلے ہی پل داؤ پلٹ چکا تھا۔

آرزو نے اوپر آتے ہوئے اسے کھینچا تھا اور اب وہ آرزو کی جگہ تھی اور آرزو اس کی۔ اس بار آرزو مسکرائی ٹی۔ "تو اب تم کیا کہتی ہو وفا اختر؟ ہاتھ چھوڑ دیں؟"

وفا زور سے ہنسی۔ دوپٹا سر کا تھا تو اس کے لمبے بال ہوا میں جھولنے لگے تھے۔ آرزو نے پہلی مرتبہ اس کے بال دیکھے تھے۔ اور وہ دل میں اعتراف کئے بنا نہ رہ سکی تھی کہ وہ کھلے بالوں میں واقعی اچھی لگتی ہے۔

"جہاں تک مجھے لگتا ہے۔۔ تم مجھے نہیں گرنے دو گی لڑکی۔ لیکن بھروسہ وفا اللہ کے علاوہ کسی پر نہیں کرتی۔ تو۔۔ چاہو تو چھوڑ دو۔" وہ مزے سے ہوا میں جھولتی ہوئی بولی تھی۔

"ایسے جھول کیوں رہی ہو؟ ہاتھ چھوٹا تو گر جاؤ گی۔" آرزو نے افسوس سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے اوپر کھینچا۔

"دیکھا۔۔ مینے کہا تھا نا مجھے نہیں لگتا تم مجھے گرنے دو گی۔"

"اور تمہیں ایسا کیوں لگا؟"

"تمہاری آنکھوں میں لکھا تھا۔" اُس کے ہونٹوں پر مطمئن مسکراہٹ تھی۔ بالوں کو جوڈے میں قید کیے ہوئی لڑکی بھی طنزیہ ہنسی۔

"تو پھر تم نے ہماری آنکھیں غلط پڑھیں ہیں وفا۔ آرزو اختر صرف اور صرف تم سے نفرت کرتی ہے۔"

"لیکن مجھے نفرت تو ان میں تو کبھی نہیں دکھی۔ جاننا چاہتی ہو مجھے ان میں کیا دکھتا ہے؟" وفا پورے اعتماد سے دو قدم اس کے قریب ای اور آواز آہستہ کی۔

"مجھے ان میں خوف دکھتا ہے۔ ڈر۔۔ تکلیف۔۔ اکیلا پن۔۔ اور چھپی ہوئی محبت بھی۔ نفرت تو ان میں کہیں نہیں ہے۔" سامنے کھڑی لڑکی کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری۔ لیکن لہجہ مضبوط رہا۔ "ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"اللہ بہتر جانے۔ لیکن انسان جھوٹ بولتے ہیں آرزو۔ آنکھیں جھوٹ نہیں بولا کرتیں۔" وہ اس کے ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گئی۔ اور وہ لڑکی وہیں بت بن گئی۔ پہلی بار اس کے

کھول پر کسی نے ضرب لگائی تھی۔ پہلی بار کسی نے اسے آئینہ دکھایا تھا۔ اس کا ساکت ہونا تو بنتا تھا۔

(بھائی آپ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ آپ جانتے ہو نا کہ ڈیڈ نے غلط کیا ہے۔)

(میں بڑا ہوں آرزو۔ سہی غلط سب سمجھتا ہوں۔ خبردار جو تم نے یہ بات کبھی اپنے منہ سے نکالی تو۔)

(لیکن یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ آپ بھی ان کے ساتھ برے ہی بنتے جا رہے ہو۔ لیکن میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گی۔ میں سب کو سچ بتاؤں گی۔)

(بس۔۔ بہت ہوا۔ اگر تم نے کسی کے بھی سامنے یہ سب بکواس کی نا تو بھول جانا کہ سہیل اختر تمہارا بھائی بھی ہے۔)

رات کا اندھیرا آسمان پر پھیل گیا تو اختر منزل کے لون میں لگی ساری بتتیاں جل اٹھیں۔ مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ شہزاد نے بیڈ سے اپنا دوپٹا اٹھایا اور اپنے سر پر ڈالا۔ اس نے آج سیاہ رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا جس پر ریڈیم رنگ کی کڈائی تھی اور دوپٹا بھی اسی رنگ کا تھا۔ اس کے سیاہ بال کھل کر کمر پر پھیلے تھے۔ جو دوپٹے سے ڈھک گئے تھے۔ لائٹ سے میکاپ کے ساتھ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے سامنے دیکھا تو وفا

آئینے میں اپنے حجاب کے ساتھ الجھی ہوئی نظر ای۔ اس کا سوٹ کریم تھا جس پر گلابی رنگ کا کام اور دوپٹا تھا۔

"شزا یارر یہ ہمیشہ ایسے وقت پر ہی کیوں نہیں بندھتا؟" وہ رو دینے کو تھی۔

"نہیں بندھ رہا تو آج رہنے دو۔" شزا نے مشورہ دیا۔

"بلکل نہیں۔۔ میں اس کے بنا کہیں نہیں جانے والی۔" لہجہ اٹل تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں رکی ہوں ابھی۔ ٹیک یور ٹائم۔" شزا کہتے ہوئے بیڈ پر ہی بیٹھ گئی اور اسے دیکھنے لگی۔ "تمہیں اپنا حجاب بہت پسند ہے نا وفا۔" ان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے شخص کے قدم تھے۔

"اصلاح کرو لڑکی۔۔ مجھے یہ صرف پسند نہیں ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے۔ یہ میرے لئے کسی تاج سے کم نہیں ہے۔"

"ماشاء اللہ! تمہیں اور کیا چیزیں پسند ہیں پھر؟" شزا دلچسپی سے ایک ہاتھ پر اپنا رخسار ٹکائے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے ناولز پسند ہیں۔ چوڑیاں۔ تاج۔ چاند۔ بارش۔ مجھے بہت کچھ پسند ہے۔ تم میری پسند چھوڑو اور جلدی سے اب نیچے چلو۔" اس نے آئینے کے سامنے سے ہٹ کر تیزی سے دوپٹا اٹھاتے ہوئے کہا تو کسی اور کے قدم بھی چل پڑے۔

فنکشن اپنے زور پر تھا۔ سبھی بہت خوش تھے۔ اذان سامنے موجود وفا اور شزا کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ وفا بھیڈ میں بھی شزا کو اپنے سے دور نہیں ہونے دے رہی ہے۔ جبھی اس کی نظر سامنے دور اندھیرے پر رکی۔ اسے احساس ہوا وہاں بھی شاید کوئی تھا۔ جو دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن اس کی نظریں بھی انہی دونوں پر جمی تھیں۔

اس کے قدم بے ساختہ اس جانب بڑھے۔ وہ وجود الٹے قدم بھاگا تھا۔ دور کھڑا سہیل اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو دیکھتا ہوا آہستہ سے مسکرایا۔ اس میں موجود ڈرنک بلیک کلر کی تھی۔ سیاہ رنگ کی۔ وہی جو اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔

وہ وجود بھاگتا ہوا پیچھے کی جانب آیا۔ اذان کی رفتار زیادہ تیز تھی اسلئے وہ اسے پیچھے سے پکڑ چکا تھا۔ وہ وجود مڑا تو اس کا چہرہ سامنے آیا۔ وہ ساکت رہ گیا۔

سہیل کا فون بجا تو اس نے مسکرا کر کال اٹھائی۔ "مجھے پوری امید ہے تمہارا آدمی کم سے کم آسانی سے تو کسی کے ہاتھ نہیں ایگا۔"

"ہاں بالکل۔ میں نے یہی بتانا تھا کہ وہ بس نکل رہا ہے۔ بہت جلد پہنچ جائیگا۔"

"کیا؟" سہیل حیران ہوا تھا۔ اس نے سامنے دیکھا تو وہ ساکت رہ گیا۔

وہ چہرہ ریاض کا تھا۔ اذان نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ "تو کیا کر رہا ہے ریاض؟ اور مجھے دیکھ کر بھاگا کیوں تھا؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ میں تجھے یہاں لے آؤں۔"

"کس نے کہا تھا؟"

"وفا نے۔"

وہ تھوڑے فاصلے پر سامنے کھڑی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ سہیل اس کی مسکراہٹ سمجھ نہ سکا۔ ("یہ آخر چل کیا رہا ہے؟")

وہ قدم بڑھاتی ہوئی اس کے سامنے آئی۔ وہ فون کا ہاتھ نیچے کر چکا تھا اور اب تیز اور سنجیدہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وفا کا بہت ہلکے سے میکاپ والا چہرہ گلابی حجاب میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ یہ آج پہلی مرتبہ تھا جب وہ دونوں آمنے سامنے تھے اور پوری طرح ایک دوسرے کی جانب متوجہ تھے۔ وفا کا قد بڑا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی تھوڑے سے فرق سے سہیل کے مقابل ہی آ رہی تھی۔ پہلی بار اس شخص نے محسوس کیا تھا کہ وہ کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی۔ اس کے انداز میں۔۔ اس کی شخصیت میں کچھ مختلف تھا۔ سہیل کے ذہن میں اُس کا انداز دیکھ کر بہت کچھ آیا تھا۔

وفا نے اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو دیکھا جس میں موجود ڈرنک وائٹ کلر کی تھی۔ سفید رنگ کی۔ وہی جو اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔

سہیل نے بھی اسے دیکھا۔ وائٹ کلر بلیک کلر سے ٹکرایا۔ کانچ کے ٹکرانے کی آواز ان دونوں کی سماعت سے گزری۔

وہ اس کا چہرہ بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ پلکیں اٹھیں تو بھوری نظریں سرمئی نظروں سے ملیں۔ اور پھر وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ واپس پلٹ گئی۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ لیکن اس کی نظریں بہت کچھ کہہ گئی تھیں۔

کیا؟ وفا نے؟ مگر کیوں؟ "اذان کا دماغ گھوم کر رہ گیا تھا۔ ریاض نے گہری سانس لی اور شروع ہوا۔

"مجھے تجھ سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔ میں بات کرنے آ رہا تھا تو وفا مل گئی۔ مینے پوچھا تو کہاں ہے تو اس نے مشورہ دیا کہ اگر میری بات واقعی میں بہت اہم ہے تو مجھے تجھ سے یہاں اکیلے میں بات کرنی چاہیے اور مجھ سے یہ سب کرنے کو کہا۔"

"اور تو نے مان لی یہ بات؟" اس سوال پر ریاض نے اسے گھورا۔

"ہاں۔۔ مینے مان لی۔ کیونکہ میرے لئے سب سے اہم تجھ سے اکیلے میں بات کرنا تھا۔ اور اب اگر تو نے مزید ایک بھی سوال کیا نا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ریاض بہت سنجیدہ تھا۔ اذان نے ادھر ادھر دیکھا اور اسے بڑے سے سبز میدان پر تھوڑا اور آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

"کیا ضروری بات ہے؟" وہ دونوں اونچی سفید حویلی سے خاصہ دور تھے۔

"وہ فون جو ہمیں کل نسیم معمو کے آفس سے ملا تھا۔ پیوں سے تلاشی کرانے پر۔۔ وہ مینے unlock کر لیا ہے۔" اذان کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

"اتنی جلدی؟ بہت خوب! تو کچھ معلوم ہوا اس سے؟"

"اس کو صرف ایمر جنسی میں کالز کے لئے یوز کیا جاتا تھا۔ کالز بھی کم ہیں۔ یا ایسے لوگوں کی ہیں جن کو وہ اپنے فون سے نہیں کر سکتے صرف کالز ریکارڈ ہونے کے ڈر سے کیونکہ اس فون میں کچھ سسٹم ہے جس وجہ سے کالز ریکارڈ کرنا بھی مشکل ہے۔" اذان کا چہرہ بچھ گیا۔ اس نے رخ موڈ لیا۔

"لیکن مجھے ایک بات بہت عجیب لگی ہے اذان۔" ریاض نے اسے دیکھتا ہوئے کہا۔ نا جانے اس کے انداز میں ایسا کیا تھا اذان نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن اسے ریاض کا انداز بہت زیادہ سنجیدہ اور بے چین لگا تھا۔

"کیا؟" ریاض کے گلے میں گٹی ڈوب کر مدو ہوئی۔

"مجھے بھی پوری طرح سے یقین نہیں ہے اذان کہ میں سہی ہوں یا نہیں لیکن ان ساری کالز میں مجھے ایک کال بہت مشکوک لگی ہے۔" اذان اس کی جانب پوری طرح سے گھوما۔

"تو ایک بات بتا مجھے۔ اگر تجھے احمد معمول سے بات کرنی ہو تو تُو اپنا اچھا خاصہ فون چھوڑ کر اپنے ہی کسی ایمر جنسی فون سے بات کیوں کریگا؟ اور وہ بھی اپنے فون پر آرہی ان کی کال کو کٹ کر کے؟"

"تو لمبی بات کیوں کر رہا ہے ریاض؟ سیدھا سیدھا بول نا۔" اسے تپ چڑھی۔

"میں نے دونوں فونز کی کالز کا وقت چیک کیا تھا۔ تو مجھے یہ بات بہت عجیب لگی۔ مطلب کسی گھر کے ہی فرد کے کال کرنے پر تُو کال کٹ کر دیگا اور دوسرے فون سے کال بیک کریگا۔ کیوں؟" ریاض بہت الجھا ہوا تھا۔ لیکن اذان کا دماغ اب سلجھا تھا۔

"کیونکہ میں چاہونگا کہ ان کے اور میرے درمیان کی بات چیت صرف ہمارے ہی درمیان رہے۔ مطلب ریکارڈ نہ ہوں۔"

"یہی بات۔۔" ریاض نے اثبات میں سر ہلایا۔ کھلے میں بھی اذان کا دم گھٹنے لگا تھا۔ بامشکل اس کے منہ سے لفظ ادا ہوئے۔ اسے اپنی آواز کہیں بہت دور سے آتی ہوئی لگی۔

"انہوں نے کس سے بات کی تھی ریاض؟ کیا۔۔ کیا احمد چاچو؟"

مہمانوں سے بھرے میدان میں شزا ایک وجود کے ساتھ کھڑی مسکرا کر بات کر رہی تھی۔

"ماشاء اللہ سے آج تو ہماری شہزادی بہت ہی پیاری لگ رہی ہے۔"

سامنے موجود انسان کی آنکھوں میں اس کے لئے محبت ہی محبت تھی۔ وفا سہیل کے پاس سے سیدھا ان دونوں کے ہی جانب ای۔ چہرے پر مسکراہٹ اب بھی موجود تھی۔ سہیل کو وہ باآسانی دکھ رہی تھی۔ اس کی سنجیدہ نظر بھی وہیں ٹک گئی۔

"شزا۔ تمہیں دادو بلا رہی تھیں۔ جاؤ ان کی بات سن لو۔" اس کے کہنے پر شزا حامی بھر کر وہاں سے چلی گئی۔ وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس وجود کے قریب ای۔

"بہتر ہوگا کہ آپ میری بہن سے دور رہیں۔" اس وجود کی مسکراہٹ اڈن چھو ہوئی۔ سہیل کے ماتھے پر بھی بل پڑے۔ وہ ان کی باتیں سن نہیں سکتا تھا لیکن ان کے چہروں پر غور ضرور کر رہا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو وفا؟"

"مجھے بہت اچھے سے پتا ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ اور مجھے آپ کا سچ بھی پتا ہے۔ اس لئے کم سے کم میرے سامنے تو یہ اچھا بننے کا ڈرامہ مت کریگا۔" مسکراہٹ کے مقابلے اُس

کی آنکھوں میں کھا جانے والی نفرت تھی۔ وہ وجود پل بھر میں ساکت ہوا تھا۔ اسے اس سب کی بالکل توقع نہیں تھی۔ پھر آہستہ سے اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ ائی۔

"کیا باتیں کر رہی ہو لڑکی؟ کون سا ڈرامہ؟ کون سا سچ؟ مجھے تو تمہاری ان باتوں پر یقین ہی نہیں آرہا کہ میری وفا مجھ سے یہ سب کہہ سکتی ہے؟" وفانے گہری سانس لی۔

"آپ یقین کر لیں کہ وفا ہی یہ سب کہہ سکتی ہے۔ آپ یقین کریں۔۔ میں بہت اچھی ہوں۔ لیکن جب ایک اچھا انسان برا بننے پر آتا ہے نا۔ تو وہ بہت برا بنتا ہے۔ بہت بہت برا۔ اور ابھی میں بہت عزت سے کہہ رہی ہوں کہ میری بہن سے دور رہیں۔ ورنہ اگلی بار میں وارن نہیں کرونگی بلکہ سب کو سچ بتا دوں گی۔"

Because....

(وہ ایک قدم اور آگے آئی اور اپنی آواز کو آہستہ کیا۔)

It's just a Game of Muqaddar".

اس نے ہر لفظ زور دے کر ادا کیا تھا۔ اُسے طرح جس طرح اُس نے کبھی سنا تھا۔ وہ وجود پل بھر میں جم گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ آنکھیں حیرت اور صدمے سے فٹی کی فٹی رہ گئیں۔ وفاب اسی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے جا چکی تھی۔ جاتے ہوئے اُس نے ایک

نظر سہیل کو بھی دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا لیکن اس بار وہ بھی مسکرایا تھا۔ پہلی بار اُسے کوئی اپنے مقابل کا ملا تھا۔ اُس کا مسکرانا تو بنتا تھا۔

وہ وجود کتنی ہی دیر ساکت رہا۔ آج کوئی اسی کے الفاظ اسے ہی لوٹا گیا تھا۔

"نہیں اذان۔ احمد چاچو نہیں۔" ریاض کے الفاظ تھے یا کیا۔ اذان کا اٹکا سانس بحال ہوا۔

"تو پھر کون؟" ریاض نے فون آگے کیا۔ تو اس نے جلدی سے لیا۔

وہ وجود آہستہ سے قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر اپنے پیچھے زور سے دروازہ بند کیا۔ سبھی لوگ باہر تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ آج اندر کون سا طوفان اٹھ رہا ہے۔

اذان اپنی کانپتی ہوئی انگلی سے سکرین سکروں کر رہا تھا۔ وہاں بہت سے نمبر تھے۔ بہت سے نام تھے۔ ریاض اس کے قابو کرنے کے بعد بھی اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے لئے یقین کرنا آسان نہیں تھا کہ ایک پچیس سال کا بہادر اور قابل پولیس افسر۔۔ کسی کیس میں اس قدر بھی گھبرا سکتا ہے؟

وہ وجود غصے اور نفرت کے ساتھ ہر چیز اٹھا کر پھینک رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو آج پوری حویلی کو آگ لگا دیتا۔ اس کے قدم اب بڑے سے آئینے کے سامنے آتھے۔ اس میں اس کا خوبصورت عکس لہرایا۔

اذان کی چلتی ہوئی انگلی ایک نام پر تھمی۔ اور وہ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ (اصل مجرم اسی گھر کے دو فرد ہیں اذان اختر۔)

جس سچ پر اسے ایک سال پہلے یقین نہیں آیا تھا۔ آج آگیا تھا۔ وہ ایک سال سے اپنے آپ کو اس ایک لمحے کے لئے مضبوط کر رہا تھا۔ اور آج یہ لمحہ اسے پھر بھی کمزور کر گیا تھا۔

ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے اور ہمیشہ اس کی کمزوری ہی اسے توڑ دیتی ہے۔ اذان اختر کی کمزوری اختر منزل کے مکین تھے۔ اور آج انہی مکینوں نے اسے توڑ دیا تھا۔

وہ نام اسی عکس کا تھا جو بڑے سے آئینے میں سرخ چہرے اور آنکھوں کے ساتھ اپنا یہ روپ دیکھ رہا تھا۔

اور وہ عکس۔۔۔ عالیہ مبین کا تھا۔

وہی عالیہ مبین جو اپنی سوتیلی بہن کے لئے اپنے سگوں کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

وہی عالیہ مبین جو اپنی جیٹھانی کی بہت وفادار تھی۔

وہی عالیہ جو اس کی موت پر پاگلوں کی طرح روی تھی۔

وہی عالیہ جو اختر منزل کے ہر فرد کا خیال رکھتی تھی۔

وہی عالیہ جو اس سارے کھیل کی ماسٹر مائنڈ تھی۔

اور وہی جو عالیہ نسیم اختر تھی۔

باب۔۔ ۹

ایک سال پہلے۔۔۔

"تو اب وقت ہے آج کی بڑی خبر کا۔ ہم اپ کو بتاتے چلیں کہ سیریل کلر راجہ آج صبح ہی آگرہ پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو چکا ہے۔۔۔ جی ہاں! یہ وہی مجرم ہے جو ایک کے بعد ایک معصوم لوگوں کو اپنا نشانہ بنا رہا تھا۔" نیوز اینکر اپنی پوری محنت سے لوگوں تک خبر پہنچا رہی تھی۔ وفا شاہد صاحب کو چائے دینے ای توٹی وی کی آواز اس کے بھی کانوں میں پڑی۔

"جی ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ اس مجرم کی پولیس کو بہت عرصے سے تلاش تھی اور یہ تلاش آج پوری ہوئی ہے۔۔ مانا جا رہا ہے کہ پولیس کی اس بڑی کامیابی کے پیچھے کچھ ماہر پولیس آفیسرز کی بھی بہت محنت رہی ہے۔ جن میں سے ایک افسر۔۔۔ اذان اختر کا نام سب سے اوپر بتایا جا رہا ہے۔" وہ پلٹ کر جانے لگی تو بڑھتے ہوئے اس کے قدم تھمے۔

"جی یہ بالکل درست خبر ہے کہ اس کیس کی کامیابی کے پیچھے انسپٹر۔۔۔ اذان اختر کی کامیابی بھی مانی جا رہی ہے۔" سالوں بیت چکے تھے لیکن اس نام کو وہ نہیں بھولی تھی۔ اور کچھ نام تو ہمارے ذہنوں سے کبھی نہیں جاتے۔ وہ ہمیشہ رہ جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی یاد بن کر۔

سکرین پر اب پولیس یونیفارم میں ملبوس ایک خوبصورت شخص کی تصویر بھی دکھائی جا رہی تھی۔ وفانے آہستہ سے گردن موڑی تو وہ ساکت رہ گئی۔ کتنے ہی پل۔ کتنی ہی یادیں۔ اس کے سامنے لوٹ ایں تھیں۔

پہلے تو اسے یقین ہی نہ آیا مگر پھر وہ اسے دیکھتے ہوئے آہستہ سے مسکرائی۔ وہ پہچان گئی تھی۔ وہ وہی تھا۔ سیاہ آنکھیں وہی تھیں۔ جو ان کے ساتھ رہنے پر ہر وقت مسکرایا کرتی تھیں۔ آج بھی مسکرا رہی تھیں۔ اس کا دل اسے کامیاب دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ آنکھوں اور گلے میں بہت سا پانی جمع ہوا تھا۔

"اذان اختر کا تعلق آگرہ کے جانے مانے۔۔ اختر خاندان سے ہے۔ اختر انٹرپرائزز کو بزنس کی دنیا میں بھی بہت کامیابی حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ اختر خاندان کا ہی ایک ہسپتال بھی آگرہ کے بہترین ہوسپٹلز میں سے ایک مانا جاتا ہے۔"

وفا کی آنکھوں کی چمک پل بھر میں غائب ہوئی۔ اس نے چہرہ موڈ لیا اور آگے بڑھنے لگی۔

"تمہیں ایک بار تو اس سے ملنا چاہیے وفا۔" وہ وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اسے لگا وہ پلٹی تو جم جاگئی۔ یہ وہ کیا کہہ گئے تھے؟

"میں جانتا ہوں بیٹا تمہیں سب یاد ہے۔ تم کچھ نہیں بھولی ہو۔" وہ نہ کچھ بولی نہ اپنی جگہ سے ہلی۔

"میں نہیں جانتا تمہارے اندر کیا چل رہا ہے۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ کم از کم تمہیں اذان سے تو ایک بار ضرور ملنا چاہیے۔" شاہد نے اپنی بات مکمل ہونے پر چینل تبدیل کر دیا اور پھر وہ بھی قدم بڑھا گئی۔ خاموشی سے۔ بنا کچھ کہے۔

آج کا دن بہت خوبصورت طلوع ہوا تھا۔ ہر جانب ہوا کے ساتھ آفتاب کی ہلکی دھوپ بھی لوگوں کے لئے موجود تھی۔ روڈ کے سائیڈ میں کھڑی وفا نے اپنے چھوٹے سے بیگ میں سے فون نکالا اور کال ملائی۔

"ہیلو! ہاں لڑکی کہاں ہو تم؟ میں کب سے انتظار کر رہی ہوں تمہارا۔" اس کے ماتھے پر بل ڈلے تھے۔ اور سرخ گال ناراضگی سے پھولے ہوئے تھے۔ دوسری جانب سے سن کر بولی۔

"ٹھیک ہے تو میں میم کے پاس جا رہی ہوں۔ سیدھا اندر ہی آجانا۔ ہاں کوئی بات نہیں۔" وفا نے فون رکھ کر گہری سانس لی اور آگے قدم بڑھا دے۔ وہ چلتے ہوئے اپنے آس پاس بھی سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے آج سرخ اور سفید رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اور سفید حجاب آج بھی اس کے سر کو ڈھنکے ہوئے تھا۔

یتیم خانے میں داخل ہوتے ہی اس کے قدم تھم گئے۔ بہت سے بچے ایک جانب کو جھنڈ بنا کر کسی کو گھیرے کھڑے تھے۔ اس شخص کے ہاتھ میں بہت سے غبارے تھے جو وہ ہر بچے کو دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک الگ ہی خوشی تھی۔ وہ ہنس رہا تھا اور وفا کو اس وقت ہنستا ہوا بہت اچھا لگا تھا۔

"وفا۔" ارم کے پکارنے پر اس نے ان کو دیکھا اور سلام کرتے ہوئے آگے بڑھی۔

"وعلیکم السلام۔۔ بیٹا تم اکیلی ای ہو؟ سمن کہاں ہے؟"

"وہ راستے میں ہے میم۔ آ رہی ہے۔" اس کے بتانے پر وہ سر ہلا کر مسکرا دیں۔ سمن اس کی پرانی اسکول کی دوست تھی اور ارم ان کی ٹیچر۔ وہ دونوں اکثر ان سے ملنے آیا کرتی تھیں۔

"یہ کون ہے میم؟" وہ اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ دل گھبرا رہا تھا۔ انہوں نے اس جانب دیکھا تو جواب دیا۔

"یہ اذان ہے۔۔ اذان اختر۔ میری ایک دوست تھی زویا۔ اس کا بیٹا ہے۔ زویا نے اسے یہیں سے اڈوپٹ کیا تھا تو اکثر یہاں آ جاتا ہے۔ یہاں کے بچوں سے ملنے۔" وفا کا سانس ایک پل کو رک سا گیا تھا۔ پھر وہ کور کر گئی۔

"اچھا! اچھی بات ہے۔ کیسی تھیں آپ کی دوست؟ اور تھیں مطلب؟ اب دوستی ختم ہو گئی کیا؟" ایک اور سوال بڑی ہمت سے کیا گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن وہ اس شخص کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ اب بات کیسے ناکیسے تو شروع کرنی ہی تھی۔

"نہیں۔ سالوں پہلے اس کی اور اس کے شوہر کی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔ اور اس کی دو بیٹیوں کا بھی کچھ پتا نہیں چل سکا۔ لیکن جانتی ہو؟ اذان انسپکٹر ہے۔ اور اس کے کیس کو بھی ری اوپن کرا چکا ہے۔" وفا کے لئے حیرانی اور تکلیف چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی کہاں بعض آنے والی تھی؟

"اچھا! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تو کوئی فائدہ ہوا اس چیز کا؟" ابھی اگر یہاں زنیہ ہوتی تو وفا کی اداکاری پر اسے ایک اد ایوارڈ تو دے ہی دیتی۔

"ابھی تک تو نہیں لیکن یہ کوشش پوری کر رہا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ ایک دن یہ کامیاب بھی ضرور ہوگا۔" وہ اذان کو دیکھتے ہوئے بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔ جو اب ایک بچے کو اٹھائے بیچ پر بیٹھا تھا۔

"چلو وفا اندر چلتے ہیں۔" ان کے کہنے پر وہ ہامی بھرتی ہوئی ان کے پیچھے اندر کی جانب بڑھ ائی۔

"اور باتیں بتائیں نازویا میم کے بارے میں۔ آپ دونوں کیا بیسٹ فرینڈز تھیں؟" راہیداری میں سے گزرتے ہوئے اس نے بہت جوش اور دلچسپی دکھاتے ہوئے پوچھا۔ ظاہر تو سب درست تھا۔ لیکن اس کے باطن کی تکلیف تو صرف اللہ جانتا تھا۔

"نہیں بیسٹ فرینڈز تو نہیں۔ لیکن ہاں! وہ بہت اچھی دوست تھی۔ بہت رحم دل۔ بہت ہنسنے بولنے والی۔ بالکل تمہاری طرح۔" وفا کو لگا کسی نے اس کا دل مسوس لیا ہو۔ لیکن وہ جلدی سے ہنسی۔

"سچ میں؟ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اور ان کے شوہر کیسے تھے؟ آپ ان سے ملیں تھیں کبھی؟"

"فتح بھی بہت اچھا انسان تھا۔ ہم سب کلاس فیلوز ہی تھے۔ وہ خاموش مزاج تھا لیکن زویا سے بہت محبت کرتا تھا۔ ایک بار یونی میں ایک لڑکا زویا کے پیچھے پڑ گیا۔ بہت غلط لڑکا تھا

وہ۔ اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا تھا۔ لیکن پھر فتح نے اس کا وہ حال کیا تھا کہ اپنی ٹوٹی ٹانگ کے ساتھ زویا سے معافی مانگ کر گیا تھا۔ "ارم بتا کر ہنس رہی تھیں۔ اور وفا کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے تھے۔" (کیا بات ہے بابا! آپ تو ماما کے لئے بڈے کوئی ہیرو بننے تھے۔) "سچ میں میم؟" اس کا جوش اور بڑھ گیا۔

"ہاں۔ وہ زویا کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے جب زویا اذان کے لئے میرے پاس ای تھی تو میں نے اسے منا کر دیا تھا کہ اس کے سسرال والے اذان کے لئے نہیں مانینگے تو وہ بہت مایوس ہو کر واپس گئی تھی۔ لیکن کچھ دن بعد وہ فتح کے ساتھ ای اور اذان کو لے ہی گئی۔" وہ دونوں اب ان کے آفس میں سونے پر بیٹھ رہی تھیں۔ وفا ٹھٹھکی۔

"لیکن آپ کو کیوں لگا کہ وہ نہیں مانینگے؟ ان کا behaviour کیا زویا میم کے ساتھ اچھا نہیں تھا؟"

"نہیں وفا۔ وہ تو بہت اچھے تھے۔ وہ تو مجھے کسی اور وجہ سے لگا تھا۔" ارم نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا اور چار جنگ سے اپنا فون ہٹانے لگیں۔

"لیکن کس وجہ سے میم؟ مجھے بتاؤ نا پلیز۔" وہ بہت معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ ارم صرف مسکرا دی۔ وہ اس کی بہت پرانی اور وفادار سٹوڈنٹ تھی۔ وہ اس پر بھروسہ کرتی تھیں۔

آفس کے باہر سے پورا میدان نظر آتا تھا۔ ایک جانب جھولے تھے جہاں بچے کھیل رہے تھے۔ دوسری جانب ایک بیچ پر اذان اکیلا بیٹھا تھا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا ان بچوں کو دیکھ رہا تھا جبھی اس کی نظر بھٹک کر دور آفس کے سامنے لگی ریلنگ کے ساتھ کھڑی لڑکی پر پڑی۔

وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ فاصلہ کافی تھا اور دھوپ کے باعث اسے اپنی سیاہ آنکھیں چھوٹی کرنی پڑیں۔ اذان کے دیکھتے ہی وہ اسے دیکھتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔ اس کے ماتھے پر نا سمجھی سے بل پڑے لیکن اس نے سر جھٹک دیا۔

صبح کے چار بج رہے تھے۔ فجر کی اذان کی آواز پر وفا کی آنکھ کھلی تو وہ کسی طرح اٹھ ہی گئی۔ وہ کل جب سے ارم سے مل کر ای تھی بہت تھکی ہوئی تھی۔ دماغ بھی سوچ سوچ کر تھک چکا تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ وہ نماز اور قرآن کے بعد وہیں کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

صبح کا آسمان بہت خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے چشمہ ہٹا ہوا تھا اور کھلے بال بھی ہوا سے اڑ رہے تھے۔

(”اللہ پاک میں کیا کروں؟ ڈیڈی کہہ رہے تھے مجھے ایک بار اذان سے ملنا چاہیے لیکن اگر ملی تو کیا کرونگی؟ کیا کہونگی؟ اور اگر وہ مجھے پہچانا ہی نہیں تو؟ میم تو بتا رہیں تھیں کہ اس نے کیس ری اوپن کرا لیا ہے۔ مطلب وہ ہمیں بھولا تو نہیں ہوگا۔“) اسے خود پر غصہ آیا۔

(”اف ہے مجھ پر بھی۔ ظاہر سی بات ہے بھولا تو نہیں ہی ہوگا۔ لیکن پھر بھی۔۔۔ یا اللہ۔۔۔ میں کیا کروں؟“)

یہ منظر اسی دن کی رات کا تھا۔ اختر منزل خوبصورتی سے سچی ہوئی تھی۔ آج یہاں ایک دعوت تھی جو اس گھر کے مکینوں نے اذان کی کامیابی کی خوشی میں رکھی تھی۔

حویلی کا بڑا سا گیٹ کھلا تھا۔ مہمان آچکے تھے اور مزید اور آ رہے تھے۔ مین گیٹ پر سیکورٹی ٹیم بھی کھڑی تھی۔ وفا نے اپنی کار حویلی سے دور ہی روک دی۔ اور پورے اعتماد کے ساتھ باہر نکل کر حویلی کی جانب بڑھی۔ وہ گلابی رنگ کی پوری فراک پہنے ہوئی تھی۔ گلابی ہی حجاب سر کے گرد بندھا تھا۔ کریم کلر کی شال اس نے اپنے گرد لے رکھی تھی۔ آخر کار اس نے اذان سے ملنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا اور اسی وقت جلدی میں آگئی تھی۔

وہ حویلی کے مین گیٹ کو اور وہاں ہو رہی دعوت کو دیکھ کر رک گئی۔ وہ دوسری جانب میں تھوڑے فاصلے پر موجود چھوٹے جنگلے والے گیٹ تک ای۔ وہ کھلا تھا۔ اور وہاں سے اندر کا منظر صاف نظر آتا تھا۔

وفانے نظریں ہر جانب گھمیں۔ اسے سارے ہی گھر والے ایک ساتھ نظر آئے۔ ان کی فیملی فوٹو لی جا رہی تھی۔ اس کے دل میں چھین ہوئی۔ وہاں سب تھے۔ اور کچھ نئے چہرے بھی تھے۔ اسے یاد آیا اب تو باقی سب بھی بڑے ہو چکے ہونگے۔ اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔ دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہا۔ وہ ان سب سے دور اور الگ کیوں تھی؟ کیا اس کا وہاں کوئی حق نہیں تھا؟

اسے فرزانہ بیگم نظر آیں۔ وہ آہستہ سے مسکرائی۔

اسے اختر صاحب نظر آئے۔ اس کی آنکھوں کی نمی بڑھی۔

اسے احمد نظر آئے۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

اسے دھندھلی آنکھوں سے انہی کے ساتھ اذان بھی نظر آیا۔ بہت سے آنسو ایک ساتھ اس کے گالوں پر پھسلے۔ بہت سی یادیں ایک فلم کی طرح اس کے سامنے چلیں۔ اس نے گہری سانس لی اور آگے قدم بڑھایا۔ وہ لوگ فوٹو لے چکے تھے۔

اسے نسیم خوشی سے اذان کے گلے لگتے ہوئے دکھے۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ بہت سے تکلیف اور آنسوؤں کے منظر بھی اسے نظر آئے۔

کار کا الٹا ہونا اسے محسوس ہوا۔

کانچ کا جسم میں گھسنا اسے محسوس ہوا۔

اچانک سے پوری دنیا گھوم جانا اسے محسوس ہوا۔

اس نے پوری طاقت سے دوسرا قدم بڑھایا۔

اسے عالیہ اذان کو اپنے ساتھ لگاتی دکھی۔ وہ قدم آگے نہیں بڑھا سکی۔ وہ ساکت رہ گئی۔ اس کی ساری طاقت ایک پل میں ختم ہو گئی تھی۔ اسے لگا وہ پلٹی تھی۔ شاید اسی لئے جم گئی ہے۔

اسے بہتا ہوا خون نظر آیا۔

اسے زویا کا گر گرانا سنائی دیا۔

(عالیہ۔۔ رک جاؤ۔ پلیز ایسا نہ کرو۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔)

اسے آئمہ کو لے جاتی روتی ہوئی زویا نظر آئی۔

اسے فتح کا خون اور آنسو مل کر گرتا ہوا نظر آیا۔

اسے دھماکے کی آواز سنائی دی۔

اور وہ کانپ اٹھی۔

اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹی اور وہاں سے اپنی کار کی جانب بھاگی۔

عالیہ سے مل کر انجانے میں اذان کی نظر بھٹکی تو اس لڑکی پر ٹک گئی۔ اذان کے چہرے پر لائٹس کی روشنی پڑ رہی تھی۔ وہ اسے بہت مشکل سے دیکھ پایا تھا۔ وہ تھوڑا آگے آیا تو اسے یاد آیا یہ وہی لڑکی تھی جو اسے کل دکھی تھی۔ اور آج یہ یہاں؟

لیکن یہ اس کی موجودگی نہیں تھی جس نے اسے اتنا حیران کیا تھا۔ یہ اس کے آنسو تھے۔ اذان کو لگا جیسے وہ یہاں ہو کر بھی یہاں موجود نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ پھر اس نے اسے گھبرا کر مٹتے اور بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ بے ساختہ اس کے پیچھے آیا۔

باہر آ کر وہاں کی صاف سڑک پر وہ اسے دور جاتی ہوئی نظر آئی۔ وفانے اپنے بہتے آنسو صاف کیے اور گہری سانس لیتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ اس نے غلطی کر دی تھی۔ یہاں لوٹ کر اس نے واقعی بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔ وقت بدل چکا تھا۔ شاید اب یہاں اس کا کوئی نہیں تھا۔ اس کی سماعت میں پھر وہی آواز گونجنے لگی تھی جس نے آج تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

(Trust me dear..I didn't do anything)..

"رکو۔" اس کے بڑھتے ہوئے قدم بے اختیار رکے۔ ساری آوازیں بند ہو گئیں۔ اذان اس سے تھوڑے ہی پیچھے کھڑا اسے پکار رہا تھا۔ وہ پلٹ نہ سکی۔ اسے لگا وہ پلٹی تو جم جاگی۔ اس نے بچپن میں کسی کہانی میں پڑھا تھا کہ پلٹنے والے جم جاتے ہیں اور وہ جمنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ گھوم کر اس کے سامنے آیا تو وفانے اسے دیکھا۔ وہ قریب سے بھی ویسا ہی لگتا تھا جیسا دور سے لگتا تھا۔ لیکن وہ اسے ویسی بلکل نہیں لگی تھی جیسی دور سے لگتی تھی۔ وہ تو اسے دیکھ کر ہی رہ گیا۔ یہ چہرہ۔۔ یہ آنکھیں اس نے پہلے بھی دیکھیں تھیں۔ کبھی بہت پہلے۔

"کیسے ہو؟ اذان فتح اختر۔" وہ بہت عجیب انداز میں بولی تھی اور وہ کچھ بول ہی نہیں سکا تھا۔

"وفا۔" اس نے اسے کہیں یقین اور بے یقینی کے درمیان پہچان لیا تھا۔ اس کا اس انداز میں حال صرف وہی پوچھا کرتی تھی۔ صرف وہی پوچھ سکتی تھی۔

وہ حیران ہوئی تھی لیکن پھر زوردار قہقہا لگا کر ہنس دی۔ وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اور وہ ہنسے جا رہی تھی۔ وہ بے یقین تھا۔ کیا اس کے سامنے سچ میں وفا کھڑی تھی؟ کیا مقدر کے کھیل ایسے بھی ہوتے ہیں؟

"وفا؟ کون وفا؟ جو کھو گئی تھی؟ یا وہ۔۔ جسے تم ڈھونڈ نہیں پائے؟" اس کی آواز بہت آہستہ اور عجیب تھی۔ جیسے کہیں دور سے ای ہو۔ ایک پل کو اذان کو بھی اس سے خوف آیا تھا۔

"میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ تم وفا ہو۔ وفا فتح اختر۔" وہ کہتا ہوا آگے آیا تو وہ پیچھے ہوئی۔ وفا کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ وہ نہیں جانتا تھا اس وقت اس کے اندر کونسا طوفان چل رہا ہے۔

"مجھے تو تم پہچان گئے اذان اختر۔ لیکن ہمارے ماں باپ کے قاتلوں کو نہیں پہچان پائے؟ میری بہن کو نہیں ڈھونڈ پائے؟ اپنی شہزادی کو نہیں ڈھونڈ پائے؟ الٹا اصل مجرموں سے گلے مل رہے ہو؟" وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا شہزادی تمہارے ساتھ نہیں ہے؟ اور کون ہیں اصل مجرم؟"

"یہ اب تمہارا کام ہے اذان۔ جاؤ۔ جس طرح ہر کیس حل کرتے ہو نا۔ یہ بھی کرو۔ جاؤ ڈھونڈو اپنی شہزادی کو۔ لے کر او اسے واپس اس حویلی میں۔ میں بھی اپنے آپ ہی لوٹ آؤں گی۔" وہ کہتی ہوئی اس کے ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گئی۔

"ایسا مت کرو وفا۔ تم نہیں جانتی میں کس قدر الجھن میں ہوں۔ یہاں مثلاً بہت بڑا ہے۔ یہ سب بہت مشکل ہے۔" وہ اس کی جانب پلٹتے ہوئے بولا۔ آواز میں موجود تکلیف وفانے بھی محسوس کی تھی۔ اس نے اذان کو دیکھا۔ اس بار وہ ٹھنڈی تھی۔ بالکل سرد۔ اب وہ بولی تو اس کی آواز آہستہ اور نرم تھی۔

"مشکل تو سب کچھ ہوتا ہے اذان۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ کوئی مثلاً اتنا بڑا نہیں ہوتا کہ وہ حل نہ کیا جاسکے۔ کوئی الجھن ایسی نہیں ہوتی جو سلجھ نہ سکے۔ میں تمہارے لئے دعا کرونگی کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" وہ کہتی ہوئی دوبارہ مڈنے لگی تو اس نے روکا۔

"کیا تم نہیں رکوگی؟ مجھے یہ تو بتا دو کہ اس رات کیا ہوا تھا یا اصل مجرم کون ہیں؟"

"میں یہاں سے بہت پہلے جا چکی ہوں۔ مزید نہیں رک سکوں گی۔ شاید تمہیں اس وقت میں ہر طرح سے غلط لگوں۔ لیکن اصل مجرم اسی حویلی کے دو فرد ہیں اذان اختر۔" وہ اسے ساکت چھوڑ کر چلی گئی۔ اور وہ کتنی ہی دیر وہاں تنہا کھڑا رہا۔ اس کی سماعت میں وفا کے آخری الفاظ گونج رہے تھے۔ (اصل مجرم اسی حویلی کے دو فرد ہیں اذان اختر۔)

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ("نہیں۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ضرور وفا کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ میں ان لوگوں کا کوئی نہیں ہوں۔ یہ تب بھی مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں۔ تو جو ان کا خون تھے۔ ان کے ساتھ یہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟") وہ اس بات پر کبھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ ("لیکن۔۔ لیکن اگر یہ سچ ہوا تو؟")

اسے خیالوں سے باہر احمد کی کال نے نکالا تھا۔ وہ اسے بلا رہے تھے۔ وہ اس کے اچانک غائب ہونے پر پریشان تھے۔ وہ کیسے ان سب کی محبت پر شق کر سکتا تھا؟

عالیہ ہر چیز کو نفرت سے دیکھتی ہوئی۔ اس وقت اپنے حواس کھو رہی تھی۔ اس نے کمرے کا سارا سامان بکھیر دیا تھا۔ ٹوٹے ہوئے آئینے میں اس کا عکس خوفناک لگ رہا تھا۔ پھر وہ وہیں دروازے سے لگ کر بیٹھ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ لیکن صرف یقین نہ کرنے سے سچ کب بدلا کرتا ہے؟ آنسو اس کے گالوں پر اپنا نشان چھوڑ رہے تھے۔ اس کی ساری اچھائی۔۔ ساری محنت۔۔ برباد ہو چکی تھی۔

"فتح یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس رات پہلی ٹلکر کے بعد بدحواسی میں زویا نے پوچھا تھا۔ اس سے پہلے ایک بھی اور لمحا گزرتا۔ رویا کے فون پر عالیہ کی کال آئی۔ اس نے جلدی سے رسیو کی اور سپیکر اون کیا۔

"عالیہ۔۔ عالیہ کوئی ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔ تم۔۔" اس کی بات کو عالیہ کے قہقہے نے کاٹا تھا۔ وہ تینوں ساکت رہ گئے۔ آئمہ البتہ دوا کھا کر سوئی تھی اسلئے ابھی بھی نیم نشے میں تھی۔

"ارے میری پیاری جیٹھانی جی۔۔ اتنا کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟ زیادہ کچھ نہیں ہو گا۔ صرف آج رات آپ سب کی موت ہو گی۔ اور مرنا تو سبھی کو ہے نا۔ تو آج آپ سہی۔"

"عالیہ؟ تم یہ کیا۔۔" زویا کو اپنے کانو پر یقین نہ آیا تھا۔ فتح بھی حیران تھا۔

"بس۔۔ پتا ہے مجھے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اور کیا کر رہی ہوں۔ اب میں سوچا لاؤ آخری بار اپنی بہن سے بات ہی کر لوں۔ کیونکہ بہن تو بہن ہوتی ہے نا۔ چاہے سگی ہو یا سوتیلی۔" وہ اختر منزل میں موجود زینوں کے ساتھ راہیداری میں کھڑی تھی۔ ایک ہاتھ ریلنگ پر رکھا تھا۔ اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ سبھی بچے اور بڑے اپنے کمروں میں تھے۔

"یہ سب تم نے کیا ہے؟ لیکن کیوں؟" اب اس کے کانو میں فتح کی آواز ای تھی۔

"میں کیا کرتی بھائی؟ مجھے تو صرف زویا سے مطلب تھا۔ یقین مانے آپ سے مجھے کوئی دشمنی نہیں۔ لیکن وہ ہیں نا میرے شوہر۔ ارے آپ کے بھائی۔۔ ہاں وہ آپ کو راستے سے ضرور ہٹانا چاہتے تھے۔ بہت لالچی ہیں وہ سچ میں۔ صرف جاہداد کے لئے آپ کو مروا رہے ہیں۔ تو میں نے کہا لاؤ۔۔ لگے ہاتھوں۔۔ میں اپنی نفرت بھی نکال لوں۔" فتح کا دل اس وقت خون کے آنسو رویا تھا۔ اس کے سامنے نسیم کے ساتھ گزارے کتنے ہی منظر لہراے۔

"لیکن تمہیں مجھ سے نفرت کیوں ہے عالیہ؟ کیا تمہیں بھی۔۔" زویا کے آنسو لڑی کی صورت بہ رہے تھے۔ فتح نے کار سٹارٹ کر دی۔ وہ اتنی آسانی سے ہار نہیں مان سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی بہت سا پانی جمع تھا۔

"نہیں۔۔ نہیں۔۔ مجھے پیسے نہیں چاہیے تھے۔ مجھے تو اپنا حق چاہیے تھا۔ جو تمہاری وجہ سے مجھے بچپن سے ہی نہیں ملا۔ بابا نے ہمیشہ تمہیں مجھ سے اوپر رکھا۔ تم دور ہو کر بھی ان کے دل سے کبھی دور نہیں ہوئیں زویا۔ اور میں ان کے سامنے ہوتے ہوئے بھی ان کے لئے ترستی رہی۔"

لیکن بس۔۔ اب سب ختم۔ آج سے زویا مبین کا چیپٹر ہمیشہ کے لئے کلوز ہو جائیگا۔"

"لیکن اس سب میں وفا اور آئہ کا کیا کصور ہے؟ تم انہیں تو چھوڑ دیتیں۔" زویا گڈ گڈای تھی۔

"ان کا کصور یہ ہے کہ وہ تمہاری بیٹیاں ہیں۔ اور بیٹا تو تمہارا اذان بھی ہے نا؟"

"نہیں۔ پلیز تم اسے کچھ مت کرنا عالیہ۔" عالیہ ایک خوفناک ہنسی ہنسی۔ جیسی ظالم ملکہ ظلم کرنے کے بعد ہنستی تھی۔ ہاں۔۔ وفا کو اس وقت وہ سب ایک کہانی ہی لگا تھا۔ جس میں ایک ظالم ملکہ ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے جادو سے صرف سکون کے لئے بے گناہوں پر ظلم کرتی ہے۔

"ہاں ہاں اسے کچھ نہیں کرونگی۔ تمہارا بہت ہے نا وہ؟ کوئی بات نہیں۔ تھوڑی سی محبت دکھاؤنگی تو میرا بھی ہو جائیگا۔"

"عالیہ۔۔ رک جاؤ۔ پلیز ایسا نہ کرو۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔"

ملکہ نے اپنی آواز آہستہ کی اور محبت اور نرمی سے بولی۔

"Trust me dear..

I didn't do anything..

It's just a Game of Muqaddar" ..

یہ وہ آخری الفاظ تھے جو اس نے کہے تھے۔ اور پھر رابطہ ختم کر دیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

ہر رات کی طرح یہ رات بھی بیت گئی۔ صبح فجر بعد کچھ دیر کے لئے وفا کھلے سبز لون میں ای تو اس کی نظر جھولے پر بیٹھے اذان پر پڑی۔ وہ سفید کرتے پجامہ پہنے سر جھائے بیٹھا تھا۔ وفا بھی اسی کے ساتھ آ بیٹھی تو وہ چونکا۔

"کیا ہوا؟" وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے ہلکا سا مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ لیکن وہ نہیں مسکرا سکی۔

"کیا بات ہے اذان؟ کچھ ہوا ہے کیا؟" اسے فکر ہوئی۔ اذان نے گہری سانس لے کر حامی بھری۔

"ہاں! مجھے تمہاری بات پر یقین آ گیا ہے۔"

"میری کونسی بات پر؟"

"وہی۔۔ جو تم نے ایک سال پہلے کہی تھی۔"

"اوہ۔۔" وہ حیران ہوئی۔ "تمہیں کب پتا چلا؟"

"رات۔ مجھے اور ریاض دونوں کو۔"

"اسے بھی سب معلوم ہے؟" اذان نے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ وہاں صرف پرندوں کی آواز تھی۔ اس کے علاوہ سب آہستہ تھا۔ ہلکا اور ٹھیرا ہوا۔

"وفا ایک بات پوچھوں؟"

"ہمم۔" وہ اب سامنے موجود پیڈوں کو دیکھ رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر اسے ایک پیڈ یاد آیا۔ اور اس میں موجود چڑیا بھی۔

"تم اتنے سالوں سے کیوں نہیں لوٹی تھیں؟" وہ سر جھکائے سبز گھاس کو بہت غور سے تک رہا تھا۔ جیسا ناجانے اس میں اس کا کیا کھو گیا ہو۔

"تمہیں پتا ہے پہلے میرا اس حویلی میں سب سے زیادہ خیال

کون رکھتا تھا؟"

"میری عالیہ خالہ۔۔۔" اذان گردن موڈ کر اسے دیکھنے لگا۔

"وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں اذان۔ یا شاید اس وقت تو مجھے یہی لگتا تھا۔" وہ ہلکا سا ہنسی۔ جیسے اپنے اوپر ہنسی ہو۔

"وہ میرے لئے بہت کچھ لاتی تھیں۔ میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔ مجھے کہانیاں سناتی تھیں۔ اور ایک دن انہوں نے میری زندگی کو ہی کہانی سمجھ لیا۔"

بہت آرام سے کہہ دیا کہ آج سے زویا مبین کا چیپٹر کلوز ہوتا ہے۔ یہ نہیں سوچا کہ اس میں ایک کردار تو میں بھی تھی۔ "اس کی آواز بھیگی تھی۔ لیکن آنسو نہیں نکلے تھے۔ شاید ایک وقت کے بعد آنسو بھی ختم ہو جایا کرتے ہیں۔"

"میں بہت چھوٹی تھی اذان۔۔۔ کچھ سمجھ نہ سکی۔ بس ڈر گی اور کبھی واپس نہیں ای۔ سمجھ تو مجھے سب آہستہ آہستہ بڑے ہونے پر آیا۔ لیکن پھر کبھی پلٹنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ پلٹنے والے جم جاتے ہیں نا۔ اور میں جمنا نہیں چاہتی تھی۔" اذان کو لگا وہ اس کی باتیں بہت جلد سمجھ جاتا ہے۔ لیکن شاید وہ اسے نہیں سمجھ پاتا۔

"تمہیں کیا کبھی میرا خیال نہیں آیا؟ تم میرے لئے بھی تو پلٹ سکتی تھیں نا؟" وفانے سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔ اور ہلکا سا مسکرائی۔

"میں تمہارے لئے تو پلٹی تھی اذان۔۔ ایک سال پہلے تمہارے لئے ہی تو میں پلٹی تھی۔ اور تمہیں ہی ان کے ساتھ دیکھ کر جم گئی۔ اگر میں اس وقت چاہتی بھی تو کیا کرتی؟ کون کرتا مجھ پر یقین۔"

"میں کرتا یقین۔ تم مجھ سے ایک بار کہتیں تو۔" وفا اس سیاہ آنکھوں والے شخص کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر ہنس دی۔

"محبت ہر بار مہربان نہیں ہوتی۔ بعض اوقات یہ ظالم ہوتی ہے۔ جو انسان کو آنکھوں دیکھے سچ پر بھی یقین نہیں کرنے دیتی۔ تمہاری آنکھوں پر اس وقت ان کی محبت چھائی تھی۔ تم یقین کرو اذان اختر۔۔ تم یقین نہیں کرتے۔ اور چلو اگر میری بات پر کر بھی لیتے۔ تب بھی تمہارے دل میں ایک سوال رہتا۔ کہ کہیں وفا کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟ رہتا نا؟"

"ہاں شاید۔" اذان نے حامی بھری۔

"تم ایک پولیس والے ہو اذان۔ گواہوں سے زیادہ ثبوتوں پر یقین رکھتے ہو۔ اگر مجھ سے بھی ثبوت مانگ لیتے تو میں کیا کرتی؟ اسلئے میں پیچھے ہٹ گئی۔ سوچا یہ تمہارا سفر ہے۔ منزل تک بھی تمہیں خود ہی پہنچنا چاہیے۔" اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اب آگے کیا کرو گے؟" وفا نے وہاں سے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ جس رب نے یہاں تک پہنچایا ہے۔ وہ کامیاب بھی کر ہی دیگا۔"

"انشاء اللہ۔۔۔۔۔"

مجھے تم سے ایک اور بات کرنی ہے۔"

دوپہر کے وقت کھانے کے بعد وہ دونوں اپنے کمرے میں جانے لگیں تو عالیہ نے وفا کو آواز دی۔ اس نے شزا کو جانے کے لئے کہا اور خود ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ وہ ڈانگ روم میں ہی موجود تھیں۔ باقی مرد حضرات اپنے کاموں پر تھے اور دادو اپنے کمرے میں۔ آرزو البتہ وہیں بیٹھی کھانا کھانے میں مصروف تھی۔

"جی فرمائیں۔۔۔" وفا نے آگے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔ اس کے بال جوڈے میں قید تھے۔ اس نے یلو کلر کی فراک پہن رکھی تھی۔ اور عالیہ اپنے خوبصورت سے قیمتی لباس میں ملبوس تھی۔ آج وہ روزانہ سے زیادہ اچھے طریقے سے تیار ہوئی تھی۔

"میری وفا۔۔۔" عالیہ مسکراہٹ کے ساتھ محبت سے کہتی ہوئی اس کے قریب ای اور اس نے آہستہ سے وفا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ آرزو نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے انہیں غور سے دیکھا۔ آج عالیہ پہلے سے زیادہ میٹھی تھی۔

"تم یہ تو جانتی ہو کہ میں نے کیا کیا تھا۔ لیکن کیا یہ نہیں جاننا چاہو گی کہ کیوں کیا تھا؟" عالیہ کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ وفا حیران ہوئی۔ آرزو بھی اگلا نوالہ کھانا بھول گئی۔ ان دونوں کو ہی یہ توقع ہرگز نہیں تھی۔

"میں بہت چھوٹی تھی جب زویا ہو سٹل گئی تھی۔ میں اسے نہیں جانتی تھی۔ صرف ہمیشہ اس کے بارے میں سنا تھا۔ وہ بھی اپنی ما سے۔ جو اسے بہت ناپسند کرتی تھیں۔"

بابا اسے چھوڑا اے تھے۔ لیکن لگتا تھا وہ بھی اس کے ساتھ ہی رہ گئے ہوں۔ جب بھی اس سے مل کر آتے تو اگلی بار اس سے ملنے کا انتظار کرنے لگتے۔ میں ان کے سامنے ہوتی تھی لیکن انہیں صرف دیکھ کر رہ جاتی تھی۔"

وہ دونوں انہیں حیرانی سے دیکھ رہی تھیں۔ آرزو یہ کہانی پہلے بھی سن چکی تھی لیکن پھر بھی حیران تھی کہ آخر اب یہ کیا کرنے والی ہیں؟ کیا اب یہ وفا کے سامنے بھی اپنے گناہوں کو defend کرینگی؟ کیا اب ایک بیٹی کے سامنے۔۔ اس کی ما کے قتل کی وضاحت دینگی؟

"وہ اکثر مجھے بھی زویا پکارنے لگتے تھے۔ تو مجھے اس نام سے اور نفرت ہوتی تھی۔ وہ میرے لئے بھی سب کرتے تھے۔ لیکن بس اس طرح نہیں جیسے وہ اس کے لئے کرتے تھے۔ تم بتاؤ وفا۔ کیا مجھے یہ باتیں تکلیف نہیں دیتی ہوں گی؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔ اور اس نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ آرزو کی آنکھیں پھیلیں۔ کیا وہ بھی ان کے جادو میں قید ہو رہی تھی؟

"مجھے زویا پہلے سے ناپسند تھی۔ آہستہ آہستہ مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔ جب بھی وہ گھر آتی۔ میں اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔ ورنہ اس کے سامنے رہ کر بھی اس سے نہیں بولتی۔ لیکن پھر میں سوچتی ہوں۔۔ کبھی اس نے بھی تو کوشش نہیں کی۔" عالیہ اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آواز آہستہ اور نرم تھی۔ ویسی ہی جس سے وہ مخالف کو قائل کر لیا کرتی تھی۔

"جب زویا اور فتح کی شادی کی بات سامنے آئی۔ تو میں نے اس کا ساتھ دیا۔ صرف اسی لئے کہ شاید اب وہ ہماری زندگی سے چلی جائے۔ شاید بابا بھی مجھ سے خوش ہو جائیں۔ پھر اس کی شادی بھی ہو گئی۔ اس کے اور میرے درمیان کی دیوار کمزور ہونے لگی تھی۔ سچ کہوں تو میں بھی خوش تھی۔ مجھے بھی تو ایک بہن مل گئی تھی نا؟ لیکن میں بھول گئی تھی کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ میرا حق چھنا ہے۔ آگے کیسے مل جاتا؟"

"میں ایک لڑکے سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ لیکن بابا نے منا کر دیا۔ میں نے سوال کیا جو چیز زویا کے لئے سہی تھی وہ میرے لئے غلط کیوں؟ ان کا جواب جانتی ہو کیا تھا؟" وہ بہت آہستہ سے اپنی کہانی سنارہی تھی۔ ایک سحر میں۔ جیسے سامنے والے کو اپنے جادو میں قید کر لینا چاہتی ہو۔

"ان کا جواب تھا کہ زویا میں اور تم میں فرق ہے۔ زویا نے اپنے لئے ایک درست انتخاب کیا ہے۔ لیکن تمہارا انتخاب درست نہیں ہے۔ مطلب انہوں نے پھر زویا کو مجھ سے اوپر رکھا۔"

اس دن مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ مینے اس دن ان سے بہت لڑائی کی۔ انہیں غصے میں بہت برا بھلا کہا۔ اپنے دل کی ہر بات ان سے کہہ دی۔ پھر وہ میری خاطر مان ہی گئے۔ اور میری شادی اسی لڑکے سے ہوئی جس سے میں چاہتی تھی۔ نسیم اختر سے۔

لیکن پھر میری زویا کے لئے نفرت اور پگئی ہو گئی تھی۔ اور موقع ملتے ہی مینے اس سے اپنا بدلہ لے لیا۔ کیا مینے غلط کیا وفا؟" وہ آخر میں کھل کر مسکرائی۔ جیسے کوئی جنگ جیت کر مسکرائی ہو۔ وفا جو اسے نرمی سے سن رہی تھی۔ اس مسکراہٹ پر اس کا دل اور پتھر ہوا۔ آرزو نے بھی افسوس سے اپنے خیال جھٹکے۔ اسے اپنا حیران ہونا فضول لگا۔

"بولو بیٹا۔ کیا میرے ساتھ برا نہیں ہوا تھا؟ کیا مینے اپنا بدلہ لے کر سہی نہیں کیا؟"

"ہاں! میں مانتی ہوں آپ کے ساتھ برا ہوا۔ بلکہ بہت برا ہوا۔ لیکن کیا آپ نے دوسروں کے ساتھ اچھا کیا؟"

نہیں۔۔ آپ نے بھی تو برا ہی کیا نا۔ پھر آپ سہی کیسے ہوئیں؟" وہ اپنے ہاتھ ان کے ہاتھوں سے آزاد کرتی ہوئی سنجیدگی سے بولی تھی۔ عالیہ نے سختی سے اپنے ہاتھ نیچے کرتے ہوئے مٹھیاں بند کر لیں۔ آرزو بھی اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کے ساتھ برا ہوا تھا۔ لیکن کیا زویا ماما سے زیادہ برا ہوا تھا؟ آپ کے پاس آپ کے خونی رشتے تھے۔ لیکن وہ تو دور اکیلی تھیں نا؟ چاہتیں تو وہ بھی تو آپ سے بدلا لے سکتی تھیں؟" عالیہ کی ہلکی نیلی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"بیمار کو شفا دوا سے ملتی ہے۔ کسی دوسری بیماری سے نہیں۔ نفرت کو ہمیشہ محبت ہراتی ہے۔ اور آپ کی نفرت کو بھی تو ان کی محبت نے ہرا دیا تھا نا؟ ان سے محبت تو آپ بھی کرتی تھیں۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"ایسا ہے۔۔ آپ کو اپنی بہن سے محبت تھی عالیہ مبین۔ یہ سچ ہے۔ بس آپ مان نہیں رہیں۔ لیکن آپ نے پتا ہے کیا غلط کیا؟ آپ نے اپنی نفرت کو محبت پر ترجیح دی۔"

زویا نے عالیہ سے کبھی کچھ نہیں چھینا تھا۔ بلکہ عالیہ نے اسے اپنے حواسوں پر خود حاوی کیا تھا۔ آپ کے ساتھ کچھ بھی ہوتا۔ آپ اس کا زمدار زویا کو ٹھیرا دیتیں۔

آپ اپنے اندر کے خالی پن کو ان کی نفرت سے بھر رہی تھیں۔ اس میں غلط آپ تھیں۔ ہاں۔۔ اس میں غلط آپ ہی تھیں۔ آپ کے ساتھ اگر غلط ہوا تھا نا۔ تو آپ نے اپنے ساتھ خود بھی غلط ہی کیا تھا۔"

"بس۔۔ بہت بولتی ہو تم۔ مینے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ غلط میرے ساتھ ہوا تھا۔ اور مینے تمہیں یہ سب صرف اسی لئے بتایا ہے کہ تم یاد رکھو۔۔۔"

عالیہ مبین کبھی اپنے ساتھ برا برداشت نہیں کرتی ہے۔ وقت ملنے پر وہ اور بھی زیادہ برا کرتی ہے۔ "وفا مسکرائی۔ وہ سرد تھی۔ آہستہ۔۔ ٹھنڈی۔"

"کیوں سچ برداشت نہیں ہو رہا کیا عالیہ مبین سے؟" عالیہ ہنسی۔ زور سے ہنسی۔

"تمہیں اس ظالم ملکہ کی کہانی یاد ہے وفا جسے جادو آتا تھا؟" وہ خاموش رہی۔ لبوں پر مسکراہٹ اب بھی تھی۔

"میں بھی وہی ملکہ ہوں۔۔ اگر تم نے میرے راستے میں آنے کی کوشش کی نا۔ تو تمہارے ساتھ بہت برا کرونگی۔"

"تاج بھی انہی سروں پر چلتا ہے۔ جنہیں حکمرانی کرنی آتی ہو۔ صرف تاج پہن لینے سے ہر کوئی حکمران نہیں ہو جاتا۔ آپ شاید بھول گئیں ہیں کہ وہ ملکہ بھی آخر میں اپنے ہی جادو کے ٹوٹنے سے ہاری تھی۔"

کوئی انسان کسی کو نہیں ہرا سکتا۔ ہر انسان خود اپنے آپ سے ہارتا ہے۔ یہ مقدر کے کھیل ہیں۔۔۔ دیکھ لینا۔۔ آپ بھی اپنے ہی جادو سے ہارینگے۔"

"اب بھی وقت ہے لڑکی۔ اپنا سامان پیک کرو اور یہاں سے چلی جاؤ۔ زندہ بچ جاؤ گی۔ تم ابھی ان کھیلوں میں بہت کچھی ہو۔"

"میری زندگی کی فکر آپ نہ کریں۔ وہ میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بلکہ۔۔۔" وہ ایک قدم قریب ای۔ اور آواز کو آہستہ کیا۔ بالکل ویسے۔۔ جیسے مخالف کرتی تھی۔

"آپ اپنی فکر کریں کیونکہ میں تلوار نہیں ہوں۔ جسے آپ روک لینگے۔ میں خنجر ہوں۔ آسانی سے نظروں میں نہیں آتی۔ لیکن اگر اپنی پر آوں تو بہت گہرا زخم دے جاتی ہوں۔"

اس لئے یہ امید تو مت ہی رکھیگا کہ میں آپ کی باتوں میں آؤنگی یا آپ کے خوف میں مبتلا ہوں گی۔" وفا مسکرا کر اسے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ عالیہ نے سختی سے ساتھ رکھی کرسی کو پکڑ کر پھینکا۔ اور پھر خود بھی باہر چلی گئی۔ تیز آواز پر ملازمہ بھاگی ہوئی ای۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف آرزو خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے آگے کھانا بھی ویسے ہی رکھا تھا۔

"یہ کیسے گر گئی آرزو بی بی؟" وہ کرسی اٹھاتے ہوئی پوچھ بیٹھی تھی۔

"ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا تھا۔ بہت سے منظر صاف کر گیا۔ بہت کچھ گرا گیا۔"

"جی؟" اسے کچھ سمجھ نہ آیا۔ آرزو اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنا فون اٹھاتی ہوئی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ (آپ اپنے اندر کے خالی پن کو ان کی نفرت سے بھر رہی تھیں۔ اس میں غلط آپ تھیں۔ ہاں۔۔۔ اس میں غلط آپ ہی تھیں۔)

"رائنہ یار میری وائٹ شرٹ نہیں مل رہی۔ تم نے دیکھی ہے کیا؟" جلدی میں احمد اپنی ساری شرٹس ادھر ادھر کر رہا تھا۔ راینہ اس کے پاس ای اور اسے ہٹا کر خود دیکھنے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب جب انسان زیادہ جلدی کرتا ہے نا۔ تو کئی بار آنکھوں کے سامنے موجود چیزیں بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ یہ رہی آپ کی وائٹ شرٹ۔" اس نے شرٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ احمد نے سکھ کا سانس لیا۔

"اللہ کا شکر ہے مل گئی۔۔۔ اور اس کے بعد میری بیوی کا بھی۔" احمد نے ہلکے سے اس کا گال کھینچتے ہوئے کہا۔ راینہ نے منہ بنایا۔

"یہ مت کرا کریں نا۔ ویسے تو کبھی میری تعریف بھی نہیں کرتے۔"

"کچھ تو خوف کھاؤ جناب۔ میں کرتا تو ہوں تمہاری تعریف۔ کہتا تو ہوں کہ تم بہت کیوٹ ہو۔"

"ہاں پورے جہاں کی تعریف کو چھوڑ کر آپ کو میں صرف cute لگتی ہوں۔ پتا ہے مجھے۔" احمد اب اپنی شرٹ پہن چکا تو رائے کے پاس ٹائی لایا۔ اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔ رائے اسی کے ساتھ کھڑی ہوئی۔

"ارے اب ایسا بھی نہیں ہے۔ تم مجھے اچھی بھی لگتی ہو۔ خوبصورت بھی لگتی ہو۔ اور۔۔"

"اور؟" رائے نے ٹائی باندھتے ہوئے اپنی مسکراہٹ روک کر پوچھا۔

"اور cute بھی لگتی ہو۔" اور یہاں وہ ہنس دی۔

"اچھا میں آپ کو سب سے اچھی کب لگتی ہوں؟" وہ پوچھتی ہوئی وہاں سے ہٹی اور احمد کا کوٹ اٹھایا۔ وہ بھی کھڑا ہوا۔

"آج تم کچھ زیادہ ہی اپنی تعریف نہیں سننا چاہ رہیں؟" احمد نے ماتھے پر بل ڈالے۔

"ہاں چاہ تو رہی ہوں۔" احمد خاموش رہا۔

"احمد۔۔۔" رائے نے کوٹ پہناتے ہوئے زور دیا۔

"یہ مشکل ہے رائے۔۔۔ تم مجھے ہر حال میں بہت اچھی لگتی ہو۔"

"یہ تو آپ ہر بار کہتے ہو۔ سب سے زیادہ؟ آج ہوں تو بتا دو۔ کیا پتا کل نہ ہوئی تو؟" وہ آگے ہاتھ باندھے کہہ رہی تھی۔ سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھاتا احمد لمحے بھر کو تھما۔ پھر اس کے سامنے آیا۔

"آج تو یہ کہہ گئی ہو۔ آئندہ مت کہنا۔ کیونکہ تم مجھے سب سے اچھی تب لگتی ہو جب مجھ سے خوب ساری باتیں کرتی ہو۔ تم مجھے خاموش اچھی نہیں لگتیں۔" رائے مسکرا دی۔ احمد نے ہاتھ سے اس کی لٹ کو کان سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"اور جب تم باتیں کرتی ہو نا۔ تو تمہاری یہ دو چھوٹی لٹیں جھولتی ہوئی بہت پیاری لگتی ہیں۔" وہ حیران ہوئی۔

"سچ میں؟" احمد نے حامی بھری تو وہ "شکریہ" کہتی ہوئی اس کے ساتھ لگ گئی۔ وہ مسکرا دیا۔ پھر الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"اچھا میں کل فنکشن میں کیا پہنوں؟"

"جو تمہیں اچھا لگے۔ بلکہ تمہیں ساڑیاں پسند ہیں نا۔ تو تم وہی پہننا۔" وہ اب دروازہ کھول رہا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر ای۔

"لیکن احمد وہاں تو آپ کے سارے رشتے دار ہونگے۔ اگر۔۔"

"اگر وہاں میرے سارے رشتے دار ہونگے تو تم سے بھی تو میرا ہی رشتہ ہے رائے۔ تم وہی پہننا جو تمہیں پسند ہے۔ بلکہ یہ سمجھو کہ وہ میری پسند ہے۔"

"لیکن۔۔" احمد نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"اتنا مت پریشان ہو۔ میں تمہارا شوہر ہوں اور اگر میں اجازت دے رہا ہوں تو کوئی کچھ نہیں کہیگا۔ ورنہ میں دیکھ لوں گا۔" رائے نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ اسے دروازے تک چھوڑنے آتی تھی۔ اور جب احمد آتا تھا تو بھی وہ اس کے لئے رات کو جاگ رہی ہوتی تھی۔ اور بہت بار تو اس کے انتظار میں وہیں سو جاتی تھی۔

احمد اختر کو عادت ہو چکی اپنا انتظار کرتی ہوئی رائے کو دیکھنے کی۔ اور عادتیں بعض اوقات محبت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو جاتی ہیں۔

جب آسمان نے سیاہ رنگ اوڈھ لیا تو خوبصورت چاند بھی چمکنے لگا۔ احمد اختر منزل میں اندر آئے تو وہیں رک گئے۔ وہ سامنے ہی صوفے پر ان کے انتظار میں بیٹھی دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے ٹکائے سو چکی تھی۔ اس کی سرخ سادہ ساڈی کا چھور زمین کو چھو رہا تھا۔ اور ایک لٹ بھی جوڑے سے نکل کر آگے چہرے پر گری تھی۔ احمد اسے دیکھتے ہوئے مسکرائے۔

چاچو۔۔ "شزا کی آواز پر وہ اچانک سے حال میں لوٹے۔ اور ساتھ کھڑی شزا کو دیکھا۔ پھر سامنے دیکھا تو اب سوفا خالی تھا۔ وہاں اب ان کا وہم نہیں تھا۔

احمد نے خاموش نظریں ہر طرف دوڑائیں۔ آج بھی وہاں سب کچھ تھا۔ لیکن اگر کچھ نہیں تھا۔ تو رائے داؤد ہی نہیں تھی۔

شزا حیرانی سے کبھی انہیں تو کبھی سامنے دیکھ رہی تھی۔ جہاں کوئی نہیں تھا۔

"کیا ہوا آپ کسے دیکھ رہے تھے؟"

"نہیں۔ کسی کو نہیں۔ تم بتاؤ۔ سب کہاں ہیں؟" انہوں نے سکون سے اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دادو دادا تو پھوپھو کے یہاں گئے ہیں۔ عالیہ چاچی تو اپنے روم میں ہیں۔ ان کی طبیعت خراب ہے شاید۔ اور باقی سب ابھی اے نہیں۔" اس کے بتانے پر انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"بھابھی کو کیا ہوا؟ چلو میں خود ہی مل لیتا ہوں۔" وہ کہہ کر زینوں کی طرف بڑھ گئے۔ شزا بہت غور سے انہیں دیکھتی رہی۔ تبھی وفانے اس کا ہاتھ ہلایا۔

"کیا ہوا شزا بی بی؟ کہاں گم ہو؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وفا بھی فون دیکھتے ہوئے وہیں جا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ شزا بھی اسی کے پاس آگئی۔ وہ ابھی تک احمد کے ہی بارے میں سوچ رہی تھی۔

"وفا سنو۔۔" فون پر جھکے سر والی لڑکی نے "ہمم" کہا۔ شزا اس کے قریب جھکی۔

"تمہیں احمد چاچو کبھی کبھی تھوڑے عجیب نہیں لگتے؟" وفا کی ٹائپنگ کرتی انگلیاں تھکی۔ اس نے چہرہ موڈ کر شزا کو دیکھا اور ماتھے پر بل ڈال کر نا سمجھی سے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب مجھے کبھی کبھی وہ بہت خاموش سے لگتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر عجیب سا لگتا ہے۔ جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہوں۔" شزا سینٹر ٹیبل پر رکھے واس کو دیکھ رہی تھی۔ وفا نے گہری سانس لی اور فون بند کر کے ٹیبل پر رکھا۔

"تو کیا ہوا شہزادی؟ خاموش تو تم بھی رہتی ہو۔ شاید ان کا نیچر ہی ایسا ہو۔" شزا نے نفی کی۔

"نہیں یار۔۔ خاموش نیچر الگ ہوتا ہے۔ اور تنہائی والی خاموشی الگ۔ میں گزری ہوں اس چیز سے پہلے۔ جب آپ اپنے دل کی باتیں کسی سے نہ کہہ سکو۔ جب آپ کے پاس سوائے خاموش رہنے کے اور کوئی راستہ نہ ہو۔ اور یقین کرو۔۔ ایسی خاموشی انسان کو اندر ہی اندر

کھا جاتی ہے۔ "شزرا نے بات مکمل کر کے اپنا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ اس کے ہاتھ شاید کپکپا رہے تھے۔ وفانے اس کے کھلے بالوں کو آہستہ سے سہلایا۔

"تم اس چیز سے گزری تھیں شزرا۔ لیکن اب تو نکل گئی ہونا۔ تو کیوں ڈر رہی ہو؟" وہ خاموش رہی۔

"اگر کبھی ماضی کی یادیں پیچھے آنے لگیں تو ان سے بھاگنا بیکار ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا سامنا کر انہیں قبول کرنا چاہیے۔ اور خوش ہونا چاہیے یہ سوچ کر کہ اب میں اس سب سے نکل چکی ہوں۔ وہ سب مشکل تھا۔ لیکن میں بھی اتنی کمزور نہیں تھی کہ اس مشکل کے آگے ہار جاتی۔" شزرا نے سمجھ کر حامی بھری۔ پھر اسے دیکھ کر ہلکے سے مسکرائی۔

"کیا تم جانتی ہو کہ تم ایک بہت اچھی motivator ہو؟" وفانے خوش ہو کر گردن اکڈای۔

"ہاں! وہ تو میں ہوں۔" شزرا ہنس دی اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ وفانے دوبارہ فون اٹھا لیا۔

کافی دیر بعد اچانک سے اس نے سر اٹھایا تو حیرانی سے اس کی آنکھیں پھیلیں۔ سامنے صوفے پر سہیل اختر ٹانگ پر ٹانگ جمائے سکون سے بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے بال ہلکے سے بکھرے تھے۔ اور ٹائی بھی ڈھیلی تھی۔ شاید وہ آفس سے آکر وہیں بیٹھ گیا تھا۔ وفا

کو حیرت ہوئی کہ اس کا آنا آخر وہ محسوس کیوں نہیں کر سکی؟ اسے متوجہ پا کر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"ویسے کھلے بالوں میں بہت خوبصورت لگتی ہو تم۔" بے ساختہ وفا کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔ وہ اس کی بے باکی پر حیران رہ گئی۔ پھر سمجھ آنے پر جلدی سے اپنے آپ کو دیکھا۔ وہ سیاہ رنگ کے بہت ڈھیلے آرامدہ کپڑوں میں ملبوس تھی اور اس کی شال سر سے پھسل کر کندھوں پر تھی۔ اسے بے تحاشا اپنے اوپر غصہ آیا۔ اس نے جھٹکے سے شال بالوں پر درست کی۔ اور سامنے موجود شخص کو چشمہ ہٹا کر تیز نظروں سے گھورا۔ مخالف الٹا ہنس دیا۔

"مجھے گھورنے کی ہمت پہلی بار کسی لڑکی نے کی ہے۔"

"مجھ سے بھی اس طرح کی بات کرنے کی ہمت پہلی بار کسی لڑکے نے کی ہے۔" جواب فوراً آیا تھا۔

"میں متاثر نہیں ہوا۔" اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وفا طنزیہ ہنسی۔

"مجھے کرنا بھی نہیں ہے۔" سہیل نے گہری سانس لے کر پل بھر کو گردن سونے کی پشت پر ڈالی پھر سیدھا ہوا۔

"میں اب بھی نہیں ہوا۔" سامنے بیٹھی لڑکی نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔ اس شخص کا دماغ خراب تھا کیا؟

"ان ساری فضول باتوں کا مطلب جان سکتی ہوں میں؟"

وہ سنجیدہ ہوا۔ "ہاں! وہ۔۔" پھر اچانک سے رکا۔

"ارے۔۔ چشمہ لگاؤ نا۔ تم پر اچھا لگتا ہے۔" وہ جو اس کی سنجیدہ بات سننے کے لئے سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔ اس کے گال سرخ ہوئے۔ اس نے اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھنک لیا۔ ("کنٹرول وفا۔۔۔ یہ شخص پاگل ہے۔ اور کچھ نہیں۔ بے وجہ تجھے تنگ کر رہا ہے۔")

"کیا میں سمجھوں کہ تم بلش کر رہی ہو؟" سوال بہت معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔

"نہیں۔۔ مجھے غصہ آ رہا ہے۔ اور دل کر رہا ہے کہ اس واس سے تمہارا سر پھاڑ دوں۔" وفا نے جھٹکے سے سر اٹھا کر کہا۔ مخالف کا قہقہا بلند ہوا۔ اگر اس وقت وہاں حویلی کا کوئی اور مکین ہوتا تو وفا کو ایک آد اوارڈ تو دے ہی دیتا۔ آخر سہیل سے یہ کہنے کی ہمت صرف وہی رکھ سکتی ہے۔

"گڈ! ہاں اب میں متاثر ہوا۔" وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسے افسوس ہوا کہ آخر کس گھڑی میں وہ یہاں بیٹھی تھی؟ نفی میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم مجھ سے اتنا دور کیوں بھاگتی ہو؟ میرے اندر کانٹے لگے ہیں کیا؟" وہ رکی اور مسکرا کر آگے ہاتھ باندھے۔

"کیوں آپ آئینہ نہیں دیکھتے کیا؟"

"دیکھتا ہوں۔ اور جانتا ہوں کہ میں بہت ہینڈ سم ہوں۔"

"چہ۔۔۔ چہ۔۔۔ پھر یا تو آپ کا آئینہ خراب ہے۔ یا پھر آپ کی آنکھیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے افسوس سے کہا۔

"کیوں؟" سہیل کے ماتھے پر بل پڑے۔

"کیونکہ آپ کے اندر کانٹے نہیں لگے۔ بلکہ آپ خود ہی پورے کیکٹس ہیں۔"

وہ ہنس دیا۔ اور اٹھ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ اب بھی پورے اعتماد سے کھڑی اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

"بہت خوب! تمہاری ہمت قابلِ تعریف ہے۔ لیکن شاید تم مجھے ابھی جانتی نہیں ہو مس۔" اس کا انداز اور لہجہ بالکل سنجیدہ تھا۔ وہی سنجیدگی جو اس کی خاصیت تھی۔

"میں آپ کو جاننا بھی نہیں چاہتی مسٹر۔"

"لیکن میں تمہارے بارے میں سب جان چکا ہوں۔ کہاں تھیں۔ کیا تھیں۔ کیا کرتی تھیں۔ سب۔"

"تو؟ کیا اب تم مجھے دھمکانے والے ہو؟" وفا نے اپنی بائیں بھون اٹھائی اور سنجیدگی سے پوچھا۔ سہیل نے نفی کی۔

"نہیں۔۔ پہلی بار کسی لڑکی نے مجھے متاثر کیا ہے اسلئے سمجھا رہا ہوں۔ کہ تم جو کچھ کر رہی ہو۔ وہ مت کرو۔"

"اور اس مہربانی کی وجہ؟"

"تم ابھی نئی ہو لڑکی۔ تم نہیں جانتی کہ وہ صرف ہیرو ہوتا ہے جو سہی اور غلط میں چنتا ہے۔ ولن کے لئے ایسا کوئی rule نہیں ہوتا۔ وہ کہانی میں آنے والے اپنے ہر دشمن کو ختم کر دیتا ہے۔ اور میں۔۔ ایک ولن ہوں۔"

"تو پھر میں بھی تمہیں ایک بات سمجھا دیتی ہوں سہیل اختر۔" وہ اس کے ایک قدم قریب ای اور سرمئی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں اس کہانی کی پہلی کردار ہوں۔ اور آخری بھی میں ہی ہوں گی۔" وہ سکون سے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے مسکرا کر بولا۔

"مجھے ہرانا آسان نہیں ہے محترمہ۔" وہ بھی مسکرائی۔

"مجھے آسان کام پسند بھی نہیں ہیں محترم۔"

سہیل نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ تو اب تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوگا۔ اس کی زمہ دار تم خود ہوگی۔" ہر لفظ کو زور دے کر سختی سے ادا کیا گیا تھا۔ وفانے بے اختیار اپنے فون پر گرفت سخت کی۔ اس کی ہتیلیاں نم ہوئی تھیں۔ وہ ایک سخت نظر اس پر ڈال کر پلٹ گیا۔ اور دوبارہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔

وہاں سے وہ سیدھا اپنے کمرے میں ای تھی۔ غصے میں اس نے دروازہ زور سے بند کیا تو بیڈ پر بیٹھی شزا خوف سے اچھل پڑی۔

"اف اللہ۔۔۔ پاگل ہو کیا وفا؟ ابھی میرا دل باہر آجاتا۔" وفانے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی شال اتار کر غصے سے سونے پر پھینک دی۔ فون الگ بیڈ پر پھنکا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟" شزا حیرانی سے ہر چیز کو اور اسے دیکھ رہی تھی۔

"یار پلیز مجھے مت چھیڈو شزا۔۔۔ مجھے اس وقت بہت غصہ آ رہا ہے۔" وہ دائیں سے بائیں ٹہل رہی تھی۔ بے چینی اس وقت اس پر پوری طرح سے حاوی تھی۔

"کس پر غصہ آ رہا ہے بہن؟"

"خود پر۔ مجھے خود پر غصہ آ رہا ہے۔ دل چاہ رہا ہے اپنے ایک ادھر سے لگاؤں۔ ایک ادھر سے۔" اسے غصے سے اپنے بال پکڑتے دیکھ شزا جلدی سے اٹھی اور اسے بیٹھا کر پانی پلایا۔ اس کا غصہ تھوڑا ٹھنڈا ہوا تو وہ اس کے برابر میں آ بیٹھی۔

"اب بتاؤ۔ کیا ہوا ہے؟" وفا سفید ماربل کے فرش کو دیکھ رہی تھی۔ پہلے تو خاموش رہی۔ پھر شزا کو اس کی آہستہ آواز سنائی دی۔

"میں بہت بار اپنا یہ حجاب نہیں کر پاتی۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے میں اسے کبھی ویسے کر ہی نہیں پاتی جیسے مجھے کرنا چاہیے۔"

"اچھا! اور؟" شزا سکون سے اسے سن رہی تھی۔

"اور میں یہ صرف اپنے اللہ کے لئے کرتی ہوں۔ اور اگر کبھی کسی بھی طرح اسے کرنے سے رہ جاتی ہوں تو مجھے خود پر بہت غصہ آتا ہے۔"

"اور؟" وہ اسی سکون سے بولی تھی۔

"اور مجھے ڈر لگتا ہے شزا۔ اگر میں اپنے امتحان میں فیل ہو گئی تو اللہ کو کیا جواب دوں گی؟ یہ کوئی معمولی چیز تو نہیں ہے نا۔ کہ جب چاہے کیا۔ جب چاہے نہ کیا۔ یہ مجھ پر میرے اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ مجھے یہ ہر حال میں کرنا ہی ہے۔ مینے اس کے لئے اپنے دل کو مارا

ہے۔ لوگوں کے طنز برداشت کیے ہیں۔ ان سے اپنے لئے لڑی ہوں۔ لیکن آج بھی میں اس کا سہی سے خیال نہیں رکھ پاتی۔ "شزا کو لگا اب اگر اس نے مزید کچھ پوچھا تو شاید وہ رو دیگی۔ وہ اس معاملے میں واقعی حساس تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔

"میری پیاری بہن۔۔ تم ہی تو کہتی ہو کہ اللہ پاک تمہارے دوست ہیں۔ تو کیا تمہارے دوست تمہیں نہیں جانتے؟ کیا انہیں نہیں پتا کہ تم ان کے قریب رہنے کی کوشش تو کر رہی ہو؟" وفانے حامی بھری۔ وہ ابھی بھی نم آنکھوں سے فرش کو گھور رہی تھی۔

"وہ جانتے ہیں وفا۔۔ وہ سب جانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میرا کونسا بندہ اپنی جانب سے کتنی کوشش کر رہا ہے اور کتنی نہیں۔ دوسرے انسانوں سے انسان کے دل کا حال چھپ سکتا ہے۔ لیکن اللہ سے کچھ نہیں چھپتا۔ وہ ہر انسان کے دل کا حال جانتے ہیں۔" وہ خاموش رہی۔

"یہ یاد رکھو وفا کہ تم پرفیکٹ نہیں ہو۔ ہم انسان پرفیکٹ نہیں ہوتے۔ ہمیں نہیں پتا ہوتا کہ ہم جو عبادتیں کر رہے ہیں وہ درست بھی ہیں یا نہیں۔ لیکن صرف اس خیال سے ہم عبادت کرنا چھوڑ تھوڑی دیتے ہیں؟ ہم پھر بھی اپنے اللہ کے پاس جاتے ہیں۔" وہ اب بھی کچھ نہیں بولی۔ وہ آج اسے سننا چاہتی تھی۔ آج شزا اسے بولتی ہوئی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

اور سب کو سمجھانے والے انسان کو بھی ایک انسان ایسا ضرور چاہیے ہوتا ہے جو اس کے مشکل وقت میں اسے سمجھا سکے۔ شزا اب بھی اس سے کہہ رہی تھی۔۔

"تو تم اتنی پریشان مت ہوا کرو۔ صرف اپنی جانب سے جتنی کر سکتی ہو کوشش کرو۔ باقی اس اللہ پر چھوڑ دو۔"

کم از کم تم آج کے وقت میں جہاں سب صرف اپنی دنیا بنانے میں مصروف ہیں اپنی آخرت کی فکر تو کر رہی ہو۔ کوششیں ہم خود نہیں کرتے وفا۔ کوششیں ہم سے کروائی جاتی ہیں۔ تاکہ ہمیں کامیابی دی جاسکے۔ ہدایات مانگنے کا خیال بھی ایک نعمت ہوتا ہے۔ اور بعض نعمتیں ہر انسان کو نہیں ملتیں۔" وفانے سر ہلایا۔ تو شزا آہستہ سے مسکرا دی۔

"اور ایک بات کہوں؟" وفانے اسے سوالیہ دیکھا۔

"تم بہت خاص ہو۔۔۔ بلکہ ہر وہ انسان بہت خاص ہے جو اللہ کے لئے اپنے دل کو مارتا ہے۔ دل کو مارنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے بعد آسانیاں ضرور ہوتی ہیں۔" شزا کی آواز میں محبت، رشک اور تعریف تھی۔ بے اختیار وفا کی آنکھ سے موتی ٹوٹا۔ اور وہ اس کے گلے لگ گئی۔

"کیا تم جانتی ہو کہ تم ایک بہت اچھی motivator ہو؟" اس نے آہستہ آواز میں اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ شزا نے خوش ہو کر گردن اکڈائی۔

"ہاں! وہ تو میں ہوں۔" ان دونوں کا ہی پورے کمرے میں زوردار قہقہا گونجا۔

"ارے ہاں ایک منٹ۔۔" کچھ یاد آنے پر شزا اٹھی اور ڈریسنگ پر رکھا ایک باکس اٹھا کر لائی۔ وہ ایک کالے رنگ کا بند ڈبّا تھا۔

"یہ کیا ہے شہزادی؟" وفانے اسے لیتے ہوئے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔۔ شام ایک ملازمہ دے کر گئی تھی کہ یہ باہر کوئی وفابی بی کے نام سے دے کر گیا ہے۔ میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی۔ اور یہ تمہارا تھا تو مینے کھولا بھی نہیں۔"

"میرے لئے؟" وفا کے ماتھے پر نا سمجھی کے بل پڑے۔ پھر اس نے اسے آہستہ سے کھولا تو وہ ساکت رہ گئی۔ اس میں ایک عبایا تھا۔ سادہ اور سیاہ۔

"ماشاء اللہ! یہ کتنا خوبصورت ہیں نا؟" شزا تعریف کرے بنا نہ رہ سکی۔ وفانے حامی بھرتے ہوئے اسے باہر نکالا۔

"لیکن یہ مینے تو نہیں منگایا۔ تو کس نے بھیجا؟" وہ پریشان ہوئی تھی۔ سیاہ ہی رات میں چلتی تیز ہوا بھی کھلی کھڈکی کے پردوں سے ٹکرا کر اندر داخل ہوئی۔

"یہ تو تم ہی جان سکتی ہو۔"

"مجھے نہیں پتا شزا۔ سچ میں۔۔" اس نے گھبرا کر ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔

"ہاں وفا میں جانتی ہوں تمہیں۔ لیکن پھر یہ کہاں سے آیا؟ کیا پتا تمہاری اپنی نے بھیجا ہو؟" ہوا سے ساتھ میں ڈلے پردے بھی ہلنے لگے۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"ہو سکتا ہے وہ تمہیں سرپرائز گفٹ دینا چاہتی ہوں۔" شزا نے ایک اور اندازہ لگایا تو وفا نے سر ہلا دیا۔

"خیر۔۔ تم پہن کر تو دیکھو۔ اچھی لگوگی۔" شزا نے خوشی سے کہا۔

"لیکن شزا۔۔" وہ اب بھی پریشان تھی۔

"ارے بہن پلیز نا۔ تم پر تو حجاب اتنا سوٹ کرتا ہے۔ یہ تو بہت ہی کریگا۔" وفا نے حامی بھر کر وہ پہنا تو وہ اسے بھی پسند آیا۔ شزا نے جوش میں اس کے نقاب بھی لگا دیا۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" وفا نے جوش میں آکر اس کے سامنے گھومتے ہوئے پوچھا۔

"بہت خاص۔۔" شزا نے تعریف کی۔

"میرا بہت وقت سے دل تھا عبایا کا۔ تو ضرور یہ اپنی نے ہی بھیجا ہوگا۔" اس کی بات پر شزا نے بھی حامی بھری۔ وہ اس میں واقعی اچھی لگ رہی تھی۔ اس کا تو دل ہی نہیں کر رہا تھا آئینے کے سامنے سے ہٹنے کا۔ ہوا ہلکی ہوئی تو پردے بھی خاموش ہو گئے۔

آگرہ میں بہنے والی ندی کے پانی پر جب آفتاب کی روشنی پڑنے لگی تو ہر کوئی اپنے روزانہ کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ انسان بھی بڑا عجیب ہوتا ہے۔ دنیا کے کاموں میں اس قدر مصروف ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو ہی بھول جاتا ہے۔ پھر جب تھک جاتا ہے تو کہتا ہے کہ بے سکونی نہیں جا رہی۔ لیکن اسے کچھ وقت اپنے لئے بھی نکالنا چاہیے۔ وہ وقت جو صرف اس کا اور اس کے رب کا ہو۔ جس میں مزید کسی خیال کی گنجائش نہ ہو۔ جس میں سکون ہو۔ اور بے سکونی دور کرنے کی طاقت بھی۔

اسی مصروف دنیا میں آج ہماری ٹوئنس سسٹرس بھی یونیورسٹی میں تھیں۔ اور پڑھائی سے کچھ وقت نکال کر فائزہ کے ساتھ باتوں میں مگن تھیں۔

"تو کب آرہے ہیں وہ لوگ؟" شزا خوشی اور جوش کے ملے جھلے تعصبات کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ وہ لوگ اس وقت پیڈ کے نیچے سبز میدان پر بیٹھیں تھیں۔

"کل بہن۔ اور رونا کس بات کا ہے مجھے؟ اگر تھوڑا سا بھی وقت ملتا تو میں کسی طرح پایا کو منا ہی لیتی۔" فائزہ اپنا منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔

"شادی آج نہیں تو کل کرنی ہی ہے نا۔ اگر سب سہی ہوا تو منا کرنے کی کیا ضرورت ہے
فائزہ۔" شزا نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے اس کا ہاتھ ہلایا تھا۔ جو بلو جینس پر پنک شرٹ
پہنے تھی۔ اور کھلے بال ہوا سے اڑ رہے تھے۔ فائزہ نے گہری سانس لے کر سر پر ہاتھ مارا۔

"یار مجھے شادی سے کوئی مثلاً نہیں ہے۔ مثلاً مجھے لڑکے سے ہے۔ اگر اس کی اور میری
understanding میچ نہیں ہوئی تو؟"

"ارے تو زبردستی تھوڑی ہے۔ اگر لڑکا پسند نہ اے تو انکار کر دینا۔" شزا نے حل نکالا۔ فائزہ
کو تپ چھڑی۔ وفا البتہ چسپ کھاتے ہوئے ان دونوں کو باری باری دیکھ اور سن رہی
تھی۔ اس نے آج وہی عبا کیا ہوا تھا۔ ٹھنڈ کا ماہ لگ چکا تھا۔ لیکن آگرہ میں تو ٹھنڈ میں بھی
گرمی کا احساس رہتا تھا۔ البتہ آج سورج کی روشنی بہت ہلکی تھی۔ اور ہوا بھی اچھی چل رہی
تھی۔ تو آج پھر بھی راحت تھی۔

"نہیں نہ۔۔ نہیں کر سکتی انکار۔ کیونکہ ممی کہہ رہیں تھیں کہ وہ جناب ہر لحاظ سے اچھے
ہیں۔ تو میں انکار کیسے کر پاؤں گی؟ اور وجہ کیا بتاؤں گی؟ کہ میرے پیارے والد صاحب اور والدہ
صاحبہ۔۔ آپ کی صاحبزادی فائزہ اقبال اپ کی پسند سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ۔۔ وہ
لو میرج کرنا چاہتی ہے۔" فائزہ نے ایک ہی بات میں کئی طرح کے منہ بنائے تھے۔ سنجیدگی
سے اسے سنتی ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ان کا زوردار قہقہا گونجا۔ فائزہ
نے ساتھ رکھے بیگ کو سختی سے مٹھی میں جکڑ کر انہیں گھورا۔

"ویسے۔۔ ویسے اگر تم اس طرح۔۔ سے کہو گی نا۔۔ تو۔۔ تو بات بن بھی سکتی ہے۔" وفا چپس کا پیکٹ چھوڑ ہنستے ہوئے اپنا پیٹ پکڑ گئی تھی۔

"رہنے دو۔۔ تم جیسی دوستوں کے ہوتے ہوئے انسان کو دشمنوں کی کیا ضرورت ہے؟ مینے فضول میں تم لوگوں سے ڈسکس کیا۔" اس کی ناراضگی دیکھ کر دونوں سنجیدہ ہوئیں اور کمر سیدھی کر کے بیٹھیں۔ جیسے ابھی پروفیسر کا لیکچر شروع ہونے والا ہو۔

"اچھا تو کون ہے وہ جس سے تم لو میرج کرنا چاہتی ہو؟" اس مرتبہ ہماری وفابی بی نے سنجیدگی اور نرمی سے پوچھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ فائزہ کے گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری۔ "وہ۔۔ وہ تو۔۔"

"اتنا کیا گھبرانا فائزہ۔ بول بھی دو۔" شزرا نے سمجھایا۔ فائزہ نے لب تر کیے اور ہمت کر کے ایک ہی سانس میں بول دیا۔

"وہ میری لائف میں ایسا کوئی نہیں ہے۔"

"مطلب؟" وہ دونوں نا سمجھی سے ایک ساتھ بولیں تھیں۔

"مطلب۔۔ میری لائف میں ایسا کوئی نہیں ہے جس سے میں لو میرج کرنا چاہوں۔ یہ صرف میری خواہش ہے کہ میری لو میرج ہو۔" ان دونوں نے کچھ وقت اسے اچھے سے دیکھا۔ مطلب اسے کچھ وقت دیکھا تھا۔ پھر وفانے آہستہ آواز میں سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"مطلب باجی کسی سے لو بھی نہیں کرتیں۔ اور باجی کو لو میرج بھی کرنی ہے۔۔ ایسا کیسے چلیگا باجی؟"

ان دونوں کا ہی قہقہا بے ساختہ تھا۔ فائزہ اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں سے چھپا گئی۔ پاس سے گزرتی دو لڑکیاں بھی انہیں اس طرح ہنستے دیکھ ہنس دیں تھیں۔

"ارے باجی لو تم چسپ کھاؤ۔ کچھ نہیں ہونے کا تمہارا بھی۔ سہی کہتے ہیں لوگ۔۔ دوستی بھی تبھی اچھی چلتی ہے جب سامنے والے سے پاگل پنٹی میچ کرتی ہو۔" وفانے اس کے اگے چسپ کا پیکیٹ رکھتے ہوئے کہا۔ اب کی بار وہ خود بھی ہنس دی تھی۔

"میں بس چاہتی ہوں مجھے اپنے آپ کو سامنے والے کے حساب سے بدلنا نہ پڑے۔ یار مطلب وہ مجھے ویسے ہی قبول کرے جیسی میں ہوں۔"

"یہ تم ہی نہیں یہ ہر انسان چاہتا ہے فائزہ۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔" شزرا نے ہنس کر اس کے چپٹ لگائی۔ وفانے بھی حامی بھری۔

"ہاں! لیکن اگر تم اپنے لئے یہ چاہتی ہو تو تمہیں سامنے والے کو بھی ویسے ہی قبول کرنا ہوگا۔ یہ سوچ کر شادی کبھی مت کرنا کہ تم سامنے والے کو اپنے حساب سے بدل پاؤ گی۔ کیونکہ انسان تب تک نہیں بدلتے جب تک وہ خود نہ بدلنا چاہیں۔" فائزہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"سہی کہہ رہی ہو تم دونوں۔ لیکن اب میں کیا کروں؟"

"ارے ہماری باجی۔۔ سب سے پہلے تو تم نے ٹینشن نہ لینی ہے۔ مطلب بالکل بھی نہ لینی ہے۔ باقی جیسے ہی موقع ملے تم نے ان بھائی صاحب کی معلومات میں اضافہ کرنے کی غرض سے عرض کر دینا ہے کہ دیکھو بھئی۔۔"

میں ایسی ہوں۔ اور میں ایسی ہی ہوں۔ اگر قبول ہو تو ٹھیک۔ ورنہ جناب اپنا راستہ الگ کریں۔ "وفا نے چٹکی بجاتے ہوئے معاملے کا حل پیش کیا۔ وہ دونوں اپنی اس تیسری ساتھی کو دیکھ کر رہ گئیں۔ وہ اکثر انہیں ہنسانے کے لئے ایسے بولا کرتی تھی۔ اور آج بھی وہ ہنس دی تھیں۔"

"ٹھیک ہے باجی۔۔ میں ایسا ہی کرونگی۔" فائزہ نے کہتے ہوئے شزا کو تالی دی۔ وفا جلدی سے آگے ای۔

"اچھا فائزہ باجی۔۔ دیکھو ہم پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ تم نے ہمیں ہمارے ہونے والے بھائی صاحب کا فوٹو تو ضرور دکھانا ہے ہاں۔"

"ہاں ہاں بالکل! آخر سالیاں ہونگی ہم ان کی۔" شزا نے بھی حامی بھری۔

"فوٹو تو ہے میرے فون میں۔ دکھاؤں کیا؟" فائزہ نے باری باری دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں یار بلکل نہیں۔ اگر فون میں ہے تو ہمیں مت دکھاؤ۔ وہ جو کینیٹین میں انکل بیٹھتے ہیں نا۔ انہیں دکھانا۔" وفاماتھے پر بل ڈال کر بولی تھی۔ شزرا ہنس دی۔

"ارے فائزہ دکھاؤ نا۔ ساری کہانی کے بعد یہ بتا رہی ہو۔" فائزہ نے خاموشی سے بیگ میں سے فون نکالا اور فوٹو نکال کر ان دونوں کی جانب بڑھایا۔ وہ جو تجسس میں اس کے سامنے ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھیں تھیں۔۔ ایک دم سے ان دونوں کے منہ کھلے۔

"تم ہمیں کوئی غلط فوٹو تو نہیں دکھا رہی ہو نا؟" شزرا نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"پکا یہی ہے نا؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں یہی ہے۔ کیا ہوا؟ تم لوگ جانتی ہو کیا اسے؟" شزرا کچھ مزید بولنے کو ہوئی تو وفانے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے روکا۔

"ارے ایسے ہی پوچھ رہے تھے۔ ویسے ماشاء اللہ سے یہ جناب دیکھنے میں بہت اچھے ہیں یار۔" اس کی بات پر فائزہ مسکرا دی۔ شزرا نے وفا کو گھورا تو اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اب ان کی کہانی تو آگے کل ہی بڑھنی تھی۔

اختر منزل میں موجود نسیم اختر کے کمرے کا الگ ہی ماحول تھا۔ نسیم سونے پر بیٹھے کسی سوچ میں ڈوبے تھے۔ اور عالیہ غصے میں بیڈ پر بیٹھی تھی۔ ان کے فون کرنے پر جلدی میں سہیل اور نسیم گھر لوٹے تھے۔ آرزو بھی وہیں دوسرے سونے پر موجود یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ جس میں سہیل انہیں سمجھا رہا تھا۔

"امی پلیز۔۔ سمجھیں بات کو۔ صرف سچ پتا ہونے سے وہ لڑکی آپ کا کچھ نہیں بیگاڑ سکتی۔ آپ فضول میں اسے اپنے سر پر سوار کر رہی ہیں۔" عالیہ نے اسے سخت نظروں سے دیکھا۔

"میں سر پر سوار کر رہی ہوں؟ میں؟ تم سمجھو سہیل۔۔ وہ واقعی میں بہت خطرناک ہے۔ وہ پرسوں سے مجھے بہت بار دھمکا چکی ہے۔ وہ کہتی ہے وہ ہار نہیں مانگی۔" سہیل عالیہ کو افسوس سے دیکھتے ہوئے ہنسا۔

"اگر وہ یہ کہتی ہے نا۔ تو وہ بالکل سہی کہتی ہے۔ وہ اپنے ارادوں میں پختہ ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اسے صرف آپ کو دھمکانا ہے کیونکہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وہ یہی چاہتی ہے کہ ہم کوئی بھی غلط قدم اٹھائیں اور اسے کوئی ثبوت ملے۔"

"لیکن ایسا کب تک چلیگا؟ اور اگر اس کے پاس واقعی کوئی ثبوت ہوا تو؟ میں کچھ نہیں جانتی۔ بس اس لڑکی کو میرے راستے سے ہٹاؤ۔" وہ کچھ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ سہیل گہری سانس لے کر ان کے بیڈ سائیڈ چیئر سے ٹیک لگا گیا۔ اور اٹے ہاتھ سے ٹائی ڈھیلی کرنے

لگا۔ وہ صرف ایک بار سمجھایا کرتا تھا۔ اگر بندہ نہ سمجھے تو اسے کوئی شوق نہیں تھا اپنی طاقت ضیاع کرنے کا۔ عالیہ اسے سکون سے بیٹھا دیکھ اور بھڈک اٹھی۔

"تم اس قدر سکون سے کیسے بیٹھ سکتے ہو سہیل؟ میں ماہوں تمہاری۔ تم۔۔"

"آپ میری ماہیں لیکن آپ نے مجھ سے پوچھ کر جرم نہیں کیا تھا۔" اس کے جواب پر وہ ساکت رہ گئی۔ آرزو کی بھی حیرانگی سے آنکھیں پھیلیں تھیں۔ وہ اسے دیکھنے لگی جواب سر پیچھے کو لٹکائے اوپر دیکھ رہا تھا۔ نسیم نے بھی سر اٹھا کر اسے حیرانی اور غصے سے دیکھا۔ ان کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو اپنی ماہ؟ آج اپنے ماہاپ کے عمال تمہیں جرم لگ رہے ہیں؟ ہم نے یہ سب صرف تم بچوں کے لئے کیا تھا۔" سہیل خاموش رہا۔ لیکن آرزو خاموش نہ رہ سکی۔

"آپ لوگوں نے وہ سب اپنے لئے کیا تھا بابا۔ آپ لوگوں نے وہ سب اپنے لئے ہی کیا تھا۔ پلیز ہمیں درمیان میں نہ لائیں۔" ان تینوں نے ہی اسے حیرانی سے دیکھا تھا۔

پہلے بیٹا۔۔ اب بیٹی۔۔ عالیہ کی آنکھیں بے ساختہ نم ہوئیں تھیں۔ سہیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اسے یاد تھا۔۔ عرصہ ہوا آرزو اختر نے اس معاملے میں بولنا چھوڑ دیا تھا۔ نسیم اس پر چلائے۔

"آرزو۔۔ خاموش رہو تم۔"

"لیکن کیوں؟ کیوں خاموش رہوں میں؟ اور کیا غلط کہا ہے مینے؟ آج آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم بچوں کے لئے وہ سب کیا تھا۔ تو کیا فائدہ ہوا؟ کیا آج آپ کے بچے سکون میں ہیں؟" وہ اسے دیکھ کر رہ گئے۔ اس نے آواز بلند نہیں کی تھی۔ لیکن اس کے سوال انہیں ساکت کرنے کے لئے کافی تھے۔

"وہ لوگ اپنے ما باپ کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور ہم اپنے۔ بات تو ساری ما باپ اور ما باپ سے محبت کی ہی ہے نا۔ یا شاید مقدر کی ہے۔ اگر ہم سہی ہیں۔ تو غلط تو وہ بھی نہیں ہے نا۔"

"آرزو۔۔" نسیم ایک دم چیختے ہوئے کھڑے ہوئے۔ آرزو بھی اٹھ گئی۔ سہیل جلدی سے اٹھ کر ان لوگوں تک آیا۔

"غلط کیا تھا مینے۔۔۔ بہت غلط کیا تھا جو تمہیں زندہ چھوڑ دیا۔ تمہیں اسی دن مار دینا چاہئے تھا جب تمہیں سچ پتا چلا تھا۔" آرزو کی آنکھیں نم ہوئیں۔ اسے لگا اس کے باپ نے اس کے دل پر پاؤں رکھ دیا ہو۔

"بس۔۔۔ آپ شاید بھول رہیں ہیں کہ آپ سہیل اختر کی بہن سے بات کر رہے ہیں۔ تو بہتر ہوگا کہ کوئی ایسی بات نہ کریں جو میں برداشت نہ کر سکوں۔" سہیل ان دونوں کے

درمیان آکھڑا ہوا تھا۔ آرزو کی آنکھوں سے دو موتی گرے تھے۔ وہ ایک ٹک اس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اس کی ڈھال بنا تھا۔ اور وہ ہر بار اس کی ڈھال بن ہی جایا کرتا تھا۔

(آپ ہر بار میرے بلانے پر آیا کرو گے نا بھائی؟) اسے اپنی ہی آواز سنائی دی تھی۔ لیکن وہ حیران تھی۔ اس بار تو اس نے اسے نہیں بلایا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی اس کے لئے آیا تھا۔

نسیم اسے سختی سے دیکھ رہے تھے جو اب پلٹ کر آرزو سے مخاطب تھا۔ "آرزو۔۔ باہر جاؤ۔" وہ بت بنی اسے دیکھتی رہی۔

"میں نے کہا۔۔ باہر جاؤ آرزو۔" اس بار اس نے سختی سے زور دے کر کہا تو وہ ڈر کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ سہیل نے آنکھیں بند کر گہری سانس لی۔ پھر اپنے چہرے کے تصورات نور مل کر ان کی جانب پلٹا۔

"آپ دونوں اتنا مت پریشان ہوں۔ وہ سوائے دھمکانے کے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ اسلئے کوئی جوابی عمل مت کریں۔ باقی میں دیکھتا ہوں میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ ہلکی آواز میں سنجیدگی سے بولا تھا۔ اور پھر دروازے کی جانب بڑھ آیا۔ اس نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ اسے نسیم کی آواز سنائی دی۔

"یہ موقع میں تمہیں دیا ہے سہیل۔ جلد سے جلد کچھ کرو۔ ورنہ تم اچھے سے جانتے ہو کہ پھر میں کیا کرونگا۔" ڈور نوب پر اس کی گرفت سخت تر ہوئی تھی۔ لیکن وہ خاموشی سے

آگے بڑھ گیا۔ وہ بھی بنا عالیہ کو دیکھے واثروم میں چلے گئے۔ اور وہ اس سب کو دیکھ کر رہ گئی۔ (دوسروں کی اولادیں چھیننے والوں کے پاس خود کی بھی اولاد نہیں رہتی عالیہ۔ اور اگر رہتی بھی ہے۔ تو پھر وہ اولاد نہیں رہتی۔) کچھ یاد آنے پر بے ساختہ اس کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔ عالیہ نے ہر خیال کو جھٹکا۔ اور خود بھی باہر نکل گئی۔

سفید حویلی کے ہرے بھرے درختوں پر شام اتر آئی تھی۔ اور ہماری شزا کچن میں کچھ نیا بنا رہی تھی۔ اس کا جب دل کرتا تھا تو وہ سب کے لئے کچھ ناکچھ بنا لیتی تھی۔ اور سبھی اسے خوش ہو کر کھاتے تھے۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھی جب آرزو سخت غصے کے عالم میں وہاں آئی۔ شزانی اسے غور سے دیکھا جو اب فرڈج کا دروازہ کھول اس میں سے دو تین سیب نکال رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ شزا کو محسوس ہوا جیسے وہ ابھی رو کر آئی ہے۔ اور کچھ لوگوں کو تو رونے کے بعد بہت تیز بھوک لگتی ہے۔ وہ جلدی پلیٹ اور چھری لئے سیب میں کاٹنے لگی۔

"آرزو۔۔ میں کاٹ دوں؟" اس کے ہاتھوں کو ہلکا سا کپکپاتے دیکھ شزانی نے نرمی سے پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وفا جو شزا کے پاس آئی تھی اسے دیکھ حیرانی سے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اشارے سے اس کے بارے میں شزا سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار

کیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ ہی رہی تھیں کہ آرزو کی ہلکی سسکی سنائی دی۔ اس کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔

"آرزو۔۔" شزا تیزی سے اس تک گئی۔ تو اس نے اسے روک دیا۔

"رہنے دو۔ ہمیں نہیں چاہیے تم لوگوں کی مدد۔"

"لیکن آرزو خون بہ رہا ہے۔" شزا نے زور دیا۔ وفا البتہ خاموش کھڑی صرف دیکھ رہی تھی۔ پھر شزا سے بولی۔

"رہنے دو شہزادی۔۔ کون سا ایک آد بالٹی خون بہ گیا ہے۔ جب میڈم منا کر رہی ہیں۔ تو رہنے دو۔" وہ اپنے انداز میں کہتی وہاں ٹیبل کے ساتھ رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ آرزو اس کا مثلاً نہیں تھی۔ اور وہ ہر کسی کے مثلے میں نہیں پڑتی تھی۔ شزا خاموش ہو گئی لیکن اس کی نظر اسی پر ٹکی تھی۔ وفانے بھی کھٹکھٹیوں سے اس کو دیکھا جو اب ضبط کرتے ہوئے ہاتھ دبا کر خون روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔ اور یہیں وفا اپنے آپ سے ہار جاتی تھی۔

وہ جھٹکے سے اٹھ کر اس تک ای اور ساتھ ہی شزا کو بھی اشارہ کیا۔ شزا جلدی سے دراز میں سے فرسٹ عیڈ باکس نکال لائی۔ وفانے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ پھر کچھ بولنے کو ہوئی۔

"بس۔۔ آواز نہ نکل جائے اب تمہاری۔ ورنہ یہ دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دوں گی۔" اس نے سختی سے انگلی دکھا کر اس سے کہا تھا۔ آرزو کو بے اختیار سہیل یاد آیا۔

وفا اب اس کا ہاتھ سختی سے پکڑے تھی اور شزا اس کے پٹٹی کر رہی تھی۔ وہ مکمل ہوئی تو شزا گیس پر پکتے اپنے کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ اور وفا ایک ہاتھ سے آرزو کو پکڑے اور دوسرے ہاتھ میں اس کی سیب کی پلیٹ لئے واپس وہیں آ کر بیٹھ گئی۔ اور اسے بھی ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھا لیا۔ وہ سیب کاٹنے لگی تو آرزو نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ صرف تمہارے لئے نہیں کاٹ رہی۔ میں خود بھی کھاؤں گی۔" اس نے اپنا کام کرتے ہوئے کہا تو آرزو نے نظریں باہر کھڑکی سے نظر آتے سبز لون کی جانب موڑ لیں۔ شزا نے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔ آرزو سوچ رہی تھی کہ اسے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ لیکن آرزو اختر کے لئے اس وقت یہ دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔ وفانے کٹے ہوئے سیبوں کی پلیٹ اس کے آگے کی اور ایک پیس اپنے منہ میں ڈالا اور ایک اٹھا لیا۔ وہ اب اٹھ کر شزا تک ای تھی۔ اور اس کو کھلاتے ہوئے بولی۔

"تو آج ہماری شیف کیا بنا رہی ہیں؟" اس نے برتن میں جھانکا۔

"حیدر آبادی بریانی۔۔ مینے آج ہی نیٹ سے سیکھی ہے۔" شزا نے خوش ہو کر اپنا کارنامہ بتایا۔ آرزو نے اپنے لب تر کرتے ہوئے پلیٹ سے ایک پیس اٹھایا اور بولی۔

"وہ۔۔ وہ میں۔۔" وفانے اس کی بات سچ میں ہی کاٹ دی۔

"اگر بریانی کھانا چاہتی ہو تو کوئی مثلاً نہیں ہے کھا لینا۔ اور اگر شکریہ کہنا چاہتی ہو تو بھی کوئی مثلاً نہیں ہے ہم دونوں کی طرف سے موسٹ ویلکم۔" آرزو خاموش ہو گئی۔ شزا نے وفا کو آنکھیں دکھائیں پر اس نے کوئی اثر نہ لیا۔ وہ اسی انداز میں دوبارہ اس تک ای اور بولی۔

"باہر چل رہی ہو؟ موسم اچھا ہو رہا ہے۔" آرزو نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ شزا بھی حیران ہوئی لیکن اس نے کوئی رائیٹ نہیں کیا۔

"میں؟ مطلب ہم؟" آرزو نے اپنی جانب انگلی کیے پوچھا۔ وفانے گہری سانس لی۔

"جی آپ۔۔ زبردستی نہیں ہے کوئی۔"

"نہیں چلو۔" اس بار شزا نے اپنی بریانی چھوڑ انہیں ضرور دیکھا تھا۔ اسے نہیں لگا تھا کہ وہ ہاں کرے گی۔ وفانے صرف سر ہلا کر پلیٹ ہاتھ میں اٹھالی۔ اور آگے بڑھ گئی۔ آرزو بھی اٹھی اور شزا کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"شزا۔۔ وہ۔۔ تھینک یو۔ اور۔۔ اس دن کے لئے سوری بھی۔" شزا حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر جلدی سے اس نے سر ہلایا۔ یہ آج ہو کیا رہا تھا؟ وہ صبح سے بار بار حیران ہو رہی تھی۔

ڈھلتے آفتاب کی روشنی کو وہ دونوں دیکھتی ہوئی جھولے پر بیٹھیں تھیں۔ پلیٹ درمیان میں رکھی تھی جس میں سے باری باری کھایا بھی جا رہا تھا۔

"تم تھکتی نہیں ہو؟" وفانے آرزو سے پوچھا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"کیا؟ کس سے؟" اس نے نا سمجھی سے اس کا سوال مکمل جاننا چاہا۔

"یہ اپنے اس کھول میں بند رہ کے۔ مطلب ہر وقت غرور دکھا کر اور یہ ظاہر کر کے کہ تمہیں کسی بات سے فرق نہیں پڑتا۔" وفانے بتاتے ہوئے ایک پیس اٹھایا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہم ایسے ہی ہیں۔" آرزو کے ماتھے پر بل پڑے۔ اسے سمجھ نہ آیا وہ یہاں اس کے ساتھ ای ہی کیوں؟

"دیکھا۔۔ تم اب بھی اپنے کھول میں بند ہو۔" اس نے کہتے ہوئے ہائٹ لیا۔

"اچھا اگر ہوں بھی تو؟ کھول کس کا نہیں ہوتا؟ وہ تو سب کا ہوتا ہے۔ ہر کوئی اب اپنا آپ تو ہر انسان کے سامنے کھول کر رکھنے سے رہا۔" وفانے حامی بھری۔

"سہی! لیکن یہ کس نے کہا ہے کہ اپنا آپ سامنے والے کے سامنے کھول کر رکھ دو؟ اسے اپنی طاقت، کمزوری، پسند، ناپسند سب بتا دو؟ یہ غلط ہوتا ہے۔ لیکن جو تم ہو وہ نہ بن کر۔ یا۔۔ اپنے آپ کو سامنے والے کے سامنے بدل کر دکھانا بھی تو غلط ہے۔ اچھا یہ بتاؤ خود

کو اس طرح سے سامنے والے کو دکھا کر تمہیں کیا ملتا ہے؟" آرزو آہستہ سے مسکرائی۔ وفا کو پہلی مرتبہ اس کی مسکراہٹ بناؤٹی نہیں لگی تھی۔

"بہت کچھ ملتا ہے۔ کچھ پسند کر کے متاثر ہوتے ہیں تو کچھ گھمنڈی بول کر برائی کرتے ہیں۔ لیکن ہاں! attention ضرور ملتی ہے۔" وفا ہنسی۔

"یعنی تم مانتی ہو کہ تم attention seeker ہو۔ گڈ! مطلب کم از کم تم اپنے آپ کو جانتی تو ہو۔"

"تو attention seeker کون نہیں ہوتا؟ بھلا دوسروں کی attention کسے بری لگتی ہے؟" وفا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ بھی سہی کہا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟"

"مطلب؟" آرزو نے ایک اور پیس اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ اسے اب اس لڑکی سے بات کرنا برا نہیں لگ رہا تھا۔ یا شاید اسے اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ اپنے کھول سے نکل کر کسی سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ جو وہ شاید ابھی خود بھی نہیں سمجھی تھی۔

"مطلب جب تمہیں لوگوں کی attention ملتی ہے۔ تو اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟"

"اس کے بعد۔۔۔ (اس نے لمحے بھر کو سوچا۔) ہاں! اس کے بعد وہ مجھے زیادہ

importance دیتے ہیں۔ میری ہر بات کو اوپر رکھتے ہیں۔ میں جو کرتی ہوں اس سے

امپریس ہوتے ہیں۔ اور میری ہاں میں ہاں بھی ملاتے ہیں۔" اسے بتاتے ہوئے بہت سے واقعات یاد آئے تھے۔

.Okay that's good"

لیکن اس سب سے تمہیں کیا فائدہ ملتا ہے یہ تو تم نے بتا دیا۔ لیکن نقصان کیا ملتا ہے؟"

"نقصان؟ اس سے مجھے نقصان کیا ملیگا؟" آرزو نے اسے اچھمچھ سے دیکھا تھا۔ اس نے صرف فائدہ دیکھا تھا۔ نقصان تو کبھی دیکھے ہی نہیں تھے۔

"ہاں بہن نقصان۔۔ چیزوں کے فائدے کے ساتھ نقصان بھی تو ہوتے ہیں نا۔ اور دنیاوی چیزوں میں تو ضرور ہوتے ہیں۔ کیا تمہیں اس کے نقصانوں کا نہیں پتا؟" وہ بہت نرمی اور آہستہ آواز سے بات کر رہی تھی۔ آرزو نے نفی میں سر ہلایا۔

"جب تمہیں یہ سب فائدے ملتے ہیں نا۔ تو نقصان بھی بہت سے ملتے ہیں۔ جیسے تمہارے اندر سے پھر سہی اور غلط کی پہچان ختم ہو جاتی ہے۔ تمہیں لگتا ہے تم جو بھی کرو گی وہ سب کو سہی ہی لگنا ہے۔ تو تم اس بارے میں سوچنا چھوڑ دیتی ہو۔

جب تمہیں دوسروں کی importance کی عادت ہو جاتی ہے تو تم اپنے آپ کو importance دینا چھوڑ دیتی ہو۔ تمہارا سارا فوکس صرف دوسروں کے لئے رہ جاتا ہے۔"

ان کے پیچھے کی طرف قطار سے لگے پھولوں کے پودھوں میں مالی پانی دے رہا تھا۔

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم ہر کام کرنے سے پہلے دوسروں کے مائنڈ سیٹ کے بارے میں سوچنے لگتی ہو۔ کہ اگر مینے یہ کہا یا یہ کیا تو کہیں سامنے والوں کی نظر میں۔ میں غلط نا سمجھی جاؤں۔ جیسے دو دوستیں کسی انسان کی برائی کر رہی ہوتی ہیں تو تیسری دوست بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتی ہے۔ صرف اس ڈر سے کہ کہیں دوستی نہ ختم ہو جائے اگر اس نے ان کی مخالفت کی تو۔"

لائن سے لگے پودھوں میں سبھی بہت خوبصورت تھے۔ وہاں بہت سے تھے۔ بیلا، چاندنی، سورج مکھی، گیندا اور گلاب بھی۔

"تم اپنے آپ کو ایک کھول میں بند کر لیتی ہو۔ کہ میں ایسی ہوں اور میں ایسی ہی ہوں۔ تم ہر وقت اس کھول کے حساب سے رہنے لگتی ہو۔ کہ جیسے ایک لڑکی جب پہلی بار میکاپ کرتی ہے تو وہ بہت خوبصورت لگتی ہے۔ اور پھر وہ روز میکاپ کرنے لگتی ہے۔ تاکہ وہ روز سب کو خوبصورت لگے۔ وہ پھر یہ نہیں سوچتی کہ اگر میں روز میک اپ کرونگی تو آہستہ آہستہ میری سکن خراب ہو جائیگی۔ کیونکہ وہ اس کام کی عادی ہو جاتی ہے۔ جب اس کی سکن خراب ہوتی ہے تو اسے اسی میکاپ سے جلن ہونے لگتی ہے۔ اور اصل چہرے پر بھی سرخ نشان پڈ چکے ہوتے ہیں۔ پھر نہ وہ میکاپ کر کے رہ سکتی ہے۔ نہ بنا کرے۔" آرزو اسے غور سے سن رہی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی۔ یہاں بات صرف میکاپ کی نہیں ہوئی ہے۔ یہاں میک اپ ایک کھول بھی ہے۔ جو انسان کا اصل ڈھانپ دیتا ہے۔

مالی کو وہ سارے پودھے پسند تھے۔ لیکن ان سب میں سے اس کا سب سے پسندیدہ گلاب تھا۔ وہ اس کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ اسے پانی بھی اکثر زیادہ دیتا تھا۔

"جب انسان خود کو کھول میں بند کرتا ہے تو پھر اسے پرواہ نہیں رہتی کہ وہ اپنے دل کو مار کر اپنے ساتھ برا کر رہا ہے۔ وہ بھی صرف اس فانی دنیا کے چند روز کی attention کے لئے۔ وہ پھر اپنے اندر کی اصل شخصیت سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہی انسان میں دو شخصیت نہیں رہ سکتی۔ پھر وہ تھکنے لگتا ہے۔ اس کے اندر بے سکونی بھر جاتی ہے۔ وہ اللہ سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ اور صرف وہی کام کرنے لگتا ہے جس سے اسے دوسروں کی attention مل سکے۔ وہ اپنے اندر کے خالی پن کو اب کسی نا کسی چیز سے تو بھرے گا؟

اور پتا ہے۔۔ ایسے انسان کے پھر کبھی بھی سچے دوست نہیں بن پاتے۔ یا اگر بنتے بھی ہیں تو وہ انہیں کھو دیتا ہے۔ کیونکہ سچے دوست آپ کی ہمیشہ ہاں میں ہاں نہیں ملایا کرتے۔ وہ آپ کو سہی اور غلط میں فرق بھی بتاتے ہیں۔"

مالی سارے پودھوں کو پانی دیتا ہوا گیندے تک آیا۔ اس میں ایک بہت خوبصورت سا پیلے رنگ کا پھول کھلا تھا۔ مالی اس پر زیادہ توجہ نہیں دیتا تھا لیکن پھر بھی اس کے کھلنے سے اسے خوشی ہوئی تھی۔

"یہ attention بری چیز نہیں ہوتی آرزو۔ یہ سب کو چاہیے ہوتی ہے۔ لیکن اس کی زیادہ کی خواہش۔۔ اس کی عادت انسان کو لے ڈوبتی ہے۔ اس سے گناہ بھی کروا جاتی ہے۔ انسان برے نہیں ہوتے لڑکی۔ ان کے نفس پر ان کا کنٹرول نہ ہونا۔ انہیں برا بنا دیتا ہے۔

انہیں addict کر دیتا ہے۔ اور addiction اچھی نہیں ہوتی۔ چاہے وہ کھانے کی ہو۔ ناولز کی ہو۔ میکاپ کی ہو۔

غیر مہرم سے دوستی یا باتیں کرنے کی ہو۔ فون کی ہو۔

یا چاہے لوگوں کی attention کی ہو۔

اسلئے اپنے آپ کو پہچانوں آرزو۔ ویسے رہو جیسی تم ہو۔ صرف لوگوں کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم مت کرو۔ جن لوگوں کی attention تمہیں ملنی ہوگی نا۔ وہ ضرور ملیگی۔ اور پھر وہ تمہیں ہی ملیگی۔ اصل آرزو اختر کو۔ کسی کھول میں بند ہو کر خود کو دنیا سے چھپانے والی لڑکی کو نہیں۔" وہ گہری سانس لیتی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آرزو نیچے سبز گھاس کو دیکھ رہی تھی۔

مالی پانی لے کر گلاب کے پودھے تک آیا۔ اور وہ ساکت رہ گیا۔ اس نے دیکھا اس میں سے عجیب سی بو آرہی تھی۔ مٹی زیادہ پانی نہیں سوکھ سکی تھی۔ وہ بالکل تر تھی۔ اور سڈ چکی تھی۔ پودھا مر جھایا ہوا تھا۔ مالی کی ساری محنت برباد ہو چکی تھی۔ صرف ضرورت سے زیادہ

پانی دینے سے۔ صرف غلط عادت کی وجہ سے۔ صرف زیادہ خوبصورت گلاب کی خواہش کی وجہ سے۔



باب۔۔۱۰

"فائزہ۔۔۔ فائزہ۔۔۔ لڑکی اٹھ بھی جاؤ اب۔ دیکھو نو بج رہے ہیں۔" ناظرہ بیگم نے کہتے ہوئے کھڈکی سے پردے ہٹائے تو سنہیری روشنی ٹیڈی بیر کو کس کر خود سے لگائے سوتی لڑکی کے چہرے پر پڑی۔ اس نے کسمسا کر بیر سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ ناظرہ بیگم کو تپ چھڑھی۔

"فائزہ میں کہتی ہوں تم اٹھتی ہو یا نہیں۔"

"یار امی کیا ہوا؟ ابھی تو صرف نو ہی بجے ہیں۔" وہ اب اس کے سرہانے کھڈی تھیں۔ اس کے چہرے سے بیر ہٹایا۔

"صرف نو ہی بجے ہیں؟ کچھ تو ہوش کرو بیٹا۔ کیوں مجھے تھکاتی ہو؟ بارہ بجے تک مہمان آ جائینگے۔ اٹھو اور ذرا اپنا اور اپنے کمرے کا حال درست کرو۔" اب کے وہ منہ بنا کر اٹھ بیٹھی اور نیند سے بھری آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی۔

"امی میں رات دیر سے سوئی تھی۔ نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ اور اب آپ کہہ رہی ہیں کہ اٹھ جاؤں۔ یہ تو نانصافی ہے میرے ساتھ۔" ناظرہ بیگم نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"یہ ساری انصاف کی دہائیاں اپنے پایا کے سامنے لگایا کرو۔ میرے سامنے نہیں۔ اور میں تمہیں دس منٹ دے رہی ہوں تم پانچ منٹ میں ناشتے کے لئے نیچے او۔ اور بھی کام دیکھنے ہیں مجھے۔" فائزہ مسکرائی۔

"ہاں آپ بس مجھے بیس منٹ دو۔ میں چالیس منٹ میں آتی ہوں۔" وہ جو کسی اور خیال میں سر ہلا کر جانے لگیں تھیں۔ اچانک سے رکیں اور پلٹیں تو اپنی صاحبزادی کو دوبارہ لیٹے دیکھا۔

"فائزہ۔۔۔" ان کی زوردار چیخ پر وہ گھبرا کر اٹھی اور حامی بھر کر فریش ہونے چلی گئی۔ ان کی تیز آواز سن اقبال صاحب نے چائے کا گونٹ لیتے ہوئے اوپر کی جانب دیکھا۔ ساتھ بیٹھا ان کا بیٹا ہنسا۔

"ہو گی فائزہ کی صبح۔" پلیٹ میں پراٹھا رکھتی مہوش نے شوہر کو ٹوکا۔ "اب ایسا تو نہ کہیں۔" "لیکن بات تو سچ ہے۔" اقبال صاحب نے مسکرا کر کہا تو وہ تینوں ہی ہنس دیے۔

آئینے کے سامنے کھڑی فائزہ اقبال ناجانے کس سوچ میں ڈوبی اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے آج لائٹ پنک کلر کا سوٹ پہنا تھا اور کمر تک آتے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ وہ سوٹ بہت کمی سے پہنتی تھی۔ لیکن جب بھی پہنتی تھی۔ اس میں بہت اچھی لگتی

تھی۔ اس نے ایک مکمل نظر خود پر ڈالی اور پھر گہری سانس لیتی باہر نکل ای۔ اس نے آج ہیل کی سینڈل پہنی تھی۔ لیکن اس کا دل کر رہا تھا انہیں اٹھا کر پھینک دے۔ اسے ان چیزوں کی بلکل عادت نہیں تھی۔

وہ نیچے دیکھتے ہوئے بہت دھیان سے زینے اتر رہی تھی۔ ("آرام سے اتر فائزہ۔۔ یہ نہ ہو کہ گر جائے۔ پتا چلا تیرا فرسٹ امپریشن ہی خراب ہو گیا۔") آخری سٹیپ پر جیسے ہی وہ تھوڑی سی خوش ہوئی۔ تو اس کا پیر پھسلا۔

وہ اچانک سے گرنے لگی تو اس کی دبی سی چیخ نکلتے نکلتے بچی۔ اسے گرنے نہیں دیا گیا تھا۔ کسی مضبوط ہاتھ نے اسے تھام لیا تھا۔ فائزہ نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر پہلے اس مضبوط ہاتھ کو دیکھا۔ اور پھر اس شخص کو دیکھ تو وہ ساکت ہی رہ گئی۔

وہ جو کار پارک کرنے کے بعد اب گھر میں داخل ہوا تھا۔ سامنے زینے سے آتی ٹک ٹک کی آواز پر اس نے جیسے ہی سر اٹھایا تو مخالف محترمہ گرنے کو ہوئیں۔ اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا۔ اور اس کا اٹھتا چہرہ دیکھ وہ بھی ساکت رہ گیا تھا۔

ریاض احمد کے لئے پل بھر کو سب تھم گیا تھا۔ وہ حیران تھا۔ وہ بے یقین تھا۔ فائزہ نے اس کے اسے تھامے ہوئے ہاتھ کو ہلایا تو وہ جیسے ہوش میں لوٹا اور دو قدم پیچھے ہوا۔ وہ اس کے ساتھ سے ہوتی ہوئی بائیں جانب کو جانے لگی تو اچانک سے رکی۔ اس کی آنکھیں صدمے سے پھیلیں۔ ("اس شخص کی اتنی ہمت؟")

اس نے پلٹ کر اسے گھورا تو ریاض نے اپنا بائیں ہاتھ اوپر کیا۔ اس نے اسے تھاما تھا تو فائزہ کے ایک سائیڈ میں ڈلے دوپٹے کا دھاگا ریاض کی گھڑی میں اٹک گیا تھا۔ اسے بے اختیار شرمندگی کا احساس ہوا۔

("یا اللہ! ایک تو آج یہ سارے فلمی سینس بھی میرے ہی ساتھ ہونے ہیں کیا؟") اسے شدید قسم کا غصہ آیا تھا۔ ریاض البتہ بالکل خاموش تھا۔ اس نے گھڑی سے دھاگا آزاد کیا تو وہ پلٹ کر آگے بڑھ گئی۔ اس نے ڈرائنگ روم کی جانب جاتی لڑکی کی پشت کو بہت غور اور حیرانگی سے دیکھا تھا۔

("یہ میری نظروں کا دھوکا ہے یا مجھے ہر جگہ صرف وہی دکھ رہی ہے؟ یا اللہ! کیا مقدر کے کھیل ایسے بھی ہوتے ہیں؟) اور پچھلے دو روز سے افسردہ ریاض۔ اس وقت مسکرا دیا تھا۔ اس وقت محسوس ہونے والی خوشی وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ نے اس کا رشتہ بھی اسی لڑکی سے جوڑا تھا جسے ڈھونڈھنے کی اس نے بہت کوشش کی تھی۔ جو اسے پہلی ہی نظر میں بہت پسند ای تھی۔

فائزہ باہر دروازے کے پاس ہی رک گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایسے ہی اندر چلی جائے یا بھا بھی کو باہر بلا لے؟

"نروس ہو؟" اسے اپنے پشت سے کسی کی آہستہ آواز سنائی دی۔ وہ مڈی تو ریاض کو پایا۔ اس نے آج بلو جینس پر وائٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ اور بال بھی اچھے سے سیٹ تھے۔ اپنی اچھی جسامت کی وجہ سے وہ واقعی بہت اچھا لگ رہا تھا۔

("دیکھنے میں تو یہ شخص اچھا ہی ہے۔") فائزہ نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا تو وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔

"گہری سانس لو۔" اس کے کہنے پر فائزہ نے آنکھیں بند کیں اور گہری سانس لی۔ اب اسے تھوڑا بہتر لگا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر قدم آگے بڑھا کر اس کی ایک سائیڈ سے اندر کی جانب بڑھنے لگا تو رکا۔

"دوپٹا سر پر لے لو۔ زیادہ اچھا لگیگا۔" وہ کہہ کر اندر داخل ہو گیا اور سب کو سلام کیا۔ فائزہ کو اپنے پاپا کی خوشی سے جواب دیتی آواز با آسانی سنائی دی تھی۔

("میں کیوں لوں دوپٹا سر پر؟ میری مرضی۔ میں اس شخص کی کیوں مانو؟") ماتھے پر بل ڈال کر اس نے سوچا اور اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر انہیں درست کیا۔ پھر مڈی تو داخل ہوتے ہوتے رکی۔ ("لیکن اتنی کوئی غلط بات بھی نہیں کہی ہے اس نے۔ لے ہی لیتی ہوں۔") اس نے خود سے کہہ کر ایک شانے پر ڈلے دوپٹے سے سر ڈھنک لیا۔

وہ جب مسکراہٹ چہرے پر سجائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سامنے موجود ہستیوں کو دیکھ کر اس کی مسکراہٹ پل بھر میں اڈن چھو ہوئی تھی۔ سامنے سونے پر صوفیہ کے ساتھ وفا اور شزا پورے اعتماد سے بیٹھیں تھیں۔ اور فائزہ کو اس طرح حیرت سے اپنی جانب دیکھتے پا کر انہیں اپنا قہقہا دبانا مشکل ہوا تھی۔ وہاں اس کی فیملی کے بھی سبھی لوگ موجود تھے۔

"فائزہ۔ بیٹا آگے او۔" اسے ایسے حیران کھڑا دیکھ ناظرہ بیگم نے نرمی سے پکارا تھا۔ لیکن ان کے انداز میں صاف تمبھی تھی۔ شزا اٹھی اور جا کر اس کے گلے لگی۔ اس کی دوست اس کی بھابھی بننے والی تھی۔ اس کا خوش ہونا تو بنتا تھا۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟ میرے بلانے پر تو منا کر دیا تھا۔" اس نے سرگوشی میں غصہ نکالا۔

"ہم تمہارے لئے ہی آئے ہیں یار۔ بس۔۔ تمہارے رشتے کے لئے۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اس سے الگ ہو کر اسے آگے لے کر ای تو صوفیہ نے بھی خوشی سے اسے گلے لگایا۔

وہ اب ان دونوں کے درمیان بیٹھی سب کو دیکھ رہی تھی۔ جب سب کو معلوم ہوا کہ وہ تینوں دوست ہیں تو سبھی کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

فائزہ اپنی بھابھی کے ساتھ کچن میں ای تو وہ دونوں بھی وہیں آ گئیں۔ انہوں نے اب کی بار اسے زور سے گلے لگایا تھا۔

"اچھا بھابھی آپ کو فائزہ کا رایکشن کیسا لگا تھا؟" الگ ہوتے ہوئے وفانے مہوش کو مخاطب کیا۔

"ارے میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ پتا نہیں کیا ہو گیا۔" اس نے پلیٹ میں ناشتہ رکھتے ہوئے جواب دیا۔ فائزہ بھی چائے کا پانی چڈھا رہی تھی۔ انہیں ہنستا دیکھ اس نے منہ بنایا۔

"ہاں ہاں ہنس لو تم دونوں۔ مجھے کل بتا نہیں سکتی تھیں اس بارے میں؟ مینے بالکل سہی کہا تھا کہ جس کی تم جیسی دوستیں ہوں۔ اسے بھلا دشمنوں کی کیا ضرورت؟"

"دیکھو میں تو بتانے والی تھی۔ لیکن وفانے ہی روکا تھا۔" شزرا نے اپنے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے وفا کی جانب اشارہ کیا۔

"اچھا اگر ہم کل بتا دیتے۔ تو آج وہ رایکشن کیسے دیکھنے کو ملتا؟" اس نے آگے ہاتھ باندھتے ہوئے پوچھا۔

"ویسے وفا۔۔ آج کسی نے سوٹ نہیں پہنا ہوا ہے؟" شزرا نے ماتھے پر بل ڈال کر نا سمجھی سے پوچھا۔ وفانے زوروں سے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں ہاں! اور سر پر دوپٹا بھی ہے۔" فائزہ تو ان کی معصومیت پر اش اش کر اٹھی۔ مہوش کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہوئی۔ اور اب وہ دونوں بھی ایک دوسرے کو تالی مار کر ہنس رہی تھیں۔

"ہاں بھی کر لو مجھے تنگ۔ میں بھی تم دونوں سے اب کبھی بات نہیں کرنے والی۔"

"سوچ لو ہونے والی بھابھی۔ ابھی تو ہم دوست بن کر تنگ کر رہے ہیں۔ اگر تم نے دوستی ختم کی تو پھر ہم نندیں بن کر تنگ کریں گے۔ اور تم کون سے میں زیادہ پریشان ہوگی یہ تو اب تم خود ہی سمجھ لو۔" وفا کے جواب پر تو اس کا منہ ہی کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اب کے شزا میدان میں اتری اور مہوش سے مخاطب ہوئی۔

"اچھا بھابھی۔۔ آپ کی نند کو کھانا وانا تو پکانا آتا ہے نا؟ دیکھیں ہمیں تو اپنے لئے ایسی بھابھی چاہیے جو ہر کام میں اچھی ہو۔"

"شزا۔۔ تم بھی؟" فائزہ روہانسی ہوئی تو وہ تینوں ہی ہنس دیں۔

"ارے فائزہ مذاق کر رہی ہیں یہ۔ تم دل پر مت لو۔" بھابھی نے اپنی نند کو سمجھایا۔ اتنے میں ہی ناظرہ بیگم بھی داخل ہوئیں تھیں۔ انہوں نے سیدھا آکر فائزہ کو گلے سے لگا لیا۔

"شکر ہے اس لڑکی کو اتنی توفیق تو ہوئی کہ اس نے سر پر دوپٹا لے لیا۔ مجھے تو لگا تھا کہ کہیں ایسے ہی اپنی ذلیفیں لہراتی ہوئی مہمانوں کے سامنے نہ آجائے۔" اس کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری۔ مطلب اس کی ما واقعی اسے اچھے سے جانتی تھیں۔

"امی یار اب اتنی عقل تو ہے مجھ میں کہ سب کے سامنے کیسے آتے ہیں۔" اس کے ناراضگی سے کہنے پر وہ ہنس دیں۔ پھر وہ اور بھابھی چلی گئیں تو شزا گویا ہوئی۔

"ویسے فائزہ۔۔ اب تم دوست ہو تو ہم بتا دیں کہ۔۔ ریاض بہت غصے والا ہے۔" وہ بہت سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ہاں۔۔ اور بات بات پر ناراض بھی ہو جاتا ہے۔ اور وہ کھڈوس بھی ہے۔ کسی سے اچھے سے بات تک نہیں کرتا۔" وفانے بھی لسٹ لمبی کی تھی۔ گیس بند کرتی فائزہ نے انہیں مشقوق نظروں سے دیکھا۔

"لیکن مجھے تو وہ ایسا نہیں لگا۔" اس کی نظروں کے سامنے اسے تھامتا ہوا مضبوط ہاتھ آیا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے شخص کا چہرہ بھی۔

"اچھا۔۔ تو میڈم کو وہ لگ بھی گیا۔" وفانے "اچھا" کو کھینچتے ہوئے اسے چھیڑا۔ فائزہ کو تپ چڑھی۔

"بس۔۔ پتا ہے مجھے کہ تم دونوں مذاق کر رہی ہو۔ اور پھر کچھ دیر بعد کہو گی کہ ہم تو اپنی دوست کو صرف تنگ کر رہے تھے۔ اسلئے میں تم دونوں کی باتوں میں نہیں آنے والی۔ اور اب جاؤ اور اچھے مہمانوں کی طرح وہاں جا کر بیٹھو۔"

"بہن ہم تو اب دوستی کے ساتھ ساتھ مہمانوازی سے بھی گئے۔" شزا کو صدمہ لگا تھا۔ وفا نے دوبارہ زوروں سے سر اثبات ہلایا تو فائزہ نے انہیں گھورا۔

"اچھا اچھا جا رہے ہیں۔ ہم واقعی مذاق کر رہے تھے۔ وہ ایسا بالکل نہیں ہے۔" شزا نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ وہ آج کے لئے بہت تنگ کر چکی تھیں اسے۔ وہ اب چائے کیوں میں ڈال رہی تھی۔

"ہاں۔۔ بلکہ یہ سمجھ لو وہ بالکل تمہاری ٹائپ کا ہے۔ وہ بہت بہت بہت اچھا ہے۔" وفا نے دوبارہ لسٹ لمبی کی تو وہ ہنس دی۔

وہ دونوں چلی گئیں تو فائزہ نے کپ ٹرے میں رکھے۔ (دوپٹا سر پر لے لو۔ زیادہ اچھا لگیگا۔) کسی خیال سے اس نے پہلے رک کر دوپٹا درست کیا تھا۔ اور پھر خود بھی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

واپسی میں کار میں چھای خاموشی کو شزا کی آواز نے توڑا۔

"پھوپھو کوئی آپ سے کل سے ناراض نہیں تھا؟" آگے بیٹھی صوفیہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔
"ہاں بالکل۔ بلکہ یہ بھی کہا جا رہا تھا کہ بچوں کی مرضی کے بنا شادی کروانے سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔" یہ وفا تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھی شہزاد نے بھی حامی بھری۔ ڈرائیو کرتے ریاض نے مسکراہٹ دبائی۔ وہ خاموش رہا۔

"اور پھوپھو آپ تو صرف ابھی ملنے گئیں تھیں نا لیکن کس کے ہاں کرنے پر آپ نے اسی وقت رشتہ بھی پکا کر دیا؟" وفانے معصومیت سے پوچھا تھا۔

"ارے اب جب مجھے کسی نے اشارہ کیا کہ میں آج ہی بات پگئی کر دوں تو میں کیوں رکتی؟" اس کسی نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ان تینوں نے آج اسے سارے راستہ تنگ کرنا تھا۔

"اب مینے سوچا کہ فرما بردار اولاد سے بھی تو اللہ خوش ہوتا ہے نا۔ تو کیوں نا بات مان لی جائے؟" صوفیہ نے بیٹے کے چپٹ لگائی۔

"بس ہاں بس۔۔ اچھے سے جانتی ہوں میں تمہیں۔ صرف میرے لئے ہاں نہیں کی ہے۔ بلکہ جناب کو خود بھی فائزہ پسند ای ہے۔ سچ کہوں تو مجھے تو وہ پہلے سے ہی بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ اور مسس اقبال مجھے ایک دعوت میں ملیں تھیں۔ اور مینے تبھی سوچ لیا تھا کہ یہ

میرے ریاض کے لئے پرفیکٹ میچ رہیگی۔ وہ تو بس یہی جناب میری نہیں سن رہے تھے۔ لیکن دیکھا۔۔۔ مان گئے ناما کی پسند کو اب۔۔۔

"ہاں جی مان گیا۔ لیکن اب آپ بھی مانتی ہیں نا میری پسند کو؟" ریاض نے کہتے ہوئے ان کی جانب دیکھا۔ ان تینوں کو ہی اس کا مطلب سمجھ نہیں آیا تھا۔ ریاض نے گہری سانس لی۔

"فائزہ صرف آپ کی ہی نہیں۔ میری بھی پسند ہے۔ میں نے اسے پہلے بھی ایک بار دیکھا تھا۔ لیکن تب میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھا۔ میں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن ناکام رہا۔ اور آج مجھے پتا چلا کہ وہ ہی۔۔۔" اس نے بات سمجھا کر ادھوری چھوڑ دی۔ ان تینوں کے چہرے اس وقت دیکھنے لایک تھا۔

"تم مذاق کر رہے ہو کیا؟" شزا کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ماشاء اللہ!" یہ وفا تھی۔ یہ جان کر ان کے چہرے کھل اٹھے تھے اور جوش بھی بڑھ گیا تھا۔

"یہ ہوتے ہیں مقدر کے کھیل۔ جب اللہ کی مرضی ہوتی ہے نا۔ تب ایسے معجزے بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لئے وہ اب بھی میری ہی پسند ہے۔" صوفیہ نے کہتے ہوئے فخر سے گردن اکڈائی۔ تو وہ تینوں ہی ہنس دیے۔

شام ہونے کے قریب تھی۔ اور فائزہ اقبال ڈھلتے آفتاب کو دیکھنے کے لئے اپنے کمرے کی بالکنی میں جھولے پر بیٹھی تھی۔ اس کا سوٹ اب بیڈ پر پڑا تھا اور وہ لورٹی شرٹ میں ملبوس اپنے آگے کے پلان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

اختر منزل خاموشی میں ڈوبی تھی۔ شزا اور وفا آتے ہی تھوڑی دیر سو گئیں تھیں۔ وفا کی آنکھ کھلی تو اس نے مندی مندی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کا گلا سوکھ رہا تھا۔ اور کمرے میں پانی بھی نہیں تھا۔ دوپٹا گلے میں ڈال کر وہ بالوں کو جوڑے میں لپیٹتی ہوئی باہر ای۔

اس نے ٹراؤزر اور لونگ شرٹ پہنی ہوئی تھی اور آنکھوں میں نیند واضح تھی۔ اسے پتا تھا آج دادو کو چھوڑ کر سبھی کسی دعوت میں گئے تھے۔ اور ملازم بھی اپنے کوارٹرس میں تھے تو وہ ایسے ہی کچن میں آگئی۔ اس نے پانی کا گلاس منہ سے لگایا تو اس کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ بے ساختہ اس نے ہلک تر کیا۔ اور دوپٹا سر پر لیا۔

"نیند پوری ہو گئی محترمہ کی؟" وہ آواز آہستہ تھی۔ اور وہ اسے پہچانتی تھی۔ وہ نہیں مڈی۔ "کیوں اے ہو یہاں؟"

"میری مرضی۔ میں جہاں چاہوں جاؤں۔ یہ حویلی میری ہے۔"

"لیکن میں تمہاری نہیں ہوں سہیل اختر۔ اسلئے میری موجودگی میں تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" کچھ لمحہات خاموشی چھای رہی۔

"میں جانتا ہوں تمہیں ثبوت چاہیے لیکن تم جو چاہتی ہو وہ میں نہیں ہونے دوں گا۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ میری ما کو دھمکانا بند کرو۔" وہ سیدھا مددے پر آیا تھا۔ وفا طنزیہ ہنسی۔

"ماشاء اللہ! تم تو اذان سے بھی دو قدم آگے نکلے۔ وہ صرف میری باتیں سمجھتا ہے۔ تم تو میری خاموشی سمجھ گئے۔ گڈ! ویرے گڈ! ماننا پڑیگا یہاں سبھی بہت زہین ہیں۔"

"ہاں بس تم ہی تھوڑی کم عقل رہ گئیں۔" وہ طنزیہ ہنسا تھا۔ وفا پر کوئی فرق نہیں پڑا۔

"خیر۔۔ لیکن میں کچھ غلط بھی کہاں کر رہی ہوں؟ ان کی کمزوری ہے دوسروں کو اپنے اوپر حاوی کرنے کی۔ میں تو صرف ان کی کمزوری کو اپنی طاقت بنا رہی ہوں۔"

"اچھا! اور اگر میں بھی۔۔۔ تمہاری کمزوریوں کو اپنی طاقت بنا لوں تو؟"

"میری کوئی کمزوری نہیں ہے سہیل۔ مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔ میں اکیلی ہوں۔ اور آزاد ہوں۔"

"ہم۔۔ تمہاری کمزوری موت نہیں ہے۔ لیکن وہ تو ہے نا جس کے لئے تم یہاں ای ہو؟" وفا کی آنکھیں پھیلیں۔ وہ ضبط سے سرخ ہوئی لیکن خاموش رہی۔ سہیل اس کے پیچھے کھڑا دو قدم آگے آیا۔

"تمہیں دوسروں کی آنکھیں پڑھنا آتی ہیں نا۔ چلو آج میں بتاتا ہوں کہ مجھے تمہاری آنکھوں میں کیا دکھتا ہے۔" گہری ہوتی رات کے ساتھ اس کی خاموشی بھی گہری رہی۔

"تم اچھی ہو۔ اور اچھے لوگوں کی سب سے بڑی کمزوری ان کی اچھائی ہی ہوتی ہے۔ تمہارا پلان تو مجھے نہیں معلوم لیکن تم اپنے لئے یہاں نہیں ای تھیں۔ اگر تمہیں انتقام ہی لینا ہوتا تو تم پہلے بھی آ سکتیں تھیں۔"

تم یہاں اپنوں کے لئے ای تھیں۔ تم اپنی بہن اور کچھ بے گناہ رشتوں کے لئے یہاں ای تھیں۔ لیکن ذرا سوچو۔ اگر تمہاری وجہ سے تمہارے انہی اپنوں کو تکلیف پہنچی تو؟"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ کیونکہ تم نسیم اختر نہیں ہو۔" سہیل کی مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہوئی تھی۔

وفا کے ماتھے پر بل پڑے۔ کیا وہ جا چکا تھا؟

"میں نسیم اختر نہیں ہوں۔ لیکن میں سیاہ ضرور ہوں۔ میں ایک ولن ہوں۔ اور ایک ولن سے کبھی خوش فہمی نہیں رکھنی چاہیے۔ وہ اعتبار کے قابل نہیں ہوتے۔" وفا کو اپنے ہاتھ ٹھنڈے پڑتے محسوس ہوئے۔ اس کا لہجہ جما دینے والا تھا۔

"ویسے مجھے پتا چلا ہے تمہارا ایک اور گھر بھی ہے۔" وفا ساکت ہوئی۔ "اور تمہاری ایک اور بہن بھی ہے۔ کیا نام ہے ان کا؟ ہاں۔۔ ڈاکٹر زنیہ حسن۔"

"انہیں درمیان میں مت لاؤ سہیل۔ ان کا یہاں کوئی تعلق نہیں ہے۔" پیچھے کھڑا شخص مسکرایا۔ وفا پر اثر ہوا تھا۔

"ذرا سوچو یار۔۔ اگر کسی شام۔۔ ہسپتال سے گھر لوٹتے وقت۔۔ کسی نے ان کا قتل کر۔۔" اور یہاں اس کا ضبط تمام ہوا تھا۔ وفانے جھٹکے سے ہاتھ بڑھا کر سلیپ پر رکھا چاقو اٹھایا اور پلٹ کر اس کے داہینے بازو میں بھونک دیا۔ اسے اس کی بات تک مکمل نہیں کرنے دی۔

سہیل کی سسکی بے اختیار تھی۔ یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس نے بے یقینی سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔ کیا یہ اس نے کیا تھا؟ کیا وہ ایسا کرنے کی بھی ہمت رکھتی تھی؟

"میں اس سے اور بہت زیادہ کرنے کی ہمت رکھتی ہوں سہیل اختر۔ مجھے ہلکے میں مت لینا۔" وفانے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ اپنا آپا کھو بیٹھی تھی۔ اور اس وقت بھوکی شیرینی کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں اپنے لئے معاف کر سکتی ہوں۔ لیکن اپنوں کے لئے نہیں۔ میں ان کے لئے مر بھی سکتی ہوں۔ اور مار بھی سکتی ہوں۔" وفانے جھٹکے سے چاقو اس کے بازو سے باہر نکالا تھا۔ خون تیز بہاؤ کے ساتھ نکلا اور سہیل کی سفید شرٹ کو سرخ کرنے لگا۔ اس نے اسی ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھمایا اور سرخ چاقو کی نوک وفا کے گلے پر رکھی۔

"تمہارے وار سے مجھے فرق پڑا ہو یا نہیں۔ لیکن میرا اس وقت کا ایک وار تمہاری سانسیں ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔" اس کے گلے میں گٹی ڈوب کر ابھری تو اسے چاقو کی نوک محسوس ہوئی۔ اس نے ہلنے کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ نقصان اسی کا ہوتا۔

"یہ کھیل تمہارے لئے نہیں بنے ہیں لڑکی۔ اسلئے بہتر ہو گا کہ جہاں سے ای ہو وہیں لوٹ جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا وہ ہشتر کرونگا کہ تمہاری روح بھی سہیل اختر سے پناہ مانگیگی۔ اور اسے سمجھانا مت سمجھنا۔ یہ میری کھلی دھمکی ہے۔" اس نے ایک جھٹکے سے چاقو سلیپ پر پھینکا اور اسے چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

وفانے آہستہ سے آنکھیں کھولیں تو اسے اپنا وجود کانپتا ہوا محسوس ہوا۔ وقت کے ساتھ باہر رات گہری ہو رہی تھی۔ اور وہ گہری سانس لیتی خود کو نور مل کر رہی تھی۔

"سہیل۔۔" وہ زینوں کی جانب بڑھ رہا تھا جب اسے دادو کی پریشان پکار سنائی دی۔ اس نے ضبط سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ وہ اس وقت یہ بالکل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن مسکراہٹ کے ساتھ ان کی جانب مڑا۔ "جی دادو؟"

"یہ تمہارے زخم کیسا ہے بیٹا؟ یہ تو بہت خون بہ رہا ہے۔ رکو تم ادھر بیٹھو۔" وہ پریشان ہوئیں تھیں۔ فکر مندی سے اپنے پوتے کو پکڑ کر صوفے پر اپنے ساتھ بیٹھایا۔ کچن سے باہر آتی وفا بھی ٹھٹھکی۔ یہ تو غلط ہو گیا۔

"دادو بہت ہلکا زخم ہے آپ اتنا پریشان مت ہوں۔" سہیل نے کہتے ہوئے اٹھنا چاہا تو انہوں نے روک لیا۔

"ہلکا سا؟ یہ ایک ما کے لئے بہت گہرا زخم ہے بیٹا۔" ان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ اب کے وہ دونوں بھی پریشان ہوئے۔ سب جانتے تھے فرزانہ اختر اپنے بچوں کے معاملے میں بہت جذباتی تھیں۔

"رکو میں دوا لاتی ہوں۔" وہ گھبراتی ہوئی اٹھنے لگیں تو سہیل انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ پچھلے سولہ سال سے وہ ایسی ہی ہو گئی تھیں۔

"دادو رکیں۔۔۔ میں لاتی ہوں۔" وفانے جلدی سے انہیں روکا اور کچن کا ہی فرسٹ ایڈ کٹ لے لی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر صرف سر ہلا دیا۔

"سہیل یہ ہوا کیسے؟ وفا۔۔۔ بیٹا جلدی لاؤ نا۔ اور تم دکھاؤ ادھر۔" وہ فکر کے ساتھ ساتھ سہیل کو ڈانٹ بھی رہی تھیں۔ اس نے انہیں روکنا چاہا تو انہوں نے اسے گھوری سے نوازا اور اس کی شرٹ ہٹوا کر بازو دیکھنے لگیں۔ زخم گہرا تھا۔ اور اس سے نیچلتے خون سے وہ پریشان

تھیں۔ وفا دوا لائی تو وہ ڈبا کھولنے لگیں۔ ان کے بوڑھے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ وفا نے خاموشی سے آگے بڑھ کر کاٹن ان کے ہاتھ سے لے لی اور سہیل کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ بھوری اور سرمئی نظروں کا خاموش تبادلہ ہوا۔

"میں کر لوں گا۔" اس نے سنجیدگی سے اس کے ہاتھ سے دوا لینی چاہی تو دادو نے ٹوکا۔

"کیوں؟ اس معصوم بچی سے کیا مثلاً ہے؟ ایک تو وہ بیچاری دوا لگا رہی ہے۔ جناب کے پھر بھی نخریں ہیں۔" سہیل نے انہیں اچھے سے دیکھا۔ معصوم بچی؟ بیچاری؟ اور وفا؟ وہ انہیں نہیں بتا سکا کہ یہ زخم بھی ان کی اسی دوا لگانے والی معصوم بچی کا کارنامہ ہے۔

وفا نے اس کے دیکھنے پر اپنی مسکراہٹ دبائی اور اس کے سفید قصرتی بازو پر بہتا خون آہستہ سے صاف کرنے لگی۔ وہ ساتھ بیٹھی لڑکی کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ لیکن وہاں پرواہ کسے تھی؟

"زخم دینے والے دوا لگاتے اچھے نہیں لگتے۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں سختی سے کہا تھا۔ جسے صرف وفا ہی سن سکی تھی۔

"لیکن کچھ زخم انہیں دینے والوں کی نرمی سے ہی بھرتے ہیں۔ ان پر کوئی اور دوا اثر نہیں کرتی۔" وہ بھی وفا تھی۔ بھلا پیچھے کیسے رہ جاتی؟

"میں ہلدی والا دودھ لاتی ہوں۔ اس سے جلد آرام ملیگا۔" دادو فکر سے کہتی ہوئی کچن میں چلی گئیں۔ وفانے پٹی اٹھائی تو سہیل نے روکا۔

"رہنے دو۔ دادو جا چکی ہیں زیادہ ڈرامے مت کرو۔" اس کے ماتھے پر بل پڑے۔ "اس نے پکار لگائی۔" دادو۔۔۔ "سہیل نے اسے حیرت سے دیکھا جو اسے ہی مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔۔" جواب بھی فوراً آیا تھا۔

"دادو دودھ تیز گرم کریگا۔ اس سے انہیں نیند اچھی ایگی۔"

"ٹھیک ہے!" انہوں نے وہیں سے جواب دیا تھا۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ سہیل کو وہ اس انداز میں واقعی معصوم لگی تھی۔

"تم کبھی کبھی مجھے میرا فیمل ورژن لگتی ہو۔ کوئی جواب دیے بنا رہ نہیں سکتیں کیا؟" سہیل نے دانت پیسے۔ لیکن وہ یہ کہہ کر خود بھی ٹھٹھکا تھا۔

"نہیں۔۔ تمہارا فیمل ورژن جو ٹھیری۔" وفانے مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ اس نے کوئی خاص اثر نہیں لیا تھا اس کی بات کا۔

وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ وفا کی اس وقت کی معصیت قابلے دید تھی۔ وہ اسے کچھ دیر والی لڑکی بلکل نہیں لگی تھی جو بھوکے شیرنی بنی اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی تھی۔

وہ پہلی بار اسے اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا۔ گرتی اٹھتی بھوری آنکھوں کی پلکیں۔ سیاہ دوپٹے سے ڈھنکا سر۔ اس میں سے نکل کر سرخ گالوں کو چھوتی ہوئی ایک لٹ اور ایک نگ کی چمکتی ہوئی اس کی سفید نوں پن۔

اس نے چہرہ موڈ لیا۔ وفا بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور سامنے دیکھا تو فرزانہ بیگم بھی آچکی تھیں۔ انہوں نے سہیل کو گلاس تھمایا اور ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

"دادو ویسے آپ زیادہ ہی پریشان ہو گئیں تھیں۔" وفانے گہری سانس لے کر ہاتھ آگے باندھے۔ سہیل نے خاموشی سے گلاس منہ سے لگا لیا۔ وہ جلد سے جلد کمرے میں جانا چاہتا تھا۔

"ما تو ہمیشہ اپنے ہر بچے کی فکر کرتی ہے وفا۔ اور جس مانے اپنی تین اولدیں کھوئی ہوں۔۔۔ اس کی فکر تم لوگ نہیں سمجھ سکتے۔" سہیل کو لگا گرم دودھ نے اس کا حلق جلا دیا ہو۔ وہ ضبط کر کے رہ گیا۔ وفا کے بھی چہرے پر سایا سا لہرایا تھا۔ اس نے انہیں غور سے دیکھا۔ جھریوں زدہ چہرہ۔ محبت بھری آنکھیں۔ جو ناجانے اپنے اندر کتنا درد چھپائے ہوئی تھیں۔

"سہیل یہ لگی کیسے؟ دیکھنے سے تو چاقو کا زخم لگ رہا تھا۔" اس کے گلاس رکھنے پر انہوں نے پھر پوچھا۔ اس نے ایک تیز نظر وفا پر ڈالی جو انہیں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"دادو پتا نہیں۔ مجھے احساس نہیں ہوا تھا۔" اس کے جواب پر ان دونوں نے ہی اسے حیرت سے دیکھا۔ وفا کا دل کیا اس کے ایک اور چاقو مار دے۔ بندے کو کم از کم کور سٹوری تو بنانا آنی ہی چاہیے۔

"کیا؟ تم اچھے خاصے ہٹے کھٹے مرد۔ تمہیں یہ نہیں پتا کہ تمہارے لگی کیسے؟"

"دادو یہ آپ سے جھوٹ بول رہے ہیں۔" وہ فوراً بولی تھی۔ وہ دونوں ہی اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"انہوں نے ابھی مجھے اصل بات بتائی تھی۔ لیکن آپ پریشان نہ ہوں اسلئے چھپا رہے ہیں۔" سہیل آہستہ سے مسکرایا۔ وہ بھی اس کی کور سٹوری سننا چاہتا تھا۔ وہ وہیں ان دونوں کے ساتھ رکھے دوسرے سونے پر بیٹھ گئی۔ اس کے انداز میں اعتماد تھا۔

"جب یہ آرہے تھے تو راستے میں دو آدمی ایک بڑی عمر کے شخص کو لوٹ رہے تھے۔ سہیل نے اس شخص کی مدد کی تو ان لٹیروں سے لڑائی میں ان کے چاقو لگ گیا۔"

"یا میرے اللہ!" دادو نے گھبرا کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہ حیران تھیں۔

"سہیل۔۔ کیا ضرورت تھی ان سے لڈنے کی؟ ابھی زیادہ لگ جاتی تو؟" فرزانہ بیگم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"جی جی دادو۔ وہ۔۔ وہ مینے یہی کیا تھا۔" وہ اپنی حیرانی کو چھپاتے ہوئے جلدی سے بولا۔ ذہن اس کی کہانی پر اٹک گیا تھا۔ وہ اس کی سوچ سے بھی آگے تھی۔

"اور میں تو صرف مدد ہی کر رہا تھا۔ آپ ہی تو کہتی ہیں کہ مشکل میں لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔" وفا آہستہ سے مسکرائی۔ ("چلو کچھ تو عقل ہے اس ولن میں بھی۔ ایک سیکنڈ۔۔ لیکن سب سے زیادہ عقل تو ولن میں ہی ہوتی ہے نا؟")

اس نے سر جھٹک کر ادھر ادھر دھیان دیا تو اب فرزانہ سہیل کا ماتھا چوم رہی تھیں۔ پھر وہ اٹھیں اور ان دونوں کو ہی اپنے خیال رکھنے کی ہدایات دیتی ہوئی چلی گئیں۔

"کیا بات ہے محترمہ! تم نے تو چٹکی میں مجھے ڈائریکٹ ہیرو بنا دیا۔ رحم دل۔۔ مددگار۔۔ فائٹر۔۔ کاش۔۔ کاش میں اصل کہانی میں بھی ایسا ہوتا۔" اس نے طنز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ وفانے منہ بنایا۔

"لیکن اصل کہانی میں تم ولن ہو۔۔ پتا ہے مجھے۔ مجھے تو لگتا ہے تم مخالف سے زیادہ خود کو اس بات کا یقین دلاتے ہو۔" وہ کہتی ہوئی وہاں سے اٹھی اور ذینوں کی جانب چلی گئی۔ لیکن اس نے مٹیاں سختی سے بند کر لیں۔ اس کے اندر کچھ چبھا تھا۔ کیا؟ وہ سمجھ نہ سکا۔

آج اختر منزل پر صبح کچھ مختلف طلوع ہوئی تھی۔ کیا؟ یہ تو آج کا دن ہی بتا سکتا تھا۔
آج اختر صاحب کے کمرے میں حاضری لگی تھی۔ جن میں سبھی موجود تھے سوائے ہماری
وفابی بی کے۔

"شزا۔۔۔ کچھ خبر ہے کہ ہمیں کیوں بلایا ہے؟" سمی نے شزا سے راز کے انداز میں پوچھا
تو اس نے نفی میں سر ہلادیا۔ جب کے اس کی آہستہ آواز ان باقیوں نے بھی سنی تھی۔
اس کے سامنے سنگل صوفے پر آرزو بیٹھی تھی۔ اور ساتھ رکھے بڑے صوفے پر سہیل اور
اذان موجود تھے۔ وہ سبھی آج آرام دہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ شزا بیڈ پر بیٹھی تھی۔
"اتنی کیوں فکر کر رہے ہو؟ ابھی دادا دادو آینگے تو پتا چل ہی جاگا نا۔" یہ آرزو تھی۔ سمی نے
نفی میں سر ہلایا۔

"پھر بھی۔ جب بھی کوئی بڑا ضروری بات کرنے کا کہتا ہے نا۔ تو اپنے اگلے پچھلے سبھی کانڈ یاد
آ جاتے ہیں۔"

"تو ایسے کانڈ کرنے کی ضرورت کیا ہے جن کے لئے ڈرنا پڑے؟" وہ پھر آرزو کو جواب
دینے کو ہوا تو شزا نے روکا۔

"ارے بس۔۔ اب یہیں مت لڈنے لگ جانا تم دونوں۔"

"مجھے کیا پڑی ہے یار؟ یہ دادا کی گڑیا ہی ہر وقت مجھ سے لڑنے کو تیار رہتی ہے۔"

"سہی۔۔" سہیل نے ٹوکا تو وہ خاموش ہو گیا۔

"ماشاء اللہ! آج اتنے دنوں بعد تم سب کو اس طرح ایک ساتھ بیٹھا دیکھ بہت ہی اچھا لگ رہا ہے۔" کمرے میں داخل ہوتے ہوئے فرزانہ بیگم نے کہا تو سبھی مسکرا دیے۔ اختر صاحب بھی ان کے ساتھ ہی آئے تھے۔

"ارے ہماری وفا کہاں ہے؟" انہوں نے اپنے بڈے سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو شہزاد نے جواب دیا۔

"وہ یونیورسٹی گئی ہے دادا۔ اس کا ایک ٹیسٹ تھا آج۔" وہ سمجھ کر سر ہلا گئے۔

"ہم دونوں کو ایک ضروری بات کرنی تھی۔" دادو نے بات کا آغاز کیا تو وہ سبھی ان کی جانب متوجہ ہوئے۔

"جی دادو کہیں۔" اذان نے آگے ہوتے ہوئے سامنے شہزاد کے ساتھ بیٹھیں فرزانہ بیگم سے کہا تو وہ مسکرائیں۔

"یہ بہت غلط بات ہے اختر صاحب۔ ریاض کا رشتہ ہو گیا ہے اور اس سے بڑے دو ابھی ایسے ہی بیٹھے ہیں۔" وہ فرضی ناراضگی دکھاتے ہوئے اپنے شوہر سے بولیں تھیں۔ سہمی اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے ٹیک لگا کر بیٹھا۔ یعنی یہاں معاملہ اس کا نہیں تھا۔ وہ اب آرام دہ ہوا تھا۔ لیکن ان دونوں کا آرام غائب۔

"ہاں بھی کیوں بیٹھے ہو تم دونوں ایسے؟" ان دونوں نے ہی پہلے ایک خاموش نظر ایک دوسرے کو دیکھا پھر اپنے دادا کو۔ جو سختی سے پوچھ رہے تھے۔

"بولو بولو جواب دو۔ کیوں بیٹھے ہو ایسے؟" یہ سہمی تھا۔ جو ان کے سامنے بیٹھا اپنے پورے داتوں کی نمائش کر رہا تھا۔ ان دونوں نے ہی اسے آنکھیں دکھائیں۔

"دادا دیکھئے یہ دونوں اب بھی مجھے آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ بھلا میں نے کچھ غلط کہا ہے کیا؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں ایک ہی بار میں میرے ان دونوں بڑے بھائیوں کی شادی کرا دیں۔" اب کے اس نے اختر صاحب سے گہار لگائی تھی۔ وہ ہنس دیے۔

"ہاں بھی سہمی کہہ رہا ہے میرا پوتا۔ جب تم دونوں کی شادی ہوگی۔ تبھی تو اس کا بھی نمبر ایگا۔"

"جی دادا۔ آج کچھ زیادہ ہی کہہ رہا ہے آپ کا یہ پوتا۔" سہیل نے بظاہر آرام سے کہا تھا۔ لیکن اس کی تمبھی سبھی نے محسوس کی تھی۔

"سہیل۔۔ اذان۔۔ ہم لوگ سیریس ہیں۔ اور ہم نے صرف بات کرنے کے لئے نہیں بلکہ فیصلہ سنانے کے لئے بھی بلایا ہے۔"

"کیسا فیصلہ دادو؟" آرزو نے فرزانہ بیگم سے پوچھا۔

"ہم اگلے جمع کو اذان کا نکاح رکھوا رہے ہیں۔ ارادہ تو ہمارا سہیل کا بھی ہے۔" انہوں نے دھماکا کیا تھا۔ جس کی گونج ان دونوں کے ہی کان پھاڑ گئی تھی۔

"کیا؟" وہ دونوں ہی ایک ساتھ سیدھے ہو کر بیٹھے۔

"لیکن میں ابھی تیار نہیں ہوں دادو۔ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔" اذان نے اپنی صفائی پیش کی۔

"اور میرا بھی ابھی دور دور تک اس معاملے میں کوئی ارادہ نہیں ہے۔" سہیل بھی آگے آیا۔ سہی سے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہوئی تھی۔ ان دونوں کے ہی چہرے اس وقت دیکھنے لائق تھے۔

اختر صاحب کے ماتھے پر بل پڑے۔ اب کے وہ بھی ذرا آگے ہو کر بیٹھے اور سنجیدگی سے اپنے خاندان کے وارثوں کو دیکھا۔

"تو پھر کب ہوگا ارادہ تم دونوں کا؟ ہر چیز کی ایک عمر ہوتی ہے لڑکو۔ اور تم دونوں کی یہ بالکل درست عمر ہے شادی کے لئے۔ کیا زندگی بھر ایسے ہی بیٹھے رہنا ہے؟" ان کی آواز

پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ وہ دونوں ہی خاموش رہ گئے۔ اختر صاحب آج واقعی بہت سیریس تھے۔

"ہم دونوں اس خاندان کے بڑے ہیں۔ اور ہم اپنا فیصلہ سنا چکے ہیں۔ اس لئے بہتر ہو گا تم دونوں اپنی پسند بتاؤ۔ بلکہ صرف سہیل۔۔ اذان کی تو پہلے سے بات پگئی ہی ہے۔" اور اسی بات سے اذان کترا رہا تھا۔

"کیا؟ لیکن اذان بھائی کی کس سے بات پکی ہے؟" آرزو کو حیرت ہوئی تھی۔ بھلا اتنی بڑی بات اسے کیسے نہیں پتا؟ وہ کون سی دنیا میں تھی آخر؟

"میری ایک عرصے سے خواہش ہے کہ اذان اور وفا کی شادی ہو۔" دادو نے مسکراتے ہوئے اپنے دل کی بات بتائی۔

"کیا؟" آرزو کو حیرانی ہوئی۔ اس نے اذان کو دیکھا جو نیچے دیکھ رہا تھا۔

"وفا؟" شزا کے ہوتوں سے ایک خاموش نام نکلا تھا۔ اسے لگا مانو اس کے اندر موجود کوئی کانچ ٹوٹ گیا ہو۔ اذان نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تو وہ ساکت رہ گیا۔ وہاں اسے سوائے خاموشی کے کچھ نہیں دکھا تھا۔ لیکن بعض اوقات خاموشی میں بھی بہت کچھ دفن ہوتا ہے۔ جو شاید اسے محسوس بھی ہوا تھا۔

"میں وفا سے شادی نہیں کر سکتا۔" ایک اور دھماکا ہوا تھا۔ شزا نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تو اذان اختر صاحب سے کہہ رہا تھا۔ وہاں سبھی بے یقین تھے۔ البتہ سہیل نے اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔ وہ جانتا تھا اب یہی ہوگا۔

"کیوں؟" دادا کی آواز سخت ہوئی تھی۔ اور اسی کیوں کا اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ اس نے تو اب تک نہ شزا نہ ہی وفا کو اس بارے میں کچھ بتایا تھا۔ وہ سیدھا سب کے سامنے شزا کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔

"کیونکہ میں نے کبھی اسے اس نظر سے نہیں دیکھا دادا۔ اور میں ابھی شادی کے لئے بھی تیار نہیں ہوں۔" اسے اندازہ تھا کہ اس کی وضاحت رد کر دی جائیگی۔ اور وہی ہوا تھا۔

"یہ دونوں ہی کوئی خاص وجہ نہیں ہیں۔ اور تمہاری دادی فتح سے اس کی زندگی میں وعدہ لے چکی ہیں۔ اور تم سبھی جانتے ہو مجھے وعدہ خلافی بالکل منظور نہیں۔" وہ سبھی انہیں دیکھ کر رہ گئے۔ ان کا لہجہ اٹل تھا۔ کسی مضبوط چٹان کی طرح۔

"اور سہیل تم۔ کیا تمہیں کوئی پسند ہے؟" وہ سنجیدگی سے اب سہیل سے پوچھ رہے تھے۔ اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا۔ کہیں اندر کچھ ٹوٹ کر جڑا تھا۔ اختر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم لوگ جا سکتے ہو۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔ اگلے جمعہ اذان اور وفا کا نکاح ہو گا۔ اور فرزانہ بیگم۔۔۔ آپ سہیل کے لئے بھی کوئی لڑکی دیکھنا شروع کریں۔ اور شزرا بیٹا۔۔۔ وفا جیسے ہی اے اسے بھی ہمارے پاس بھیجیو۔ ہمیں اسے بھی اپنا فیصلہ سنانا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔ اذان بھی اٹھا اور بنا کسی کی جانب دیکھے باہر نکل گیا۔

اس کے بال حوا سے اڑ کر ماتھے پر آرہے تھے۔ لیکن وہاں پرواہ کسے تھی؟ وہ باہر لون میں کھڑا ایک ٹک سامنے میدان کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا جب اسے کسی کا اپنے پاس آنا محسوس ہوا۔

"تم شزرا کو پسند کر بیٹھے ہو؟" سہیل بھی اسی سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں اس سے محبت کر بیٹھا ہوں۔" جواب بنا کسی ہچکچاہٹ یا حیرانی کے آیا تھا۔ سہیل آہستہ سے مسکرایا۔

"بہت خوب۔ مطلب معمہ پسند سے کہیں آگے جا پہنچا ہے۔ تو؟ کیا شزرا بھی پسند کرتی ہے؟"

"شاید ہاں۔۔۔ ہماری کبھی اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ لیکن کچھ احساس تو محسوس کیے جاتے ہیں نا؟"

"ہاں شاید۔ لیکن اب کیا کرو گے؟ ایک کی خوشی۔۔ دوسری کی تکلیف بھی بن سکتی ہے۔ تم تو برے پھنسے یار۔" اس کے ساتھ اذان بھی ہلکا کا ہنسا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ لیکن کوئی نا کوئی حل نکال ہی لوں گا۔ کیونکہ کوئی الجھن ایسی نہیں ہوتی۔ جو سلجھ نہ سکے۔"

"اور یہ بھی تم سے وفا نے ہی کہا ہو گا۔" سہیل نے ہاتھ جیبوں سے نکال کر آگے باندھے۔ اس بار اذان تھوڑا حیران ہوا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا؟" اس نے چہرہ موڈ کر ساتھ کھڑے شخص کو دیکھا۔

"اس حویلی میں اس طرح کی باتیں صرف وہی کرتی ہے۔ صرف وہی کر سکتی ہے۔" اذان نے سر ہلا کر چہرہ موڈ لیا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ وہاں بہت سکون پہنچانے والی خاموشی تھی۔ لیکن ان دونوں کے درمیان یہ کہاں اچھی لگتی تھی؟

"ایک کام کرو۔۔ سچ بول دو۔ وفا سے بھی اور شزا سے بھی۔" سہیل نے گہری سانس لے کر مشورہ دیا۔ اس کا دماغ اس وقت مشین کی تیزی سے چل رہا تھا۔ نہ وہ وفا کو اس حویلی میں ہمیشہ کے لئے برداشت کر سکتا تھا۔ نہ ہی عالیہ۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ لیکن ڈیڈ کے وعدے کا کیا؟ کیا تمہیں یہ سب اتنا آسان لگتا ہے؟" اذان نے اس کی جانب مڑتے ہوئے پوچھا۔ ان دونوں کا قد لگجھگ برابر ہی تھا۔

"ہاں شاید! کیونکہ وفا وقت پڑنے پر اپنے لئے لڑنے اور مرنے۔ دونوں کا حوصلہ رکھتی ہے۔ (ایک منظر اس کے سامنے لہرایا۔ پلٹتا ہوا وجود اور پوری قوت سے اس کے بازو میں گھستا ہوا چاقو۔) ہو سکتا ہے وہ اپنے بابا کی خواہش کے لئے ہاں ہی کرے۔ بلکہ سچ کہوں تو مجھے نہیں لگتا دادو مانیگی۔" سہیل نے اس قدر سنجیدگی اور ارام سے کہا کہ اس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"دادو والی بات پتا ہے مجھے بھی۔ اسی لئے وہاں خاموش رہا تھا۔" وہ بھی اس کی جانب گھوما۔
"تو اب کیا کرنا ہے پھر؟ اوہ سوری۔۔ تو اب کیا کرو گے پھر؟ کیونکہ یہ سب تمہیں خود ہی حل کرنا ہے۔"

"جانتا ہوں۔ اور بہتر ہو گا تم بھی یاد رکھو کہ میں اپنے معاملے خود حل کر سکتا ہوں۔" سہیل نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا تو اذان پلٹ کر جانے لگا۔ پھر اچانک سے رکا تو آگے کھڑے شخص کو ایک سوال سنائی دیا۔

"تمہیں حیرانی نہیں ہوئی اس بات سے کہ میں تمہارے میری شزا کے لئے پسند جاننے کے باوجود حیران نہیں ہوا؟" سہیل ہنسا۔ اس کی ہلکی ہنسی اذان کو اپنی پشت پر بھی سنائی دی تھی۔

"تم اس سوال کا جواب جانتے ہو۔ آخر تم بھی تو میرے تمہاری پسند جاننے پر حیران نہیں ہوئے۔" اذان بھی آہستہ سے ہنس دیا۔ اور آگے بڑھ گیا۔ ان دونوں کو ہی ساتھ ہنسے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ لیکن ان کے درمیان ایک دوسرے کو سمجھنا شاید آج بھی قائم تھا۔

اذان وہاں سے سیدھا شزا کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ زیادہ دیر نہیں ہونے دے سکتا تھا۔ اس نے دروازہ بجایا تو اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے دوبارہ دستک دی تو شزا نے دروازہ کھولا اور اسے دیکھ کر مسکرائی۔

وہ بالکل نورمل تھی۔ لیکن اسے پھر بھی نہیں لگی تھی۔ وہ اس سے اپنے آنسو چھپا سکتی تھی۔ لیکن آنکھیں نہیں۔ اور آنکھیں تو ہمیشہ سچ ہی بولا کرتی ہیں۔

"اذان آپ؟" شزا کو امید نہیں تھی کہ وہ اس وقت وہاں آگیا۔ اس نے اثبات میں ہر ہلایا تو شزا سامنے سے ہٹی اور صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی آ بیٹھا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"کیا ہوا اذان؟" شزا نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اسے کچھ پریشان لگا تھا۔

"ہم؟" اذان کو محسوس ہوا کہ یہی تو وہ چیز تھی جو اسے شزا کی جانب کھینچتی تھی۔ اس کی معصومیت اور نرمی۔ اس کا آہستہ سے اس کا نام پکارنا۔ وہ اس کے بنا اپنی زندگی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو شزا؟" اذان نے سیدھا دھماکا کیا تھا۔

"جی؟" شزا نے اسے نا سمجھی سے دیکھا۔ اسے لگا اس سے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔

"کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو شزادی؟" اس نے اسی نرمی سے اپنا سوال دوہرایا تھا۔

"اذان؟ آپ کو پتا بھی ہے آپ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں؟"

"مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ لیکن میں بس ایک بار یہ تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔" شزا اسے دیکھ کر رہ گئی۔ یہ وہ کس پٹری پر چل پڑا تھا؟

"آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہوگی؟" اب کے وہ بھی سنجیدہ تھی۔ اور پورے اعتماد سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ رہی تھی۔

"محبت اظہار کی محتاج نہیں ہوتی شزادی۔ یہ محسوس کی جاتی ہے۔ یہ محسوس ہو جاتی ہے۔ اور مجھے بھی یہ محسوس ہو چکی ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میرے دل میں تمہارے لئے جذبات ہیں۔ اور یہ جذبات میرے لئے بہت خاص ہیں۔" اذان کو یقین تھا وہ غلط نہیں ہے۔ وہ اس معاملے میں تو غلط ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"لیکن مجھے آپ سے محبت نہیں ہے اذان۔ آپ یقین کریں۔ مجھے آپ سے کبھی محبت نہیں ہوئی۔" اور یہ وہ الفاظ تھے جو وہ شاید کبھی بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ اندر کچھ بہت زور سے ٹوٹا تھا۔ اذان اختر کے لئے وہاں اس وقت سب ساکت ہو چکا تھا۔ اس کی نظریں ان بھوری آنکھوں میں اٹک گئیں۔

شرزا وہاں سے اٹھ کر جانے لگی تو اذان نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے روکا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ جم گئی۔ کیا یہ سچ میں اذان نے کیا تھا؟ شرزا نے بے یقینی سے چہرہ موڈ کر اسے دیکھا جو اب خود بھی اس کے مقابل کھڑا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" آواز میں اب کے کوئی نرمی نہیں تھی۔ وہ بالکل سنجیدہ تھا۔

"اذان؟ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ میں کیوں جھوٹ بولنگی؟" اس نے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ لیکن وہاں کس پر اثر ہونا تھا؟

"تم جھوٹ بول رہی ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ تمہیں ہے۔ میں نے دیکھی ہے

تمہاری آنکھوں میں اپنے لئے محبت۔" شرزا کے حلق میں بہت سے آنسوؤں کا گولا آ

اٹکا۔ اسے وہ اس پل وہ اذان بالکل نہیں لگا تھا جسے وہ جانتی تھی۔ وہ پل بھر میں اذان سے

اذان اختر بن چکا تھا۔ وہ وہ بن گیا تھا جو دوسروں کو جانتا ہے۔

"آپ اس وقت ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ شاید غصے میں ہیں یا زیادہ جذباتی ہو رہے ہیں۔ مجھے نہیں پتا آپ کو میری کس بات سے ایسا لگا کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ لیکن یہ سچ نہیں ہے۔ میرے دل میں آپ کی عزت ہے۔ احترام ہے۔ نرمی ہے۔ لیکن محبت کہیں نہیں ہے۔"

"اور جہاں یہ سب ہو۔ وہاں محبت بھی ضرور ہوتی ہے شہزادی۔" وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ کسی صورت اپنی بات سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ اذان نے گہری سانس لے کر اس کی کلائی چھوڑ دی اور دو قدم پیچھے ہوا۔

"میں اس وقت نہ غصے میں ہوں اور نہ جذباتی ہو رہا ہوں۔ بلکہ تم اس دنیا کی وہ آخری لڑکی بھی نہیں ہوگی جس پر میں غصہ کرنا چاہوں گا۔ تم نے صرف میری نرمی دیکھی ہے شہزادی۔ یقین کرو تم میرا غصہ نہیں دیکھ پاؤ گی۔" وہ آہستہ سے پیچھے جا رہا تھا۔ اور وہ ضبط کیے اسے نم اور سرخ آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہیں وقت دیتا ہوں شہزادی۔ جاؤ پوچھ لو اپنے دل سے۔ یقیناً تم جواب ہاں ہی پاؤ گی۔" اذان اپنی بات مکمل کر کے پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ لیکن جاتے جاتے اس نے پوری قوت سے دروازہ بند کیا تھا۔ جس کی آواز پر وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔ اب وہ ایسے ہی تو اذان اختر نہیں تھا۔ ایک دنیا اسے جانتی تھی۔ اور ایک دنیا اسے مانتی بھی تھی۔ لیکن کہتے ہیں نا۔ ایک مرد صرف اپنی پسندیدہ عورت کے سامنے ہی نرم پڑتا ہے۔

وفا اب مغرب بعد فارغ ہو کر کمرے سے باہر نکلی تھی۔ وہ واپس لوٹی تو شزا کو سوتا دیکھ اپنے یونی کے باقی کام کرنے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد شزا اٹھی تو اسے دادا دادو کے اسے بلانے کی بابت بتا کر باہر چلی گئی۔ وفانے بھی صرف حامی بھر کر اپنے کام جاری رکھے۔ اس سارے وقت میں شزا سے بھی اس کی بات نہیں ہو سکی تھی۔

"وفا۔" وہ دادا دادو کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب اسے اپنی پشت سے پکار سنائی دی۔ وہ مڈی تو اذان قدم اٹھاتا ہوا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" وہ سنجیدگی مگر نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"بڑے بابا اور دادو نے بلایا ہے۔" اس نے جلدی میں بتایا۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" وفانے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں میں بس ان سے مل آؤں پھر آرام سے سنتی ہوں تمہاری بات۔" وہ جلدی سے کہتے ہوئے چلی گئی۔ اس نے آواز بھی دی لیکن وہ سن نہیں سکی۔ اذان نے ضبط سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ وہ ان سے پہلے اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن شاید مقدر میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔

شزا کچن میں تھی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ ساتھ اس کا دماغ بھی۔ اس نے سارے ملازموں کو باہر کر دیا تھا اور خود کھانا بنانے میں لگی تھی۔ اذان کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہیں تھیں۔ وہ اس کے لئے اہم تھا۔ لیکن وہ اس طرح سے بھی ان کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔ یہ اس نے ہرگز نہیں سوچا تھا۔

"ارے شہزادی۔ کیا ہوا بیٹا یہ سب تم کیوں کر رہی ہو؟" عالیہ اس کے پاس آتی ہوئی حیرانی سے بولی تھی۔ ورنہ اس کا بس چلتا تو اس لڑکی کو کچن میں قدم بھی نہ رکھنے دیتی۔

"چاچی میرا نام شزا ہے۔ پلیز مجھے شہزادی نہ کہا کریں۔ یا چاہیں تو مجھے آئمہ بھی کہہ سکتی ہیں۔" اس نے کام کرتے ہوئے بنا اس کی جانب دیکھے نرمی سے کہا تھا۔ عالیہ کی بوہیں اٹھیں۔ ("ارے مطلب چوٹ گہری لگی ہے بچی کے۔")

"شزا۔ بیٹا میں یہ نہیں پوچھو گی کہ تم یہ کیوں کہہ رہی ہو کیونکہ میں سمجھتی ہوں۔ جو کچھ تمہارے ساتھ وفانے کیا ہے وہ۔۔۔" عالیہ بہت محبت اور احساس کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔ شزا کا پیاز کاٹا ہاتھ رکا۔ اس نے حیرت سے ساتھ کھڑی عورت کو دیکھا۔

"وفانے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"سب کچھ اسی نے تو کیا ہے۔ اب دیکھو ویسے تو وہ تمہارا اتنا خیال رکھتی ہے۔ کیا اسے نہیں پتا ہوگا کہ تم اور اذان ایک دوسرے کو کتنا پسند کرتے ہو؟ تب بھی اذان سے دور نہیں رہتی۔ پھر تو می ان دونوں کی شادی کا فیصلہ کرینگے ہی۔۔۔" شزا کو لگا کسی نے اس کے قدموں سے زمین کھینچ کر اس کے سر پر الٹ دی ہو۔ یہ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ کیا وفا بھی سب جانتی تھی؟

"میری بیٹی تم بہت سیدھی ہو۔ لیکن وہ وفا ایسی بالکل نہیں ہے۔ تم تو بہن بہن کرتے نہیں تھکتیں۔ اور وہ بھلا کب تمہارا سوچتی ہے؟" اور شزا تو سمجھتی تھی صرف وہ ہی اس گھر میں اس کا سب سے زیادہ سوچتی ہے۔

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ میری بہن ہے۔ وہ میرا برا کبھی نہیں کر سکتی۔ اور میرے اور اذان کے درمیان کچھ نہیں ہے۔" اس نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"میں نے اذان اور تمہاری باتیں سن لیں تھیں۔" اور یہاں وہ خاموش رہ گئی۔ عالیہ نے اسے اپنی جانب پوری طرح موڈا اور اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں لئے۔

"آج اگر زویا ہوتی۔۔۔ تو وہ تمہارے ساتھ ایسا بالکل نہیں ہونے دیتی۔" عالیہ کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ زویا کے نام پر شزا کی بھی آنکھیں بے ساختہ نم ہوئیں۔ ہاں۔۔۔ شاید زویا ایسا نہ ہونے دیتی۔ عالیہ نے ان آنکھوں میں دیکھا۔ اذان کے کچن میں داخل ہوتے قدم تھے۔ ان دونوں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

"لیکن اگر وہ نہیں ہے تو کیا ہوا؟ میں تو ہوں نا۔ دیکھو تم نے تو بچپن سے مشکلات ہی دیکھی ہیں۔ اس نے کیا دیکھا؟ اسے تو دوسرا گھر بھی اتنا اچھا مل گیا۔

اذان بہت اچھا ہے بیٹا۔ تم اس وفا کی وجہ سے اسے انکار مت کرو۔ بلکہ وفا سے جا کر سیدھا کہہ دو کہ وہ تمہاری زندگی اور اس گھر سے چلی جائے۔"

شرزا کے سامنے اس وقت کئی منظر اے تھے۔ شائستہ بیگم کی باتیں۔ ان کی ڈانٹ۔ تانے۔ انس کی بدتمیزی۔ اسے محسوس ہوا اس نے تو واقعی بہت کچھ سہا ہے۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" عالیہ نے خوشگوار حیرت سے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ واقعی میں اس کے لئے بہت آسان تھی۔ اور وہ جو غصے کو ضبط کرتا ہوا ان کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ ایک دم رکا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں چاچی۔ مینے تو سچ مچ بہت کچھ سہا ہے۔ میں اب اور کیوں سہوں؟ میں یہی کرونگی۔ وفا سے کہہ دوں گی کہ وہ یہاں سے چلی جائے۔ اور وہ چلی بھی جائیگی۔ اور پھر۔۔" شرزا نے مسکراتے ہوئے عالیہ کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکالے۔

"پھر؟" وہ بھی خوش ہوئی۔

لیکن وہ خوش نہیں ہو سکا۔ وہ انہیں الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"پھر آپ کا راستہ صاف ہو جائیگا اور آپ سکون سے اپنی زندگی اس حویلی میں جینگی۔ ہینہ؟" عالیہ کی مسکراہٹ پل بھر میں اڈن چھو ہوئی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ اذان کی بھی سیاہ آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

"کیا؟" عالیہ نے مسکرا نے کی کوشش کی۔

"ہاں نا۔ بہت ہی اچھا پلان ہے یار آپ کا تو۔ بہن کو بہن کے خلاف کھڑا کر کے اپنا مفاد چاہیے۔ کیا بات ہے!" عالیہ کا چہرہ سرخ ہوا۔ اسے تو لگا تھا شزا کو کچھ نہیں پتا۔

"جی پتا ہے مجھے سب۔ وفا کی ایک بات بہت اچھی ہے۔ وہ کہانیاں بہت پڑھتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ ایک غلط فہمی۔ پوری کہانی خراب کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ سارے کردار ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔ اسلئے اس نے مجھے بھی آپ کے بارے میں بہت پہلے ہی بتا دیا تھا۔" عالیہ کا سر پھر درد کرنے لگا۔ یہ وفا ہر بار اس کے کھیل کے درمیان کیوں آ جاتی تھی؟

"آپ کو پتا ہے؟ خاموش لوگ کمزور نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اور زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ بولتے کم ہیں اور سوچتے زیادہ۔ انہیں پتا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو سامنے والے کے سامنے

کیسے پریزنٹ کرنا ہے۔ وہ صرف خاموش ہوتے ہیں۔ بے وقوف نہیں۔ "شزا گیس بند کر کے ایک سخت نظر ان پر ڈالتی ہوئی ان کے برابر سے نکلنے لگی تو عالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔

("نہیں۔۔ اس کو تو میں نہیں چھوڑو گی۔")

عالیہ نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ کھینچ اسے اپنے سامنے کر پوری طاقت سے دھکا دیا تھا۔ شزا اس اچانک ہملے کے لئے تیار نہیں تھی۔ وہ سمجھل نہ سکی۔ اور انقرب تھا کہ وہ بہت زور سے گرتی اگر اذان نے اسے تھام نہ لیا ہوتا۔ اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو عالیہ کو سخت نظروں سے گھور رہا تھا۔ عالیہ کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری۔

وہ جو دادا دادو کے پاس سے سیدھا شزا کے پاس ای تھی۔ بے یقینی سے یہ سب دیکھ کر رکی۔

"ہمت کیسے ہوئی آپ کی شزا کو دھکا دینے کی؟" اس نے سختی سے ان کے سامنے آ کر پوچھا تھا۔ عالیہ گڈبڈای۔

"ایسا کچھ نہیں بیٹا۔ اس کا خود پاؤں پھسلا تھا۔" پیچھے کھڑی شزا نے نفرت سے اسے دیکھا۔ ("یہ کتنی بڑی منافق ہیں؟")

"شٹ اپ۔ جسٹ شٹ اپ۔" اذان دھاڑا تھا۔ پل بھر کو تو وفانے بھی ڈر کر دیوار کو پکڑا تھا۔ لیکن پھر وہ آہستہ سے مسکرائی۔ اذان اب انگلی سے عالیہ کو وارن کر رہا تھا۔

"آئندہ آپ مجھے میری شہزادی کے اس پاس بھی نظر ایں نا۔ تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اور آپ بہت اچھے سے جانتی ہیں کہ میں اپنے ارادوں کا کتنا پکا ہوں۔" اس نے شہزاد کا ہاتھ تھام کر ایک سخت نظر ان پر ڈالی اور اسے لے کر وہاں سے باہر نکل گیا۔ سائیڈ میں چھپی وفا کی نظروں نے بھی بہت غور سے ان دونوں کو جاتے دیکھا تھا۔ پھر وہ مسکرا کر کچن میں ای۔ بھلا وہ اچھا خاصہ موقع کیسے گوا سکتی تھی؟

عالیہ نے غصے سے وہاں رکھا کٹنگ بورڈ اٹھا کر زور سے پھینکا۔ ساری کٹی ہوئی پیاز بھی زمین بوس ہو گئی۔

"اف۔ اتنا غصہ؟" وفانے معصومیت سے اپنی بڑی آنکھیں ڈبڈبا کر پوچھا۔ عالیہ اسے گھورنے لگی۔

"یار ویسے بڑے مزے کا سین تھا۔ مینے تو live دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہیر و ہیر وئن کے لئے اپنے یا اس کے ظالم رشتیداروں سے بھڑ گیا ہو۔ سچ میں مزہ ہی آ گیا۔" وہ خوشی سے کہتی ہوئی اور جلے پر نمک چھڑک رہی تھی۔ اور بالکل سہی موقع پر چھڑک رہی تھی۔

"تم مجھے چین سے جینے کیوں نہیں دیتیں؟" عالیہ نے ہاتھوں کو اس کے سامنے کر کے ضبط سے بند کیے۔ جیسے اس کا دل تھا کہ ابھی وفا کا چہرہ اپنے ہاتھوں سے نوچ ڈالے۔

"ارے یار ایک میں ہی تو ہوں جو آپ کو چین سے جینے دینا چاہتی ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ شزا سے دور رہیں۔ لیکن نہیں۔۔ میری آپ نے سنی کہاں ہے خالہ جان؟ اب بھگتیں۔۔" وہ مسکرا کر مڈنے لگی۔ پھر رکی۔

"سوری میں ذرا سا غلط بول گئی۔ اب بھگتیں نہیں۔۔"

پل بھر میں اس نے اپنے چہرے کی خوشی غائب کر وہاں سختی کا لبادہ اوڈھا تھا۔
"بلکہ اب تو آپ نے بھگتنا ہی ہے۔" یہ اس کا آج کا آخری تیر تھا۔ جو وہ چلا کر چلی گئی۔ اور اس کی امید کے مطابق۔۔ وہ نشانے پر ہی لگا تھا۔

سیاہ آسمان میں چمکتے چاند کی روشنی میں اذان اسے لے کر پول سائیڈ آگیا تھا۔ وہاں ان دو کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ کچھ لمحے اپنے غصے کو ضبط کرتا رہا تو وہ بھی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اذان نے اس پر غصہ نہیں کیا تھا لیکن اسے وہ پھر بھی اس وقت بہت سخت مزاج لگ رہا تھا۔ وہ بے اختیار رو پڑی۔ اذان نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"شزا۔۔ تم رو کیوں رہی ہو؟" وہ بے چینی سے اس کے ایک قدم قریب آیا۔ وہ بے ساختہ پیچھے ہوئی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ سیسکیوں کے درمیان بولی تھی۔ اسے نینے سرے سے عالیہ پر تیش آیا۔

"تمہیں ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں کر سکتیں۔" اس نے نرمی سے سمجھایا تو اس کی شہزادی نے نفی کا اشارہ کیا۔ "ان سے نہیں۔ آپ سے۔"

اس کا سر گھوم کر رہ گیا۔ وہ بھلا اس سے کیوں ڈر رہی تھی؟
"مجھ سے؟ لیکن یار میں نے کیا کیا ہے؟"

"انس ہمیشہ مجھ پر اپنا غصہ نکال کر چلا جاتا تھا۔ اور آج آپ بھی اتنے غصے میں ہیں۔" وہ اپنے رونے پر قابو پاتے ہوئے بتا بیٹھی تھی۔ اذان کے سامنے اس انس کا چہرہ آیا۔
"وہ تمہیں تکلیف دیتا تھا؟" اذان کو یہ پوچھتے ہوئے بھی تکلیف ہوئی تھی۔

"بہت۔ وہ مجھ پر کئی بار ہاتھ بھی اٹھا جاتا تھا۔" وہ پول کے پانی کو دیکھتے ہوئے بھیگی آواز میں بولی تھی۔

"اور تم یہ مجھے آج بتا رہی ہو؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دوبارہ رونے لگی۔ اذان نے گہری سانس لے کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ وہ اس کے کندوں تک آتی تھی اس لئے وہ ہمیشہ اس سے سر جھکا کر ہی بات کرتا تھا۔

"کیا تمہیں میں بھی اسی کے جیسا لگتا ہوں؟" وہ نرم اور آہستہ آواز میں پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔ آپ کا غصہ اس سے زیادہ سخت ہے۔" وہ کہہ کر آہستہ سے ہنس دی۔

"لیکن وہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ تم میرے لئے باقی سب سے خاص ہو۔ اور میں تم سے اس وقت کے لئے بھی مافی چاہتا ہوں۔ میرا تمہیں ہرٹ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" شہزاد نے چہرہ اٹھا کر اسے بے یقینی سے دیکھا۔ یہ شخص اس کے لئے ایسا کیوں تھا؟

"لیکن میں تو آپ کو ہرٹ کیا تھا نا۔" وہ ہنس دیا۔ اور حامی بھری۔

"ہاں۔۔ کیا تو تھا۔ لیکن میں نے تمہیں معاف کیا۔" اور یہاں وہ بھی ہنس دی۔

حویلی بہت بڑی تھی۔ وفانے ایک دو جگہ ان دونوں کو دیکھا لیکن جب وہ نہیں ملے تو وہ اپنی کوشش ترق کرتی حویلی کے باہر ایک جانب کی سیدھیوں پر بیٹھ گئی۔ سامنے سبز لون تھا جو رات کی خاموشی میں اسے اور زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ آج کافی تھک بھی گئی تھی اس لئے فلحال اس میں بھی ہمت نہیں تھی کہ پورے گھر میں گھومتی پھرے۔

وہ دادو کی باتوں کو سوچ رہی تھی۔ وہ پہلے تو راضی نہیں ہوئی تھی لیکن پھر فتح کی بھی رضامندی کا سن کر اپنی جانب کا فیصلہ انہی پر چھوڑ دی۔ اس نے بیٹھے بیٹھے کال ملائی۔ دوسری جانب سے دوسرے ہی بیل پر کال اٹھالی گئی۔

"کیسی ہے وفا؟" نگمہ بیگم بہت محبت سے اس کا حال پوچھ رہیں تھیں۔ اس کے گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری۔

"ٹھیک ہوں۔ بس تم لوگوں کی یاد آ رہی ہے۔" دوسری جانب ان کی آنکھیں نم ہوئیں۔

"وہ تو ہمیں بھی بہت آتی ہے۔ تو نہیں ہے تو پورے گھر میں خاموشی رہتی ہے۔" وہ بتاتے ہوئے رو دیں۔

"یار امی مینے کال اس لئے تھوڑی کی ہے کہ تم رونے لگو۔ اور میں تو دیکھو ہر دوسرے دن فون کر لیتی ہوں۔" وہ ناراض ہوئی تھی۔ وہ ہنس دیں۔

"ہاں۔ آخر میری بیٹی وفادار جو ہے۔" ان سے بات کر کے اسے بھی رونا آ رہا تھا۔ لیکن وہ ضبط کیے رہی۔ کچھ وقت ان سے بات کرتے ہوئے اس نے انہیں فرزانہ بیگم کی خواہش کے بارے میں بھی بتا دیا۔ وہ خوش ہوئیں تھیں۔

"تو اس میں کوئی بری بات نہیں ہے۔"

"ہاں لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔ یہ سب ایسے کیسے؟ مطلب میری ایک فیملی تو وہاں بھی ہے نا۔" وہ بہت کنفیوزڈ تھی۔

"لیکن ہم تو تیری خوشی میں خوش ہیں۔ تو زیادہ مت سوچ اور یہ بتا کیا اذان تجھے پسند ہے؟" اسے احساس ہوا وہ یہی تو مس کر رہی تھی۔ یہاں اس کی مرضی کسی نے نہیں پوچھی تھی۔ لیکن وہ پوچھ رہی تھیں۔ ایک ما پوچھ رہی تھی۔

"تمہیں وفا نے سب بتا دیا تھا؟" وہ آگے ہاتھ باندھے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ لیکن جب آپ جانتے تھے کہ میں وفا نہیں ہوں۔ تو مجھے بتایا کیوں نہیں؟" اس نے ماتھے پر بل ڈالے تھے۔

"کیونکہ میں جاننا چاہتا تھا کہ تمہیں واقعی کچھ نہیں معلوم یا تم بھی وفا کی طرح کچھ چھپا رہی ہو؟" اس نے بتاتے ہوئے دو انگلیوں کو اس کے ماتھے پر رکھ کر اس کے بل نرمی سے ہٹائے۔ وہ ساکت رہ گئی۔ اذان نے بھی شاید یہ بے خیالی میں کیا تھا جہی اچانک سمجھ کر سیدھا کھڑا ہوا۔

"آپ وفا کو دیکھتے ہی پہچان گئے تھے۔ تو کیا پولیس سٹیشن میں دیکھ کر مجھے بھی پہچان گئے تھے؟"

"تو تمہیں کیا لگتا ہے؟ میں ہر لڑکی کو لفٹ دے دیتا ہوں؟" وہ مذاق میں اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ اور اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"مطلب آپ میرے بارے میں جانتے تھے۔" وہ حیران تھی۔

"اصل میں وفا بھی تمہیں پہلی ہی بار میں پہچان گئی تھی۔" وہ اور حیران ہوئی۔

"لیکن اسے شق تھا اس لئے اس نے مجھے تمہاری پکچر سینڈ کی تھی کہ میں تمہارے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ ایک سال بعد یہ پہلی مرتبہ تھا جب وفا سے میری بات ہوئی تھی۔ بلکہ بات کیا ہوئی تھی اس نے صرف پک سینڈ کی اور نیچے لکھ دیا۔" stalk her۔ "شزا کی ہنسی بے اختیار تھی۔

"سچ میں؟ اس نے ایسا کیا؟" وہ بھی ہنسا دیا۔

"ہاں۔۔ پہلے تو مجھے غصہ بھی آیا۔ اس نے کیا مجھے کوئی "stalker" سمجھ رکھا تھا؟ لیکن پھر میں نے تمہیں دیکھا تو میں سب سمجھ گیا۔

But you know what was so unexpected in all this....

میرے معلومات حاصل کرنے سے پہلے ہی تم اتفاق سے پولیس سٹیشن آ گئیں۔ اور پھر اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا اس میں میرا یا وفا کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

That was muqaddar"....

"یا اللہ! میری زندگی میں اتنا سب کچھ چل رہا تھا اور مجھے کچھ بھی نہیں پتا تھا۔ تو پھر ضرور وفا کو بھی میرے یہاں ہونے کے بارے میں آپ ہی نے بتایا ہو گا۔" اذان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُٹی۔ اس نے انداز کو لاپرواہ بنایا۔

"اوف کورس۔۔ تمہاری دادو کے ساتھ پک سینڈ کرتے ہوئے مینے بھی ایک "Task completed" کا میسج کر دیا تھا۔ اور پھر اگلے دن اسے شاید فائزہ نے بھی سب بتا دیا ہو گا۔"

"کیا بات ہے! "وہ ان دونوں کو سراہے بنا نہ رہ سکی۔

اس کے ساتھ ہی اذان کا قبہا گونجا تھا۔ شزا کو اس کی باتوں پر کوئی شق نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی دونوں کو۔ اس طرح کی توقع وہ ان دونوں کے علاوہ اور کس سے کر سکتی تھی۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں وفا۔ کیا تجھے اذان پسند ہے؟" وہ اس سے دوبارہ پوچھ رہی تھیں۔ اس کے سامنے پولیس یونیفرم پہنے ایک خوش مزاج اور خوش شکل شخص کا چہرہ لہرایا۔

اسے ایک سال پہلے اذان کا اسے پہچانا یاد آیا۔ پھر وہ لمحہ یاد آیا جب اس نے بہت سوچ سمجھ کر اذان کو شزا کی تصویر بھیجی تھی۔

اسے باری باری اس کی موجودگی کے سارے لمحے یاد آئے اور وہ اپنے جواب تک پہنچ گئی۔ "ہاں۔۔"

نگمہ مسکرائیں۔

"اسے ناپسند کرنے کی میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے امی۔ وہ بہت اچھا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک بہترین شخص ہے۔"

"تو پھر کیوں اتنا سوچتی ہے؟ سب اللہ پر چھوڑ دے۔" انہوں نے اسے سمجھایا۔ وہ خاموش رہی۔

"اچھا سن۔"

"ہمم۔۔"

"تو ہمیں تو اپنی شادی پر بلا لگی نا۔" وفا کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"امی یار کیسی باتیں کر رہی ہو۔۔" وہ ناراض ہوئی تو وہ ہنس دیں۔

"مذاق کر رہی ہوں۔ خیال رکھنا اپنا۔" نگمہ بیگم نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ تو وہ دوبارہ اوپر آسمان کو دیکھنے لگی۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو وفا؟" اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو احمد مسکرا کر اس سے پوچھ رہے تھے۔ پھر اس کے ساتھ سے آ بیٹھے۔ "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ بس اپنی امی سے بات کر رہی تھی۔"

"کسی دن بلاؤ انہیں یہاں۔ اچھا ہے ہم سب بھی مل لینگے۔" وفانے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"چاچو آپ نے سہی کو دیکھا ہے؟" سہیل نے وہاں سے گزرتے ہوئے انہیں پشت سے پکارا تھا۔ وفا کو وہ مکمل نظر انداز کر گیا تھا۔ اس نے بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"ہاں وہ شام اپنے دوستوں کے ساتھ گیا تھا۔" احمد کے بتاتے پر وہ سر ہلا گیا۔

"سہیل۔۔ فری ہو تو ہمیں جوائن کیوں نہیں کرتے؟" احمد نے بہت محبت سے اوپر کی تھی۔ اس نے ایک نظر ان کے ساتھ بیٹھی محترمہ پر ڈالی پھر پتا نہیں کیا سوچ کر ان کے برابر میں آ بیٹھا۔ وفا تھوڑی حیران ہوئی تھی۔ اسے اس کے انکار کی توقع تھی۔

"چاچو آج آپ کا چہیتا اذان کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہا۔" سہیل نے مسکرا کر لاپرواہ انداز میں پوچھا تھا۔ وفا کے ماتھے پر بل پڑے۔ وہ اذان کا کیوں پوچھ رہا تھا؟

"پتا نہیں۔ شاید کہیں مصروف ہو گا۔" انہوں نے اندازہ لگایا۔

"اور شزا؟ وہ بھی نظر نہیں آ رہی۔" اس کے ماتھے کے بل کھلے۔ وفا کو اس شخص سے اسی قسم کی توقع رکھنی چاہیے تھی۔ البتہ احمد نے اس کی بات پر زیادہ غور نہیں کیا تھا۔

"چاچو نظر تو آرزو بھی نہیں آ رہی نا؟ پتا نہیں سب کہاں ہیں۔" سہیل کی مسکراہٹ پل بھر میں اڈن چھو ہوئی۔ وفانے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے درمیان میں موجود احمد سے کہا تھا۔ سہیل کو اس کی عقل پر افسوس ہوا۔ وہ فضول میں اپنی عقل غلط جگہ لگا رہی تھی۔ وہ اسے کیا سمجھانا چاہتا تھا اور وہ کیا سمجھ رہی تھی۔

"ہاں اب تو سب کی اپنی اپنی مصروفیات ہیں۔ اب کچھ ہی دن میں تمہاری اور اذان کی شادی بھی ہو جائیگی۔ اچھا ہے سب مل پائیں گے۔" احمد نے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ وفا کی مسکراہٹ غائب ہوئی لیکن وہ خاموش رہی۔ سہیل نے بھی اسے غور سے دیکھا۔ اسے کچھ کھٹکا تھا۔

"کیا بات ہے وفا؟ تم یہ شادی نہیں کرنا چاہتیں؟" وفانے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ کیا یہ اس کی شکل پر لکھا تھا؟

"نہیں چاچو وہ بس میں۔۔ اصل میں پتا نہیں۔" وہ بہانا بناتی ہوئی سچ کہہ کر اپنا چہرہ ہاتھوں میں گرا گئی۔ احمد ہنسے۔

"کوئی بات نہیں۔ شروع میں ایسا ہوتا ہے۔"

"آپ اتنے نرم اور ٹھنڈے مزاج کیسے ہیں؟ مینے اس حویلی میں آپ کو ایک بار بھی غصہ کرتے نہیں دیکھا۔" اس نے گھٹنوں پر چہرہ ٹکا کر ان کو دیکھا۔ سہیل البتہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر دروازے پر ٹکی تھی۔ ناجانے اب تک سہی کیوں نہیں لوٹا تھا؟

"کوئی تھا میری زندگی میں بھی ایسا۔ جسے میرے اندر کی سختی بہت بری لگتی تھی۔ شاید اسی لئے۔" احمد نے مسکرا کر کسی کو یاد کرتے ہوئے کہا تھا۔ ان دونوں نے ہی ان کی جانب دیکھا۔

"سچ! کب؟ کون؟ کیا رائے چاچی؟" وفانے جوش سے اندازے لگائے تھے۔

"ہاں رائے داؤد۔۔ یا مجھے کہنا چاہیے۔۔ مس رائے احمد اختر۔"

"کیا آپ کی اور ان کی کوئی کہانی تھی؟ مینس لو سٹوری تھی کیا؟" وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ احمد نے ہنس کر نفی میں سر ہلایا۔

سہیل نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔ وہ تھوڑا حیران ہوا تھا۔ وہ اسے اچانک بہت مختلف لگی تھی۔ جیسے کوئی چھوٹی بچی ہو۔ جو کہانیوں کی دیوانی ہو۔

"تمہارے لئے مینے بہت پاڈ بلیں ہیں شزا۔ تم مجھے بہت انتظار کے بعد ملی ہو۔ مینے تمہارے لئے بہت دعائیں مانگی ہیں۔" اذان سامنے اندھیرے میں نظر آتی دیوار کو دیکھتے

ہوئے کہہ رہا تھا۔ اور وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ دل کرتا تھا اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لے۔

"تم انکار صرف وفا کے لئے کر رہی ہو نا۔ لیکن وہ ایسی نہیں ہے۔ وہ کبھی ہمارے درمیان نہیں آنا چاہے گی۔" اس نے اس کی جانب مڑتے ہوئے ایک اور کوشش کی تھی۔ اور بنا کوششوں کے ہار ماننا تو اذان اختر نے کبھی سیکھا ہی نہیں تھا۔

"مثلاً تو یہی ہے اذان کہ وہ ایسی نہیں ہے۔ وہ بہت اچھی ہے۔ وہ ہمارے درمیان نہیں آنا چاہے گی لیکن میں یہاں آپ دونوں کے درمیان آ رہی ہوں۔ آپ مجھے لا رہے ہیں۔ وہ میرے لئے ما باپ بھائی بہن دوست سب بن جاتی ہے۔ میں اس کا حق نہیں چھین سکتی۔" "لیکن میں تو اس کا ہوں ہی نہیں۔ میں تو تمہارا ہوں نا۔ میں تو تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں کوئی چیز تو نہیں ہوں کہ کسی کو بھی دے دی جائے۔"

"لیکن وہ کسی نہیں ہے اذان۔ وہ وفا ہے۔ وہ مجھ سے بھی اچھی ہے۔ اور یقین کریں میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔" شزا کے حلق میں گولہ آ اٹکا۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"جب تم میرے ساتھ یہاں آئیں تھیں تو میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تم پر کوئی بات نہیں آنے دوں گا۔ تم سے پوچھے گئے ہر سوال کا جواب میں خود دوں گا۔ اور میں نے وہ وعدہ نبھایا تھا نا؟" اس کے نرمی سے پوچھنے پر شہزاد نے حامی بھری۔

"میں اب بھی کہتا ہوں کہ تمہیں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم سے کوئی کچھ نہیں کہیگا۔ میں ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔ تم مجھ پر اعتبار تو کرو۔" وہ اسے نرم آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ وہ اس کے لئے معاملات کو اتنا مشکل کیوں بنا رہا تھا؟

"اذان آپ سمجھ کیوں نہیں رہے ہیں؟ کیوں سب اتنا مشکل بنا رہے ہیں؟ کیا آپ کی نظر میں میرے انکار کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟ پلیز سمجھیں۔۔ میں آپ کا مقدر نہیں ہوں۔"

"لیکن میری دعا تو ہو نا؟ اور دعائیں تو مقدر بدل بھی سکتی ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اپنے ارادوں کا کتنا پکا تھا۔ ان سیاہ آنکھوں میں بہت سے موتی جمع تھے۔ لیکن وہ گرے شہزاد کی آنکھوں سے تھے۔

"تم انکار کرتی ہو۔ ٹھیک ہے۔ لیکن میں بھی یہ شادی ہرگز نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں وفا کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم نہیں۔ تو کوئی بھی نہیں۔" وہ اپنے ارادے اسے صاف صاف بتاتا وہاں سے چلا گیا۔ اور وہ وہیں کی وہیں رہ گئی۔ بعض اوقات جھوٹ بولنا سچ سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

باب- ۱۱

چاروں طرف روشنی تھی۔ سفید روشنی۔ اس نے آنکھوں کو بند کر کھولا تو چیزیں نظر آنے لگیں۔ منظر صاف ہوتا گیا۔ وہ ایک باغ تھا۔ بہت خوبصورت باغ۔ جس کی خوبصورتی ناقابلِ بیان تھی۔ دونوں طرف بہت سے رنگ برنگے پھول لگے تھے۔ درمیان میں راستہ تھا۔ جو بہت صاف تھا۔

وہ آہستہ سے اس پر قدم رکھ آگے بڑھنے لگا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کو اڑا رہی تھی۔ وہ بے چینی سے ہر طرف دیکھتا تھا، مگر نظر کہیں نہ ٹکتی تھی۔ پھر اچانک اس کے قدم تھمے اور نظر ٹھہر گئی۔ بھاری سانس بھی ہلکی ہونے لگی۔

سامنے ایک فوارہ تھا۔ جس کے آگے بنی سیڑھیوں پر وہ بیٹھی پانی، میں ہاتھ ڈالے کھیل رہی تھی۔ سیفد ساڑھی کا پلو زمین کو چھو رہا تھا۔ اور کھلی ریشمی زلفیں ہوا میں رقص کر رہی تھیں۔ اچانک اس کا پانی میں چلتا ہاتھ رکا اور اس نے چہرہ موڈ کر دیکھا۔

احمد کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ چاہتا تھا یہ منظر یہیں ٹھہر جائے۔ وہ اسے دیکھ کر آہستہ سے اٹھی اور مسکراتی ہوئی اس تک ای۔ پھر ناراضگی سے شکوہ کیا۔

"میں کب سے انتظار کر رہی تھی۔ کیا آپ کو میری یاد نہیں ای؟" اس نے بے اختیار رائے کو خود سے لگا لیا۔ وہ مسکرائی۔

"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ اور میں آپ ہی کا انتظار کرونگی۔"

آنکھیں کھلیں تو منظر بدل گیا۔ کمرے میں صرف ایک چھوٹا بلب جل رہا تھا۔ جس کی ڈم لائٹ ہر سو پھیلی تھی۔ کچھ لمحے تو اسے سمجھنے میں لگے کہ یہ صرف ایک خواب تھا۔ لیکن کیا یہ صرف ایک خواب تھا؟

احمد نے سائیڈ میں دیکھا تو رائے وہاں نہیں تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھا اور چاروں طرف نظریں دوڑاں مگر کمرہ پھر بھی خالی۔ تبھی واشروم کا دروازہ کھلا اور رائے آستینیں ٹھیک کرتی ہوئی باہر ای۔ پانی کے قطرے اُس کے عضو سے ٹپک رہے تھے۔ بے اختیار اُس کا اٹکا سانس بحال ہوا۔

"احمد؟ کیا ہوا آپ اتنے گھبراے ہوئے کیوں ہیں؟" وہ فکر مند ہوئی۔ احمد نے اسے اپنے ساتھ بیٹھایا اور اپنا خواب سنایا۔

"اف۔۔ احمد وہ صرف ایک خواب تھا۔ میں نے کہاں جانا ہے آپ کو چھوڑ کر؟ بلکہ میں اگر مر بھی گی

نا۔ تب بھی میری روح آپ کا پیچھا ہرگز نہیں چھوڑنے والی۔ دیکھ لینا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

"فضول باتیں مت کیا کرو رائے۔ میں اب تم دونوں کے بنا زندگی تصور بھی نہیں کر سکتا۔" احمد نے ناراضگی سے کہتے ہوئے اسے خود سے لگایا۔ وہ مسکرا دی۔

"اچھا چلیں اب اٹھ ہی گئے ہیں تو ہم دونوں کے ساتھ تہجد ادا کریں۔" رائے نے الگ ہوتے ہوئے یاد دلایا تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گیا۔

حادثے کی رات۔۔

احمد کمرے میں داخل ہوا تو رائے بالکنی میں کھڑی کھلے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی قدم اٹھاتا

ہوا اس کے برابر آ گیا۔

"کیا ہوا میم؟ آج آپ اپنے اس حسین شوہر کو چھوڑ کر کیا دیکھ رہی ہیں؟" رائنہ نے اپنی مسکراہٹ

دبا دی۔

"سوچ رہی ہوں کہ جب ہمارا بے بی مجھ سے پوچھیگا تو اسے کیا جواب دوں گی؟ کہ میرے حسین شوہر کے پاس تو میرے لئے وقت ہی نہیں ہے۔" اس نے بہت افسوس سے کہا تھا۔ احمد نے چہرہ موڑ کر حیرانی سے بیگم کو دیکھا۔

"ارے! تم اُس سے جھوٹ بولو گی؟ کتنی غلط بات ہے۔ مطلب اسے بھی اپنے جیسا بناؤ گی۔"

"میرے جیسا مطلب؟ میں کیا بری ہوں؟ میں آپ کا اتنا خیال رکھتی ہوں۔ اور آپ تو ہماری انیورسری پر بھی میرے لئے کچھ نہیں لائے۔" وہ اچانک ناراض ہوئی تھی۔ احمد پھر بھی نرم رہا۔

"بس اتنی سی بات۔ تو یہ لو۔" اس نے کہتے ہوئے ایک ہاتھ سے اس کا پھولا ہوا گال کھینچا اور

دوسرے میں پکڑا گفٹ پیک اس کے سامنے کیا۔

"احمد! رائنہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس نے جلدی سے روم میں آ کر اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک نیلے رنگ کی ساڑھی تھی۔ بالکل ویسی جیسی اسے پسند تھی۔

"تو مسیز احمد کیا اب آپ کے اپنے شوہر کے بارے میں خیالات تبدیل ہوئے؟" اس نے آگے ہاتھ باندھتے ہوئے پوچھا۔ رائے نے تیزی سے سر اثبات میں ہلایا۔

"تو اب جلدی تیار ہو جائیں۔ آپ کے لئے ایک خاص سرپرائز ہے۔"

"سچ میں؟"

"کیوں صرف تم ہی میرے لئے سرپرائز پلان کر سکتی ہو؟ میں نہیں کر سکتا؟" وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تو احمد گہری سانس لے کر اسے قریب کیا۔ وہ آج کل کبھی بھی جذباتی ہو جاتی تھی۔

"یار رائے اب اس میں کیوں روتی جذباتی ہو؟" احمد نے آہستہ سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔

"آپ بہت اچھے ہیں۔" اس نے بھیگی آواز میں تعریف کی۔

"اور تم بہت کیوٹ ہو۔" احمد کے چھیڑنے پر وہ ہنس پڑی۔

اور کون جانتا تھا کہ یہ رائے کی وہ آخری ہنسی تھی، جو احمد نے سنی تھی۔

وہ تیار ہو کر باہر ای تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا خود کو مہکا رہا تھا۔ اس نے بھی رائے کے ہم رنگ نیلا ہی تھری پیس سوٹ پہنا تھا۔ اسے آئینے میں مسکراتا دیکھ، وہ پرفیوم کی بوتل رکھی۔

"تو کیسا لگ رہا ہوں میں؟" احمد نے کولر کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بس ٹھیک ہی لگ رہے ہیں۔ لیکن اب مجھ سے زیادہ اچھے تھوڑی لگینگے۔" وہ ایک ادا سے کہتی ہوئی اس تک ای اور آئینے کے سامنے بیٹھ گئی۔ احمد کا تو منہ ہی کھلا رہ گیا۔ لیکن پھر وہ سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"ہاں ویسے بات تو سچ ہے۔ اچھا میں کار میں ویٹ کر رہا ہوں تیار ہو کر آ جانا۔"

"ٹھیک ہے۔ بس پانچ منٹ میں ای۔" رائے نے مسکرا کر کہا اور اپنا میکاپ کرنے لگی۔ احمد حامی بھرتا ہوا باہر چلا گیا۔

ٹھیک پانچ ہی منٹ میں پوری طرح تیار رائے داؤد کمرے سے نکلی تھی۔ اس نے زیادہ وقت نہیں لگایا تھا۔ اس نے بہت ہلکا میکاپ کیا تھا اور لمبے بال ابشار کی طرح کمر پر چھوڑ دیے تھے۔ اسے ہیلز پسند تھیں لیکن اس نے بنا ہیل کی سینڈل پہنی تھی۔ وہ آنکھوں میں چمک اور ہوٹھوں پر مسکراہٹ لیے آگے بڑھ رہی تھی، جب اچانک اس کے قدم تھمے۔

عالیہ اختر منزل میں موجود زینوں کے ساتھ راہیداری میں کھڑی تھی۔ ایک ہاتھ ریلنگ پر رکھا ہوا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں فون موجود تھا، جس پر وہ کسی سے بات کر رہی تھی۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ سبھی بچے اور بڑے اپنے اپنے کمروں میں تھے۔

"میں کیا کرتی بھائی؟ مجھے تو صرف زویا سے مطلب تھا۔ یقین مانے آپ سے مجھے کوئی دشمنی نہیں۔ لیکن وہ ہیں نا میرے شوہر۔ ارے آپ کے بھائی۔۔ ہاں وہ آپ کو راستے سے ضرور ہٹانا چاہتے تھے۔ بہت لالچی ہیں وہ سچ میں۔ صرف جاہداد کے لئے آپ کو مروا رہے ہیں۔ تو میں نے کہا لاؤ۔۔ لگے ہاتھوں۔۔ میں اپنی نفرت بھی نکال لوں۔" رائے کو اپنے کانوں پر یقین نہ

آیا۔ اسے لگا اس نے شاید کچھ غلط سنا ہے۔

عالیہ اپنی نفرت نکال رہی تھی۔ وہ کتنے آرام سے وہاں کھڑی تھی۔ کیا اسے کوئی احساس نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے؟ یا کیا کر رہی ہے؟

رائے کے قدم جم گئے۔ وہ ہل بھی نہ سکی۔ اسے لگا شاید یہ کوئی خواب ہے۔ جس سے ابھی اس کی آنکھ کھل جائیگی۔

"ان کا قصور یہ ہے کہ وہ تمہاری بیٹیاں ہیں۔ اور بیٹا تو تمہارا اذان بھی ہے نا؟" اس کی نم آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرا۔ اور دم گھٹنے لگا۔ اس کی نظروں کے سامنے ان لوگوں کا ہنستا مسکراتا چہرہ لہرایا تھا۔

"ہاں ہاں اسے کچھ نہیں کرونگی۔ تمہارا بہت ہے نا وہ؟ کوئی بات نہیں۔ تھوڑی سی محبت دکھاؤنگی تو میرا بھی ہو جائیگا۔"

وہ ایک ٹک عالیہ کو دیکھنے لگی۔ کیا کوئی اپنا ایسا بھی کر سکتا ہے؟ وہ انجانی کیفیت میں اس تک ای تھی۔ عالیہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے فون بند کرتے ہوئے مڑی، تو ساکت رہ گئی۔ سامنے رائنہ اسے بے تاثر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ شاید اس کے پاس اس کے لئے کوئی تاثر بچا ہی نہیں تھا۔

عالیہ کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ اس کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری۔ کیا اس نے سب سن لیا تھا؟

"آپ ایسا کیسے کر سکتیں ہیں؟" رائنہ کو اپنی آواز کسی خائی سے آتی محسوس ہوئی۔ پہلے پہل تو عالیہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

"میں نے۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے نہیں پتا تم کیا کہہ رہی ہو۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"اچھا! آپ کو کچھ نہیں پتا؟ لیکن آپ کو یہ پتا ہے کہ کس کا چیپٹر کب کلوز کرنا ہے؟ اور کیسے کرنا ہے؟" وہ اس وقت عجیب کیفیت میں تھی۔ نہ وہ سخت تھی، نہ نرم۔ نہ بے یقین، نہ سنجیدہ۔ عالیہ خاموش رہی۔ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

"آپ کو ترس نہیں آیا؟ آپ بھی تو ایک ماہیں۔ آپ ان دو معصوموں کے قتل کا منصوبہ کیسے بنا سکتیں ہیں؟" اس کے سوال عالیہ کو اس وقت کسی چاق کی مانند لگ رہے تھے۔

"دیکھو رائے یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔" اس نے اسے گھورتے ہوئے وارن کیا۔

"ہاں۔۔۔ یہ میرا معاملہ نہیں ہے۔ یہ تو اب آپ کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ اور وہ آپ سے حساب ضرور لیگا۔ یاد رکھے گا۔" اور یہ سچ عالیہ قبول نہیں کر سکی۔ اُسے طیش چڑھا۔

رائے مڑنے لگی تو اس نے اسے پوری قوت سے دھکا دیا۔ سامنے زینے تھے۔ وہ ان کے کنارے پر جھول گئی۔ عالیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ رائے نے بے یقین اور بے بس نگاہ سے اسے دیکھا، جو اب طنزیہ ہنسی تھی۔

"اللہ جب حساب لیگا تب لیگا۔ کون سا ابھی لے رہا ہے؟ لیکن اگر میں ابھی تمہارا یہ ہاتھ چھوڑ دوں۔ تو تمہارا اور تمہارے اندر پلٹی ہوئی اس چھوٹی سی جان کا کیا ہوگا سوچا ہے تم نے؟" رائے کو پل بھر کو اس سے خوف آیا تھا۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو ناجانے کیا سمجھ رہی تھی۔

"ایسا مت کرو عالیہ۔ میرے بچے کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔" اس کے بال اور پلو ہوا میں جھول گئے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کسی بھی لمحے اس کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ جائیگی۔ عالیہ ہنسی۔

"کوئی بات نہیں۔ جہاں آج اتنے قصور وار مرینگے۔ وہاں ایک۔۔۔ بے قصور بھی سہی۔" رائے کا دل کانپ اٹھا۔ خوف سے اُس کا رنگ سفید پڑنے لگا۔ کیا وہ عورت اتنی سنگدل تھی؟

"بولو رائے داؤد۔ جواب دو مجھے۔ کیا کروں؟ ہاتھ چھوڑ دوں؟"

"چھوڑ دو۔" وہ بے خوف ہو کر بولی۔ اُس کی آنکھوں میں اُس کے لیے صرف نفرت بچی تھی۔ عالیہ نے عجیب نگاہ اُس پر ڈالی۔ جیسے رائے کا دماغ چل نکلا ہو۔

"تم ہوش میں تو ہو؟"

"تم جیسی فرعون صفت ہستی کے سامنے زندگی کی بھیگ مانگنے سے زیادہ میں عزت کی موت پسند کرتی ہوں۔" عالیہ کو اُس کی آنکھوں میں اپنے لیے صرف حقارت نظر آئی تھی۔

"بے وقوفی مت کرو رائے۔ میں تمہیں بچا سکتی ہوں اگر تم میرا ساتھ دو۔ ورنہ کس کو پتا چلنا ہے؟ یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"اللہ تو ہے۔ وہ تمہیں معاف نہیں کریگا عالیہ۔ تم پچھتاؤ گی۔ اور تم بہت پچھتاؤ گی۔" یہ آخری الفاظ رائنہ نے اس سے بہت نفرت اور افسوس کے ساتھ کہے تھے۔ اُس لمحے عالیہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ اتنی ذلت؟ اتنی نفرت؟ صرف اس لیے کہ وہ اپنا بدلہ لے رہی تھی؟

عالیہ نے پوری طاقت سے اسے پیچھے کو پھینکا۔ رائنہ کی زور دار چیخ پوری اختر منزل میں گونجی تھی۔ عالیہ اس کی چیخ کے ساتھ ہی اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔ گھبرا کر فرزانہ بیگم اور اختر صاحب کی نیند بھی بے دار ہوئی۔

احمد جو بہت دیر تک انتظار کرنے کے بعد واپس اندر ہی آ رہا تھا۔ اس چیخ سے اس کے قدم رکے۔ دھڑکنیں تیز ہوئیں۔ اور پھر وہ پوری رفتار سے اندر کو بھاگا۔ داخل ہوتے ہی اسے رائنہ فرش پر پڑی ملی۔ سفید فرش خون سے رنگ گیا تھا۔ احمد کا سانس رکنے لگا۔

رائنہ کی بند ہوتی آنکھوں نے اسے پاگلوں کی طرح بھاگ کر اپنے پاس آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بے اختیار سانس لی۔ وہ اس کے پاس آیا۔ اس نے اسے پکارا۔

"رائنہ۔۔۔" اور وہ اس کی پکار کا جواب بھی نہ دے سکی۔ وہ اسے اٹھا رہا تھا۔ اس سے آنکھیں کھلی رکھنے کو کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ آنکھیں پھر بھی بند ہو گئیں۔ شاید ہمیشہ کے لئے۔

احمد اسے لئے دیوانہ وار بھاگتا ہوا ہو سہیٹل میں داخل ہوا تھا۔ وہاں سبھی اسے جانتے تھے۔ نرس جلدی سے سٹریچر لائی تو اس نے اسے لیٹایا۔ وہ لگاتار اسے پکار رہا تھا۔ لیکن آج وہ اس کی ایک بھی پکار نہیں سن رہی تھی۔

(یہ ڈاکٹر احمد اختر ہیں۔ میرے کزن اور۔۔۔ ہونے والے شوہر۔)

وہ دروازے سے لگا اندر دیکھ رہا تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے تھے۔ نیلا کوٹ وہ اتار کر بیچ پر ڈال چکا تھا۔ سفید شرٹ سرخ خون کے نشانوں سے رنگی، اس کے اندر خوف پیدا کر رہی تھی۔ وہ بے چین تھا۔ فکر مند اور پریشان بھی۔

(آج کوئی بہت خوبصورت نہیں لگ رہا ہے؟)

(آج کوئی بہت غور سے نہیں دیکھ رہا ہے؟)

رائے کی سانسیں کسی ہوا کے جھونکے سے ہلتے پتے کی مانند اوپر نیچے جھول رہیں تھیں۔ جو احمد ضبط کے ساتھ نم آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

(آپ کو میرا حیران ہونا یاد ہے؟)

(مجھے آپ پوری کی پوری یاد ہیں۔)

اس کی امید ابھی قائم تھی۔ رائے کی سانسیں ابھی چل رہیں تھیں۔ ڈور ابھی نہیں ٹوٹی تھی۔ اور پھر۔۔۔۔

ڈور ٹوٹ گئی۔

ہوا کا جھونکا بہت تیز تھا۔ اس جھولتے ہوئے پتے کو گرا کر فنا کر گیا۔

بے یقینی سے اس سیدھی لکیر کو دیکھتے ہوئے دو موتی احمد کی سرخ آنکھوں سے گرے۔

(اچھا میں آپ کو سب سے اچھی کب لگتی ہوں؟)

اس کا ذہن سب سمجھتے ہوئے بھی کچھ سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ سفید چہرے کے ساتھ ڈر کر دو قدم پیچھے ہوا۔ اس کے قدم جواب دے گئے تھے۔ کھڑے رہنا بھی مشکل تھا۔ وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتا ہوا بیچ پر بیٹھ گیا۔

(آج ہوں تو بتا دو۔ کیا پتا کل نہ ہوئی تو؟)

"نہیں۔۔ میں نے غلط دیکھا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ خود کے جھوٹ پر خود کو ہی یقین دلا رہا تھا۔ ابھی تو ان کی شادی کو صرف چار سال ہوئے تھے۔ ابھی تو انہیں ایک عمر ساتھ گزارنی تھی۔ وہ اتنی جلدی اسے کیسے تنہا کر سکتی تھی؟

وہ اندر داخل ہوا تو اپنی زندگی کو بے سدھ وہاں لیٹا پایا۔ وہ اسے ہر حال میں اچھی لگتی تھی۔ لیکن پھر بھی آج اس حال میں بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

(اف۔۔ احمد وہ صرف ایک خواب تھا۔ میں نے کہاں جانا ہے آپ کو چھوڑ کر؟ بلکہ میں اگر مر بھی گئی نہ۔ تب بھی میری روح آپ کا پیچھا ہر گز نہیں چھوڑنے والی۔ دیکھ لینا۔)

"احمد بلڈ لاس بہت۔۔۔" ڈاکٹر کامران آگے آئے تو اس نے ہاتھ سے انہیں کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔ وہ اس کے سفید بے تاثر چہرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ انہیں لگا ابھی وہ چیخاگا۔ چلائے گا۔ ناراض ہو گا۔ ان سے لڑیگا۔ کہ آخر کیوں وہ اس کی زندگی کو نہیں بچا سکے؟

لیکن وہ خاموشی اور نرمی سے آکر اُس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ احمد نے اس کا ہاتھ تھام کر پکارا۔

"رائنہ۔۔"

"رائنہ۔۔ اٹھو۔"

"احمد وہ نہیں اٹھے گی۔"

"کیوں نہیں اٹھیگی؟ وہ تو ہر بار میری پکار کا جواب دیتی ہے۔ تو اس بار کیوں نہیں دیگی؟" وہ نم آنکھوں سے پوچھ رہا تھا۔

"Because she is dead now.."

اب تم چاہے لاکھ پکارو لیکن وہ نہیں اٹھے گی۔ "کامران نے اس کو دونوں شانوں سے تھام کر سمجھایا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"نہیں یار وہ اٹھگی۔ تم دیکھنا ابھی وہ مجھے جواب دیگی۔ یا۔۔ یا شاید یہ میرا کوئی خواب ہے۔

ہاں! ہاں یہ خواب ہی ہے۔۔۔ دیکھنا ابھی۔۔۔ ابھی میری آنکھ کھل جائیگی اور وہ میرے سامنے موجود ہوگی۔ بالکل پہلے جیسی۔۔۔ ہنستی، بولتی۔ مجھ سے ناراض ہوتی ہوئی۔

ایسے۔۔ ایسے خاموش نہیں۔" وہ اس سے کہہ کر دوبارہ اسے پکارنے لگا۔

"رائے۔۔ رائے۔۔ رائے داؤد اٹھو نا۔۔۔ جواب دو میری پکار کا۔ دیکھو۔۔ دیکھو میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم مجھے سب سے اچھی تب لگتی ہو جب۔۔ جب تم مجھ سے خوب ساری باتیں کرتی ہو۔۔ تم۔۔ تم مجھے خاموش اچھی نہیں لگتیں۔۔" اور وہ اسے پکارتے پکارتے رو پڑا۔

(میں وعدہ کرتا ہوں۔ میری زندگی میں تم پہلی نہیں ہو۔ لیکن آخری ضرور ہوگی۔)

"تمہیں اللہ کا واسطہ ہے پلیز اٹھ جاؤ رائے۔۔ ایک بار۔۔ بس ایک بار میری پکار کا جواب دے دو۔" وہ شخص رو رہا تھا۔ بے تحاشہ رو رہا تھا۔ اسے کوئی ہوش نہ تھا کہ اس کے ارد گرد کیا چل رہا ہے۔ پتا تھا تو صرف اتنا کہ۔۔ وہ جو اس کے سامنے تھی۔ اس کی وہ سانسیں رک چکی تھیں جو اس شخص کے لئے اپنی سانسوں سے زیادہ اہم تھیں۔

اسے اس حال میں دیکھ بے اختیار ڈاکٹر اریبہ نے بھی روتے ہوئے ضبط سے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ ان کا ساتھی تھا۔ جو اس وقت ان کے سامنے اپنے حواس کھو رہا تھا۔ اور وہ چاہ کر بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

وہ ایک قابل ڈاکٹر تھا۔ اسے تو سب نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی ہمت بندھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ آج اسے اس طرح ہمت ہارتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

(آپ بہت اچھے ہیں۔)

(اور تم بہت کیوٹ ہو۔)

وہ کبھی روتے ہوئے اس کا ہاتھ ہلاتا، تو کبھی اسے چومنے لگتا۔ اسے لگ رہا تھا مانو ابھی اس کا دل پھٹ جائیگا۔ اور وہ بھی اسی کے ساتھ یہاں سے دور جا سوئیگا۔

"احمد سمجھالو خود کو یار۔ ایک نا ایک دن تو ہم سب نے جانا ہے۔"

"ہم ڈاکٹرز بھی کتنے بدنصیب ہوتے ہیں نا؟ ہم دوسروں کی زندگی تو بچا لیتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات۔۔۔ اپنی زندگی نہیں بچا پاتے۔"

(میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ اور میں آپ کا انتظار کرونگی۔)

رائہ داؤد ہمیشہ احمد اختر کا انتظار کیا کرتی تھی۔ لیکن آج وہ جا چکی تھی۔ کہیں بہت دور۔ اس

جہاں سے پرے۔ اسے اپنے۔۔ انتظار میں چھوڑ کر۔

"اس ایک رات میں اس حویلی نے اپنی ساری خوشیاں کھو دیں۔ اگلی صبح مجھے فون پر فتح بھائی کی کئی کالز ملیں تھیں۔ انہوں نے مجھے مدد کے لئے پکارا تھا۔ لیکن افسوس۔۔ میں اس رات کسی کی مدد نہ کر سکا۔ خود کی بھی نہیں۔" سیاہ رات میں سامنے نظر آتے منظر کو دیکھتے ہوئے احمد اپنا حال دل بیان کر رہے تھے۔ ان کی آنکھیں نم تھیں اور آواز بھیگی ہوئی۔

"بقول عالیہ بھابھی کہ رائے نے اس رات ہیلز پہنی تھیں۔ سب کو لگتا ہے وہ اپنی لاپرواہی سے گری تھی۔ لیکن میرا دل آج بھی یہ بات نہیں مانتا۔ میں جانتا ہوں۔ وہ اتنی لاپرواہ کبھی نہیں تھی۔ اسے بچے بہت پسند تھے۔ وہ تو سب کا خیال رکھتی تھی۔ تو میں کیسے مان لوں کہ اس نے اپنے بچے کا خیال نہ رکھا؟"

کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تو وفانے بھیگی آواز میں کہا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کیا کہوں۔" احمد آہستہ سے مسکرا دیے۔

"کچھ نہ کہو۔ بعض اوقات لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خاموشی ہی کافی ہو جاتی ہے۔"

"آپ نے ان کے بعد کبھی دوسری شادی کا نہیں سوچا؟" سہیل نے دائیں جانب چہرہ موڑ کر انہیں دیکھ کر پوچھا۔ اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو چکی تھیں۔ لیکن شکر کہ اندھیرے کے باعث وہ نظر نہ آتا تھا۔

"ہر انسان کی ہماری زندگی میں ایک الگ جگہ ہوتی ہے۔ اور ہر انسان کی جگہ اُس کی خود کی ہی ہوتی ہے۔ کوئی اور آکر اپنی جگہ الگ بناتا ہے۔ لیکن وہ جگہ ہمیشہ خالی ہی رہتی ہے۔ اس لئے میں نے بھی وہ جگہ اس کے لیے خالی ہی رہنے دی۔ جس سے میں نے وعدہ کیا تھا۔" احمد اب بھی آہستہ اور نرم تھے۔

"چاچو ویسے آپ کی کہانی بھی کسی ناول کی کہانی سے کم نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بھی بہت اچھی ہے۔"

"جانتا ہوں۔" احمد نے گہری سانس لے کر کہا۔

وفا اب کے نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ اور سہیل نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔ روشنی میں اس کا پر نور چہرہ صاف نظر آتا تھا۔ وہ اندھیرے میں تھا۔ اور وہ اُجالے میں۔ وہ سیاہ تھا۔ اور وہ سفید۔

"یہ سب تو مقدر کے کھیل ہیں۔ اس دنیا میں پسندیدہ شخص کا ساتھ ملنا بھی ایک نعمت ہے۔ اور بعض نعمتیں ہر شخص کو نہیں ملتیں۔" وہ بات مکمل کر خاموش ہو گئے تو وفانے پوچھا۔

"رائہ داؤد آپ کو بہت پسند تھیں؟"

"بہت۔۔"

"آپ ان سے بہت محبت کرتے تھے؟"

"بہت۔۔"

"وہ آپ کو کیسی لگتی تھیں؟"

"وہ مجھے کیوٹ لگتی تھی۔" احمد کچھ یاد کرتے ہنس دیے۔

بڑا گیٹ کھلا اور ایک گاڑی اندر داخل ہوئی۔ سہیل بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور آگے آیا۔ احمد بھی واپس حویلی میں جانے لگے تو انہیں وفا کی آواز سنائی دی۔

"چاچو۔۔" انہوں نے مڑ کر دیکھا تو وہ وہیں بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"آپ غم نہ کرنا۔ آپ کی کہانی ایک دن مکمل ضرور ہوگی۔" وہ آنکھوں میں نمی اور محبت لیے بولی تھی۔

"کیسے؟" سادگی سے سوال آیا۔

"کہتے ہیں جو کہانیاں یہاں ادھوری رہ جاتی ہیں نا۔ وہ وہاں پوری ضرور ہوتی ہیں۔" اس نے آسمان کی جانب اشارہ کیا تھا۔

(میں وعدہ کرتا ہوں۔ تم میری زندگی میں پہلی نہیں ہو۔ لیکن آخری ضرور ہوگی۔)

(میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ اور میں آپ کا انتظار کرونگی۔)

پل بھر کو تو احمد ساکت ہی رہ گئے تھے۔ پھر وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ اندر بڑھ گئے۔

"کہاں تھے سہیل؟ جانتے بھی ہو میں کتنا فکر مند تھا؟ بتا کر نہیں جاسکتے تھے؟" سہیل نے سنجیدگی سے سامنے موجود لڑکے کو ڈانٹا تھا۔

"یار بھائی میں بچہ تھوڑی ہوں۔ دوستوں کے ساتھ گیا تھا۔ آگیا واپس۔"

"پھر بھی۔۔ تمہیں مجھے بتانا تو چاہیے تھا۔" سہیل نے منہ بنایا۔

"یار آپ میری اور آرزو کی اتنی فکر کیوں کرتے ہیں؟ ہمارے اصلی باپ کو تو ہمارا ہوش ہوتا نہیں ہے۔ پلیز برو۔۔ آپ بھائی ہیں وہی بن کر رہا کریں۔ باپ نہ بنا کریں۔"

"سہمی۔۔" وہ دھاڑا تھا۔ بے اختیار سہمی دو قدم پیچھے ہوا۔

"جاؤ یہاں سے۔" سہیل نے سنجیدگی سے اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ وہی سنجیدگی جس سے اس کے مخالف ڈر بھی جاتے تھے۔ سہمی خاموشی سے اس کے برابر سے نکل کر آگے بڑھ گیا۔

(آپ ہر بار میرے بلانے پر آیا کرو گے نا بھائی؟)

وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ ضبط کرتا ہوا مڑا۔

(آپ بھائی ہیں وہی بن کر رہا کریں۔ باپ نہ بنا کریں۔)

سفید حویلی اس کے سامنے کھڑی چمک رہی تھی۔

(اس ایک رات میں اس حویلی نے اپنی ساری خوشیاں کھو دیں۔)

اس نے آہستہ سے گہری سانس لی۔ اور ہاتھ جیبوں میں ڈالے۔

(اس دنیا میں پسندیدہ شخص کا ساتھ ملنا بھی ایک نعمت ہے۔ اور بعض نعمتیں ہر شخص کو

نہیں ملتیں۔)

وہ اُسے زخم نظروں سے دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔

وفا حویلی کے درمیان میں موجود تھی۔ وہ خود کو سمجھتی تھی۔ اور اب بھی وہی کر رہی تھی۔

(کیا اذان تجھے پسند ہے؟)

وہ حویلی کو دیکھتی ہوئی ایک چکر گھومی۔

(اس دنیا میں پسندیدہ شخص کا ساتھ ملنا بھی ایک نعمت ہے۔ اور بعض نعمتیں ہر شخص کو نہیں ملتیں۔)

پھر دوسرا۔ سب کچھ اب بھی ویسا ہی تھا۔

("کیا غلط ہے اگر اس بار میں اپنے دل کی سن لوں؟ کیا غلط ہے؟ اگر اس بار۔۔۔ میں اپنے آپ کو چن لوں؟")

اور وہ تیسرا چکر نہیں گھومی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ سجائے وہ اختر صاحب کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

وہ اپنے دل کی سن چکی تھی۔ شاید اس بار۔۔۔ وہ اپنے آپ کو چن چکی تھی۔

سیاہ آسمان کے نیچے بہت سی روشنیاں جگمگا رہیں تھیں۔ یہ ایک صاف اور لمبی سڑک تھی۔ جسے ہر تین ماہ میں آج کی رات ایک ریسنگ ٹریک بنایا جاتا تھا۔

یہ ایک بانیک ریس تھی۔ یہاں بہت شور تھا۔ بہت سے نوجوان موجود تھے۔ کچھ لوگ صرف ریس دیکھنے آئے تھے تو کچھ اپنے پسندیدہ ریسرز کو جیتتا ہوا دیکھنے آئے تھے۔

ایک جانب سے AK کے لئے آوازیں لگائی جا رہیں تھیں تو ایک جانب شاہ کے نام کی بھی گونج تھی۔ وہ دونوں ہی بہترین ریسرز تھے۔ دونوں میں ہر بار ٹکڑ کا مقابلہ ہوتا تھا۔

"اس بار میں نہیں ہارنے والا ریاض۔" بلیک کلر کی بانیک پر موجود شعیب نے مسکرا کر دائیں جانب دیکھا تھا۔

"دیکھتے ہیں۔" اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا اور پھر اپنا ہیلیمٹ لگایا۔

ریس شروع ہونے میں کچھ ہی لمحے بچے تھے۔ چار ریسرز اپنی بانیک پر بالکل تیار تھے۔ کہ ایک پانچواں ریسر بھی اُن کے ساتھ سے آیا۔ ان چاروں نے اس کی جانب دیکھا جس نے ہیلیمٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی بانیک ریڈ تھی۔ ان چاروں سے مختلف۔ اس کا نام ریڈ رائیڈر تھا۔

ریاض نے چہرہ سامنے کیا اور خود کو یقین دلایا۔ ("Ak کے لئے یہ بالکل مشکل نہیں۔")

ساری بائیکس اپنی پوری رفتار سے آگے بڑھیں۔ سب سے آگے ریاض اور شعیب ہی تھے۔ دونوں میں برابری کا مقابلہ تھا۔ سب کی نظریں انہی پر ٹکی تھیں۔ اور ایک لمحے کا عمل تھا۔

ان دونوں کے درمیان سے نکل کر وہ ریڈ رائڈر آگے بڑھ گیا۔ بڑھتا ہوا شور اچانک تھا۔ فنشنگ لائن قریب تھی۔ ریاض نے اپنی رفتار پوری قوت سے بڑھائی لیکن پھر بھی ناکام رہا۔

ایک دم شور بڑھا تھا۔ ریڈ رائڈر جیت چکا تھا۔ اس نے وہاں پہنچ کر بائیک گھمای اور روک دی۔ سبھی کی نظریں اس نینے بندے پر جمی تھیں۔ اس نے اپنا ہیلیمٹ اتارا تو لمبی زلفیں ہوا سے اڑتی ہوئی قمر پر آبشار کی مانند پھیل گئیں۔

اسے دیکھ پل بھر کو تو ریاض کی بھی سانسیں تھمیں تھیں۔ وہ خوبصورت تھی، قابل تھی، اور ہوشیار بھی۔ جواب مسکرا کر سبھی کو دیکھ رہی تھی۔

“And the winner is...Faiza Iqbal urf Red Rider”.

اس کے نام کی پکار لگائی گئی تھی۔ اور وہاں موجود لوگوں کو ایک نیا نام مل گیا تھا۔

“Congrates Red Rider”..

ریس ختم ہو چکی تھی۔ ریاض نے اسے مسکرا کر وش کیا۔

"مجھے بالکل امید نہیں تھی کہ میں کبھی کسی لڑکی سے بھی ہار سکتا ہوں۔" شعیب نے ہلکا سا طنز کیا۔

"اپ کو امید ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ ایک لڑکی کے کئی روپ ہوتے ہیں۔"

"تو کیا یہ خوبصورت لڑکی میرے ساتھ کافی پینا پسند کرے گی؟" وہ اس سے متاثر ہوا تھا۔ لیکن ریاض اس کی اس بات سے بالکل متاثر نہیں ہوا۔ اس نے مسکرا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے آہستہ سے دبایا۔

"وہ یہاں ریس کے لئے ای تھی شاہ۔ تمہارے ساتھ کوئی پینے نہیں۔"

("اوہ! تو جناب کو جلن بھی ہوتی ہے۔") فائزہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ خاموشی سے وہاں سے نکل گئی۔

رات کافی ہو چکی تھی۔ بہت سے لوگ جا رہے تھے اور بہت سے جا بھی چکے تھے۔ ریاض نے دوستوں سے مل کر ایک نظر ہر طرف گھمای۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ شاید جا چکی تھی۔ وہ آج اس کا نیا روپ دیکھ کر متاثر ہوا تھا۔ لیکن کاش وہ اس سے مل کر بات بھی کر پاتا۔

اسی سوچ میں گم وہ چہرے پر مسکراہٹ لیے اپنی بانیک کے پاس آیا تو اُس کی مسکراہٹ غائب ہوئے۔ وہ ساتھ موجود اپنی بانیک پر بیٹھی، فون میں مگن تھی۔ وہ حیران ہوا۔ کیا وہ اس کا انتظار کر رہی تھی؟

"آپ گھر نہیں گئیں؟" اسے سن فائزہ نے بنا سر اٹھائے جواب دیا۔

"میں آپ کا ویٹ کر رہی تھی۔" جواب بنا جھجک آیا تھا۔ وہ حیران ہوا لیکن پھر اس نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"اور آپ میرا ویٹ کیوں کر رہیں تھیں؟" اُس نے آگے ہاتھ باندھتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔ فائزہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور فون رکھتی ہوئی لاپرواہ انداز میں بولی۔

"سوچا پوچھ لوں کہ کیا آپ اس خوبصورت لڑکی کے ساتھ کوئی پینا پسند کریں گے؟"

"رات بہت ہو رہی ہے۔ آپ اس وقت گھر جائیں۔" اس نے نرمی سے جواب دیا تھا۔ مگر مخالف بھی فائزہ اقبال تھی۔ جو سیدھے راستے پر بھی الٹے طریقے سے چلتی تھی۔

"اوہ! تو آپ انٹر سٹڈ نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میں شاہ کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی بانیک سٹارٹ کرنے لگی۔ ریاض نے اسے اچھبے سے دیکھا۔

"آپ اس کے ساتھ نہیں جائیں گی۔"

"پھر آپ میرے ساتھ چلیں۔" جواب فوراً آیا تھا۔ ریاض بنا کچھ کہے اپنی بائیک سٹارٹ کرنے لگا۔

روڈ سائیڈ اوپن ریسٹورانٹ میں وہ دونوں ہی خاموش بیٹھے تھے۔ ریاض اپنی مسکراہٹ دبا کر اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا جو یہاں آ تو گئی تھی۔ لیکن اب شاید اندر کہیں گھبرا رہی تھی۔ اس کے آدھے بال کلپ میں قید تھے اور باقی ہوا سے اڑ رہے تھے۔ وہ اُسے کافی دلچسپ لگی تھی۔ درمیان میں حائل خاموشی کو ترق کرتے ہوئے ریاض نے ہی پہل کر دی۔

"آپ مجھ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہیں؟" فائزہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا۔

"جی۔۔ وہ میں۔" وہ کہتی ہوئی چپ ہو گئی۔ شاید کنفیوز تھی۔

"گہری سانس لو۔" فائزہ نے بنا کچھ کہے آنکھیں بند کر گہری سانس لی۔ پھر آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ وہ سامنے بیٹھا اسے نرمی سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟"

"نہیں۔۔ میں آپ سے ناراض کیوں ہوں گا؟"

"میں آپ کو زبردستی یہاں لائی ہوں۔" وہ معصومیت سے بولی تھی۔ ریاض نے پانی کا گلاس اٹھ کر منہ سے لگا لیا۔ اُسے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہوا تھا۔ وہ اُسے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُس کے ساتھ زبردستی کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ ریاض ہے۔

"ہاں لائیں تو آپ زبردستی ہی ہیں۔ لیکن سچ کہوں تو مجھے یہ زبردستی بری نہیں لگی۔" وہ ہلکا سا ہنسا۔ فائزہ بے اختیار مسکرا دی۔ ویٹر درمیان میں دو کافی رکھ گیا۔

"کیا ہم دونوں کے درمیان سے یہ "آپ" ہٹ سکتا ہے؟" اس نے لب تر کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ ریاض

نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ جیسا "تم" کہو۔" فائزہ کے لبوں پر مسکراہٹ ریگ گئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ٹیبل پر ٹکائے اور آگے کو ہوئی۔

"وہ میں ایک بار تم سے ملنا چاہتی تھی۔ یا شاید یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ ایک بار اپنا یہ روپ دکھانا چاہتی تھی۔" ریاض نے سپ لے کر کپ رکھا۔

"بہت اچھے۔ پھر؟"

"پھر یہ کہ میں چاہتی ہوں۔۔۔ کہ تم ایک بار اور سوچ لو۔" ریاض نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ بھوری اور ہیزل آنکھیں آپس میں ملیں۔

"کیا سوچ لوں؟"

"یہی کے تمہیں مجھ جیسی لڑکی سے شادی کرنی ہے یا نہیں۔" اب کے ریاض بھی آگے ہوا۔ اور اپنی بھوری آنکھوں سے اس کی ہیزل آنکھوں میں جھانکا۔

"تم جیسی لڑکی مطلب؟" فائزہ نے گہری سانس لی۔

"ارے! مطلب جیسی میں ہوں۔ جو بایک چلاتی ہے۔ جسے باقی لڑکیوں کی طرح ہیلز اور

بھاری

جوڑوں کی عادت نہیں ہے۔ جو اپنی موج میں رہتی ہے۔ اور جو تمہیں رات کے اس وقت زبردستی یہاں تک لا سکتی ہے۔" ریاض نے گہری سانس لے کر ٹیک لگائی۔ اور کچھ لمحے اُسے سنجیدگی سے دیکھتا رہا۔

("فائزہ یارر اب کیا یہ نہ کر دیگا؟") اس نے افسردگی سے سوچا تھا۔

"سوچا لیا۔ مجھے تم جیسی بایک چلانے والی، اپنی موج میں رہنے والی اور مجھے رات کے اس وقت یہاں زبردستی لانے والی لڑکی سے ہی شادی کرنی ہے۔ جسے باقی لڑکیوں کی طرح ہیلز اور بھاری جوڑوں کی بالکل عادت نہیں۔" ریاض نے باخوشی اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"Are you sure Mr.AK"?

"Yes, I am damn sure Ms.Red Rider.

سچ کہوں تو میرا تم پر دل آچکا ہے۔ اور اب چاہے تم جیسی بھی ہو۔ میرے لئے صرف میری ہو۔ "فائزہ کا چہرہ بے اختیار سرخ ہوا۔ اسے لگا پل بھر کو اس کے ارد گرد سب تھم گیا ہو۔ وہاں چلتی ہوئی ہوائیں، بولتے ہوئے لوگ، سب کچھ۔ صرف کچھ رہ گیا تھا تو سامنے بیٹھا شخص اور اس کی دو خوبصورت آنکھیں۔

"میں بعد میں بھی خود کو نہیں بدلوں گی۔" ذہن نے ایک اور کوشش کی۔

"میں تمہیں بدلنا بھی نہیں چاہوں گا۔" اور دل اُس کوشش میں جیت گیا۔ وہ کہہ کر دوبارہ آگے ہوا۔

"چلو یہ بات ڈن ہوئی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو ویسے ہی قبول کریں گے جیسے ہم ہیں۔ ورنہ تم

بھی چاہو تو مجھ جیسے لڑکے کے بارے میں اور سوچ لو۔"

"تم جیسا لڑکا مطلب؟"

"مطلب جیسا میں ہوں۔ تمہیں گرتا دیکھ تھا منے والا، تمہاری گھبراہٹ کو کم کرنے والا اور وہ جس کے ساتھ اُس کے محبوب لوگوں کے علاوہ اور کوئی زبردستی نہیں کر سکتا۔"

اُس کی ہیزل آنکھیں کچھ لمحے اُس پر اٹکی رہیں۔ پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنسی دی۔ وہ بھی ہنس دیا۔

"جناب آپ ہر لڑکی کے ساتھ دوسری ملاقات میں ہی اتنے پیار سے پیش آتے ہیں یا صرف میرا معاملہ ہی کچھ خاص ہے؟"

"لڑکیوں کو تو میں پہلی ملاقات میں ہی متاثر کر دیتا ہوں۔ ہاں البتہ تمہارا معاملہ واقعی خاص ضرور ہے۔ کیونکہ یہاں تو میری تیسری ملاقات بھی اتفاقاً ہوئی ہے۔" فائرہ نے اُسے نا سمجھی سے دیکھا۔

"تیسری؟" وہ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے۔ زیادہ دیر ہوئی تو تمہارے گھر والے پریشان ہوں گے۔" اُس نے موضوع بدلا اور اپنی چابیاں اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا۔ وہاں اُن دونوں کی ہی چابیاں ساتھ ساتھ رکھی تھیں۔ وہ کچھ سوچ کر مسکرا دیا۔

"وہ پریشان نہیں ہوں گے۔" وہ اُس کے خیالوں سے انجان، اپنی ہی دھن میں کہتی ہوئی اٹھی تھی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ اُن کی سب سے بڑی پریشانی ہی میں ہوں۔" وہ کھکھلا کر ہنس دی۔ وہ بھی ہنس پڑا۔

"میرا بھی یہی معاملہ ہے۔ ما کا لاڈلا۔ اور باپ کا مثلاً۔" وہ پارکنگ کی جانب آہستہ قدموں سے بڑھ رہے تھے۔

"بہت خوب! ہم میں بہت کچھ سیم ہے۔" ارد گرد اور بھی بہت سے ریسٹورنٹس تھے۔ رنگ برنگی روشنیوں میں بہت ہی خوبصورت منظر نظر آتی تھیں۔

"ویسے تم کافی دلچسپ ہو ریڈ رائڈر۔" وہ اعتراف کیے بنا نہ رہ سکا۔

"کیا میں اسے تعریف سمجھوں؟"

"جو دل کرے سمجھ لو۔"

دروازے پر ہوئی دستک کو سن سہیل نے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ تھوڑا حیران ہوا۔ اس وقت کون آ سکتا تھا؟

وہ آرام دہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اُس نے کتاب بند کی اور بستر سے اٹھ کر لائٹ اون کی۔ دروازہ کھولتے ہی سر جھکائے سہی کو سامنے موجود پایا۔

"تم؟ اس وقت؟" سہی نے ایک نظر اُسے دیکھا پھر دوبارہ سر جھکا گیا۔ سہیل نے خاموشی سے اُسے اندر آنے کا راستہ دیا تو وہ آکر بیڈ پر ہی بیٹھ گیا۔

"اب کچھ بولو گے بھی یا زبان کو کمرے میں چھوڑ کر آئے ہو؟" وہ سنجیدگی سے ہاتھ آگے باندھے، اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

"بھائی وہ۔۔ وہ مجھے آپ سے سوری کہنا تھا۔ مجھے وہ سب نہیں بولنا چاہئے تھا۔" وہ کچھ لمحے خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

"ہم۔۔ ٹھیک ہے۔ اور کچھ؟"

"آپ نے مجھے معاف کر دیا؟ آپ ناراض نہیں ہوئے؟" سہیل نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ سہیل ہلکی مسکراہٹ لبوں پر لیے اس کے ساتھ بیٹھا۔

"میں نے زیادہ دیر تم سے ناراض رہ کر کیا کرنا ہے یار؟ تمہیں احساس ہو گیا۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔" وہ بے اختیار سہیل کے گلے لگا۔

"آپ اتنے سخت ہیں نہیں تو اپنے آپ کو دکھاتے کیوں ہیں؟" اُس نے الگ ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ پل بھر کو سہیل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اُسے بہت کچھ یاد آیا تھا۔

"میں سخت ہی ہوں سہیل۔ بس ابھی تمہیں شاید پہچان نہیں ہے۔" کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"ایک بات مانو گے میری؟" سہیل نے کہتے ہوئے اپنی سائڈ ٹیبل پر رکھی کتاب اٹھائی۔ سہیل نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آج تو کہہ گئے تھے۔ آئندہ یہ کہنے کی غلطی مت کرنا کہ امی اور بابا کو ہماری فکر نہیں ہے۔"

"لیکن میں نے جھوٹ تو نہیں کہا تھا۔"

"ہر سچ کہنے والا بھی نہیں ہوتا سہی۔ اور تم اتنا مت سوچا کرو۔ کم از کم جب تک میں زندہ ہوں۔ تب تک تم اور آرزو بالکل تنہا نہیں ہو۔" وہ سر اثبات میں ہلا گیا۔ پھر مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سمجھ گیا بھائی۔ اب چلتا ہوں۔ ویسے بھی اب کل سے بہت سے کام دیکھنے ہیں۔" سہیل حامی بھر گیا۔ وہ جانتا تھا وہ کن کاموں کی بات کر رہا ہے۔

سہیل دروازہ بند کر بالکنی میں چلا آیا۔ وہ بہت بڑی تھی۔ وہاں صوفے بھی پڑے تھے جن پر لیٹ کر وہ کھلے آسمان کو دیکھنے لگا۔ اُسے کھلا آسمان بہت پسند تھا۔ وہ اکثر کئی راتیں ایسے ہی گزار دیتا تھا۔ پھر وہ چانک اٹھا۔ اور وہاں رکھے سینٹر ٹیبل سے کاغز اور قلم نکال کر کچھ لکھنے لگا۔ اُس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ لیکن اُس کا ہاتھ بہت خوبصورتی سے قلم کو کاغز پر چلا رہا تھا۔

یہ جہاں ہے سرخ گلاب جیسا،

کسی حسین خواب جیسا۔

کہیں کھلی کتاب جیسا،

کہیں کسی عذاب جیسا۔

سنو جو تم داستان اس کی

تو مانو اسے سراب جیسا۔

یہ جہاں ہے سرخ گلاب جیسا

کسی حسین خواب جیسا!

رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔ اور وہ سیاہ آسمان کے نیچے بہت سکون سے بیٹھا تھا۔ جیسے
اس وقت اُس کے پاس اور کوئی کام نہ ہو، کوئی فکر نہ ہو۔ صرف سکون ہی سکون ہو۔

بھٹکے جو اس کی جستجو میں

چاہے تو پھر فراغ ایسا۔

نہ ہوش ہو پھر اُس کو خود کا

یہ ڈھانک دے حجاب ایسا۔

جو جلے تو پھر راخ کر دے

یہ ہے چمکتا چراغ ایسا۔

یہ جہاں ہے سرخ گلاب جیسا

کسی حسین خواب جیسا!!

(از قلم سامیہ عالم)

مسکراتی ہوئی صبح کو کھلے دل سے قبول کرتے ہوئے وفائے کھڑکیوں سے پردہ ہٹایا۔ اور آنکھیں بند کر ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔ وہ تازہ دم تھی۔ گیلے بال قمر پر لٹوں کی صورت پڑے تھے۔ اور جسم پر موجود سادہ ٹخنوں تک آتی فراک ہوا سے پھڑپھڑا رہی تھی۔

شزا مندی مندی آنکھیں کھول کر اُسے دیکھ، آہستہ سے مسکرا دی۔ پھر اٹھ بیٹھی۔

"کیا کر رہی ہو وفا؟" اُس نے محبت سے پوچھا۔ وہ پلٹی تو اُسے اپنے بالوں کو سمیٹتے پایا۔

"میں تو کچھ نہیں کر رہی۔ لیکن یہ تم نے اپنی آنکھوں کا کیا کیا ہے؟ یہ سرخ کیوں ہیں

شزا؟" وفا فکر مندی سے اُس تک آئی تھی۔ شزا کے گلے میں گلی ڈوب کے ابھری۔

"پتا نہیں یار۔ شاید رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔" وہ نظریں چراتی ہوئی بالوں کا جوڑا لپیٹنے لگی۔ وفا کے ماتھے پر بل پڑے۔

"ٹھیک سے نیند نہیں آئی یا۔ رات بھر روتی رہی ہو؟" وہ مشکوک نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں یار میں نے کیوں رونا ہے رات بھر؟ بلکہ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اب میری بہن کی شادی ہو جائیگی تو میں تو اس کمرے میں اکیلی ہو جاؤں گی۔" وہ لاڈ سے کہتی ہوئی وفا کے ساتھ لگی۔ وہ مسکرا دی۔

"بس اتنی سی بات؟ ارے ہم تمہاری بھی شادی بہت جلد کرا دیں گے۔" شزا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"چھوڑو ان باتوں کو وفا۔ یہ بتاؤ تم دادو کے فیصلے سے خوش تو ہونا؟" شزا اُس کے سامنے کھڑی ہوئی۔ وفا کچھ لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ اُسے بھی کچھ یاد آیا تھا۔ پھر اس نے کھلے دل سے سر ہلایا۔

"ہاں! میں اُن کے فیصلے سے سچ میں بہت خوش ہوں۔ اور یار بات بھی تو خوش ہونے والی ہے۔ اذان اتنا اچھا ہے۔ خوش اخلاق، خوش شکل، وہ ہر لحاظ سے بہترین ہے۔" شزا وفا کی

آنکھوں میں صاف چمک دیکھ سکتی تھی۔ اُسے اپنا فیصلہ درست لگا۔ وہ کبھی بھی اُس کے راستے میں نہیں آ سکتی تھی۔

"اچھا شزا تمہیں اذان کیسا لگتا ہے؟" وفا اُس سے عام سے انداز میں پوچھتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل تک گئی۔ اور آئینے میں دیکھ کر اپنے بال کاڑنے لگی۔ شزا کچھ لمحے تو کچھ بول ہی نہ سکی۔ وہ حیران تھی۔

("وفا یہ کیوں پوچھ رہی ہے؟ کہیں اذان نے؟")

(میں وفا کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم نہیں، تو کوئی بھی نہیں۔)

"بولو شزادی۔" اُس کی پکار پر وہ حال میں لوٹی۔

"میں سمجھی نہیں۔ مطلب؟"

"مطلب میں تمہاری بہن ہوں۔ تمہیں اذان میرے لیے کیسا لگا؟" وفا اُسے آئینے میں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میں کیا بول سکتی ہوں وفا؟ میرے لیے تو تم دونوں ہی بہت خاص ہو۔ اور میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہوگی کہ میری زندگی کے دو سب سے خاص لوگ ہمیشہ کے لیے ساتھ ہو جائیں گے۔" شزا کی آواز میں خوشی صاف چھلک رہی تھی۔ وفا نے بھی حامی بھری۔

"اچھا میں جلدی سے فریش ہو جاتی ہوں۔ ویسے بھی دادو نے تو آج سے ہی سارے کام شروع کر دینے ہیں۔ سبھی بہت مصروف رہینگے۔" وہ کہتی ہوئی واشروم میں گھس گئی۔ وفانے بال سیدھے کر ایک بار خود کو مسکرا کر آئینے میں دیکھا۔ پھر اُس کی مسکراہٹ فنا ہو گئی۔ وہاں اب صرف غصہ تھا۔

وہ زینے اُترنے لگی تھی جب اُسے اذان جلدی میں اپنے کمرے سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ پولیس کی وردی میں وہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وفا وہیں رک گئی۔ اذان کی نظر اُس پر پڑی تو اُس نے اپنی رفتار بڑھائی اور اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"کہاں جانے کی تیاری ہے اذان؟"

"ایک بہت ضروری کام ہے۔"

"بہت ضروری ہے؟" وفا کی بھونکیں چڑھیں۔ اُس نے حامی بھری۔

"ہمم۔۔ اور وفا مجھے تم سے بھی کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" اذان نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ روم سے نکلتی شزا اُن دونوں کو دیکھ ٹھہر گئی۔ اُس کی جانب سے وفا کی پشت تھی۔ البتہ اذان اُسے دیکھ چکا تھا۔

"ہاں بولو۔ کیا ہوا؟" وہ سنجیدگی سے اُسے سن رہی تھی۔ اذان نے ایک نظر شزا کو دیکھا جس کی آنکھیں میں خوف تھا۔ اُن دونوں کو کھو دینے کا خوف۔

"وفا میں تمہیں بہت پہلے سے بتانا چاہتا تھا لیکن مجھے موقع نہیں مل سکا۔ مگر میں اب اور دیر نہیں کرنا چاہتا۔"

"تُم مجھے ڈرا کیوں رہے ہو؟ اب ایسی کون سے اتنی سیریس بات ہے؟"

"یہاں کیوں کھڑے ہو؟ نیچے نہیں جانا کیا؟" شزا درمیان میں آئی تھی۔ اذان نے اُسے غور سے دیکھا جو تھوڑی گھبرائی ہوئی بھی تھی۔ مگر وفانے اُس وقت اُس پر غور نہیں کیا تھا۔

"ایک منٹ شہزادی۔ اذان کو کوئی ضروری بات کرنی ہے۔"

"کون سی ضروری بات؟ بلکہ بعد میں کر لینا ابھی دونوں نیچے چلو۔ سب انتظار کر رہے ہونگے۔" شزا نے موضوع بدلنا چاہا۔

"کرنے دو انتظار۔ بلکہ پوری دنیا کو کرنے دو۔ میری بات اس وقت سب سے اہم ہے۔" اذان نے ضبط سے کہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی شزا پر غصہ نہیں کر پاتا تھا۔ وفا ہنسی۔

"آرام سے انسپکٹر۔ آرام سے۔ اتنا کیوں پریشان ہوتے ہو؟ میں ہوں نا ابھی۔" اذان ٹھہر گیا۔ وہ ایک ٹک وفا کو دیکھنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے وہ کچھ سمجھ پاتا۔ وہ مسکرا کر زینے اترنے لگی۔

"مجھے آپ سے یہ امید بالکل نہیں تھی اذان۔ آپ کو نظر نہیں آ رہا کیا کہ وفا کتنی خوش ہے؟" شہزاد اُس پر بھڑکی تھی۔ اور وہ اُسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ کیا اُسے غصہ بھی آتا تھا؟

"اب منہ کیوں بند ہے آپ کا؟"

"کچھ بولنے دو گی تب بولنگا نا۔ بلکہ بولتی رہو تم۔ نہیں کرتیں مجھے پسند۔ مت کرو۔ لیکن میں صرف تمہیں پسند کرتا ہوں۔ اور تمہارے علاوہ اور کسی سے شادی نہیں کرونگا۔" لمحے بھر کو شہزاد چپ ہوئی۔ پھر اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔ اذان گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"اللہ کے لیے شہزادی۔ میرے سامنے مت رو پلینز۔"

"تو میری بات مان لیں نا۔"

"تم ایک پولیس والے کو بلیک میل کر رہی ہو؟" وہ ہلکا سے حیران ہوا تھا۔ لیکن اُس نے چہرہ پھر بھی سنجیدہ رکھا۔

"ہاں کر رہی ہوں۔" اذان نے آگے ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑی اپنی شہزادی کو دیکھا۔ اُسے محسوس ہوا اُس نے اس کا نام شہزادی رکھ کر غلطی کی تھی۔ وہ تو اب مفت میں اُسے ہی شہزادیوں والے خمرے دکھا رہی تھی۔

"پولیس والے بلیک میل نہیں ہوتے۔"

"کیا جن سے وہ محبت کرتے ہوں اُن سے بھی نہیں؟" وہ چپ رہ گیا۔ آج پہلی بار کسی لڑکی نے اُسے لاجواب کیا تھا۔ اذان نے رخ موڑ لیا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تو اُسے شزا کی آہستہ آواز سنائی دی۔

"میں پہلی بار آپ سے کچھ مانگ رہی ہوں اذان۔ پلیز۔۔ اپنی یہ ضد چھوڑ کر مجھے اپنے دل سے نکال دیں۔" اذان آہستہ سے ہنسا۔

"میں تو تمہیں بہت معصوم سمجھتا تھا شزادی، تم تو بہت ظالم نکلیں۔ مجھ سے مجھ کو منگتیں، میں دے دیتا۔ لیکن تم نے تو مجھ سے خود کو مانگ لیا یار۔" وہ کہہ کر بنا اُس کی جانب دیکھے وہاں سے چلا گیا۔ اور وہ وہاں ساکت کھڑی رہی۔ پانی آنکھوں سے چھلکنے کو بے تاب ہوا تو اُس نے ضبط سے آنکھیں بند کر لیں۔

"اگر آنکھیں بند کر لینے سے سچ بدلا کرتے تو کوئی آنکھیں نہ کھولتا۔ بھلا حقیقت سے کون خوش ہوتا ہے؟" کسی کی نرم آواز پر اُس نے آنکھیں کھول، پلٹ کر دیکھا۔ سہیل اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ شزا نے پہلی بار اس کے چہرے پر نرمی دیکھی تھی۔

"آپ؟" وہ کچھ بول نہ سکی۔

"یہ آپ جناب چھوڑو اور نیچے چلو۔ اذان جا چکا ہے۔" وہ کہہ کر اُس کے ساتھ سے نکل گیا۔ اُس کی آنکھیں پھیلیں۔ وہ اُس کے پیچھے آئی۔

"آپ نے؟ مطلب۔۔"

"نہیں میں نے کچھ نہیں سنا۔ لیکن میں پھر بھی سب جانتا ہوں۔" وہ آرام آرام سے اُتر رہا تھا۔

"سہیل بھائی وہ۔۔" وہ رکا۔ پھر چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔ وہ اُس سے ایک پیری اوپر تھی۔

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے آئمہ۔ اذان سے تم ویسے بھی بہت جھوٹ بول چکی ہو۔" وہ حیرانی سے اُسے دیکھنے لگی تو وہ آہستہ سے مسکرایا۔

"تمہیں بچپن سے ہی جھوٹ بولنا نہیں آتا لڑکی۔ اس لیے کوشش بھی مت کیا کرو۔ تمہیں کیا لگتا ہے اُس نے تمہاری بات مان لی ہوگی؟" وہ واپس آگے بڑھنے لگا۔

"تو؟" وہ بھی اس کے پیچھے آئی۔

"وہ اذان ہے۔ اذان اختر۔ وہ شخص جو پانی میں بھی آگ لگانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اُس نے آسانی سے ہار ماننا کبھی نہیں سیکھا۔" وہ دونوں اب حال پار کر ڈائنگ روم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شزا اچھمے سے سہیل کو دیکھ اور سن رہی تھی۔

"ہر انسان کی کمزوریاں ہوتی ہیں۔ اور اذان کی کمزوری اُس کے محبوب لوگ ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں صاف نظر آ رہا ہے کہ تم کتنی تکلیف میں ہو۔ وہ صرف تمہیں اُس تکلیف سے بچانے کے لیے خاموشی سے گیا ہے۔"

"وفا کہتی ہے اُسے آنکھیں پڑھنا آتی ہیں۔ اگر میری آنکھوں میں سچ اتنا ہی صاف ہے۔ تو کیا اُس نے بھی پڑھ لیا ہوگا؟" وہ رکا۔ پھر اُس کی جانب پورا گھوما۔

"وہ سوچتی کچھ ہے، بولتی کچھ ہے، اور کرتی تو کچھ اور ہی ہے۔ اُس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اس لیے اُس کا تو کچھ مت ہی سوچو۔" شزا نے سمجھ کر سر اثبات میں ہلایا۔

"اس دنیا میں پسندیدہ شخص کا ساتھ ملنا بھی ایک نعمت ہے۔ اور بعض نعمتیں ہر شخص کو نہیں ملتیں۔ اس لیے اگر مقدر تمہیں تمہارا من پسند شخص تھالی میں رکھ کر پیش کر رہا ہے نا۔ تو زیادہ ہیرو بن کر اُس موقعے کو ضائع مت کرو۔"

"اگر ہیرو نہ بنوں تو پھر کیا بنوں؟"

"ولن۔ جو وقت پڑنے پر اپنی لیے لڑنا بھی جانتا ہو۔ اور مرنا بھی۔ جو تمہارا ہے وہ تمہارا ہی رہنا چاہیے۔" وہ ہنس دی۔ سہیل کے ماتھے پر بل پڑے۔

"سارا مثلاً تو یہی ہے بھائی۔ وہ میرا من پسند شخص تو ہے، لیکن بس میرا نہیں ہے۔ اُس کا نام تو ہمیشہ سے ہی کسی اور کے ساتھ جڑا تھا۔" سہیل خاموش رہ گیا۔

"میں آپ کو بہت سخت مزاج سمجھتی تھی۔ لیکن آپ ویسے ہیں نہیں۔" وہ مسکرا کر کہتی، اُس کے ساتھ سے نکل گئی۔ اور سہیل کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اُس نے ضبط سے اپنی گردن پیچھے کو ڈال کر اٹھائی۔ آخر ابھی اُسے اور کتنا وقت لگنا تھا خود کو سخت اور برا ثابت کرنے میں؟

"کہاں ہے وہ؟" اس نے آگے بڑھتے ہوئے ساتھ چلتے افسر سے پوچھا۔ ان کے دونوں جانب جیل کی سلاخیں تھیں، جس میں بہت سے مجرم قید تھے۔ وہاں دن میں بھی رات کا سماع تھا۔ اندھیرے میں روشنی کے لئے بلب جلائے گئے تھے۔

"سر اسے سر عظیم ہینڈل کر رہے ہیں۔" ساتھ چلتے پولیس اہلکار نے بتایا۔ اس خاموش جگہ میں اس کے جوتوں کی چھاپ اولصاف سنائی پڑتی تھی۔ اس کی چال میں ایک روب تھا۔ اس کو راستے میں رک کر دیکھتے آفیسرز کافی حیران بھی ہو رہے تھے۔ آج بہت وقت بعد اُسے یہاں دیکھا گیا تھا۔

لوہے کا بھاری دروازہ تیز آواز کے ساتھ کھلا تو اندر کا منظر صاف ہوا۔ وہ ایک بڑا سا خالی کمرہ تھا، جہاں جلتے بلب کے نیچے آمنے سامنے دو وجود موجود تھے۔ وہ داخل ہوا تو بھاری دروازہ بند کر دیا گیا۔

ایک پولیس یونیفرم میں ملبوس شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرا البتہ ماتھے پر بل ڈالے اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کو رسی سے بندھے تھے۔

اذان مسکراتا ہوا آگے آیا اور عظیم سے گلے ملا۔ کرسی پر بندھا شخص حیرانی اور صدمے سے اس نوجوان افسر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی وردی پر چمکتے ہوئے بیڈج اس کی شخصیت کی پہچان کراچکے تھے۔

"لونگ ٹائم اذان۔ آخر کار اب یہ سب ختم ہوتا ہے۔" آفیسر عظیم نے مسکرا کر کہا۔ اذان نے گہری سانس لی اور سر نفی میں ہلایا۔

"ابھی تو صرف آدھا کیس حل ہوا ہے عظیم۔ ابھی اصل مجرم کا گلا پکڑنا تو باقی ہے۔" اس کے جواب پر عظیم نے بھی حامی بھری۔ وہ آگے آیا اور اس شخص کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تو کیسے ہو عثمان؟ بہت لمبا انتظار کرایا یا تم نے ملنے کے لئے۔" رسی سے بندھا شخص غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو اسے اپنی سرخ آنکھوں سے ہی کھا جاتا۔ اذان البتہ آرام سے ٹانگ پر ٹانگ ٹکائے بیٹھا تھا۔

"اچھا! تو تو تھا اس سارے کھیل کے پیچھے۔ ہمارے ہی عالقی کی چوکی میں بیٹھتا تھا۔ اور ہمیں ہی دھوکا دے گیا۔"

"تو میں اور کیا کرتا یار؟" اذان افسوس سے نفی میں سر ہلاتا ہوا اٹھا۔

"جب میں نے اپنے کیرئیر کی شروعات کی تھی نا۔ تو اور تیری گینگ تب سے میرے نشانے پر تھے۔ اور اس وقت مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ۔۔" وہ اس کے قریب آیا اور اپنے داہنے ہاتھ سے اس کی گردن دبوچی۔

"آج کے مجرم بہت چالاک ہیں۔ یہ خود کو سب سے چھپا کر رکھتے ہیں۔ تو میں نے سوچا۔۔ پھر تو آج کے پولیس والے بھی چالاک ہونے چاہیے۔" اس کی آواز اس وقت جتنی آہستہ تھی، انداز اتنا ہی خطرناک۔ جو وہاں کی خاموشی میں گھل کر ماحول کو اور خوفزدہ بنا رہا تھا۔

"اور بس میں نے بھی وہی کیا۔ خود کو چھپا کر رکھا۔ تیرے سامنے ایک بہادر اور قابل انسپکٹر بن کر آیا۔ تیرے دو تین کام نکلواے۔ اور تیرے قریب ہو گیا۔" عثمان نے گھورتے ہوئے اپنی گردن اس سے چھڑائی۔

"ماننا پڑیگا اذان اختر۔ تو نے بہت ہی اچھا کھیل کھیلا ہے۔ لیکن تجھے کیا لگا؟ عثمان اتنا آسان ہے؟ ہمارا سسٹم پورے آگرہ میں پھیلا ہے۔ ہم آج کے نہیں ہیں۔ ہم سالوں پرانے ہیں۔ ارے جانے کتنے اے اور کتنے گئے۔ ہمارا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔" اذان آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سننا چاہتا تھا۔ وہ یہاں آج اسے سننے ہی تو آیا تھا۔

"ہاں چل مانا کہ تیرا بہت سے کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ لیکن یہ بتا۔۔۔ تجھے ثبوتوں کے ساتھ پکڑ کر جیل تک کتنے لائے ہیں؟ تو اور تیری گینگ ہمارے قبضے میں ہے۔ اب تو کچھ نہیں کر سکتا۔ اور جانتا ہے میرا اصل نشانہ کون ہے؟ رئیس۔" سامنے بندھے شخص کی آنکھیں پھیلیں، اور چہرہ سفید پڑا۔ مانو جسم سے سارا خون نکل گیا ہو۔

"تیرا اصل مقصد کیا ہے انسپیکٹر؟ تجھے صرف آگرہ سے مطلب ہوتا تو میں تجھے کافی تھا۔ لیکن میرا بھائی تجھے کیوں چاہیے؟" اذان ہنسا۔ اس کی آواز پورے کمرے میں گونجی تھی۔

"یہ سارا کھیل صرف تیرے لئے نہیں تھا عثمان۔ یہ سب رئیس کے لیے تھا۔ جو تجھ سے بھی بڑا مجرم ہے۔ تو صرف اسمگلنگ میں تھا۔ لیکن وہ تو قتل کرواتا ہے نا؟ اور آج سے سولہ سال پہلے قیس نعیم سے اس نے ایک کار ایکسیڈنٹ میں قتل کرانے کی ڈیل کی تھی۔ اور جانتا ہے وہ قتل کس کا تھا؟" وہ آہستہ سے اس کی کرسی پر جھکا۔

"وہ قتل میرے ماباپ کا ہوا تھا عثمان۔ زویا اور فتح اختر کا۔ اب بس میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح اس ڈیل کے ثبوت میرے ہاتھ لگ جائے۔ اور میں اپنے ماباپ کے اصل قاتلوں کو سزا دے سکوں۔ زیادہ لمبا پلان نہیں ہے میرا۔" وہ دو قدم پیچھے ہوا اور ایک زوردار لات اس کے سینے پر ماری۔ وہ کرسی سمیت نیچے جا گرا۔ پھر اذان نے اس کو رسیاؤں سے اٹھایا اور زوردار مکے سے اُس کا جبراً توڑ دیا۔ عثمان کی زوردار چیخ بلند ہوئی تھی۔ درد شدید تھا۔ وہ

گردن جھکائے منہ سے ٹپکتے خون کو سیاہ فرش پر گرتا دیکھنے لگا۔ اذان پلٹ کر عظیم کے ساتھ باہر جانے لگا۔

"تُجھے یہ غلطی بہت مہنگی پڑیگی انسپکٹر۔" دروازے سے باہر نکلتے ہوئے، گمبھیر آواز سن وہ تھا۔ عظیم نے مڑ کر اذان کو دیکھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اور بنا مڑے بولا۔

"چلیگا یار۔۔ سستی چیزیں مجھے ویسے بھی پسند نہیں۔" عظیم ہنس دیا۔ دروازہ بند ہوا تو وہ دونوں آگے بڑھ اے۔

"اب سمجھ آیا۔ تو یہ تھا وہ کیس جس کے لیے تُم نے سر سے خاص پریشانی لیں تھیں۔" افسر عظیم نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"ہم۔۔ میں گراؤنڈ لیول پر رہنا چاہتا تھا۔ تاکہ ان پر زیادہ توجہ دے سکوں۔"

"تمہیں یہ نہیں لگتا کہ ہم تھوڑا سسٹم سے باہر نکل کر کام کر رہے ہیں۔ مطلب اگر رئیس نے تمہیں ثبوت دے بھی دیے۔ یا اپنے بھائی کے لیے گواہی دے بھی دی۔ تو کیا عثمان کو چھوڑنا غلط نہیں ہوگا؟" وہ بات کرتے ہوئے اب باہر آ چکے تھے۔ کھلے میدان کے اوپر تیز دھوپ پڑ رہی تھی۔

"ہم جس سسٹم میں کام کرتے ہیں نا عظیم۔ یہاں صحیح کی جگہ غلط کا ساتھ دینے والے لوگ زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اگر مجھے حق کا ساتھ دینے کے لیے تھوڑا سا سسٹم سے باہر نکل کر بھی کام کرنا پڑے۔ تو میں ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

"ہمم۔۔ سمجھ گیا۔" عظیم نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ تب سے اذان کے ساتھ تھا جب انہوں نے اپنا پہلا کیس ساتھ میں حل کیا تھا۔ انہیں ایک دوسرے پر پورا یقین تھا۔

"اذان وہ لڑکا کون ہے؟ جس کو تم نے رات اریسٹ کروایا ہے۔" اُس نے چہرہ موڑ کر ایک خاموش نظر عظیم پر ڈالی۔ اُس نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے۔

"میں نے کوئی جاسوسی نہیں کی۔ رات تمہارے علاقے میں آیا تھا تو معلوم ہوا۔ صرف پوچھ رہا ہوں یار۔۔" وہ ہنس دیا۔

"کچھ پرانا حساب چکنا کرنا ہے اُس سے۔"

"کیا کچھ بڑا نقصان کیا ہے اُس نے؟" اُس کے ماتھے پر بل پڑے۔ اذان نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔

"ہاں! بہت بڑا نقصان کیا ہے۔" ایک پل کو اُس کی نظروں کے سامنے اُس کا چہرہ لہرایا تھا۔ جس پر معصومیت اور نرمی تھی۔ وہی۔۔ جو اُسے بہت پسند تھی۔

ٹیبل پر رکھے سبز مگ سے گرم بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس میں شاید چائے تھی۔ جو آرزو اسٹڈی میں سونے پر بیٹھی کتاب پڑھتے ہوئے پی بھی رہی تھی۔ اس کی سرمئی آنکھوں کی چمک بڑھی تو وہ آہستہ سے مسکرائی۔ کہانی شاید بہت زیادہ دلچسپ تھی، جبھی اسے کسی کے خاموشی سے اندر آنے کی بھی آگاہی نہیں ہوئی۔

وقت شام کا تھا۔ جمنہ کے اوپر بنے برج پر لوگوں کی بھیڑ روز کی طرح تھی۔ لیکن یہ دن عام دنوں جیسا ہرگز نہیں تھا۔ اختر منزل میں تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

وفا خالی گھومتی ہوئی اسٹڈی تک آ پہنچی۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی بھوری آنکھیں چمکیں۔ وہ یہاں آج پہلی مرتبہ ای تھی۔ اور اب پچھتای تھی کہ پہلے کیوں نہیں ای۔

وہ اندر داخل ہوئی تو درمیان میں آ کر پوری گھومی۔ اس کا دل اتنی ساری کتابیں دیکھ کر جھوم اٹھا تھا۔ اس کے پاس اپنی بھی بہت سی کتابیں تھیں۔ لیکن وہ ساری وہ یہاں نہیں لا سکی تھی۔ اور شاید اس کا ایک حصہ تو وہیں رہ گیا تھا۔

وہ ایک بہت بڑی اسٹڈی تھی۔ وہاں بہت سی کتابیں اپنی اپنی جگہوں پر موجود تھیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے اس کی نظر سونے پر بیٹھی آرزو پر پڑی۔ وہ حیران ہوئی۔ ("کیا آرزو کو بھی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟")

"کون سی بک پڑھ رہی ہو؟" وفانے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ آرزو نے چہرہ اوپر کیا تو اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"تم یہاں؟ کیا تمہیں بھی کتابیں پسند ہیں؟" اس نے کتاب بند کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی، اور اس سے خوشی سے مخاطب ہوئی۔ وہاں تین بڑی کھڑکیاں تھیں۔ جن سے روشنی اور ہوا اندر آ رہی تھی۔ وہاں کی خاموشی میں بھی سکون تھا۔

"صرف پسند؟ بہن میں پاگل ہوں کتابوں کے پیچھے۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ کتاب ہٹانے پر کسی کی سیدھی نگاہ ان پر پڑی۔ سرمئی آنکھیں فلیپر سوٹ میں ملبوس لڑکی پر ٹک گئیں۔ وہ رف سے ہلیے میں تھی اور بال دوپٹے سے ڈھنکے تھے۔

"تو پھر تم ہمارے گھر کی پانچویں فرد ہوئیں جسے کتابیں پسند ہیں۔" آرزو نے اس کے علم میں اضافہ کیا۔ وہ بھی لور ٹراوڑ پہنے آرامدہ ہو کر بیٹھی تھی۔ وفانے نوٹ کیا تھا آج وہ پہلی والی آرزو نہیں لگ رہی تھی۔ جو ہر وقت ایسے رہتی تھی جیسی ابھی کسی پارٹی میں جانا ہو۔

"دو تو ہم ہوئے۔ باقی اور کون؟" وفانے پیر اوپر کیے اور پالتی مار کر بیٹھی۔ ایک ہاتھ سونے کے ساتھ ٹکا کر گال کے نیچے رکھا۔

"دادا، احمد چاچو اور سہیل بھائی۔ ہم لوگوں کے علاوہ یہاں اور کوئی آتا بھی نہیں ہے۔" وفا حیران ہوئی تھی۔

"سہیل کو بھی کتابوں کا شوق ہے؟"

"ارے ان سے ہی تو مجھے ہوا ہے۔ میں انہی کے ساتھ پہلے یہاں آتی تھی۔" آرزو کی خوشی کم ہوئی۔ جیسے ناجانے وہ کتنے وقت پرانی بات بتا رہی ہو۔ وفا نے صرف سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اچھا اس وقت تو یہاں صرف ہم دونوں ہی ہیں نا؟" اس نے ہر طرح دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ آرزو ہنسی۔

"ہاں تو تمہیں کوئی بھوت وغیرہ بھی دکھ رہا ہے کیا؟ بس ہم ہی ہیں یار۔"

"تم مجھے پہلے سے بہتر لگ رہی ہو آرزو۔" آرزو نے حامی بھری۔

"ہاں! میں نے بہت سوچا تھا اس بارے میں۔ سچ کہوں تو مجھے اپنا آپ امی جیسا لگنے لگا تھا۔ انہوں نے اپنا خالی پن نفرت سے بھرا تھا۔ اور میں؟ میں اپنا دکھاؤں سے بھر رہی تھی۔ اور سچ کہوں تو۔۔ تو میں ان کے جیسی نہیں بننا چاہتی۔" وفا اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسے اس وقت محسوس ہوا تھا کہ آرزو شاید اس کی سوچ سے بھی بہت مختلف تھی۔ اور اکثر لوگ ویسے بالکل نہیں ہوتے، جیسا وہ خود کو دکھاتے ہیں۔

"میں جانتی ہوں انہوں نے بہت غلط کیا ہے۔ لیکن میں۔۔۔ میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ اور

میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم۔۔ تم جو کرنا چاہتی ہو۔۔ وہ۔۔ وہ بھی غلط نہیں ہے۔ "آرزو کی آواز بھیگی تھی۔ بے ساختہ کسی کی کتاب پر گرفت سخت ہوئی۔

"وفا۔۔ ویسے میں بھی تو تمہاری دشمن ہوئی نا۔ تو تم نے۔۔ میری مدد کیوں کی تھی؟" وہ ہنسی۔ اور آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"کس نے کہا تم میری دشمن ہو؟ بلکہ دشمن تو میرا یہاں کوئی نہیں ہے۔" اس کی خوبصورت آواز آہستہ تھی۔ جو جب بھی اس طرح بولتی تھی تو لگتا تھا اپنی باتوں کے سحر میں قید کر لیگی۔

"میرے تم سے بات کرنے کے پیچھے کوئی بھی پلان نہیں تھا لڑکی۔ بس۔۔ جس کھول سے تم نکلنے کی کوشش کر رہی ہو نا۔ میں بھی بہت پہلے اس میں قید ہو چکی ہوں۔ بس میں نہیں چاہتی کہ جو چیزیں میں نے برداشت کی ہیں۔ وہ کوئی اور بھی کرے۔" وفا نے بات مکمل کر کے چہرہ اٹھایا تو آرزو کی آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وہ اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ "کیا سچ میں؟"

"ہاں! اور تم یقین کرو میں آرزو سے بات کر رہی ہوں۔ آرزو اختر سے۔ عالیہ مبین کی بیٹی سے نہیں۔ انہوں نے جو کیا وہ ان کے عمل ہیں۔ تمہارے نہیں۔ میں تمہیں اور انہیں ایک ہی مقام پر نہیں رکھتی۔"

"تم کتنی عجیب ہو!" اسی کے ساتھ وفا کا تہقہا گونجا تھا۔

"ہاں وہ تو میں ہوں۔" وہ دونوں ہی ہنس دیں۔

"خیر۔۔۔ یہ سب چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟" یاد آنے پر آرزو نے اپنا ماتھا پیٹا۔

"ارے یار۔۔ میں بھول گئی۔ دیکھو میری چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی۔" اس نے اپنی بک اٹھاتے ہوئے ٹیبل پر رکھے مگ کی جانب اشارہ کیا۔

"باتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" وفا نے افسوس جتایا۔ پھر ذہن کتاب پر گیا تو اس کا جوش بڑھا۔ "تم نولز پڑھتی ہو آرزو؟" دوسری لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں! پڑھتی ہوں۔ یا یہ کہہ لو کہ کچھ وقت کے لئے اصل زندگی سے تھوڑا دور ہو جاتی ہوں۔ تم

بھی پڑھتی ہو؟" اس نے سر ہلایا۔ وہ کتاب دیکھنے میں مصروف تھی۔

"تم نولز کیوں پڑھتی ہو وفا؟" آرزو نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کہانیوں کی دنیا حقیقتوں کی دنیا سے اچھی ہوتی ہے۔ اگر وہاں کبھی کہانی ادھوری بھی رہ جائے مگر محبت سچی ہوتی ہے۔ اور یہاں! کہانیاں تو پوری ہو جاتی ہیں۔ لیکن بعض دفع۔۔ محبت سچی نہیں ہوتی۔" ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا تو کتاب کے پنے پلٹنے لگے۔

"لیکن ہر بار ایسا نہیں ہوتا۔" کسی کی آواز پر آرزو ٹھہر گئی۔ البتہ وفا مطمئن سی مسکراتی رہی۔ سہیل اب قدم اٹھاتا ہوا سامنے آیا تھا۔ اور ان کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

"کہانیاں مختلف ہوتی ہیں۔ کردار مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی محبتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ان کے انجام مختلف ہوتا ہے۔"

"ہاں شاید۔" وفانے ہلکے انداز میں کہا۔

"آرزو جاو میرے لئے چائے لے کر آؤ۔ تم نے بہت باتیں کر لیں۔ اب کیوں نا تمہاری نئی دوست کا میں بھی کچھ حال پوچھ لوں۔"

آرزو آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی۔ کیا وہ اس سے مخاطب تھا؟

"جاؤ آرزو۔" اس نے پھر نرمی سے اصرار کیا تو وہ بے اختیار اٹھی اور چلی گئی۔

"تم میری موجودگی سے واقف تھیں نا۔"

"بلکل۔ تمہاری آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ تمہارے کان مجھے سن رہے تھے۔ میں کیسے محسوس نہ کرتی؟" وفانے کہہ کر اس کی جانب دیکھا جو

کافی سنجیدہ تھا۔ پھر گہری سانس لے کر وہ بھی کھڑی ہوئی تو سہیل نے اسے روکا۔ وفانے پلٹ کر اسے سخت نظروں سے گھورا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو۔" سہیل پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"میں نے کہا میرا ہاتھ چھوڑو سہیل اختر۔"

"میرا من نہیں ہے ہاتھ چھوڑنے کا۔" اس نے بنا کوئی خاص اثر لئے اسی سنجیدگی سے کہا۔

"کیا؟ دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے تمہارا؟" سہیل نے گرفت سخت کی۔

"ہاں ہو گیا ہے۔ تم نے کر دیا ہے۔"

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش روک دی۔

"مجھے بھی ہوئی تھی، جب تم نے چاقو مارا تھا۔"

"تم بدلا لینا چاہتے ہو؟"

"ہاں چاہتا تو ہوں۔" وفانے ادھر ادھر دیکھا پھر وہیں سونے پر پڑا کشن اٹھا کر اسے زور

سے مارنے لگی۔ سہیل نے اپنے دوسرے ہاتھ سے وہ روک کر ایک سائیڈ میں ڈال دیا۔

"بہت بھاری بھر کم اور خطرناک چیز مل گئی یار تمہیں تو مارنے کے لئے۔ بہت زور سے لگی ہے سچ میں۔" اب کے وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ وفا کا چہرہ سرخ ہوا۔ کیا وہ اُس کا مذاق بنا رہا تھا؟

"میں تمہارا حال خراب کر دوں گی سہیل۔" اب کے وہ سرمئی آنکھیں چمکیں۔ اور وہ ہنسا۔

"تمہیں پتا ہے مجھے تم میں سب سے اچھا کیا لگتا ہے؟ یہ۔۔۔ یہ تمہاری اکڑ۔ مطلب تم پہلے خود کو دیکھو، پھر مجھے۔ اور پھر اس جگہ کو۔ اور ذرا سوچو۔۔۔" اس نے اسے کھینچ کر قریب کیا۔

"اگر میں ابھی گلا دبا کر تمہیں مار دوں۔۔۔ تو کیا ہوگا؟ میرا تو سر درد ہی ختم ہو جایگا نا۔ لیکن پھر بھی تمہاری اکڑ وہیں کی وہیں ہے۔ excellent۔ وفا کے گلے میں گٹی ڈوب کر ابھری۔ وہ خاموش رہی۔" خیر۔۔۔ چلو جانے دیا۔ آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" سہیل نے ہاتھ چھوڑ دیا اور آرام سے سونے پر بیٹھا۔ وہ اسے سخت نظروں سے دیکھتی رہی۔ "مجھے تم سے بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ہاں میں تو جیسے مرا جا رہا ہوں نا تم سے بات کرنے کے لیے۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ یہ سب اب کیسے ختم کرنا ہے۔"

"تمہیں لگتا ہے اب یہ سب ختم ہو سکتا ہے؟" وفا نے ہنس کر پوچھا۔ وہ نہیں ہنسا۔

"ہو سکتا ہے۔ یا تو تم مر جاؤ یا میں۔"

"کیا؟" اس نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا۔ اس شخص کے دماغ میں قتل و غارت کے علاوہ اور کچھ نہیں چلتا تھا کیا؟

"ہاں۔۔ دیکھو تم مر جاؤ گی تو مثلاً ختم ہو جاؤ گی۔ کیونکہ پھر عالیہ مبین کس کو خود پر حاوی

کرینگے؟ باقی معاملات تو میں دیکھ ہی لوں گا۔ یا پھر میں مر جاؤں۔ کیونکہ تمہاری دیوار صرف میں ہوں۔ پھر تو تم اپنا انتقام آرام سے لے لو گی۔"

"تو کب مر رہے ہو پھر؟ کیونکہ میرا تو ابھی مرنے دینے کا کوئی دل نہیں ہے۔ بلکہ ایک کام کرتے ہیں۔ دونوں نہیں مرتے۔ تم اپنی کوشش کرو۔ میں اپنی کرتی ہوں۔ جو ہو گا دیکھا جاؤ گا۔" وہ کچھ دیر اسے سنجیدگی سے دیکھتا رہا۔ پھر حامی بھرتے اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"ٹھیک ہے۔۔ لیکن کمزور مت پڑنا۔ کیونکہ مجھے کمزور دشمن بالکل نہیں پسند۔" وفا خاموش کھڑی اُسے گھورتی رہی۔ وہ آگے بڑھنے لگا۔ پھر رکا اور چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔ اس بار بولا تو آواز آہستہ اور نرم تھی۔

"اور اگلی بار ذرا کوئی مضبوط چیز استعمال کرنا۔ جس سے کم از کم مخالف کو فرق پڑے۔ ان چھوٹی موٹی چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا۔" وہ کشن کی جانب اشارہ کرتا ہوا، ہنس کے آگے بڑھ گیا۔ اور وہ اُسے حیرانی سے دیکھ کر رہ گئی۔

ہاتھ میں ٹری پکڑے آرزو اندر داخل ہوئی تو ٹھہر گئی۔ کیا سہیل ہنسا تھا؟

"چائے۔۔" وہ جلدی سے کہتی اُس کے سامنے کھڑی ہوئی۔ اُس نے ایک نظر آرزو کو دیکھا۔ پھر گرم بھاپ اڑاتے چائے کے کپ کو۔

"اپنی نئی دوست کو ہی پلا دو۔ بیچاری تھک گئی ہوگی بھاری کشن اٹھاتے اٹھاتے۔" اُس نے مسکرا کر طنز کیا تھا۔ اور تیر سیدھا نشانے پر لگا تھا۔

"میں چائے نہیں پیتی۔" اُسے اپنی پشت سے اُس کی سخت آواز سنائی دی۔ آرزو حیرانی سے اُن دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں اس بار پی لو۔ اگلی بار تمہارے لئے زہر منگوا دوں گا۔" وہ بلند آواز میں کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ اور وفا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ آرزو البتہ چہرہ جھکا کر ہنس دی تھی۔

"آجاؤ۔" نسیم اختر اپنے آفس میں بیٹھے تھے۔ چہرے پر سنجیدگی اور سختی سجائے، اُنہوں نے سہیل کو بلایا تھا۔ وہ بھی سنجیدہ تاثرات کے ساتھ اُن کے سامنے آ بیٹھا۔ اور دونوں ہاتھ میز پر ٹکائے۔

"شوپنگ پر کب جا رہے ہو؟" نسیم نے چشمہ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ گلاس ونڈو پر سورج کی روشنی پڑ رہی تھی۔

"جی؟" سہیل نے نا سمجھی سے باپ کو دیکھا۔ وہ انہیں غور سے دیکھنے لگا۔

"ارے ہاں۔۔ اب گھر میں شادی ہے۔ تمہارے سب سے اچھے بھائی اور تمہاری سب سے اچھی دوست کی۔ تو کپڑے وغیرہ کب لے رہے ہو؟" اُنہوں نے مسکرا کر طنز کیا تھا۔ سہیل نے ضبط سے مٹھیاں بند کیں۔ اُسے ٹھنڈک میں بھی گھٹن ہونے لگی تھی۔

"جو کہنا چاہتے ہیں صاف صاف کہیں۔ آپ جانتے ہیں مجھے پہیلیاں بالکل نہیں پسند۔" اُس نے گہری سانس لیے کر کہا۔ اُن کے چہرے پر بھی سختی کا پہرہ ہوا۔

"صاف صاف تو تم مجھے بتاؤ۔ آخر چل کیا رہا ہے تمہارے دماغ میں سہیل اختر؟" وہ چیخے تھے۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہاں کی بلندی سے چلتی ہوئی ایک دنیا نظر آتی تھی۔ وہ بنا اثر لیے انہیں دیکھتا رہا۔

"ایک کام۔ صرف ایک کام کہا تھا تم سے کرنے کے لیے۔ اور وہ تھا وفا کو راستے سے ہٹانے کا۔ لیکن تم کچھ نہ کر سکے۔ اور اب۔۔ اب وہ اذان سے شادی کر کے ہمیشہ کے لیے حویلی میں اپنے قدم جمع لیگی۔ اور تم۔۔ تم اب بھی کچھ نہیں کر سکو گے۔" وہ اپنی بھڑاس نکال کر چپ ہوئے۔ وہ کچھ لمحے خاموشی یہ اُنہیں دیکھتا رہا۔ پھر بولا تو لہجہ سنجیدہ تھا۔

"آپ کو یہ تو دکھ رہا ہے کہ کیا کام دیا تھا۔ لیکن یہ نہیں نظر آ رہا کہ کس کے لیے دیا تھا؟ آپ وفا کو راستے سے ہٹانے کا کہہ رہے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچ رہے کہ وفا ہے کون؟" نسیم نے مڑ کر اُس کی جانب دیکھا۔

"وہ اختر منزل کی وہ فرد ہے جس کی حویلی میں جان بسنے لگی ہے۔ ہم تین کے علاوہ سب اُس کی محبت کے جھانسنے میں آچکے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی باقی اولادیں بھی۔" وہ انہیں دیکھتا ہوا اسی سکون سے کہہ رہا تھا۔

"آپ صرف یہ سوچ رہے ہیں کہ اُسے مروانا کیسے ہے۔ یہ نہیں سوچ رہے کہ اُس کی موت کے بعد اختر منزل کا کیا ہوگا؟ اُس گھر کے لوگ پہلے ہی بہت کچھ کھو چکے ہیں۔ کتنے مطلبی ہیں آپ؟ آپ کو دادا، دادو کا خیال نہیں آتا؟"

"اپنی حد میں رہو سہیل۔۔" نسیم نے اُنکی اٹھا کے اُسے وارن کیا۔

"میں اپنی حد میں ہی ہوں بابا۔ میں جو کر رہا ہوں سوچ سمجھ کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح اُس کا منہ خون خرابا کیے بغیر بند کروا سکوں۔" وہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور کوٹ کے بٹن بند کیے۔

"ورنہ ٹھیک ہے۔۔ آپ بتا دیں مجھے۔ کہ اُس کے ساتھ ساتھ اور کتنے گھر والوں کو مروانا ہے؟ کیونکہ اُس کے ساتھ شزا بھی جڑی ہے۔ اور پھر اذان بھی۔ اور اذان کے ساتھ احمد چاچو کا بھی خاص رشتہ ہے۔ پھر تو ایک ایک کر کے سبھی کو مارنا پڑیگی نا؟" نسیم جو ضبط سے سرخ ہو رہے تھے۔ اُن کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ سامنے کھڑے اُن کے ہی بیٹے نے ایک بار پھر انہیں لاجواب کر دیا تھا۔

کچھ لمحے پورے آفس میں خاموشی چھائی رہی۔ کانوں میں صرف گھڑی کی ٹک ٹک سنائی پڑتی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں بابا۔ وفا بہت جلد خود اس گھر سے جاگی۔ بہت جلد۔" سہیل نے نرمی سے اُن کے شانوں پر ہاتھ رکھ انہیں یقین دلایا۔ نسیم نے سمجھ کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ مسکرا کر باہر نکل گیا۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اُس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

("آپ نے میرا بہت نقصان کیا ہے بابا۔ اتنی آسانی سے فائدہ تو میں آپ کا بھی نہیں ہونے دوں گا۔")



باب-۱۲

سہیل اُن کے کین سے اپنے کین سے نکل کر آگے بڑھ رہا تھا جب اُس کی کسی سے ٹکڑ ہوتے ہوتے پچی۔ اُس کی نظریں کریم رنگ کی ہیلز سے ہوتی ہوئی سامنے کھڑی لڑکی کے گلابی چہرے پر گئیں۔ وہ آسمانی رنگ کے بلیزر سوٹ میں ملبوس تھی۔ جس میں اُس نے کریم کلر کی ہی شرٹ پر کوٹ پہنا ہوا تھا۔ بالوں کی ڈیزائنز اونچی پونی بنائے، ہاتھ میں واچ اور بریسٹ پہنے، وہ دیکھنے سے ہی اپنی اثر انداز شخصیت کی چھاپ چھوڑتی تھی۔ پل بھر میں سہیل کا چہرہ بے تاثر ہوا۔ البتہ رمیشا اُسے دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ وہ اُن کی نئی بزنس پارٹنر کم اور نسیم کی دوست زیادہ تھی۔ اور اُسے ہمیشہ سے ہی ناپسند تھی۔

اُس کی آنکھیں شہد رنگ کی تھیں، مگر سب سے زیادہ مٹھاس اُس کی زبان سے ٹپکتی تھی۔ وہ بہت ذہین نہیں تھی، البتہ خوبصورت بہت تھی۔ اور صرف اٹھائیس سال کی عمر میں ہی بہت سی کامیابیوں کی سیڑھیاں چڑھ چکی تھی۔ مگر دیکھنے سے اُس کی عمر اتنی نہیں لگتی تھی۔

"کیسے ہو سہیل؟ تم سے تو ملاقات ہی نہیں ہو پاتی۔" وہ ایک ادا سے کہتی ہوئی ایک قدم آگے آئی۔

"میں مصروف ہوتا ہوں۔ فضول کی ملاقاتوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہوتا۔" وہ تپا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ وہ پھر بھی قہقہا لگا کر ہنس دی۔ وہ جیتنا ہنستی تھی، سہیل کو اتنی ہی اُس کی ہنسی سے کوفت ہوتی تھی۔

"کم اون یار۔۔ ہم تو ہم عمر۔۔"

"غلط۔۔ آپ مجھ سے تین سال بڑی ہیں مس ریشا۔۔ ہم ہم عمر ہرگز نہیں ہیں۔" سہیل نے اُس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔ وہ زبردستی مسکرائی۔

"اتنی کڑوی باتیں کیوں کرتے ہو سہیل؟"

"کیونکہ مجھے بیٹا بلکل نہیں پسند۔ اور بہتر ہوگا آپ مجھ سے دور ہی رہا کریں۔ آپ سے دوستی بابا کی ہے، میری نہیں۔" وہ دو ٹوک جواب دیتا ہوا وہاں سے گزر گیا تھا۔ لمحے بھر کو ریشا نے پلٹ کر اُسے دور جاتے دیکھا، مگر وہ نہیں پلٹا۔ وہ جیتنا اُس کے قریب ہونے کی کوشش کرتی تھی، وہ اتنا ہی اُس سے دور ہو جاتا تھا۔ پھر وہ ہر خیال کو جھٹکتی، اپنے خوبصورت چہرے پر مسکراہٹ سجائے، نسیم کے کین میں داخل ہو گئی۔

سنہرے آسمان کے نیچے دروازے پر ہوئی دستک کا زنیہ نے جواب دیا۔ سڑک پر تھوڑی دور ہی کالے رنگ کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ اکیلا آیا تھا۔

جی کون؟" زنیرہ کے پوچھنے پر اُس نے مسکرا کر

سیاہ چشمہ نگاہوں سے ہٹایا۔ بولا تو آواز نرم تھی۔ "سہیل۔۔ سہیل اختر۔" پہلے پہل تو وہ حیران ہوئی تھی۔ پھر حامی بھرتے ہوئے اُسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔

یہ منظر حال کا تھا۔ سہیل ٹانگ پر ٹانگ ٹکائے صوفے پر بیٹھا وہاں کے ماحول کو ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔ شاہد صاحب اپنی بیوی کے سنگ اُس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھے تھے۔

"تو کیسے آنا ہوا؟ وفا کیسی ہے؟" انہوں نے مسکرا کر بات کا آغاز کرنا چاہا۔

"جی میں اُسی کے متعلق بات کرنے آیا ہوں۔ ویسے تو سب ٹھیک ہے لیکن۔۔" اُس نے نرمی سے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہاں موجود تینوں افراد تھوڑا حیران ہوئے تھے۔

"لیکن؟" زنیرہ نے دریافت کرنا چاہا۔ وہ تھوڑا آگے ہوا۔

"انگل میں جانتا ہوں آپ کو سب سچ معلوم ہے۔ جو کچھ بھی ہوا وہ سب۔۔

آپ نے اتنے عرصے وفا کی حفاظت کی۔ اُسے اپنی بیٹی بنا کر رکھا۔۔"

"وہ ہماری بیٹی ہی ہے۔" نگمہ نے اُس کی بات درمیان میں کاٹی تھی۔ اُس نے ضبط سے مٹھیاں بند کیں۔ لیکن چہرے پر شکن بھی نہ آنے دی۔

"جی بلکل۔ میں سمجھتا ہوں۔ اس لیے یہی کہو نگا کہ آپ اُسے اپنے پاس واپس بلا لیں۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اتنی دور چلی جائے، جہاں سے کبھی واپس نہ آ سکے۔" اُس نے افسوس سے کہتے ہوئے اُن تینوں کے چہرے کے رنگ اڑا دیے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ صاف صاف کہو۔" اب کے شاہد صاحب سنجیدہ ہوئے۔

"وہاں وفا کی جان کو خطرہ ہے۔ اگر آپ اُس کی بہتری چاہتے ہیں تو اُسے یہاں بلا لیں۔"

"کس سے خطرہ ہے؟" سہیل نے آہستہ سے مسکرا کر گردن پیچھے کو ڈال کر اوپر دیکھا۔ جو وہ ہمیشہ خود کو ریلیکس کرنے کے لئے کرتا تھا۔ پھر چہرہ سامنے کیا تو اُس پر کوئی نرمی نہیں تھی۔ وہ صرف سنجیدہ تھا۔ خوفزدہ کر دینے کی حد تک سنجیدہ۔

"مجھ سے۔" وہ لوگ ساکت رہ گئے۔ نگمہ گھبرا کر اٹھیں تھیں۔ شاہد کے چہرے پر بھی سختی کا پھرہ ہوا۔

"پھر تم اُس کی خیر خواہی کیوں کرنے آئے ہو؟"

"کیونکہ مجھے اُس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں فضول میں اُس کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ لیکن وہ میرے راستے کا کاٹا بن رہی ہے۔ نہیں ہٹی، تو مجھے ہٹانا پڑیگا۔" شاہد طنزیہ ہنسے۔

"مجھے لگا ہی تھا۔ جو شخص اپنے بھائی کا نہ ہوا، اُس کا بیٹا کسی کا کیا ہوگا؟" سہیل کو اُن کا طنز تیر کی طرح لگا تھا۔ جو اُسے اندر تک گھائل کر گیا۔

"اگر آپ میری جگہ اپنی بیٹی کی فکر کریں گے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ بہت آرام سے سمجھا رہا ہوں۔ سمجھ جائیں۔"

"تُم بھی سمجھ جاؤ۔ وہ سالوں خود سے لڑی ہے۔ اس بار خود کے لئے لڑنے گئی ہے۔ وہ واپس نہیں آئے گی۔ اور نہ ہی میں اُسے مجبور کرونگا۔" اُن کا فیصلہ اٹل تھا۔ ارادے صاف تھے۔ البتہ نگہ بیگم کے چہرے پر نمودار ہوتا خوف، سامنے بیٹھا شخص بہت آرام سے بھانپ چکا تھا۔ جواباً وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے مسکرایا۔ کوٹ کی جیب سے گن نکال کر سامنے ٹیبل پر رکھی۔ اور برابر میں رکھا پانی کا گلاس اٹھا لیا۔

وہ اپنے گلے کو تر کر رہا تھا۔ اور مخالفین کا گلا سوکھ چکا تھا۔ پھر اُس نے خالی گلاس واپس رکھا۔

"مجھے لمبی کہانیاں نہیں پسند انکل۔ صاف صاف کہو نگا۔ یا تو وہ ہمیشہ کے لیے اس گھر میں واپس آگئی۔ یا پھر۔۔۔ کسی گھر میں رہنے کے قابل بھی نہیں بچگی۔ فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔" اُس نے بات مکمل کر گن اٹھا کر واپس کوٹ میں رکھی۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پورے وقت میں پہلی دفعہ شاہد صاحب کے ہاتھ نم پڑے تھے۔ وہ اُسے سرخ و زخمی نظروں سے دیکھتے رہے۔

"اب چلتا ہوں آنٹی۔ آگلی بار آیا تو انشا اللہ چائے پی کر ضرور جاؤنگی۔ اللہ حافظ۔" اُس نے مسکرا کر بہت نرمی سے سامنے کھڑی نگمہ بیگم کو مخاطب کیا۔ اور پھر قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

"کیا خبر ہے؟" اپنے روم میں بیٹھی وفانے پوچھا۔ فون کی دوسری جانب سے آواز سنائی دی۔ "وہ یہاں سے نکل چکے ہیں۔" سڑک پر کھڑے آدمی نے دور جاتی گاڑی کو دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔

"کتنی دیر رکے تھے؟" بے تاثر چہرے کے ساتھ ایک اور سوال آیا۔

"پورے اٹھارہ منٹ اور تین سیکنڈ۔"

"ہم! ٹھیک ہے۔ آپ کا شکریہ۔" اُس نے کہتے ہوئے فون بند کیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ سب تیزی سے ہو رہا تھا۔ دادو کے تو پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ خوشی ہی ایسی تھی۔ اُن کے سب سے بڑے پوتے کی شادی تھی۔ جو البتہ سب کچھ دیکھتے ہوئے صرف مسکرا دیتا تھے۔ چاہے جھوٹا ہی سہی۔

"اب کیا کرنے کا ارادہ ہے اذان؟" اذان فریش ہو کر باہر نکلا تو ریاض کو کمرے میں موجود پایا۔

"کیا بات ہے! اب کیا جناب کو دوست کا حال پوچھنا بھی یاد نہیں ہے؟" اُس نے گیلے بال خشک کرتے ہوئے ٹوکا۔ وہ بلیو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ شرٹ کی آستین کلائیوں سے تھوڑا اوپر تک فولڈ کر رکھیں تھیں۔

"دوست کا حال میں بعد میں پوچھ لوں گا۔ اس وقت اُس کی محبت کا حال پوچھنا زیادہ اہم ہے۔" اذان نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اب خود کو خوشبو سے مہکا رہا تھا۔ ریاض کو تپ چڑھی۔

"میں سیریس ہوں اذان۔ اور حیران بھی کہ تو سیریس کیوں نہیں ہے۔ آخر تیرے دماغ میں چل کیا رہا ہے؟ اتنی جلد ہار مان لی؟" وہ سنجیدہ ہو کر اُس تک آیا۔ اور آگے ہاتھ باندھے۔

"اگر تُو مجھے لگتا ہے کہ میں سیریس نہیں ہوں تو لے۔ ہو گیا سیریس۔ اب بتا۔ کیا کروں؟" سامنے بلیک جینس پر وائٹ ٹی شرٹ کے اوپر براؤن شرٹ پہنے شخص نے اُسے اچھے سے دیکھا۔

"کیا کروں؟ بھائی صاحب تین دن بعد آپ کی شادی ہے۔ لیکن آپ پسند دلہن کی بہن کو کرتے ہیں اور بقول آپ کے اگر آپ کی زندگی میں وہ نہ آئی، تو کوئی نہیں آئیگی۔ لیکن پھر بھی آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا کروں؟"

"دیکھ ریاض۔۔۔" اذان کہتے کہتے رکا۔ اُس کی نظروں کو اپنے پیچھے محسوس کر ریاض نے پلٹ کے دیکھا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے سہمی حیرانگی سے اُن دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اذان نے ضبط سے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔

"کیا میں غلط وقت پر آ گیا ہوں؟ چلتا ہوں۔" سہمی گھبرا کر کہتا ہوا دروازہ بند کرنے لگا۔ پھر رکا۔ اور دروازہ تھوڑا سا دوبارہ کھول کر اندر جھانکا۔

"کیا یہ سچ ہے؟" اُس نے آہستگی سے پوچھا تھا۔ اُن دونوں نے پہلے پہل تو ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر اذان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ویسے تو میں دادو کے کہنے پر تم لوگوں کو بلانے آیا تھا۔ وہ اذان کو اُس کی ہونے والی "وائف" کے لیے لایا ہوا سامان دکھانا چاہتی ہیں۔ لیکن اب میں سوچ رہا ہوں کہ وہ ہوگی کون؟" وہ کہتا ہوا ریاض کے ساتھ آکھڑا ہوا اور اُس کے شان پر اپنا بازو ٹکایا۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے سہی۔" ریاض نے اپنا شان آزاد کرتے ہوئے کہا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"میں بھی مذاق نہیں کر رہا برو۔ لیکن پورا معاملہ تو بتاؤ۔"

وہ حویلی میں داخل ہوا تو سامنے ہی عالیہ، صوفیہ اور فرزانہ بیگم کو ساتھ بیٹھے پایا۔ وہ خوش دلی سے اختر صاحب کو لایا ہوا سامان دکھا رہیں تھیں۔ شزا اور آرزو بھی وہیں موجود تھیں۔

"ماشاء اللہ بالکل درست وقت پر آئے ہو سہیل۔ دیکھو امی کتنا خوبصورت سامان لائیں ہیں وفا کے لیے۔" صوفیہ نے پرجوش انداز میں کہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"شادی اذان کی ہو رہی ہے صوفیہ۔ سہیل کی نہیں۔ وہ دیکھ کر کیا کریگا؟" عالیہ نے ضبط کرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا تھا۔ جواباً صوفیہ حامی بھرتے ہوئی خود بھی ہنس دی۔ مگر

سہیل کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ بھٹک کر اُس کی نظر شزا پر پڑی۔ وہ مسکرا کر اُس سامان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید اپنی بہن کے لیے خوش تھی۔ لیکن وہ ہرگز نہیں تھا۔

"سہیل! بیٹا میری بات سننا ذرا۔" عالیہ نے اُس کے پاس آکر کہا تھا۔ وہ اُسے لے کر سائڈ میں چلی گئیں۔

"میری دو اولادیں تو پہلے ہی مجھ سے دور ہیں۔ لیکن تمہیں کیا ہوا ہے سہیل؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آخر تم اُس لڑکی کا کچھ کرتے کیوں نہیں ہو؟" وہ آہستہ آواز میں اُس پر بھڑکیں تھی۔ وہ بے تاثر رہا۔

"کالم ڈاؤن امی۔ کالم ڈاؤن۔" اُس نے نرمی سے سنبھالنا چاہا۔

"میرے ساتھ ہوشیاری مت کرنا سہیل۔ میں ماں ہوں تمہاری۔ یہاں میں اُس کے لیے بازاروں کے چکر کاٹ رہی ہوں۔ اور تم مجھے "کالم ڈاؤن" رہنے کا کہہ رہے ہو؟" وہ گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

"میں جو کر رہا ہوں، بہت سوچ سمجھ کر رہا ہوں امی۔ بھروسہ رکھیں مجھ پر۔ یہ شادی کبھی نہیں ہوگی۔ اور اب ایک اچھی بہو ہونے کی وہی اداکاری کریں، جو آپ ہمیشہ سے کرتی آئیں ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا عالیہ کو خاموش کرا چکا تھا۔

"سہیل۔۔ بیٹا اوپر جا رہے ہو تو وفا کو بھیج دینا۔" اُسے اوپر جاتا دیکھ، اختر صاحب نے کہا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلا گیا۔

"اب کیا ہوگا پھر؟" ساری بات سمجھ کر سہی نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔ ریاض نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"بہت کوشش کر چکا ہوں شزا کو منانے کی۔ لیکن وہ راضی ہی نہیں ہے۔ وفا کو بھی سب بتانا چاہا۔ لیکن وہ بھی ممکن نہیں ہو سکا۔" اذان بھلے ہی باہر سے ظاہر نہیں ہونے دے رہا تھا، لیکن اندر سے وہ اُداس تھا۔ اور فکر مند بھی۔

"ایک آئیڈیا ہے۔" سہی جوش میں آیا۔ اُن دونوں نے ہی اُسے سوالیہ نظروں کے حصار میں لیا۔

"موویز میں جب دولہا غائب ہو جاتا ہے تو آخری موقع پر دلہن کا نکاح کسی اور سے کرا دیتے ہیں۔ کیوں نا ہم دلہن کو غائب کر دیں؟ پھر آخری موقع پر اُس کی جگہ شزا کو بیٹھا دیں گے۔ کیسا آئیڈیا ہے؟" سہی چمکتی آنکھوں سے اُن دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"بہت ہی فضول آئیڈیا ہے۔" اذان نے اُس کے ایک چپت لگائی۔ ریاض ہنسا تو سہی نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔ وہ ریاض سے دو سال چھوٹا، اکیس سال کا تھا۔ اور اس حال میں شاید یہی آئیڈیاز دے سکتا تھا۔

"ایک کام کرتے ہیں۔ شزا کو غائب کرا دیتے ہیں۔ تُو تو ویسے بھی پولیس والا ہے۔ اُسے ہیرو بن کر بچا لینا۔" ریاض نے اپنا خیال پیش کیا۔ اذان نے اُسے ایسے دیکھا جیسے ریاض کا دماغ چل نکلا ہو۔

"سہی کا سمجھ آتا ہے ریاض۔ وہ فلمیں بہت دیکھتا ہے۔ لیکن تجھے کیا ہوا ہے؟ عقل ہے کچھ؟" اس بار سہی نے اپنی ہنسی دبائی تھی۔ ریاض کے ماتھے پر بل پڑے۔

"کم از کم ہم تیرے لیے سوچ تو رہے ہیں۔ فکر مند تو ہیں۔" اذان نے گہری سانس لی۔

"پتا ہے مجھے۔ لیکن پلیز تُم دونوں ذرا اپنے ہوشیار دماغوں کو تھوڑا کم استعمال کرو۔ ویسے بھی میں فیصلہ کر چکا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا آگے بڑھا۔

"کیا؟" دونوں نے ہی ایک ساتھ پوچھا تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرایا۔

"اب یا تو یہ جنگ ء محبت جیتی ہے۔ یا پھر شہید ہونا ہے۔"

سہیل راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر اب سکون تھا۔ وہ جانتا تھا اُس کا وار خالی نہیں جائے گا۔ لیکن یہ کو جانتا تھا کہ بہت جلد اُس کا سکون ہوا ہونے والا تھا؟

اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ ساکت رہ گیا۔ ہینڈل پر ہاتھ کی گرفت بے اختیار ڈھیلی پڑی۔ کچھ لمحے تو اُسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔

اُس کے بڑے اور عالیشان کمرے میں تباہی مچ چکی تھی۔ ہر طرف سامان بکھرا پڑا تھا۔ کانچ کے قیمتی اشیاء زمین بوس تھے۔ اور اُن سب کے درمیان وہ آفت کھڑی تھی۔ سامنے ہاتھ باندھے اُسے تیز نظروں سے دیکھتی ہوئی۔ سہیل کے ماتھے پر بل پڑے اور ہینڈل پر اُس کی گرفت سخت تر ہوئی۔

اُسے اپنی پرائیویسی بہت پسند تھی۔ اُس کے کمرے سے نہ کوئی آواز باہر جاسکتی تھی، نہ ہی اندر آسکتی تھی۔ اور آج وفانے اُسی بات کا فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ حیران تھا۔ کیا یہ اُس کے ساتھ ہوا تھا؟

(ثُمَّ بھی سمجھ جاؤ۔ وہ سالوں خود سے لڑی ہے۔ اس بار خود کے لئے لڑنے گئی ہے۔ وہ واپس نہیں آئے گی۔)

"سنا ہے میرے گھر گئے تھے۔" وہ کہتی ہوئی ٹیبل کے پاس جھک کر بیٹھی۔ وہ پوری قوت سے دروازہ پٹک کر آگے آیا۔ وہ ہلکے ہاتھ سے وہاں سینٹر میں رکھا ایک بہت خوبصورت اور بھاری واس چھو رہی تھی۔ جو یقیناً بہت قیمتی تھا۔

"میں نے کہا تھا سہیل کہ میں اپنے لیے معاف کرتی ہوں، لیکن اپنوں کے لیے نہیں۔" وہ سخت اور محتاط نظروں سے اُس کے ہر عمل کو دیکھ رہا تھا۔ اُس لمحے وہ اُسے حقیقتاً اپنا فیمل ورژن لگی تھی۔ جس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

"تو پھر کیا سوچ کر وہاں گئے تھے؟ مجھے ڈرانے کے لیے؟" وہ اچانک چیخیتی ہوئی اٹھی، اور واس اٹھا کر پوری قوت سے ٹیبل پر دے مارا۔ تیز آواز کے ساتھ پل بھر میں کانچ کرچی کرچی ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اُس کی جانب آیا، مگر پھر اُس سے دو قدم کے فاصلے پر ہی رک گیا۔ اُس کا ضبط بھی کمال تھا۔ اگر وہاں کوئی اور ہوتا، تو وہ اُسے بتاتا کہ سہیل اختر کیا چیز ہے۔ لیکن مصیبت تو یہی تھی کہ وہاں "وہ" تھی۔

"میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں لڑکی۔ اپنی حد میں رہو۔" سہیل نے سختی سے اُنکی اٹھا کر ٹوکا تھا۔ مگر وہاں اثر کس پر ہونا تھا؟ وہ غصے سے اُسے دیکھتی رہی۔

"میں اب تک اپنی حد میں ہی تھی، لیکن تم نے مجھے حد پار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اور اب دیکھو کہ میں کیا کرتی ہوں۔ اگر تمہارا جینا حرام نہ کر دیا، تو میرا نام بدل دینا۔" اُس نے

اُٹھی ہوئی گردن کے ساتھ پر اعتماد لہجے میں کہا تھا۔ سہیل نے گہری سانس لے کر ہاتھ میں موجود کالا کوٹ کرسی پر پھینکا۔ اور ضبط سے مٹھیاں بند کیں۔

"تمہیں معلوم کیسے ہوا میرے جانے کا؟ کیا اتنی جلدی واپس بلا لیا اُنہونے؟" وہ تپا دینے والے انداز میں بولا تھا۔ وہ ہلکا سا ہنسی۔

"کیا تمہیں سچ میں لگتا ہے کہ مجھے وہ بلاینگے؟"

"تو پھر؟" اُسے کچھ عجیب احساس ہوا تھا۔ وہ اپنی انگلیوں کو ہوا میں چلا کر بولی۔

"جادو سے۔" سہیل کے مانند نے بالکل ٹھیک جگہ کلک کیا تھا۔ وہ پل بھر میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔

"تم جاسوسی کر رہی ہو؟" وہ جانتا تھا اُس کی جاسوسی کرنا ناممکن ہے۔ مگر وہ پھر بھی حیرانگی سے بولا تھا۔

"اب میں اتنی بھی فارغ نہیں ہوں۔ اور ویسے بھی۔۔ اس گھر میں میرا بہت دماغ خراب ہو چکا۔ اب بس!!" وہ کہہ کر اُس کے ساتھ سے نکل گئی۔ سہیل نے نا سمجھی سے اُسے پلٹ کر دیکھا۔ آج اُسے پہلی مرتبہ اپنے سواء کوئی خوفزدہ کر دینے کی حد تک سنجیدہ لگا تھی۔ پہلے پہل تو اُسے عجیب سا احساس ہوا۔ پھر وہ بے اختیار اُس کے پیچھے گیا۔ ابھی اُسے وقت چاہئے تھا۔ وہ اُس لڑکی کے ہاتھوں، اپنا پلان خراب ہونے نہیں دے سکتا تھا۔

"مجھے آپ سب سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" اذان نے سب کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ وہ تیز قدموں سے نیچے آتا، وہیں ٹھہر گیا۔ وفا بھی سب کے سامنے رکی تھی۔ سہیل کو اُس کا صرف ایک رخ دکھائی پڑتا تھا۔

"میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔" اُس نے دھماکہ کیا تھا۔ اور شزا کو لگا کہ اُس شخص نے اُس کے پیروں سے زمین کھینچ لی ہو۔ اُس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سب حیران تھے۔ وفا بھی۔

"کیوں نہیں کر سکتے؟" اپنی بلند آواز میں اُس سے یہ سوال اختر صاحب نے پوچھا تھا۔ اذان کے گلے میں گٹی ڈوب کر اُبھری۔ وہ کیا جواب دے؟ اس نے چاہ کر بھی شزا کی جانب نہ دیکھا۔

"کیونکہ میں ابھی راضی نہیں ہوں۔" اس نے ایک مرتبہ پھر وہی دلیل دی تھی، جس کا رد ہونا تو حقیقی تھا۔

"تو تمہاری رضا مانگی کس نے ہے؟" دادا ابو اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بولے۔ لہجہ عام سا تھا، مگر آواز بلند تھی۔

"آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے دادا۔ میں ایک جوان مرد ہوں۔ اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے مجھے۔" وہ بھی ٹیبل کی اُس طرف، اُن کے سامنے کھڑا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تھا۔

"اذان!!" احمد نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے اُسے ٹوکا تو وہ اُنہیں دیکھنے لگا۔

"میں غلط تو نہیں کہہ رہا، چاچو۔ سب کو دھوکہ دینے سے بہتر تو یہی ہے نا، کہ میں سچ کہہ دوں۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔" دادو نے سنجیدگی سے اُس کی بات پر حامی بھر لی تھی۔ وہ ٹھہر گیا۔ کیا وہ اتنی آسانی سے مان گئیں؟ یا وہ۔۔ اُس سے ناراض ہوئی ہیں؟ وہ خاموشی سے اُن کے پاس آیا اور جھک کر اُن کے گھٹنوں کے پاس بیٹھا۔ شزا نے آنکھیں بند کر لیں۔ کاش وہ اس وقت کہیں غائب ہو سکتی۔

"میں جانتا ہوں آپ لوگ بھی غلط نہیں ہیں۔ لیکن میں کسی کو دھوکہ تو نہیں دے سکتا دادو۔ اگر میری وجہ سے آپ کا دل دکھا ہو تو مجھے معاف کر دیں۔ لیکن میں آپ کی یہ خواہش مکمل نہیں کر سکتا۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔" اُن کے دونوں ہاتھ تھامے ہوئے اُس نے بہت نرمی اور محبت سے کہا تھا۔ فرازنہ بیگم بے اختیار نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔ اور سر نفی میں ہلایا۔

"تم میری خواہش پوری نہیں کر سکتے تو کیا ہوا؟ کیا میں تمہاری خواہش پوری نہیں کر سکتی؟" پھر اپنا سر اٹھایا کر سامنے کیا۔

"شزا بیٹا۔۔ کیا تم میرے پوتے سے شادی کرو گی؟" وہ بہت محبت سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ ساکت رہ گیا۔ پلٹ کر اُس لڑکی کو دیکھ بھی نہ سکا جس پر اب سبھی کی نظریں جمی تھیں۔ حیران و بے یقین نظریں۔ وہ ہل بھی نہ سکی۔ لب آپس میں پوستان ہو گئے تھے۔ یہ کیا وقت تھا؟ اور اُس سے کیا پوچھا جا رہا تھا؟

"کیا اذان اور شزا۔۔" احمد حیرانی سے اُن دونوں کو دیکھتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ گئے۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" شزا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔ ناجانے اُس وقت اُس میں اتنی ہمت کہاں سے آئی تھی۔

"ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے شزا۔ تم لوگوں کو کیا لگتا ہے؟ اگر تم ہمیں نہیں بتاؤ گے تو کیا ہمیں علم نہیں ہوگا؟ اور اگر تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے بھی ہو تو اس میں بُرا کیا ہے؟" پھوپھو نے اُس کی بات رد کرتے ہوئے اہم سوال پوچھا تھا۔ اس مرتبہ اذان نے بھی وہاں سے اٹھ کر اُنہیں دیکھا تھا۔ کیا وہ سب، سب جانتے تھے؟ کیسے؟

"مگر یہ پھر بھی غلط ہے پھوپھو۔۔ کسی کا حق کسی اور کو دینا غلط ہے۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے پھر کوشش کی تھی۔

"کوئی کسی کا حق نہیں لیتا بیٹا۔ یہ سب تو مقدر کے کھیل ہیں۔ ہمیں وہی ملتا ہے جو ہمارا ہوتا ہے۔ اور جو ہمیں نہ ملا، وہ تو ہمارا تھا ہی نہیں۔" دادو نے محبت سے سمجھایا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔ اُس کے گلے میں بہت سا پانی جمع ہونے لگا تھا۔

"وفا کہاں گئی؟" ارزو کو پہلی مرتبہ وفا کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ سب ارد گرد دیکھنے لگے تو پلر کے پاس سے آواز آئی۔

"ارے یار یہیں ہوں۔۔ میں نے کہاں جانا ہے؟" وہ پلر کے آگے گرسی پر بیٹھی آرام سے چپس کھا رہی تھی۔ انداز بالکل وفا والا ہی تھا۔ جیسے کوئی شوا انجوائے کر رہی ہو۔

"دیکھو جی۔۔ میں اپنی جانب سے جو کچھ کر سکتی تھی کر چکی۔ دادا، دادو کو ان دونوں کے لیے منا لیا۔ اب باقی جو بھی معاملے ہیں وہ یہ خود سنبھالیں۔ میں تو ویسے بھی ناراض ہوں۔" اُس نے چپس چباتے ہوئے اپنے ہاتھ کھڑے کیے تھے۔ وہ سب اُسے دیکھ کر رہ گئے۔ البتہ فراز نہ بیگم اور اختر صاحب ہنس دیے تھے۔ اور صوفیہ بھی۔

"اچھا!! مطلب اس بارے میں سب کو علم تھا، سوائے میرے؟" احمد کے لہجے میں ناراضگی صاف ظاہر تھی۔

"نہیں چاچو۔۔ مجھے بہت پہلے سے یہ محسوس ہو چکا تھا۔ لیکن میں چپ رہی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آخر کب تک یہ لوگ خاموش رہتے ہیں۔ لیکن شکر ہے آج اذان نے خاموشی توڑ دی، ورنہ میری اب بس ہو چکی تھی سچ میں۔ آخر کوئی ایک تو مجھ سے کہہ سکتا تھا ناں؟ کیا میں اس قابل بھی نہیں تھی؟"

"ایسا نہیں ہے وفا۔" شزا اُس کی طرف بڑھی تھی۔ اُس نے وہیں سے ہاتھ اٹھا دیا۔ کہ وہ بہت ناراض ہے، وہ نہیں سن رہی۔

"ان دونوں کی غلطی نہیں ہے۔" یہ سہیل تھا۔ جس نے پہلی مرتبہ اس معاملے میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

"ہم سب جانتے ہیں کہ اذان بنا کوشش کیے کبھی ہار نہیں مانتا۔ لیکن اگر شزا نے ہی انکار کر دیا، تو وہ اُسے فورس تو نہیں کر سکتا تھا؟ اور رہی بات شزا کی، تو کیا وہ اپنی بہن کی راہ میں رُکاؤ بن سکتی تھی؟" عالیہ بے یقینی سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ اذان کا دفاع کر رہا تھا؟

"پھر بھی۔۔ انہیں ایسا کیوں لگا کہ اگر ہم سے اپنے دل کی بات کہیں گے تو ہم نہیں سنیں گے؟ فیملی اس لیے تو نہیں ہوا کرتی؟"

"اچھا اب رہنے دو احمد۔۔ جو ہوا سو ہوا۔" دادا ابو نے اُنہیں روکا تھا۔ اور پھر شزا کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے اُن دونوں کے درمیان جا بیٹھی۔

"والدین کے لیے اپنی ہر اولاد عزیز ہوتی ہے شزا۔ تُم کسی کا مت سوچو۔ اپنا بتاؤ۔ کیا تُم اذان سے شادی کرنا چاہتی ہو؟" سب کی نظریں اُس پر جمی تھیں۔ البتہ اذان صرف فرش کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کیا جواب دیگی۔ وہ سب اللہ پر چھوڑ چکا تھا۔

"میں ان دونوں کے درمیان نہیں انا چاہتی تھی۔ یہ سب میرے ہاتھ میں نہیں تھا۔ میں نے۔۔" اُس کی آواز بھیگ چکی تھی۔

"میں نے بچپن سے اپنے ہر قریبی شخص کو کھویا ہے۔ میرے پاس ساری زندگی کی صرف ایک دوست ہے۔ ماما، بابا، اس فیملی کو، پھر دادی۔۔ میں نے سب کو کھونے کی تکلیف محسوس کی ہے۔ میں اب کسی اور کو کھونا نہیں چاہتی تھی دادا ابو۔" وہ آہستہ آواز میں بتا رہی تھی۔ اور عالیہ نے خود پر آرزو کی چبھتی ہوئی نظریں محسوس کی تھیں۔ آخر اس سب کی اصل وجہ بھی تو وہی تھی۔

"ساری زندگی کی صرف ایک وفادار دوست، ہر پل کے منافق دوستوں سے بہتر ہوتی ہے شہزادی۔ تُم یہ مت دیکھو کہ تُم نے کس کو کھویا ہے۔ تُم یہ دیکھو کہ جس کو پایا ہے، وہ کتنا خاص ہے۔" فراز نہ بیگم نے اُسے نرمی سے سمجھایا تھا۔

"تم ہمیشہ سے اس حویلی کی سب سے لاڈلی رہی ہو۔ تمہیں ایسا کیوں لگا کہ تم اپنے دل کی بات ہم سے نہ سہی، لیکن اگر اپنی بہن سے بھی کہو گی، تو کیا وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دیگی؟" اختر صاحب نے اپنا بوڑھا ہاتھ اُس کے رخسار پر پھیرا تھا۔ وہ سر جھکا گئی۔

"سوری دادا ابو۔۔"

"نہ نہ بیٹا۔۔ سوری کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں تو خوشی ہے کہ تم نے خود سے پہلے اپنوں کو رکھا۔ لیکن اگر سوری کہنا ہی ہے۔۔ تو اذان سے کہو۔ تم نے فضول میں اُسے اتنا خوار کرایا۔ آخر محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں؟" شزا کو شرمندگی ہوئی تھی۔ اُس نے کنکھیوں سے اُس شخص کو دیکھا جو ایک ٹک فرش کو ہی دیکھے جا رہا تھا۔

(تمہارے لیے میں نے بہت پاڑ بیلے ہیں شزا۔ تم مجھے بہت انتظار کے بعد ملی ہو۔ میں نے تمہارے لیے بہت دعائیں مانگی ہیں۔)
(اگر تم نہیں، تو کوئی بھی نہیں۔)

شزا کو احساس تھا۔ کہ اُس نے واقعی اُسے بہت خوار کیا ہے۔

"ارے کوئی بات نہیں اختر صاحب۔۔ اتنا خوار کرنا تو بنتا ہے۔ پتا بھی تو چلے، کہ مرد اپنے ارادوں میں کتنا پکا ہے؟ تم نے بالکل درست کیا بیٹا۔" فراز نے بیگم نے ہنستے ہوئے اُس کی پشت تھپتھپائی تھی۔

"دادو۔۔۔" اذان نے تعجب سے اُنہیں دیکھا۔

"ہاں تو؟ میں نے تو اپنے وقت میں تمہارے دادا کو اس سے بھی کئی زیادہ خوار کیا تھا۔ لیکن اتنی آسانی سے ہاں نہیں کی تھی۔" دادو نے اپنی گردن اکڑای تھی۔

"کیا سچ میں؟" سبھی کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ اختر صاحب حامی بھرتے ہوئے ہنس پڑے۔ بے اختیار ریاض نے خوشی سے اذان کے شان پر ہاتھ رکھا۔

"تو اب کیا میں اپنے دوست کا رشتہ پکا سمجھوں؟" ریاض نے پر جوش انداز میں پوچھا تھا۔ شزا نے ایک نظر سب کو دیکھا۔ پھر سب سے الگ بیٹھی وفا کو۔ جو خود کو لاعلم دکھا رہی تھی لیکن توجہ اُس کی بھی وہیں تھی۔ اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا کر حامی بھر گئی۔

("شکر الحمد للہ۔۔") بے اختیار اذان کے دل نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ جو بے یقینی سے یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا۔ جیسے کوئی خواب ہو۔ کیا حقیقت اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے؟ اور وہ بھی اُس کے لیے؟

"ارے اب تم کہاں جا رہی ہو؟" وفا کو روکتے ہوئے صوفیہ نے پوچھا تھا۔

"انسپکٹر صاحب کا منہ میٹھا کرانے پھوپھو۔ آخر اب تو جناب کی دعا قبول ہوئی ہے۔" وفا کی بات پر سب کھلے دل سے ہنستے تھے۔ اذان نے اُسے آنکھیں دکھائیں، مگر وہ وفا ہی کیا جس پر اثر ہو جائے؟

سہیل بھی گہری سانس لیتے ہوئے مسکرا دیا۔ اُس نے دل میں سوچا تھا۔

("شکر ہے اختر منزل میں کسی کی تو محبت کو منزل ملی۔")

"یار امی تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔" درخت کے اوپر سے آفتاب کی روشنی کم ہونے لگی تھی۔ آج ایک اور شام ڈھل رہی تھی۔

"لیکن میرا دل بہت گھبرا رہا ہے وفا۔ تو بس واپس آ جا۔ جانے دے ہر چیز۔" نگہ بیگم جذباتی ہو رہی تھیں۔ وہ پل بھر کو خاموش رہ گئی۔

"کیا جانے دوں امی؟ اپنے ماباپ کے قاتلوں کو جانے دوں؟ شزا اور اذان کی اٹھائی ہوئی مشکلات کو جانے دوں؟ یا میرے جو زخم آج بھی ہرے ہیں انہیں جانے دوں؟" اُس کی آواز میں تکلیف صاف واضح تھی۔ وہ چپ رہ گئیں۔ وفا سبز گھاس پر چل رہی تھی۔

"امی وہ صرف ڈرانے آیا تھا تاکہ تم مجھے واپس بلا لو۔ اس کے علاوہ وہ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ نہیں ہو گا مجھے۔"

"شہد بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ لیکن۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کہوں۔" اُن کی آواز بھگ چکی تھی۔ وفانے گہری سانس لی۔

"اچھا ناب رو نہیں۔۔ بلکہ تم سب نے شزا اور اذان کی شادی میں آنا ہے۔ سب سے مل بھی لینا اور دیکھ بھی لینا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ ہر خیال جھٹکتی ہوئی خوش ہو کر اُن کو منانے لگی تھی۔ اور آخر میں وہ مان ہی گئیں۔ وفانے باری باری سب سے بات کی اور پھر اُن کا خوف کچھ حد تک تو ختم کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

اختر صاحب اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھے کوئی کتاب کھولے ہوئے تھے۔ انہیں کوئی خاص شوق تو نہ تھا، مگر کتابیں وقت گزرنے کا اچھا ساتھی ہوتی ہیں۔

البتہ دادو اور آرزو نہ جانے کیا کیا باتیں کر رہی تھیں۔ وہ درمیان میں اُن کی گفتگو کو سن، مسکرا بھی دیتے تھے۔

"دادو آج تو میں سچ میں شکوہ ہی رہ گئی تھی۔ ویسے کیا آپ کو نہیں لگتا کہ ہمارے خاندان میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک twist and turns آتے ہی رہتے ہیں؟" وہ ہنس دیں۔

"ہاں یہ بات تو ہے۔ لیکن سچ کہوں تو آج میں بہت مطمئن ہوں۔ کہ کم از کم میری وجہ سے میرے بچوں کی خوشیاں قربان نہیں ہوں۔" وہ محبت سے کہتی ہوئیں، اپنی گود میں سر رکھ کر لیٹی آرزو کے بالوں پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"اچھا وفانے آپ لوگوں کو کب راضی کیا تھا؟"

"جس دن فیصلہ ہوا تھا نا۔ اُسی دن رات کو وہ ہمارے کمرے میں آئی تھی۔ پہلے پہل تو ہم دونوں کو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا۔ لیکن اُس بچی نے ہمیں منا ہی لیا۔"

"ارے اُس کا انداز ہی اتنا خوبصورت تھا فراز نہ بیگم۔ کوئی پتھر دل ہی اُسے انکار کر سکتا تھا۔" دادا ابو نے کہا تو آرزو نے اُن کی جانب دیکھا۔

"ہاں صحیح کہتے ہیں۔ بس اللہ اُس کا نصیب اچھا کرے۔ اُس کا بھی جوڑا ملا دے تاکہ مجھے سکون آجائے۔"

"ایسا کیوں کہتی ہیں دادو؟ آج نہیں تو کل یہ کام بھی ہو ہی جائیگا۔" اُنہوں نے سادگی سے مسکرا کر آرزو کے خوبصورت چہرے کو دیکھا۔ بولیں تو آواز میں شاید کچھ افسوس بھی تھا۔

"جن کے سروں پر ما باپ کا سایا نہیں ہوتا ناں، یہ دنیا انہیں لاوارث سمجھنے لگتی ہے۔ اور آج کے وقت میں لاوارثوں سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا۔"

"دادو۔۔۔؟" آرزو نے بے یقینی سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"وہ دونوں لاوارث تو نہیں ہیں۔ ہم سب ہیں تو اُن کے ساتھ۔"

"تم نہیں سمجھو گی گڑیا۔ تمہیں ابھی ان تجربوں کے لیے لمبا وقت درکار ہے۔ ہم نے دیکھا ہے بدلتے رنگوں کو۔ خاندان کا بھی ہر رشتہ صرف تب تک زندہ رہتا ہی جب تک ماں باپ زندہ رہتے ہیں۔ اسی لیے تو ہم دونوں چاہتے ہیں کہ ہمارے سامنے ہی انہیں کوئی مضبوط

سہارا مل جائے۔" آرزو چپ ہو گئی۔ دادو سمجھتی تھیں کہ وہ نہیں سمجھیں گی۔ کاش وہ انہیں سمجھا پاتی کہ بعض اوقات ماں باپ کو بدلنے میں بھی وقت نہیں لگتا۔

"دادو ایک بات کہوں؟" کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تو وہ کچھ سوچ کر بولی۔ فرازنہ بیگم نے اُسے اشارہ کیا تو وہ اٹھ بیٹھی۔

"ویسے۔۔۔ آپ کو نہیں لگتا کہ شزا کی طرح اگر وفا بھی ہمیشہ کے لیے اسی حویلی میں رہ جائے تو۔۔۔" وہ درمیان میں ہی چپ ہو گئی۔ وہ کچھ لمحے اُسے دیکھتی رہیں۔ آرزو کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری۔ کیا اُس کی زبان پھر غلط جگہ پھسل چکی تھی؟

"ہم نے بھی یہ سوچا تھا بیٹا۔۔۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ سہمی میں ابھی نادانی ہے۔ اُسے خود کے لیے ابھی لمبا عرصہ چاہیے۔" جواب اُس کی سوچ کے خلاف آیا تھا۔ وہ ضبط سے دل میں سوچ کر رہ گئی۔

("آخر یہ سہمی کا بچہ ہر بار غلط وقت پر ہی انٹری کیوں مارتا ہے؟")

"سہمی کی بات کون کرتا ہے دادو؟ میرا اُس کے علاوہ ایک اور بھائی بھی تو ہے۔"

"خبردار جو آئندہ ایسا سوچا بھی۔ وہ میری روتے کو ہنسانے والی پوتی ہے۔ اور وہ صاحب تو لگتا ہے مسکرا کر بھی ہم پر احسان کرتے ہیں۔ کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔" کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے

اختر صاحب نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا تھا۔ آرزو کا تو منہ ہی لٹک گیا۔ ایسے صاف انکار کون کرتا ہے بھلا؟

اُس کے چہرے کے پھیکے پڑتے رنگ کو دیکھ، فرازنہ بیگم نے شوہر سے گویا ہوئیں۔

"ارے کیسی باتیں کرتے ہیں اختر صاحب؟ اب بھلا بچی نے اتنی کوئی غلط بات بھی نہیں کہی۔" پھر اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"گڑیا ایسا نہیں ہے کہ ان کو سہیل سے محبت نہیں ہے۔ لیکن وہ دونوں بہت مختلف ہیں۔ اور بے جوڑ رشتے زندگی بھر کا افسوس بن جاتے ہیں۔" آرزو صرف سمجھ کر سر اثبات میں ہلا گئی۔ پھر پاؤں زمین میں لٹکائے اور اپنی سلپرز پہنیں۔

("یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ مجھے تو وہ بالکل مختلف نہیں لگتے۔ چلو مانا سچ ہے کہ ان کی پوتی اچھی ہے، مگر میرا بھائی اب اتنا بھی برا نہیں۔")

وہ ماتھے پر شکن سجائے، خیالوں میں خود سے کہتی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ پھر اچانک رکی۔ اور چہرہ موڑ کر لاڈ سے بولی۔

"دادا ابو۔۔۔ ویسے آپ کی پوتی کی باتوں پر میرے بھائی بھی ہنسنے لگے ہیں۔" صفحہ پلٹتا ہاتھ تھما، اختر صاحب نے تعجب سے سامنے موجود اپنے بھائی کی وکیل کو دیکھا تھا۔ جو مسکرا کر کمرے سے ہی باہر نکل گئی۔

اختر صاحب نے اپنی زوجہ کو دیکھا تو انہیں بھی حیران پا کر سر جھٹک گئے۔ بچے تو کچھ بھی بولتے ہیں۔ اور آخر آرزو بھی تو ابھی بچی ہی تھی؟

ٹھنڈ کا مہینہ لگ چکا تھا۔ آگرہ میں ٹھنڈ سال کے آخری مہینے سے کچھ پہلے ہی شروع ہوتی ہے۔ ابھی صرف صبح اور شام کی ہی سردی تھی۔ شزا بھی ہلکی ہلکی سرد ہواؤں کو محسوس کرتی ہوئی بالکنی میں کھڑی تھی۔ جب وفا اندر داخل ہونے پر دروازہ بند کرتی نظر آئی۔

"کہاں تھیں وفا؟ کافی دیر ہو گئی تمہیں۔" شزا آواز سن، اُس سے مخاطب ہوئی۔ سامنے موجود جینز پر گرتی پہنے شزا، اُسے اپنے لیے فکر مند لگی تھی۔ بال جوڑے میں لپٹے ہوئے کلپ میں قید تھے۔

"میں نے کہاں جانا ہے یار؟ گھر میں ہی تھی۔ تم بتاؤ کیا کر رہی ہو؟" وفا مسکرا کر کہتی ہوئی اُس کے ساتھ ہی آکھڑی ہوئی۔ وہ اُس کا موضوع تبدیل کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

"میں تو ایسے ہی کھڑی تھی۔" شزا کہہ کر سامنے دیکھنے لگی۔ وفا نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے محترمہ؟ اور اب دیکھو یہ مت کہنا کہ کچھ نہیں ہوا۔ کیونکہ تم جانتی ہو کہ مجھے آنکھیں پڑھنا آتی ہیں۔" وفانے اُسے اُنکی سے وارن کیا تھا۔ شزا مسکرا کر سر اثبات میں ہلا گئی۔ پھر بولی تو شاید چہرے پر کچھ افسوس بھی تھا۔

"وہ۔۔۔ صبح امی کی کال آئی تھی؟" وفانے اُسے نا سمجھی سے دیکھا۔

"امی؟ کون سی۔۔۔" پھر وہ رکی۔

"وہ شائستہ آنٹی؟" شزا کے آہستہ سے سر ہلانے پر اس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"کیوں؟ بلکہ اُنہیں تمہارا نمبر کیسے ملا؟"

"میں نے ایک بار پاپا سے بات کی تھی۔ تو شاید مل گیا ہو۔" وفانے سمجھ کر سر ہلایا۔

"تو کیا کہہ رہی تھیں وہ؟ اور تم نے میری بات کیوں نہیں کروائی؟ میں تو سنا دیتی انہیں۔ آخر ہمت۔۔۔" شزا نے گہری سانس لے کر اُس کی بات درمیان نے ہی کاٹ دی۔

"وہ رو رہی تھیں وفا۔ بلکہ مجھ سے معافی بھی مانگ رہی تھیں۔" وفا ہلکی پڑی۔ اور اُسے سننے لگی۔ شزا اب خاصہ پریشان لگ رہی تھی۔

"میرا پہلے تو دل کیا کال ہی کٹ کر دوں۔ لیکن پھر مجھ سے نہیں کی گئی۔ چاہے اُنہوں نے جو بھی کیا، لیکن میں اتنے سال اُن کے ساتھ بھی تو رہی ہوں ناں؟"

"ہم۔۔ پھر؟"

"پھر یہ کہ میں نے بہت پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ لیکن اُنہوں نے بس یہی کہا کہ میں انہیں معاف کر دوں۔ اور مجھے وجہ نہیں بتائی۔ لیکن وفاتب سے میرا دل مطمئن نہیں ہو رہا۔" ٹھنڈی ہوا اُن دونوں کے درمیان سے گزر گئی۔ وفانے اُس کا ہاتھ تھاما۔

"تو پھر؟ اب کیا چاہتی ہو؟"

"پتا نہیں۔۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" سوچ سوچ کر شزا کا سر درد کرنے لگا تھا۔

"سمجھ نہیں آ رہا تو مت سمجھو۔ ہر چیز سمجھنے کی ہوتی بھی نہیں ہے۔ اُنہوں نے تم سے معافی مانگی، تم نے معاف کر دیا۔ بس بات ختم! اب اُن کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ وہ اچانک کیسے بدل گئیں؟ یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"وہ نہ سہی لیکن پایا اور نعیمہ تو میرا مسئلہ ہیں ناں؟ میں اُن کے لیے بھی فکر مند ہوں۔ میں نے پایا سے بات بھی کی تھی۔ لیکن اُنہوں نے بھی کچھ نہیں بتایا۔"

"نہیں بتایا تو مت بتانے دو۔ زبردستی جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس وقت تم صرف اپنی اور اذان کی شادی کا سوچو۔" وہ شزا کو بہت نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ جو شاید اُس کی سمجھ میں بھی آ رہا تھا۔

"ہاں شاید تُم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کیا معلوم میں ہی زیادہ سوچ رہی ہوں۔" شزرا نے گہری سانس لیتے ہوئے حامی بھری۔ وفا سادگی سے مسکرا کر وہاں سے بیڈ کی طرف آگئی۔ وہ اب گلے سے اپنا دوپٹا اتار، لیٹنے لگی تھی۔ وہ پورے دن حویلی میں حجاب نہیں کر پاتی تھی۔ مگر اُس کے سر پر دوپٹا ضرور رہتا تھا۔ شاید وہ اب خود کو امپرفیکٹ قبول کر ملامت کرنا چھوڑ چکی تھی۔ لیکن اُس نے اپنے اللہ کے لیے کوشش کرنا نہیں چھوڑی تھی۔

"وفا۔" شزرا نے اُسے محبت سے پکارا۔

"ہمم؟"

"شکریہ۔۔" تکیہ دُرست کرتا، اُس کا ہاتھ تھا۔ وہ جانتی تھی وہ یہ کیوں کہہ رہی ہے۔ اُس نے مسکرا کر گردن موڑی اور سامنے موجود لڑکی کو دیکھ ہلکی آواز میں بولی۔

"تمہیں بھی۔۔"

"مجھے کیوں؟ تُم نے میرے لیے اتنا کیا۔ میں نے کیا کیا؟" شزرا نے حیرانی پوچھا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے کچھ نہیں کیا لڑکی۔ میں نے یہ صرف اپنے لیے کیا ہے۔ میری ناں ہمیشہ سے ایک فینٹسی ہے کہ کاش میں کبھی دو محبت کرنے والوں کو ملوا سکوں۔۔ دو پاک محبت کرنے والوں کو ملوانے سے جنت ملتی ہے۔" وہ اپنے ازلی انداز میں مزے سے بولی تھی۔ شزرا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"تو مطلب تُم نے یہ سب جتّ پانے کے لیے کیا؟"

...Obviously"

اب تمہارے لیے تو کرنے سے رہی۔ "وفا نے اپنے بالوں کو پیچھے اڑاتے ہوئے شوخی دکھائی تھی۔

شہزاد نے ہنس کر اُسے تکیہ سے مارا۔

وقت: 01:57pm

جگہ: اختر منزل

رات سیاہ تھی۔ بالکل سیاہ۔

سب خاموش تھا۔ بالکل خاموش۔

آسمان پر ادھورا چاند روشن تھا۔ بالکل ادھوری زندگی کی طرح۔

ہر چیز ٹھہری ہوئی تھی۔

ہر جان سوئی ہوئی تھی۔

اختر منزل کا ہر مکیں گہری نیند میں اترا ہوا تھا۔ رات کے اس پہر صرف گھڑی ہی ٹک ٹک کی آواز کے سنگ چل رہی تھی، جب کسی اد کھلے نل سے پانی کی ٹپ ٹپ سنائی پڑنے لگی۔ پہلے وہ ہلکی لگتی تھی، پھر تیز ہونے لگی۔ جیسے پہلے وقت ہلکا چلتا ہے، پھر اچانک تیز ہو جاتا ہے۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا جب بستر پر سوئے ہوئے دو وجود میں سے کسی ایک نے کسمسا کر کروٹ بدلی۔ اُسے سوتے وقت خاموشی درکار ہوتی تھی۔ وہ خاموشی جس میں سکون ہو، جس میں کسی طرح کی خوفناک آواز ہر گز نہ ہو۔ لیکن یہ مسلسل ٹپکتے پانی نے اُس کی نیند میں خلل پیدا کر دیا تھا۔

وہ اد کھلی آنکھوں اور درد کرتے ذہن کے ساتھ بامشکل اٹھی۔ کہتے ہیں وہی انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ خود ہوتا ہے۔ اُس کا زیادہ وہم کرنا۔ جس سے بے چینی بڑھ جاتی ہے، سکون کہیں کھو جاتا ہے۔ اور سر درد سے پھٹنے لگتا ہے۔

اُس کا سر درد بھی شدید تھا۔ اس لیے اُس نے اُجالا کرنے سے بھی پرہیز کیا اور اندھیرے میں ہی اُس مسلسل ہوتی آواز کا پیچھا کرتے ہوئے باتھ روم تک جا پہنچی۔ آنکھیں پوری کھلنے سے منع کر چکی تھیں۔ اُس نے اد کھلی نظروں سے ہر طرف کا اعتراف کر واش بیسن کا رخ کیا۔ باتھ روم کافی بڑا تھا۔ گول باتھ ٹب، خوبصورتی سے بنے ہوئے وارڈ روب۔ اور ایک درمیانِ قد کی کھڑکی بھی موجود تھی۔ جو اُس وقت سبز لون کی پچھلی طرف کھلی پڑی تھی۔

ہو ابادلوں کو اڑا لے گئی تو چاند کی صاف چاندنی ادکھلی کھڑکی سے ہوتی ہوئی سیدھا واش
بیسن پر پڑی۔ اُس نے نل بند کرنے کے لیے چوریوں سے بھرا ہاتھ آگے بڑھایا تو وجود
وہیں ساکت رہ گیا۔ سخت ٹھنڈ میں پڑتی برف کی مانند جم گیا۔ نیند پل بھر میں اڑن چھو ہوئی
تھی۔ نیلی آنکھوں کے پوٹے پورے پھیل گئے۔ اُن میں کیا نہیں
تھا؟ خوف، حیرانی، سُرخ۔ سرخ؟

ہاں! سرخ مواد ہی تو تھا۔ جو سفید پتھر پر جگہ جگہ پڑا تھا۔ جو ٹپکتی ہوئی بوند کے ساتھ بھی
بہہ رہا تھا۔ سرخ۔۔۔ بالکل خون جیسا سُرخ۔ یا۔۔۔ شاید خون ہی۔

ایک بار پھر اپنی نہ سو پانے کی مشکل سے لڑتا ہوا سہیل اسٹڈی میں کھڑکی کے آگے پڑے
کاؤچ پر بیٹھا تھا۔ چھوٹی لائٹس جلی ہوئی تھیں، کتاب کھلی ہوئی تھی۔ اور ذہن کسی اور ہی دنیا
میں موجود تھا۔ اُسی وقت ایک زور دار چیخ سنائی دی۔ پل بھر کو تو وہ خود بھی ڈر گیا۔ ذہن
کہیں بہت پیچھے گیا تھا۔ جہاں اُس نے کسی کی ایک ایسی ہی چیخ سنی تھی۔ اور پھر وہ بے اختیار
بھاگا تھا۔

عالیہ کی چیخ اختر منزل کے در و دیوار ہلا گئی تھی۔ کمروں کی بتیاں روشن ہوئیں تھیں۔ اور ہر
فرد گھبرا کر اُس جانب گیا تھا۔

سب سے پہلے نسیم نے ہاتھروم کا دروازہ کھول، اُسے روشن کیا تھا۔ اور پھر اُن کی بھی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"نسیم۔۔ نسیم۔۔۔ یہ۔۔ یہ خون۔۔" گھبراہٹ اور خوف کے مارے عالیہ کی زبان بھی اُس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ وہ کانپتی ہوئی اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔

"امی۔۔" جب سہیل وہاں پہنچا تو خود بھی حیران رہ گیا۔ یہ سب آخر کیا تھا؟

"آپ رونا تو بند کریں بھابھی۔ ایسے آپ کی طبیعت بگڑ سکتی ہے۔" عالیہ اپنے بیڈ پر بیٹھی لگاتار رونے کا شغل فرما رہی تھی۔ اُس کے ایک جانب فرازہ بیگم بیٹھی اُسے سنبھال رہیں تھیں تو سامنے آرزو بیٹھی تھی۔

"مجھے آخر سمجھ نہیں آ رہا کہ یہ حرکت آخر ہے کس کی؟ یہ کام کوئی باہر کا تو ہرگز نہیں کر سکتا۔" نسیم اختر بھی سخت غصے کی حالت میں تھی۔

"آرام سے نسیم۔۔ آرام سے۔ کوئی گھر کا فرد بھلا یہ کیوں کریگا؟" صوفے پر بیٹھے اختر صاحب نے بیٹے کو ٹوکا تھا۔

"ارے میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ آخری مرتبہ اس حویلی میں اتنی زوردار چیخ رانہ کی گونجی تھی۔" دادو نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"دادو آپ ان پر کوئی دعا پھونک دیں۔ شاید ان کا خوف کم ہو جائے۔" وفا کے کہنے پر اُنہوں نے سمجھ کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔ سہیل نے ایک خاموش اور تیز نظر سامنے کھڑی لڑکی پر ڈالی تھی۔ جس کے چہرے پر فکر مندی صاف ظاہر تھی۔

"چپ۔ بالکل چپ۔ یہ۔۔ یہ سب تُم نے کیا ہے نا؟ پھر۔۔ پھر اب یہ نائک کیوں کر رہی ہو؟" عالیہ اپنا آپا کھوتے ہوئے وفا پر چیخ پڑی۔

"جی؟" وفا نے حیرانی سے عالیہ کو دیکھا۔ سہیل نے ضبط سے آنکھیں بند کر کے کھولیں تھیں۔ بس۔۔ یہی تو وہ نہیں چاہتا تھا۔

"نسیم۔۔ نسیم۔۔" وہ گھبرائی ہوئی نسیم تک گئی۔

"میں نے تُم سے کہا تھا ناں کہ یہ مجھے پاگل کر دیگی؟ دیکھو۔۔ دیکھو یہ مجھے پاگل کر رہی ہے۔ سب۔۔ سب اسی نے کیا ہے۔" عالیہ بری طرح انہیں جھنجھوڑتے ہوئے اپنے حواس کھو رہی تھی۔

"عالیہ۔۔ سنبھالو خود کو۔ تُم ہوش میں تو ہو؟" اختر صاحب نے بلند آواز میں کہا۔

"میں؟ ہاں میں۔ یہ۔۔ یہ لڑکی یہی تو چاہتی تھی کہ میں اپنا ہوش کھو دوں۔ تاکہ۔۔ تاکہ یہ جیت جائے۔" وہ دوبارہ بلند آواز میں کہتی ہوئی وفا پر جھپٹنے لگی تھی کہ شزانے سامنے آکر اُسے روکنا چاہا۔

"چاچی رکیں۔۔" لیکن وہ رکننا تو شاید بھول ہی بیٹھی تھی۔ وہ شزا کو بھی سائڈ میں ہٹانے لگی تو نسیم نے اُس کا پیچھے سے بازو پکڑا۔

"عالیہ پاگلوں والی حرکتیں مت کرو۔۔" قریب تھا کہ وہ اُس پر ہاتھ بھی اٹھا دیتے کہ سہیل فوراً درمیان میں آگیا۔ اس نے نسیم سے بازو چھڑا کر عالیہ کو خود سے لگایا تو وہ زوروں سے رونے لگی۔

"سہیل۔۔۔ سہیل مجھے بچا لو بیٹا۔ یہ مجھے مار دیگی۔ جیسے جیسے میں نے۔۔" وہ اُس کے سینے سے لگی گھٹی ہوئی آواز میں بڑبڑا رہی تھی۔ پھر اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ آمنے سامنے موجود سرمئی اور بھوری آنکھیں آپس میں ملیں تھیں۔ پھر وفا خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے کیا وفا؟ یہ سب کیا کر رہی ہو؟" اذان اُس سے سخت لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔ چہرے پر پریشانی صاف واضح تھی۔

"اذان؟" وفا اُسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ شزا بھی اُن کے پیچھے آئی اور اندر سے کمرہ بند کیا۔

"میں سمجھتا ہوں یار کہ میری طرح تم بھی یہی چاہتی ہو کہ یہ سب جلد از جلد ختم ہو جائے۔ لیکن پھر بھی اس طرح کی حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ضبط سے بات کرتا ہوا اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جو بنا کچھ کہے صرف اُسے نا سمجھی سے دیکھ رہی تھی۔

"وفا نے یہ نہیں کیا ہے اذان۔ یہ تو پورے ٹائم سو رہی تھی۔ بلکہ اسے تو جگایا بھی میں نے تھا۔" شزا کو کہتے سن، وہ اُس کی جانب گھوما۔

"اگر کوئی انسان ہر وقت ہمارے ساتھ رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم اُسے اچھے سے جانتے ہیں، یا پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کوئی کسی کے اندر نہیں جھانک سکتا شزا۔ تو تمہیں کیسے یقین ہے کہ وفا یہ نہیں کر سکتی؟"

"جس طرح آپ کو یقین ہے کہ یہ اُس نے کیا ہے۔" وہ بھی مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ وفا اُن دونوں کو دیکھتی رہی۔ اُس وقت اُس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ اچانک اتنا سب سمجھنے سے قاصر تھی۔

"کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ حرکت وفا کے علاوہ اور کون کریگا؟ یہ پلان کے مطابق یہی چاہتی ہے کہ وہ لوگ کوئی غلطی کریں اور ہمیں ثبوت ملے۔ اور آج تو وہ قبول بھی کرنے ہی والی تھیں۔ لیکن سہیل درمیان میں آ گیا۔" اذان اپنی بات مکمل کر خاموش ہوا تھا۔ پھر گہری سانس لے کر وفا کی جانب متوجہ ہوا۔

"دیکھو وفا۔ تم دونوں ہی میرے لیے بہت اہم ہو۔ اس لیے جذبات میں آ کر کوئی بھی ایسی حرکت مت کرو جس سے تمہیں خطرہ ہو۔ پلیز!!" وہ بہت آرام سے سمجھا رہا تھا۔ شزا نے وفا کو دیکھا۔ شاید اذان درست تھا۔ کوئی کسی کے اندر نہیں جھانک سکتا۔ اور شاید وفا کو سمجھنا تو شزا کے بس میں تھا ہی نہیں۔

"اذان بھی غلط نہیں ہے وفا۔ اگر تم نے سچ مچ ایسا کچھ کیا ہے تو آئندہ بالکل مت کرنا۔" وفا پہلے پہل تو ان دونوں کو دیکھتی رہی۔ پھر بولی تو آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"لیکن میں نے تو اس بار سچ میں کچھ نہیں کیا۔"

"کیا؟" وہ دونوں ایک ساتھ چونکے تھے۔

"تم پریشان مت ہو یا۔۔ میں ہوں ناں؟ میں ہینڈل کر لوں گا۔" اذان نے ہلکے انداز میں بامشکل مسکرا کر کہا۔ وہ سمجھا شاید وہ گھبراہٹ میں جھوٹ بول رہی ہے۔

"میں سچ بول رہی ہوں اذان۔ میں نے ان کے ساتھ یہ نہیں کیا۔" وہ خود کسی صدمے میں لگ رہی تھی۔ اور اب ان دونوں کو صدمہ پہنچا رہی تھی۔ وفانے بے چینی سے شزا کو دیکھا۔

"شزا۔۔ میں۔۔ میں نے۔" پھر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ کچھ لمحے خاموشی چھائی رہی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اچانک وفا کا سانس بھاری ہونے لگا۔ اور اُس کی گھبراہٹ بڑھنے لگی۔ اذان نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"Are you okay?"

"..No"

وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ شزا نے جلدی سے اُسے پانی کا گلاس تھمایا تو اُس نے وہ بھی واپس کر دیا۔

"میں احمد چاچو کو بلاتی ہوں۔" شزا اُسے بیٹھا کر آگے بڑھنے لگی۔

"نہیں۔۔۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ سرخ پڑتے رنگ کے ساتھ بولی تھی۔ پھر کسی انجانی کیفیت میں کمرے سے ہی نکل گئی۔ اور وہ دونوں پیچھے حیران و پریشان رہ گئے۔

"اذان یہ آخر ہو کیا رہا ہے؟ اگر وہ وفانے نہیں کیا تو پھر کس نے کیا؟ اور اب اس کی یہ حالت؟"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں شزا۔ بلکہ شاید وفا خود بھی۔ بہتر رہیگا اگر وہ چاہتی ہے تو ہم کچھ وقت اُسے اکیلا چھوڑ دیں۔" اذان نے آگے بڑھ کر اُسے بیٹھایا تھا۔

"لیکن وہ میری بہن ہے۔ اور مجھے اُس کی فکر ہو رہی ہے۔" وہ گہری سانس لے کر اُس کے ساتھ بیٹھا۔

"شزا وہ میری بھی کچھ لگتی ہے۔ مجھے بھی اُس کی فکر ہے لیکن ابھی وہ پریشان ہے۔ اور اگر تم بھی پریشان ہوگی تو کیسے چلے گا؟" پھر وقفہ دے کر اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تم زیادہ مت سوچو اور سو جاؤ۔ اُسے بھی کچھ وقت دو۔ جو ہوگا صبح دیکھینگے۔ ہم؟؟؟" وہ سمجھ کر آہستہ سے سر اثبات میں ہلا گئی تو اذان اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے ایک ہلکی مسکراہٹ اُس کی طرف اچھلی۔ اور پھر خود بھی باہر نکل گیا۔

وہ باہر آ کر وفا کے لیے ہر طرف نظریں دوڑانے لگا۔ راہداری پار کر کے نیچے آیا۔ پھر گھوم کر اوپر تک دیکھا مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔ پھر اُس نے گہری سانس لی اور خود کو صبح بات کرنے کی تسلی دے کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے، لیکن سہیل عالیہ کے ساتھ سے کرسی پر بیٹھا رہا تھا۔ جب اُسے یقین ہوا کہ اب وہ پرسکون نیند میں اتر چکی ہے تو وہ بھی اٹھ گیا۔ اُس نے ہلکی روشنی میں زرد پڑتا اپنی ماکا چہرہ دیکھا تھا۔ چند لمحوں میں ہی عالیہ کی رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔ وہ چاہے جیسی بھی تھی، تھی تو اُس کی ماہی۔

سہیل نے ایک نرم ہاتھ عالیہ کے سر پر پھیر، اُس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیچھے کیا۔ اور پھر دروازے کی جانب بڑھا تو اُس کے کانوں میں نسیم کی آواز آئی۔

"اگر یہ عورت اپنی پاگل پنہی میں ایسی ہی حرکتیں کرتی رہی ناں سہیل۔۔ تو قریب ہے کہ یہ ہمارے لیے اُس لڑکی سے بھی بڑا خطرہ ثابت ہو جائیگی۔" وہ کسی بت کی طرح بے تاثر وہاں کھڑا رہا۔ نہ پلٹا، نہ اندھیرے میں لیٹے اپنے باپ کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی۔

"اور میں ایک پاگل عورت کو اپنے ساتھ ہر گز برداشت نہیں کرونگا۔" اُس نے ضبط سے مٹھیاں بند کیں تھیں۔ دل چاہا تھا کہ ابھی کچھ بڑا کر گزرے، لیکن پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھ آیا۔

(چپ۔ بالکل چپ۔ یہ۔۔ یہ سب تم نے کیا ہے ناں؟ پھر۔۔ پھر اب یہ نالک کیوں کر رہی ہو؟)

وہ حویلی کی چھت پر کھڑی خود کو سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ لیکن گھبراہٹ تھی کہ کھلے آسمان کے نیچے بھی کم نہ ہوتی تھی۔

(میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ یہ مجھے پاگل کر دیگی؟ دیکھو۔۔ دیکھو یہ مجھے پاگل کر رہی ہے۔ سب۔۔ سب اسی نے کیا ہے۔)

وہ تو ہر معاملے میں نرم رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ یہ کوشش کہ کہیں اُس سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے، جس سے وہ ظالم ثابت ہو۔ پھر یہ کیا ہو رہا تھا؟

(میں؟ ہاں میں۔ یہ۔۔۔ یہ لڑکی یہی تو چاہتی تھی کہ میں اپنا ہوش کھو دوں۔ تاکہ۔۔۔ تاکہ یہ جیت جائے۔)

جیت؟ جیتنا تو اُس نے شاید کبھی سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ تو ہر بار ہی ہار جاتی تھی۔ کبھی اپنوں کو۔ کبھی اپنی خوشیوں کو۔ تو کبھی اپنے آپ کو۔ پھر عالیہ مبین کون سی جیت کی بات کر رہی تھی؟

اور پھر وہ خود کو روکتے روکتے رو ہی دی۔ ضبط کا پہرہ ٹوٹ گیا۔ پہلے آنسو لڑی کی صورت آنکھ سے ٹپکے۔ اور پھر سسکیاں شروع ہو گئیں۔ وہ کسی چھوٹی بچی کی طرح پالتی مار کر وہیں بیٹھ گئی۔ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے خود کو دوپٹے سے آزاد کر اُسے الگ ڈال دیا۔ جڑے میں قید بالوں کو کلپ ہٹا کر آزاد چھوڑ دیا اور ہاتھ کی پشت سے رخسار پر بہتا گرم پانی صاف کر دیا۔

وہ بھی اُس آدھے چاند کی آدھی رات کی مانند ہی آدھی تھی۔ جو اپنا حال دل کسی سے نہیں کہہ پاتی تھی۔ سوائے اللہ کے۔

"اللہ پاک آپ تو جانتے ہیں نا میں بری نہیں ہوں؟ پھر۔۔ پھر مجھے کیا ہو رہا ہے؟ اتنی بے چینی کیوں ہے مجھے؟" وہ آسمان کو دیکھتی ہوئی گھٹی آواز میں بولی تھی۔ مگر رونے کی تڑپ میں الفاظ بھی زبان سے کہاں نکلتے ہیں؟

"ہاں میں نے انہیں ڈرانا چاہا تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ پچھتائیں۔ میں چاہتی ہوں وہ سچ قبول کریں۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن میں انہیں پاگل کرنا نہیں چاہتی۔ میں انہیں ایسے تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔" نظر آسمان پر جمی تھی۔ اور آنسو زمین پر گرتے تھے۔ اُس کا شاید ہمیشہ سے ہی یہ مسئلہ تھا۔ وہ اپنے آپ میں رہتے رہتے، اپنا آپ ہی کھونے لگتی تھی۔ اور کتنی تکلیف ہوتی ہے ناں؟ جب آپ پر اُس گناہ کا الزام لگے جو آپ نے کیا ہی نہ ہو۔

گناہ سے ملی سزا پر صبر آ جاتا ہے، لیکن بے گناہی کی سزا پر صبر نہیں آتا۔ بلکہ انسان صرف وضاحتیں دیتے ہوئے تڑپتا رہتا ہے۔

"اللہ پاک پلیز۔۔۔" اُس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ اٹھائے۔

"پلیز مجھے بچالیں۔۔۔ میں اتنی مضبوط نہیں ہوں۔۔۔ آپ تو۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں ناں کہ میں اتنی مضبوط نہیں ہوں جتنا سب مجھے سمجھتے ہیں۔۔۔"

پلیز مجھے بچالیں۔۔۔ یہ سب۔۔۔ یہ سب میرے بس کا نہیں ہے۔۔۔ میں ان مشکلات میں کیوں پھنس گئی آخر؟ کیوں؟؟ "وہ ڈر گئی تھی۔ عالیہ کی اُس حالت نے اُسے ڈرا دیا تھا۔ سہیل کی اُن

سر مئی آنکھوں میں پہلی بار نظر آتی تکلیف نے اُسے ڈرا دیا تھا۔ وہ تو خود بعض اوقات سوچتی تھی کہ جب سچ سامنے آئیگا تو کیا ہوگا؟ اُس کے بڑے بابا اتنا بڑا دھوکہ کیسے برداشت کریں گے؟ اور آج جب انجانے میں ہی سہی لیکن عالیہ اعتراف کرنے لگی تھی تو اُس کا وجود بھی کانپ اٹھا تھا۔

ابھی تو اپنے حق سے دستبردار ہونے کا غم بھی تازہ تھا۔ جس پر اٹھتی تکلیف کو وہ دبا گئی تھی۔ مگر اب آنسو ہر تکلیف پر نکل رہے تھے۔

اُس نے اپنے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اُسے خود کو خود ہی چپانا تھا۔ وہ جانتی تھی کوئی اُس کے آنسو صاف کرنے نہیں آئے گا، اُسے اپنے آنسو خود ہی صاف کرنے تھے۔ پھر گھبراہٹ میں کمی ہوئی تو وہ اپنے گرد بازو باندھے وہیں بیٹھی رہی۔ لمبی زلفیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔

کچھ وقت اور بیتا۔ کچھ لمحے اور گزرے۔

چھت کے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی۔ اُس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔ جو بھی تھا ہوتا رہے، بھلا وہ کسی کے لیے کیوں پلٹے؟ کوئی آکر اُس کے سامنے بیٹھا تو اس نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔ وہ آرزو تھی۔ ہلکی رنگت اور سر مئی آنکھوں والی لڑکی۔ جس کے بال جڑے کی شکل سے کلپ میں قید تھے۔ جس کی آنکھوں میں اُسے یوں دیکھ حیرانی تھی، اور شاید پریشانی بھی تھی۔

"تُم اس وقت یہاں کیوں آئی ہو؟"

"جس لیے تُم آئی ہو۔" آرزو نے بھی اپنے ہاتھ ریلنگ پر ٹکائے۔

"مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ میں رونے نہیں آئی تھی۔"

"مجھے بھی گھبراہٹ ہی ہو رہی تھی۔ میں بھی تمہیں روتا ہوا دیکھنے نہیں آئی تھی۔" وہاں سے نظارہ بہت خوبصورت تھا۔ اُس اونچے ٹریس سے دور تک نظر آتا تھا۔

"ویسے کیا تُم ٹھیک ہو؟" آرزو نے اُسے کنکھیوں سے دیکھا۔ وفا کی نظریں سامنے ہی جمی رہیں۔

"پتا نہیں۔ میں سمجھ نہیں پا رہی۔"

"کیوں؟ اب تو تمہیں خوش ہونا چاہئے نا؟ آج ممّا اعتراف جرم کرنے والی تھیں۔" آرزو نے سادگی سے کہا تھا۔ اُس میں طنز نہیں تھا، البتہ افسوس اور دکھ صاف ظاہر تھا۔

"ہاں ہونا تو چاہیے، مگر میں ہو نہیں پا رہی۔" وہ بھی گہری آہ بھر کر بولی تھی۔

"آرزو کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں بری ہوں؟" آرزو نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا۔

"تُم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟ ہم انسان ہیں، اور انسان ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ ہم چاہے جو بھی کر لیں، ہم سب کے لیے اچھے نہیں بن سکتے۔" وفا کے گلے میں گٹی ڈوب کے اُبھری۔ شاید وہ اُن کی نظروں میں واقعی بہت مختلف تھی۔

"ویسے تُم رو کیوں رہیں تھیں وفا؟" وفا نے ایک پل کو اُسے دیکھا۔ صرف ایک پل کو۔

"کیونکہ میں پھر سے تھکنے لگی ہوں۔ میرے ساتھ بچپن سے ہی بہت سے مسئلے رہے ہیں آرزو۔ مجھ پر میری ضد اور تکلیفیں حاوی ہونے لگتی ہیں۔ میں بعض اوقات اپنا آپا کھو دیتی ہوں۔ مجھ سے خود کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پہلے تو خود کو تکلیف بھی پہنچا جاتی تھی۔۔ اور۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر اُس نے گہری سانس لی۔

"مجھے محبتیں تو ملی ہیں، لیکن ادھوری۔"

"کیا تمہارے ساتھ سچ میں ایسا ہے؟" آرزو نے رخ بدلا۔ وہ اب تعجب سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

وفا نے آہستہ سے ہر ہلایا۔

"ہاں! میں اُن کا اعتراف جرم چاہتی ہوں۔ لیکن پھر بھی۔۔ اس طرح انہیں ذہنی بیمار کرنا میں نے کبھی نہیں چاہا۔" وہ اپنی بات مکمل کر، اوپر آسمان کو دیکھنے لگی، تو کچھ پل خاموشی

سے ہی بیت گئے۔ وہ سمجھی آرزو شاید حیران تھی۔ اُس نے کچھ بولنے کو لب کھولے، پھر بند کر لیے۔

"یہ سب بہت عجیب ہے۔۔۔ تم چاہتی ہو کہ ممّا کو سزا ملے، مگر انہیں تکلیف میں دیکھ کر تمہیں تکلیف بھی ہوئی۔ تم چاہتی ہو کہ تمہیں پوری مُجت ملے، مگر جس شخص کو تم پسند کرتی تھیں، خود اُس کا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں دے دیا؟" کھلے بالوں والی لڑکی نے بے اختیار اُسے دیکھا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ نگر گئی۔

"کیا سچ میں؟" آرزو نے اُسے غور سے دیکھا تھا۔ وفانے کچھ بولنے کو لب کھولے، مگر اس مرتبہ دل نے جھوٹ سے انکار کر دیا۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں پا رہی وفا؟ تم کافی ڈسٹرب لگ رہی ہو۔"

پتا نہیں یار۔۔۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی کہانی کسی انچا ہے موڑ پر اٹک گئی ہو۔ جیسے کہیں کچھ چھوٹ رہا ہے۔ کوئی ٹکڑا ہے جو پزل میں فٹ ہی نہیں ہو رہا۔ میں سمجھ نہیں پا رہی کہ مجھے یہ بے چینی آخر کیوں ہے؟" آرزو کچھ لمحے اُسے دیکھتی رہی، پھر گہری سانس لے کر اندھیرے میں جگمگاتی روشنیوں کی جانب نظریں موڑ لیں۔

"جب کہانی کا کوئی حصہ ہمیں پہلی بار میں سمجھ نہیں آتا، تو ہم کیا کرتے ہیں وفا؟"

"اُس حصے کو دوبارہ پڑھتے ہیں۔" وہ بے خیالی میں بولی تھی۔ آرزو آہستہ سے مسکرائی۔

"تو کیا تم نے دوبارہ پڑھا؟ یا تم نے بنا سمجھے ہی آگے بڑھ گئیں؟" وفانے تعجب سے اُسے دیکھا۔ وہ سوچنے پر مجبور ہوئی تھی۔ آخر اُس نے کیا نہیں سمجھا تھا؟

چاروں طرف سکون اور خاموشی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اب اُس کے وجود کو ہلکا کر رہی تھی۔ وہ آرزو کی سرمئی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔ اُسے آنکھیں پڑھنا آتی تھیں، اُسے صرف آنکھوں ہی تو پڑھنا آتی تھی۔ وہ اُن میں موجود تاثرات سمجھ سکتی تھی۔

کچھ لمحے اور گزرے۔ کچھ وقت اور بیتا۔ اُس کے ذہن نے سب ریوائنڈ کیا۔ آغاز سے۔ وہیں، جہاں سے سب شروع ہوا تھا۔

اور اس کا جھٹکے سے رخ بدلا۔ وہ جگمگاتی روشنیوں کو چھوڑ، آرزو کو صدمے سے دیکھنے لگی۔ جو اب مسکرا کر اُس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"تو کیا ملا وفا؟" وفانے ہے اختیار خود کو کہتے سنا۔

"سہیل!!" آرزو کے ماتھے پر نا سمجھی کے بل پڑے۔ اُسے اس جواب کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

"کیا؟"

"وہ آنکھیں جنہیں میں نہیں پڑھ سکی۔ وہ حصہ جو میں نے نہیں سمجھا۔ وہ ٹکڑا جو ابھی تک کسی پزل میں فٹ نہیں ہوتا۔۔۔ وہ سہیل ہے آرزو۔

ہاں! میں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔" وفا اُس سے زیادہ خود کو سمجھا رہی تھی۔

"ہر شخص کی ایک کہانی ہوتی ہے۔ چاہے ادھوری، چاہے پوری۔ اور اختر منزل کے بھی ہر فرد کی الگ کہانی ہے۔ چاہے اچھی، چاہے بری۔ اور میں سب کی کہانی سن چکی ہوں۔۔۔ سوائے؟"

"سوائے سہیل اختر کے۔۔۔" آرزو نے اُس کی ادھوری بات مکمل کی تھی۔ وفانے مسکرا کر حامی بھری۔

"ہاں! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنی جانب سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔ میں چاہ کر بھی نہیں پہنچا پاتی۔ لیکن آج صرف عالیہ مبین کو اپنے حواس کھوتے دیکھ مجھے تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ آج پہلی بار۔۔۔ میں نے سہیل کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ اُس میں تکلیف، کمزوری اور بے بسی دکھی تھی آرزو۔" اس مرتبہ وہ لڑکی پر اعتماد تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ غلط نہیں ہے۔ آرزو کچھ لمحے اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر بولی تو آواز میں اداسی واضح تھی۔

"شاید تم صحیح ہو۔ بھائی اپنے جذبات کسی سے شیئر نہیں کرتے۔"

"وہ سب سے الگ ہے۔ وہ خود کو ولن کہتا ہے۔ مگر کیوں؟" آرزو نے اپنے لب تر کیے اور موضوع بدلنا چاہا۔

"آدھی رات ہو رہی ہے وفا۔ اس بارے میں پھر کبھی بات کریں گے۔" وہ مڑنے لگی تو وفانے اُسے زبردستی روکا۔

"بات مت بدلو آرزو۔ آدھی رات ہے تو صبح بھی ہوگی۔ لیکن تم مجھے بتاؤ گی کہ آخر سہیل کی کہانی کیا ہے۔ مجھے اچھے سے پتا ہے وہ، وہ نہیں ہے جو خود کو دکھاتا ہے۔" اُسے آدھی رات یا ٹھنڈی ہوا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اُس کا لہجہ اٹل تھا۔ ارادے مضبوط تھے۔ آرزو فقط گہری آہ بھر کر رہ گئی۔

باب۔ ۱۳

ریڈ ہیلز کی ٹک ٹک اُن کے کان میں پڑی تھی۔ گھر خالی تھا۔ بالکل خالی۔ اُس خوبصورت بڑے سے گھر میں اب صرف خوبصورت اور مہنگا سامان ہی رہ گیا تھا۔ اُس کے مکین تو کب کے ہجرت کر چکے تھے۔

"آؤ بیٹا۔۔۔ میں تمہارا ہی منتظر تھا۔" اُن کی آواز پر اُس کے قدم تھمے۔ ٹک ٹک کی آواز بند ہو گئی۔ مبین صاحب نے شیلف میں کتاب رکھی اور پلٹ کر اپنی بیٹی کو دیکھا۔

"کیسے ہیں بابا؟" تن پر اپنے پسندیدہ سرخ رنگ کا ہلکا کام والا لباس سجائے۔ بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں سرخ رونی کی انگوٹھی پہنے ہوئے، جو یقیناً اس کے شوہر کا ہی تحفہ تھی۔ کسی ملکہ کی مانند تیار ہوئی عالیہ نسیم اختر، آج بہت مطمئن نظر آتی تھی۔

"تمہیں دیکھ کر پرسکون ہو گیا۔" اُنہوں نے بہت محبت سے کہا تھا۔ اتنی محبت اُسے آج پہلی مرتبہ اُن کے لہجے میں محسوس ہوئی تھی۔

"آپ بھائی کے ساتھ دلی کیوں نہیں گئے؟ اکیلے یہاں کیا کریں گے؟" وہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے آئی تو اُنہوں نے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ اُن کے پیچھے آئی۔

"یہاں سے جانے کو میرا دل راضی نہیں ہوا۔ اور میں بھلا اکیلا کہاں ہوں بیٹا؟ اس گھر میں ساری زندگی کی یادیں تو ابھی زندہ ہیں۔" اُن کا کمرہ نیچے ہی تھا۔ وہ اب ڈرائنگ روم پار کر رہے تھے۔

"پھر بھی بابا۔۔ آپ کو جانا چاہیے تھا۔" عالیہ اُن کے لیے فکر مند تھی۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"میری فکر نہ کرو عالیہ۔ ساری زندگی میں نے اتنا تو کما ہی لیا ہے کہ اب سکون سے کھا سکوں۔" وہ کچن میں داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی اُن کی پرچھائی کی مانند ساتھ آگئی۔

مبین صاحب گیس پر رکھی ہانڈی دیکھنے لگے تو گرم گرم اٹھتی بریانی کی خوشبو اُس کے نکتھوں سے ٹکرائی۔

"یہ آپ نے بنایا ہے؟ ملازم کہاں ہے؟" وہ کافی حیران ہوئی تھی۔

"اُسے آج میں نے چھٹی دے دی۔ سوچا آج اپنی بیٹی کے لیے خود کھانا پکانا چاہیے۔ میں نے تمہاری پسندیدہ چکن بریانی کے ساتھ راستہ بھی بنایا ہے۔ بالکل ویسا جیسا تمہیں پسند ہے۔" وہ ڈشز میں کھانا نکالتے ہوئے اُسے بتا رہے تھے۔ اور وہ کہیں یقین اور بے یقینی کے درمیان حیران کھڑی تھی۔ پھر آگے بڑھ کر سامان اٹھا کر ٹیبل پر رکھنے لگی۔ گلے میں بہت سا پانی جمع ہونے لگا تھا۔

"میرے لیے اتنا سب اور وہ بھی یوں اچانک؟ کیوں بابا؟" بیٹی کے سوال پر مبین صاحب ہنستے ہوئے کرسی پر بیٹھے تھے۔ بے اختیار عالیہ کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری۔ دل میں اچانک بہت سے برے خیالات آنے لگے تھے۔

"ساری زندگی تمہارا شکوہ رہا ہے کہ میں تمہیں وقت نہیں دے سکا۔ تمہارے حصے کا پیار نہیں دے سکا۔" وہ پہلے اُس کی پلیٹ میں کھانا نکال رہے تھے۔

"لیکن دیکھو۔۔۔ آج میرے پاس تمہارے علاوہ اور کوئی اولاد نہیں ہے۔ تو آج سے میرا سارا وقت بھی تمہارا۔ اور سارا پیار بھی۔" اُنہوں نے بریانی کا بھرا چچ عالیہ کی جانب بڑھایا تھا۔ اور وہ ساکت بیٹھی انہیں نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے آہستہ سے لکھ کھا لیا۔

"تم بچوں کو نہیں لائیں؟ میں نے اُن کے لیے میٹھا بھی بنایا تھا۔" وہ کھانا کھاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"سمی اور آرزو صوفیہ کے گھر گئے ہیں۔ اور سہیل اذان کے ساتھ تھا۔" وہ اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ اُنہوں نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔

"ہم۔۔ وہ دونوں ساتھ میں بہت خوش رہتے ہیں۔ وفا اور آئہ کی طرح، سہیل کو اذان سے دور مت ہونے دینا عالیہ۔۔ ورنہ وہ بچہ اکیلا پڑ جائیگا۔" انہوں نے سرسری سے انداز میں کہا تھا۔ لیکن عالیہ کے کھانا حلق میں ہی اٹک گیا۔

"اب اس سب میں، میں کیا کر سکتی تھی بابا۔۔ انہیں بھی میں نے الگ تھوڑی کیا تھا، وہ تو شاید مقدر میں ہی ایسا لکھا تھا۔" عالیہ نے اپنا انداز عام سا رکھا تھا۔ مبین صاحب نے صرف سر ہلا دیا۔

عالیہ کے مطابق وہ لمحات، اُس کی ساری زندگی کے سب سے خاص لمحات تھے۔ جنہیں وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اُس دن دونوں باپ بیٹی نے کھانا کھاتے ہوئے خوب ساری باتیں کی تھیں۔ عالیہ نے انہیں وہ سرخ روپی کی انگوٹھی بھی دکھائی، جو اُسے نسیم نے دی تھی۔

"ہم۔۔ اچھی ہے۔ لیکن ایک بات کہوں بیٹا؟" وہ برتن سمیٹ رہی تھی جب مبین صاحب نے پوچھا۔ عالیہ نے حامی بھری۔

"اُس شخص کی محبت میں اتنا آگے مت چلی جانا کہ خود کو بھی کھو بیٹھو۔ اپنے جائیں تو صبر آ جاتا ہے۔ لیکن اگر اپنا آپ جائے تو صبر نہیں آتا۔"

"میں سمجھی نہیں بابا۔ کیا مطلب؟" عالیہ نے وہیں کرسی پر بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔ وہ اب ابلتے ہوئے چائے کے پانی میں دودھ ڈال رہے تھے۔

"جب میں بریانی میں نمک ڈال رہا تھا تو دل میں زہر ڈالنے کا خیال بھی آیا تھا بیٹا۔ لیکن پھر رک گیا۔ شاید میری تمہارے لیے محبت، تمہاری زویا کے لیے نفرت سے زیادہ بڑی تھی۔" انہوں نے کہتے ہوئے گیس کی آنچ تیز کی۔ اور عالیہ کو لگا کسی نے اُسے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا ہو۔

"بابا؟" اُس کے ہوٹوں سے بے آواز پکار نکلی تھی۔ جو پھر بھی اُن کے کانوں تک پہنچ ہی گئی۔

"ہاں بابا کی جان؟" وہ بہت محبت سے بولے تھے۔ اتنی محبت سے کہ عالیہ کا دل رونے کو بے تاب ہو گیا۔ سانسیں بھاری ہونے لگیں اور دم گھٹنے لگا۔ لیکن وہ پھر بھی ضبط سے بیٹھی رہی۔

"پی لو۔ اس میں میں نے زہر نہیں ڈالا ہے۔" انہوں نے اُس کے ساکت بیٹھے وجود کے آگے کپ بڑھایا تھا۔

"کیونکہ جس اولاد کو ان ہاتھوں سے پالا ہو۔ اُسے انہی ہاتھوں سے مارنے کی طاقت کم از کم مجھ میں تو نہیں ہے۔" عالیہ نے نظریں اٹھا کر اپنے باپ کو دیکھا۔ اور پھر کپ تھام لیا۔

"آپ وہ واحد شخص ہیں جس سے عالیہ نے سب سے زیادہ محبت کی ہے۔ اگر آپ نے زہر ملایا بھی ہوتا، میں تب بھی پی لیتی بابا۔" وہ بلند قہقہا لگاتے ہوئے بیٹھ گئے۔ جیسے کسی نے انہیں کوئی بہت لاجواب لطیفہ سنایا ہو۔

"کیوں جھوٹ بولتی ہو بیٹا؟ تم نے اگر مجھ سے محبت کی ہوتی تو ہر اُس شخص سے بھی محبت کرتیں جس سے میں کرتا تھا۔ پھر تم کم از کم میری ہی بیٹی کی قاتل نہ بنیں۔" وہ انہیں زخمی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں نے وہ اپنے حق کے لیے کیا تھا بابا۔ میں نے وہ آپ کے لیے کیا تھا۔"

"تم نے وہ اپنی نفرت میں کیا تھا بابا کی جان۔ تم نے وہ اُس شخص کی اندھی محبت میں کیا تھا جو تمہارا کبھی نہیں ہوگا۔" اُن کا اعتماد اُس وقت قابلِ دید تھا۔ عالیہ کی دلیل بہت کمزور تھی، حال رد کر دی گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اُس نے اُن سے زیادہ خود کو یقین دلایا تھا۔ وہ کچھ لمحے اُسے نرمی سے دیکھتے رہے، پھر چائے کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"پی لو عالیہ۔ ٹھنڈی ہو جائیگی۔" وہ انہیں حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن پھر خاموشی سے سہلے لینے لگی۔

"اب مجھے چلنا چاہیے۔" باہر آتے ہوئے عالیہ نے نظریں چرائیں تھیں۔ مبین صاحب نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ اُس کو باہر تک چھوڑنے آرہے تھے۔

"جاتے جاتے مجھ پر ایک احسان کرو گی بیٹا؟" اُن کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ عالیہ نے بے اختیار سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ایک بار کہہ دو کہ وہ تُم نے اُس شخص کی باتوں میں آ کر کیا۔ میرے دل کو سکون مل جائیگا۔ میں جانتا ہوں میری عالیہ ایسی نہیں ہو سکتی۔ میری ایک بیٹی میری دوسری بیٹی کی قاتل نہیں ہو سکتی۔" عالیہ کو اُس وقت اپنا آپ اُس انسان کے مانند لگا تھا جو جوئے میں اپنا سب کچھ ہار بیٹھا ہو۔ سب کچھ۔۔

"میں یہ سچ برداشت نہیں کر سکونگا بیٹا۔۔ بس ایک بار کہہ دو۔۔ بس ایک بار۔" آخر میں اُن کا لہجہ التجائی ہو چکا تھا۔ عالیہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ یہ سب تو اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ کیا اُس کے بابا، آج صرف اُس کی وجہ سے اتنی تکلیف میں تھے؟

"میں نے آج تک آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا بابا۔ میں کم از کم آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔۔ نسیم نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اپنی مرضی سے اُن کا ساتھ دیا تھا۔ اور جس کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔" عالیہ کی آنکھ سے ایک موتی ٹوٹا تھا۔ مبین صاحب نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اُسے صاف کر دیا۔

"یہ مت کہو کہ تمہیں کوئی افسوس نہیں ہے۔ کیونکہ دوسروں کی اولادیں چھیننے والوں کے پاس خود کی بھی اولاد نہیں رہتی عالیہ۔ اور اگر رہتی بھی ہے، تو پھر وہ اولاد نہیں رہتی۔"

"آپ مجھے بددعا دے رہے ہیں؟" اُس نے نم آنکھوں سے کسی بچی کی طرح اپنے باپ سے پوچھا تھا۔ وہ مسکرائے۔

"ساری زندگی تمہیں دعائیں دی ہیں بیٹا۔ جاؤ۔۔ آج ایک بددعا بھی سہی۔" انہوں نے ایک بار پھر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اور عالیہ کو لگا۔ کہ اب وہ برباد ہو جائیگی۔ اُسے وہ بددعا ضرور لگیگی۔ لیکن اب تو شاید اُس کے پاس شکوہ کرنے کا حق بھی نہیں رہا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے قدم بڑھانے لگی۔ پھر رکی۔ اور پلٹی۔

"ہمیشہ آپ سے دعائیں لے کر گئی ہوں۔ آج بددعا لے کر جا رہی ہوں۔ کیا آج مجھے خود سے نہیں لگائینگے بابا؟" وہ پوچھتی ہوئی تڑپ کر اُن سے آگئی۔ اور زوروں سے رونے لگی۔

"مجھے معاف کر دیں۔ اس لیے نہیں کہ مجھے کوئی افسوس ہے۔ بلکہ اس لیے کہ میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف ہوئی ہے۔" مبین صاحب نے اُس کے گرد بازو پھیلا لیے۔ اُن کی آنکھیں بھی سوخی نہ رہ سکیں تھیں۔

کچھ وقت اور بیتا۔ کچھ لمحے اور گزرے۔ عالیہ اُن سے الگ ہوئی تو وہ بامُشکل مسکرا کر بولے۔

"میں نے اپنی تینوں اولادوں میں سب سے زیادہ تُم سے محبت کی ہے عالیہ۔ زویا دور تھی، لیکن تُم میرے پاس تھیں۔ مجھے تُم میں اپنی دونوں بیٹیاں دکھتی تھیں۔ میں چاہ کر بھی تُم سے تعلق نہیں توڑ سکتا۔ اس لیے جب دل کرے آ جانا۔ ورنہ پھر کہو گی کہ میں نے تُم کو خود سے دور کر دیا۔" آخر میں مبین صاحب نے روتے ہوئے اُس کا ماتھا چوما۔ وہ سر اثبات میں ہلا کر پلٹ گئی۔ اور کون جانتا تھا کہ یہ اُن دونوں کی آخری ملاقات ہو گی؟

وہ جانتی تھی نسیم اُن کی نظروں میں کبھی اپنا مقام نہیں بنا سکے۔ لیکن وہ اُس شخص کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اُس کے بعد اُس میں اُن کا سامنا کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔ اور ایک دن وہ بھی آیا۔ جب مبین احمد اپنے حصے کی تکلیف لے کر ہمیشہ کے لیے اُس سے دور چلے گئے۔ باپ تھے۔ بیٹی سے تعلق تو نہ توڑ سکے۔ البتہ شاید دوسری بیٹی کی قاتل کو معاف بھی نہ کر سکے تھے۔

حال۔۔

"تُم ٹھیک کہتی ہو وفا۔ میرے بھائی پہلے ایسے نہیں تھے۔ لیکن تُم یہ نہیں جانتیں۔۔ کہ وہ اب بھی برے نہیں ہیں۔" وہ دونوں کھلے آسمان کے نیچے لیٹی تھیں۔ وقت کے ساتھ، رات

بھی آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔ ٹریس بہت بڑا تھا۔ اس لیے اُس پر ایک جانب بیٹھنے اور لیٹنے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

"ہر کہانی میں ایک ولن ضرور ہوتا ہے۔ جانتی ہو بھائی کے لیے وہ کون تھا؟"

"کون؟" کھلے آسمان کا منظر بہت صاف تھا۔ ستارے باریک سفید روشنیوں کی مانند نظر آتے تھے۔

"بابا۔۔" آرزو نے کچھ رک کر کہا تھا۔ وفا حیران رہ گئی۔

"کیا؟؟ لیکن وہ تو انہی کے سب سے زیادہ قریب ہے۔"

"اگر ساتھ رہنے والے قریب بھی ہوا کرتے تو اس دنیا میں کوئی اکیلا نہ ہوتا۔ ایک وقت تھا جب بھائی کے قہقہے پوری حویلی میں گونجا کرتے تھے۔ اُس حادثے کے بعد اذان بھائی ذہنی طور پر بہت اکیلے پڑ گئے تھے۔ تب اُن کا سب سے زیادہ ساتھ احمد چاچو، ریاض۔۔ اور سہیل بھائی نے ہی دیا تھا۔" وفا خاموشی سے اُسے سن رہی تھی۔ جو بولتی ہوئی کہیں بہت پیچھے جا پہنچی تھی۔

"اُن دونوں کی بہت اچھی بنتی تھی۔ بنا کہے ایک دوسرے کی باتیں سمجھ جاتے تھے۔ ایک ہی اسکول، پھر ایک ہی کالج۔۔ اور وہاں ساتھ ہی ایک سے بڑھ کر ایک پنگے۔ اگر کسی ایک کی لڑائی ہوتی تھی ناں، تو دوسرا ساتھ لڑنے جاتا تھا۔"

"لیکن پھر ایک دن میں نے ماما اور بابا کی باتیں سن لیں۔ یہی کہ وہ سب اُن دونوں نے کیا تھا۔ میں صرف چودہ سال کی تھی۔ ڈر گئی۔ کسی کو کچھ نہیں بتا پائی۔ لیکن پھر میں نے سہیل بھائی کو سب بتا دیا۔"

"تو کیا اس نے یقین کر لیا؟ مطلب ہیں تو وہ تمہارے ماما ہی۔۔۔" آرزو ہلکا سا ہنسی۔

"میں ہمارے اُن ماما سے زیادہ اپنے بھائی کے قریب رہی ہوں وفا۔ وہ جانتے تھے کہ میں اُن سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ اُس دن پہلی مرتبہ وہ بابا سے لڑے تھے۔ انہیں احساس بھی دلانا چاہا تھا کہ اُنہوں نے غلط کیا ہے۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن پھر وہ بھی اُن کے جیسا ہی بن گیا۔" وفا نے طنز کیا تھا۔ آرزو نے چہرہ موڑ کر اُسے تیز نظروں سے دیکھا۔ اپنے بھائی کے خلاف وہ کچھ برداشت نہیں کرتی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ بابا نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ وہ میرے لیے اُن کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔ بابا رک گئے۔ پھر پتا نہیں اُنہوں نے سہیل بھائی سے کیا کہا؟ یا کیا کیا؟ میں نہیں جانتی۔"

مگر اچانک وہ مجھے اس سب سے دور رہنے کو کہنے لگے۔ مجھے آج بھی یاد ہے۔۔۔ اُس دن بھائی نے مجھے بہت ڈانٹا تھا۔ تو میں بھی ناراضگی میں ان سے پلٹ کر کبھی نہ بولی۔ "وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی تھی۔ وفا کو محسوس ہوا شاید وہ اپنے اشکوں پر ضبط کر رہی تھی۔"

"کچھ مہینوں بعد بابا نے انہیں دبئی بھیج دیا۔ کہتے تھے کہ پڑھنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ لیکن جب وہ تین سال بعد لوٹے تو وہ، وہ نہیں تھے۔ جو یہاں سے گئے تھے۔" آرزو نے سینے میں اٹکی سانس کھینچی۔

"وہ بدل گئے تھے۔ ہر وقت سنجیدہ رہتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی مرضی چلانا چھوڑ دی تھی۔ بابا جیسا کہتے، وہ کر دیتے۔ اُن تین سالوں میں اُن کا بابا کے علاوہ اور کسی سے کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ اذان بھائی نے تو کوشش بھی بہت کی، لیکن ناکامیاب ٹھہرے۔" ضبط کے باوجود آرزو کی آنکھیں نم تھیں، اور آواز بھیگ چکی تھی۔

"کیا اُس عرصے میں "ثم" نے کوئی کوشش نہیں کی؟" وفانے سادگی سے پوچھا تھا۔ جواب فوراً آیا۔

"نہیں!"

"کیوں؟"

"میری ہمت نہیں ہوئی۔" آج کی رات تو شاید ایسے ہی گزرنی تھی۔ کیونکہ نیند تو شاید آنکھوں کا راستہ ہی بھول چکی تھی۔

"کیوں؟"

"میں نے ماما اور بابا کی ایک بار پھر باتیں سن لیں تھیں۔ ماما اُن سے لڑ رہی تھیں۔ کیونکہ۔۔"

"کیونکہ؟"

"کیونکہ بابا نے بھائی کو ٹورچر کیا تھا۔"

"کیا؟؟؟" وفا بے اختیار اٹھ بیٹھی۔ اُس کی آنکھوں میں بے یقینی واضح تھی۔ اُسے شک لگا تھا۔

"ہاں! میں زیادہ نہیں سن سکی تھی۔۔ لیکن مجھے اتنا یاد ہے کہ شاید بھائی نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ یا شاید وہ واپس آنے چاہتے تھے، تو بابا نے انہیں بہت مہینوں تک بند رکھا تھا۔ بھائی کو بند جگہوں سے ڈر لگتا تھا وفا۔ یہ اُن کی واحد کمزوری تھی۔۔ اور بابا نے اُن کی اُسی کمزوری کا فائدہ اٹھایا۔" وہ بات ادھوری چھوڑ، خود بھی اٹھ بیٹھی۔ اُس کے آنسو لڑیوں کی صورت بہہ رہے تھے۔ البتہ وہ دوسری لڑکی ساکت تھی۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ وہ صرف اُس کے باپ سے نفرت کرتے تھے۔ لیکن کیا وہ اپنے بیٹے کے بھی نہیں تھے؟ کیا مقدر کے کھیل ایسے بھی ہوتے ہیں؟ آہ!! کتنی تکلیف دہ کہانیاں ہیں اس دنیا میں۔۔

"تمہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی ہے ناں آرزو؟" اُس نے خود کو بے یقینی سے کہتے سنا تھا۔

"میرے کان بچپن سے ہی بہت تیز ہیں۔ یہ کبھی سننے میں غلطی نہیں کرتے۔ اور تمہیں لگتا ہے کہ میں اتنی بڑی باتیں سننے میں غلطی کرونگی؟" وہ ہلکا سا طنزیہ ہنسی تھی۔ شاید خود پر۔

"بعض اوقات نعمت بھی کسی سزا سے کم ثابت نہیں ہوتی وفا۔ مجھے رشک آتا ہے سہی پر۔۔ کیونکہ وہ لاعلم ہے۔ اور غصہ آتا ہے خود پر۔۔ نہ میں سچ سنتی، نہ یہ سب میرے بھائی تک پہنچتا۔"

"کیا سہیل جانتا ہے کہ تم سب جانتی ہو؟"

"پتا نہیں۔ اُن سے میری بات ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ سچ کہوں تو میں نے یہ سب تمہیں اس لیے نہیں بتایا ہے کہ تم جاننا چاہتی تھیں۔"

"تو پھر؟ کیوں بتایا ہے؟" وفا کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ آرزو ہلکا سا مسکرائی۔

"کیونکہ دادا ابو کہتے ہیں کہ تمہیں روتے کو ہنسانے کا ہنر آتا ہے۔ اور بھائی تو لگتا ہے مسکرا کر بھی احسان کرتے ہیں۔ لیکن میں کہتی ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں۔" وفا نے اُسے گھوری سے نوازا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ بلکہ اُس انسان کا بس چلے تو مجھے سیدھا پہاڑ سے خائی میں پھینک دے۔" وفا نے منہ بنا کر کہا تھا۔ آرزو قہقہا لگا کر ہنس دی۔

"اچھا؟ یاد کرو اُس دن وہ تمہاری وجہ سے اسٹڈی میں ہنسے تھے۔"

"ارے وہ تو میں نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔۔ اُس اچھے خاصے طاقتور بندے کو کشن اٹھا کر مار رہی تھی۔ اُس نے تو مذاق ہی بنانا تھا۔" اُسے جیسے خود پر تپ چڑھی تھی۔

"تم سمجھیں نہیں تھیں وفا۔۔ وہ تمہیں سمجھا رہے تھے۔ تمہیں لگتا ہے وہ بابا کی سائڈ ہیں۔ لیکن اصل میں وہ تمہارے اور اُن کے درمیان کی دیوار ہیں۔ وہ تمہاری ڈھال ہیں، بلکہ شاید کہیں ناں کہیں ہم سب کی بھی ڈھال ہیں۔۔ اگر تمہیں نقصان ہی پہنچانا ہوتا تو وہ کب کا پہنچا چکے ہوتے۔ وہ تو اُلٹا تمہیں پروٹیکٹ کر رہے ہیں یار۔"

"آرزو؟" وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔ اُسے سمجھ نہ آیا۔

"وہ برے اور اکڑو ہو سکتے ہیں وفا۔ لیکن وہ قاتل یا ظالم نہیں ہیں۔ اگر کر سکو تو ایک کام کرنا۔" وفانے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"انہیں اچھا نہیں سمجھتیں، کوئی بات نہیں۔ مگر کم از کم برا مت سمجھنا۔" وفا چپ رہی۔ آرزو اب اپنی بات مکمل کر اٹھ رہی تھی۔ وہ جانے لگی تو اُسے وفا کی آواز سنائی دی۔

"تم سہیل کو مس کرتی ہونا؟"

"ہاں!" اس بار بھی جواب فوراً آیا تھا۔

"تو اُس سے بات کیوں نہیں کرتیں؟" ایک اور سوال آیا۔

"میری ہمت نہیں ہوتی۔ شاید انہیں اب میری ضرورت نہیں ہے۔"

"اور کیا تمہیں سچ میں لگتا ہے کہ اُسے تمہاری ضرورت نہیں ہے؟" آرزو ہلکا سا ہنسی۔ پھر اُس کی طرف دیکھا۔

"تم ہم دونوں کو ٹھیک کرنا چاہتی ہو؟"

"ہاں! چاہتی تو ہوں۔" اپنے بال سمیٹتی ہوئی، وہ اپنے ازلی انداز میں بولی تھی۔

"تم روم میں نہیں جاؤ گی؟" آرزو نے موضوع بدلا۔

"اب میرا دل نہیں چاہ رہا۔ یہاں سکون ہے۔" وفا انگڑائی لیتی ہوئی وہیں اپنے گرد کشن سیٹ کرنے لگی۔

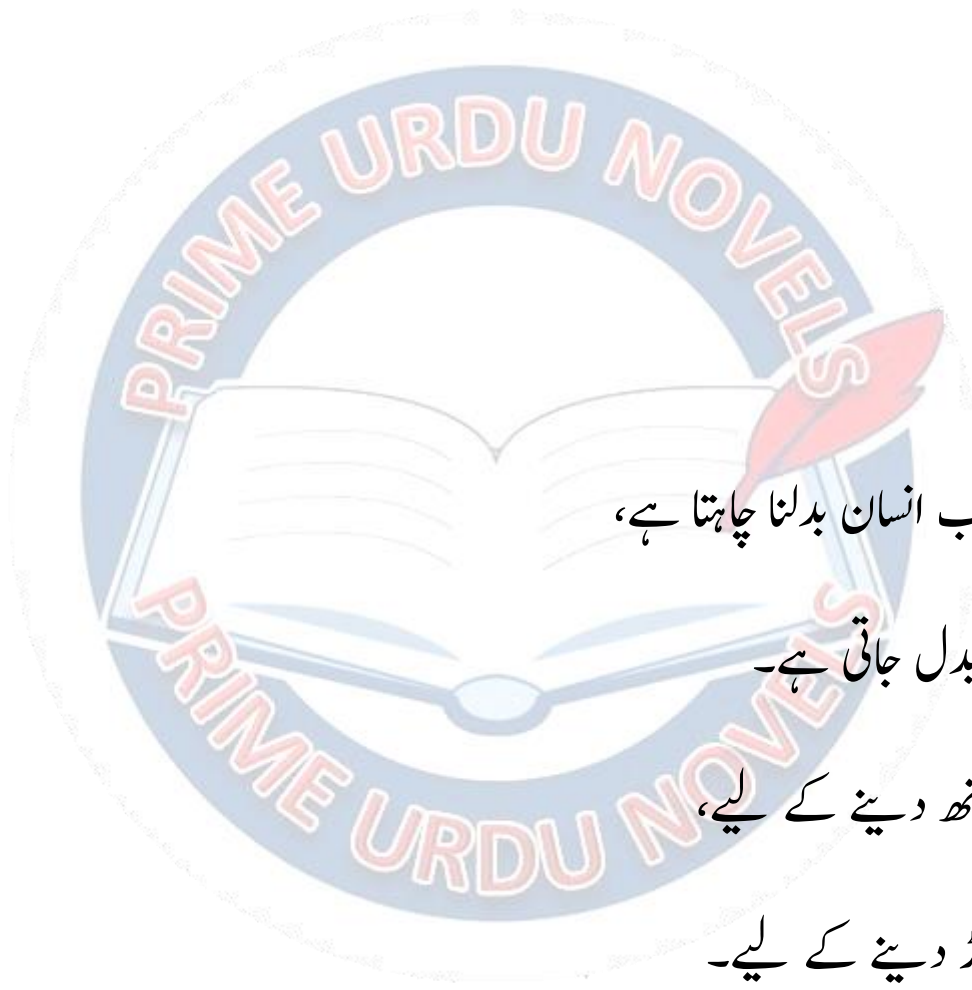
"اکیلے ڈرو گی تو نہیں؟"

"میں خود کسی خوف سے کم ہوں کیا؟ ویسے بھی۔۔ جب کچھ کرتی ہوں، تب بھی پھنستی ہوں۔ اور جب کچھ نہیں کرتی، تب تو اور زیادہ پھنستی ہوں۔" وفا نے ناراضگی سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔ آرزو ہنس کر چلی گئی۔

(تم سمجھیں نہیں تھیں وفا۔۔ وہ تمہیں سمجھا رہے تھے۔) وہ لیٹی تو کچھ بھٹکتا ہوا ذہن کے پردے پر روشن ہوا۔

(اور آگلی بار ذرا کوئی مضبوط چیز استعمال کرنا۔ جس سے کم از کم مخالف کو فرق پڑے۔ ان چھوٹی موٹی چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا۔)

وفانے اُس کی باتوں پر غور کیا تھا۔ شاید آرزو دُرست تھی۔ وہ سمجھی نہیں تھی، لیکن وہ اُسے سمجھا ہی رہا تھا۔ پھر وہ ذہن سے ہر خیال جھٹکتی ہوئی، ہوا کو محسوس کرتی گہری نیند میں اُتر گئی۔



کہتے ہیں کہ جب انسان بدلنا چاہتا ہے،

تب کہانی بھی بدل جاتی ہے۔

کبھی اُس کا ساتھ دینے کے لیے،

تو کبھی اُسے توڑ دینے کے لیے۔

اُس نے شاور اون کیا تو کثرتی جسم پر پھہار پڑنے لگی۔ وہ پانی کی ٹھنڈک کو محسوس کرتا ہوا خود کو قابو کر رہا تھا، مگر ذہن تھا کہ شانت ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اُس کے کانوں میں عجیب آوازیں گونج رہیں تھیں۔

("بابا۔۔ بابا کھولیں پلینز۔۔ آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ میں بیٹا ہوں آپ کا۔" انیس سال کا درمیانِ قد کا لڑکا، اپنی پوری طاقت سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔)

کچھ وقت بعد سہیل نے پانی بند کیا اور وارڈ روب کی طرف بڑھا۔ اُس میں بہت سے برانڈڈ کپڑے تھے۔ لیکن زیادہ تر سیاہ ہی تھے۔ اُس نے بھی ہاتھ بڑھا کر ایک سفید شرٹ اور سیاہ کوٹ نکال لیا۔

("آپ جانتے ہیں ناں مجھے بند جگہوں سے ڈر لگتا ہے؟ بابا پلینز کھول دیں۔۔ پلینز۔۔ آپ جیسا کہینگے، میں ویسا کرونگا۔ بابا۔۔" کمرہ بڑا اور روشن تھا، مگر تھا تو بند ہی۔ نہ کوئی بالکنی، نہ کوئی کھڑکی۔ صرف وہ، اور اُس کا خوف۔)

وہ اب برش سے اپنے بال سیٹ کر رہا تھا۔ پھر اُس نے خود کو خوشبو سے مہکانے کے لئے پرفیوم کی بوتل اٹھائی۔ مگر مسلسل ہوتی آوازوں سے ہار کر اُس نے پرفیوم کی بوتل پھینک، کان دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیے۔

وہ اپنی پوری طاقت سے چیخا تھا۔ کہ شاید اندر کی آواز تھم جائے۔ رک جائے۔ اُس کا پیچھا چھوڑ دے۔ کہ شاید۔

اور پھر اُس انیس سال کے لڑکے کی پکار نے، اُس پچیس سالہ مرد کی چیخ کے سامنے دم توڑ ہی دیا۔ اچانک ہر آواز بند ہو گئی تھی۔ ہر طرف خاموشی پکی تھی۔ اب نہ اُس کے باہر کوئی آواز تھی، نہ ہی اُس کے اندر۔ سہیل نے نظریں اٹھا کر آئینے میں اپنا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا۔ پھر ڈرتے ڈرتے کانوں سے ہاتھ ہٹائے۔

پھر گہری سانس لے کر سنجیدہ تاثرات کے ساتھ کوٹ کے بٹن بند کیے۔ اور پرفیوم کی دوسری بوتل اٹھالی۔

یہ تکلیف ہر روز کی تھی، یہ خوف ہر روز کا تھا۔ کبھی سوتے میں خواب بن کر دکھائی دیتا تھا، تو کبھی جاگتے میں آوازیں بن کر سنائی دیتا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو عالیہ؟" بے خیالی میں اپنے بالوں پر برش پھیرتی اپنی بیوی کو دیکھ، اُنہونے نرمی سے پوچھا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ اور نسیم اُس کے پیچھے۔

"جب تک تُم میرے ساتھ ہو، میں بھلا اور کیا سوچوں گی نسیم؟" عالیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ اُن دونوں کا عکس ساتھ میں بہت خوبصورت لگتا تھا۔ دونوں کی خوبصورتی، ذہانت، محبت، سب برابر تھی۔

"تو پھر کیوں پریشان ہو؟" نسیم نے اُس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"رات خواب میں مجھے بابا دکھے تھے نسیم۔ کیا میں نے واقعی کچھ غلط کیا ہے؟" عالیہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اُبھری تھی۔ نسیم نے آگے بڑھ کر اُس کا ماتھا چوما۔

"تُم نے کچھ غلط نہیں کیا ہے عالیہ،" ہم "نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔ ہم نے صرف اپنا حق واپس لیا ہے۔ وہ۔۔ جو ہمارا حق تھا۔" عالیہ نے سمجھ کر سر اثبات میں ہلایا۔

"جانتی ہوں۔۔ مگر پھر بھی دل ایک عجیب سے احساس کی گرفت میں رہتا ہے۔ خوف و بے چینی ہر وقت رہتی ہے۔"

"جب تک ہم دونوں ساتھ ہیں تب تک ہر خوف کو دل سے نکال دو عالیہ۔ جو ہوگا، جیسا ہوگا، میں سنبھال لوں گا۔ تُم بہت جلد ایک پرسکون زندگی گزارو گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" وہ اُس کے ہاتھوں کو نرمی سے تھامے کہہ رہے تھے۔ اور یہیں عالیہ مسین ہر خیال، ہر خوف کو جھٹک دیتی تھی۔ نسیم اختر اُس کا سب سے بڑا سپورٹ تھا۔ اُس کی زندگی کا ساتھی تھا۔ وہ واحد شخص تھا جس سے اُسے کبھی کسی طرح کا دھوکہ نہیں ملا تھا۔

وفا ملازمہ کے ساتھ مل کر ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگوا رہی تھی۔ دادا، دادو اپنی جگہ پر بیٹھے تھے۔ البتہ سہمی اور آرزو کی ہلکی پھلکی لڑائی اُس وقت بھی جاری تھی۔ شہزادہ آکر اُس کے ساتھ سے ہاتھ بٹانے لگی تو وفانے آواز لگائی۔

"دادو۔۔۔ دیکھیں یہ پھر کام کو ہاتھ لگا رہی ہے۔ آپ نے منع کیا تھا ناں۔" شہزادہ نے بہن کو گھوری سے نوازہ۔ اذان اور احمد بھی ساتھ ہی آئے تھے۔

"نہیں شہزادہ۔ تم کوئی کام نہیں کرو گی۔ پرسو سے تمہاری شادی کی رسمیں شروع ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے کام کرنے کی۔" انہوں نے سنجیدگی سے سمجھایا تھا۔ وہ سر ہلا کر بیٹھ گئی۔ تو وہ مسکرا دیں۔

مگر پھر عالیہ کو دیکھ اُن کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ سب لوگ خاموشی سے اُسے دیکھ رہے تھے جو آتے ہی وفا کی طرف بڑھی تھی۔ البتہ نسیم اپنی جگہ سنبھال چکے تھے۔

"مجھے معاف کر دینا وفا بیٹا۔ پتا نہیں رات مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں نے بے وجہ ہی تمہیں زمیندار ٹھہرا دیا، جب کہ تم تو اتنی پیاری اور سیدھی ہو۔" وہ اُس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر بہت محبت سے بولی تھی۔ وفا کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری۔ اندر داخل ہوتا سہیل بھی سب کی طرح اُن کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"آپ کی غلطی نہیں ہے چاچی۔ اُس وقت آپ پریشان اور خوفزدہ تھیں، ایسا ریکشن کوئی بڑی بات نہیں تھی۔" اُس نے مسکرا کر کہا۔

"تُم اپنی چاچی سے ناراض تو نہیں ہونا؟"

"صرف چاچی ہوتیں تو شاید ہو جاتی۔ مگر آپ سے میرے اور بھی تو رشتے ہیں۔" وفا کی ذومعنی بات وہاں موجود سب نہیں سمجھ سکے تھے۔

"بلکہ آپ بیٹھیں ناں۔ ناشتہ کریں۔" وہ اپنے مُجت سے بھرپور انداز میں کہتی عالیہ کو زبردستی بیٹھا گئی۔

اپنی بلکنی میں لٹکے جھولے پر بیٹھی، وہ شام کے خوبصورت منظر کو دیکھتی ہوئی، گرم چائے کے ساتھ لطف اٹھا رہی تھی۔ بال لپیٹ کر کلپ سے قید کر رکھے تھے اور جسم پر لوئر کے ساتھ ہلکے نارنجی رنگ کی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ جس پر انگیزی نے لکھا تھا۔

”..Love Yourself“

"کہاں ہو؟" ریاض کا میسج آیا تھا۔ فائزہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھنڈی ہوا کے ساتھ شام کا خوبصورت منظر، ایک کپ گرم چائے اور پسندیدہ شخص کا میسج۔ واہ! کیا بات ہے!" (فائزہ نے دل ہی دل میں خوش ہوئی تھی۔ پھر اُس نے جواب لکھا۔

"گھر پر۔" ریاض سے اُس کی زیادہ بات نہیں ہوتی تھی۔ نہ ہی اُس روز سے ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ چند روز میں اُسے یاد ضرور کرتا تھا۔

"رات کو فری ہو؟" ایک اور سوال آیا تھا۔ اُس نے اوپر سے دیکھ کر پہلے اپنی چائے پر توجہ دی۔

"جناب کو تھوڑا انتظار بھی کرنے دو۔ اتنی جلدی جواب نہیں لکھتے۔" اُس نے ایک بار پھر مسکرا کر سوچا تھا۔ آخر چائے اُس کی پہلی مُجت تھی۔ مگر بھی اچانک چائے کا کپ رکھ، فون اٹھا لیا۔

"ہاں! کیا ہوا؟" جواب لکھ کر بھیجا تو وہ ٹھنڈی ہوا کے ساتھ اڑتا ہوا ریاض کے فون میں نوٹیفکیشن کے روپ میں دکھنے لگا۔ وہ جو باہر لون میں لپ ٹاپ لے کر بیٹھا تھا، کانوں میں اواز پڑتے ہی فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ریس ہے۔ کیا ریڈ رائڈر آنا پسند کریگی؟"

"تم مجھ سے ریس میں ہار چکے ہو۔ کیا دوبارہ ہارنا چاہتے ہو؟" فائزہ نے اپنی مسکراہٹ کے ساتھ میسیج لکھا تھا۔ پھر فون واپس ٹیبل پر رکھنے لگی تھی کہ جواب آنے کی آواز آئی۔ اور اُسے پڑھ فائزہ اقبال کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اُس کے دل نے بے اختیار ایک بیٹ مس کی تھی۔ پھر اُس کے رخسار سُرخ ہوئے اور اُس نے بنا جواب لکھے ہی فون رخ دیا۔ چمکتی ہوئی سکرین پر الفاظ صاف نظر آ رہے تھے۔

"تم ریس کی بات کر رہی ہو؟ میں تو تم پر اپنا دل بھی ہار چکا ہوں۔" آگے ایک سُرخ رنگ کا دل بھی بھیجا گیا تھا۔ فائزہ سکرین کو دیکھ، ایک بار پھر مسکرا کر نظریں پھیر گئی۔

ریاض نے بھی فون رکھ اب اپنا ذہن لیپ ٹاپ کی جانب مرقوض کیا تھا۔ وہ جانتا تھا اب کوئی جواب نہیں آئے گا۔

چند روز بعد۔۔

سفید حویلی کو سُرخ گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ آخر گھر کی پہلی شادی تھی۔ وہ بھی اذان اختر کی۔ سبھی بہت خوش تھے۔ قریبی دوست و رشتہ داروں کی آمد کا آغاز بھی ہو چکی تھا۔

شام کو ہلدی کی رسم تھی۔ صبح سے ہی ہر طرف حل چل مچی ہوئی تھی۔ کہیں سے ہنسی مذاق کی آوازیں آتی تھیں، تو کہیں لڑکیاں اپنی ادھوری تیاریوں پر فکر مند بھی تھیں۔ وفا نے ہاتھ میں چائے کی ٹرے پکڑے آرزو کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ فون بند کرتی ہوئی باہر آئی۔

"یہ سہیل کو دے کر آؤ۔" اُس نے ایک کپ اُسے تھماتے ہوئے حکم صادر کیا تھا۔ آرزو نے اُسے حیرانی سے دیکھا۔

"میں کیوں جاؤں؟ میں نہیں جاسکتی۔" اُس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تو وفا نے گہری سانس لے کر نرم آواز میں کہا۔

"اپنے اور سہیل کے درمیان اتنا فاصلہ مت آنے دو آرزو کہ پھر بعد میں اُسے چاہ کر بھی نہ مٹا سکو۔ زیادہ فاصلے انا کی دیوار بن جاتے ہیں، اور انا محبت کو کھا جاتی ہے۔" آرزو ہاتھ میں کپ پکڑے اُسے دیکھتی رہی۔ دیکھتی رہی۔ اور پھر خاموشی سے سہیل کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

وہ سٹڈی کا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہوئی تو احمد کو بک شیلف کے پاس کھڑا پایا۔ اُن کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی، جسے وفا کو دیکھ وہ بند کر گئے۔

"یہ رہی آپ کی گرم گرم چائے۔۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے۔" اُس نے اُس کے آگے کرتے ہوئے گردن اونچی کی تھی۔ احمد کپ اٹھاتے ہوئے ہنس دیے۔

"تمہاری سب تیاریاں ہو گئیں؟"

"ہاں!" وہ اب اُس بک شلف میں رکھی کتابوں کو بہت محبت سے دیکھ رہی تھی۔ احمد کی سٹڈی نہ زیادہ بڑی تھی، نہ چھوٹی۔ مگر وہاں واقعی بہت سکون تھا۔

"تم ٹھیک ہونا وفا؟" صوفے پر بیٹھے احمد نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ وفانے انہیں نا سمجھی سے دیکھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں چاچو۔ مجھے کیا ہونا ہے؟"

"یہاں بیٹھو۔" احمد کے اشارے پر وہ اُن کے برابر رکھے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ احمد نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا اور اُس سے مخاطب ہوئے۔

"میں صرف چاچو نہیں، تمہارا دوست ہوں وفا۔ اور تمہاری تکلیف بھی سمجھتا ہوں۔" اُس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے نظریں چرا کر فرش کو گھورنے لگی۔

"دل میں برے خیالات مت آنے دینا بیٹا۔ اللہ نے تمہارے مقدر میں کوئی بہت بہترین شخص لکھا ہو گا۔"

"اذان بھی بہترین ہی تھا چاچو۔" اُس نے اُنہیں دیکھ کر سادگی سے کہا تھا۔ احمد اُسے دیکھنے لگے۔ اُنہیں ہمیشہ سے اُس کی آنکھوں میں بہت کچھ نظر آتا تھا۔ محبت۔۔ تکلیف۔۔ طاقت۔۔ صبر۔

"بعض کردار ہمارے لیے نہیں بنے ہوتے چاچو۔ اور نہ ہم اُن کے لیے بنے ہوتے ہیں۔ ہمارے ساتھ چاہے جو ہو جائے۔۔ مگر ہم اپنے اصل کو بدل کر ان کرداروں جیسا نہیں بن سکتے۔ میں وفا ہوں۔ مجھے وفا ہی نبھانی ہے۔ میں چاہتی تب بھی بے وفائی کر اُن کے درمیان نہیں آ سکتی تھی۔" وہ شاید خود کو اطمینان دلا چکی تھی۔ یا شاید آہستہ آہستہ دلا رہی تھی۔ پھر اُس نے سر جھٹکا۔

"خیر۔۔ آپ بھی کیا کیا سوچتے ہو یا۔۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بلکہ میں اُن دونوں کے لیے سچ میں بہت خوش ہوں۔" وفا اپنی بات مکمل کر ایک جاندار مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے اُٹھی تھی۔ اُس کا صبر بھی قابل دید تھا۔ وہ صرف اُسے دیکھ کر رہ گئے۔ پھر خود بھی مسکرا دیے۔

"دُرسٹ کہتی ہو۔ اور ویسے بھی ہماری وفا اتنی کمزور تھوڑی ہے کہ ایسی چھوٹی موٹی چیزوں سے اُسے فرق پڑے۔ چھوڑو بھی۔۔" اُن کا انداز دوستانہ تھا۔ وہ جیسے اذان کے ساتھ رہتے تھے۔ باقی بچوں کے ساتھ بھی ویسے ہی رہتے تھے۔

"کریکٹ بوس۔ اور ویسے بھی۔۔۔ یہاں ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ یہ زندگی ہے۔ ہوتا ہے۔ لوگ پسند آتے ہیں۔ اور پھر چلے بھی جاتے ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے؟ اب ہر کوئی تو ہمارے لیے نہیں بنا ہوتا ناں۔" احمد نے اُس کی بات پر سر ہلایا تھا۔

"اتنی سی عمر میں تُم تو بہت گہری باتیں کرتی ہو یا۔۔۔ تُم میں واقعی کچھ خاص بات ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں بھی تُم جیسا کوئی خاص ہی ملے۔" اُنہوں نے اُس کی تعریف کرتے ہوئے کپ منہ سے لگایا تھا۔ وہ چہک اُٹھی۔

"ہاں اب خاص تو اللہ نے مجھے بنایا ہے۔ بلکہ آپ کو پتا ہے۔۔۔ میری ناں ہمیشہ سے ایک فینٹسی ہے کہ جس شخص کو اللہ نے میرے لیے چنا ہو، وہ مجھے اس زمین پر خانے کعبہ کے سامنے ملے۔" اُس کے لہجے میں حسرت تھی، خواہش تھی، اُمید تھی۔ وہ پہلے پہل تو لاجواب رہ گئے۔ کیا وہ یہاں تک سوچ سکتی تھی؟ پھر ہنس دیے۔

"اچھا چلو ایک بات بتاؤ۔۔۔ یہ سب تو چلتا ہے۔ لیکن اگر کبھی محبت میں دل ٹوٹ گیا تو کیا کرو گی؟" وہ اُس کا نقطہ نظر جاننا چاہتے تھے۔ وفا کی مسکراہٹ پھینکی پڑی۔

"پہلے پہل تو میں تکلیف برداشت کرونگی۔ پھر بہت روانگی۔ بہت زیادہ۔۔۔ پھر یا تو مجھے صبر آ جاوگا۔ یا پھر میں مر جاونگی۔" اس کے ذہن میں جو آیا، وہ زبان سے کہہ بیٹھی۔ احمد کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ اُنہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی حساس ہے۔ پھر اُنہوں نے موضوع بدلنا چاہا۔

"ارے یار میری تو چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ چلو چھوڑو۔۔ تم اپنے باقی کام کر لو۔" وہ اُن کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ ایک نرم مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلا کر وہاں سے چلی گئی۔

سہیل نے دروازہ کھولا تو سامنے آرزو کو پایا۔ وہ اُسے دیکھ آہستہ سے مسکرائی۔

"میں اندر آ جاؤں؟"

"تمہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کہہ کر دروازہ کھلا چھوڑ اندر آ گیا۔ اس نے سیاہ جینس پر آدھی آستینوں کی سیاہ ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ کسرتی بازو صاف دکھائی پڑ رہے تھے۔

"آپ کی چائے۔" وہ اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھ لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا۔ آرزو نے کپ رکھنے کی جگہ، اُس کے آگے کیا تو اُس نے ایک نظر لیپ ٹاپ سے ہٹا کر اُس کے چہرے کو دیکھا۔ پھر کپ تھام لیا۔ وہ کھڑی رہی۔ اندر کہیں گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی۔ سہیل نے سپ لے کر کپ ٹیبل پر رکھا۔ آرزو اُسے پھر بھی دیکھتی رہی۔ سوچ رہی تھی کیسے بات شروع کرے۔

"کیسی بنی ہے؟"

"کس نے بنائی ہے؟" وہ مصروف انداز میں بولا تھا۔ اُسے اچھا بھی لگا تھا کہ وہ خود اُس سے بات کرنا چاہتی ہے۔

"اگر میں نے بنائی ہے تو؟"

"تو اچھی ہے۔"

"اور اگر وفانے بنائی ہے تو؟" پل بھر کو اُس کا ہاتھ رکا۔ پھر وہ دوبارہ مصروف ہو گیا۔

"تو بھی اتنی بری نہیں ہے۔" انداز عام سا تھا۔

"کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" سہیل نے ہاتھ روک کر اُس کی جانب دیکھا۔

"میں تو کبھی ناراض تھا ہی نہیں۔ وہ تو تم تھیں۔" ارزو ساکت رہ گئی۔ بے اختیار اُس کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری تھی۔ وہ کچھ بول بھی نہ سکی۔ سہیل کچھ لمحے اُسے دیکھتا رہا، جو اب بے چینی سے اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ پھر اُس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔ اور ارزو کی طرف پورا گھوم کر اُس کے ہاتھ تھامے۔

"کیا میری ارزو اب بھی مجھ سے ناراض ہے؟" بے اختیار اُس کی آنکھوں میں نمی اُتر

آئی۔ سہیل اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ وہ اُسے سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اور پھر رو پڑی۔

"بھائی۔۔۔" اُس کے لبوں سے بے اواز نکلا تھا۔ سہیل نے اُسے خود سے لگا گیا۔ وہ اُس کا بڑا بھائی تھا۔ اُسے بڑا ہی بننا تھا۔

"میں۔۔۔ میں آپ سے ناراض نہیں تھی۔۔۔ مجھے لگتا تھا۔۔۔ کہ وہ سب آپ کے ساتھ میری وجہ سے۔۔۔" وہ روتے ہوئی بامشکل بول پائی تھی۔ سہیل نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے پر سکون کرنا چاہا۔ چند لمحے اور گزرے تو وہ خاموش ہو کر، اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی اُس سے الگ ہوئی۔

"I am sorry Bhai" ..

"You don't have to be sorry arzoo..

جو ہوا، اُس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں تھی۔"

"لیکن آپ کے ساتھ غلط تو ہوا ناں؟ آپ کو بابا سے نفرت نہیں ہوتی؟" اُس نے سُرخ پڑ چکی آنکھوں سے اُسے دیکھا تھا۔ سہیل نے گہری سانس لی۔

"جن سے محبت کی ہو، اُن سے کہاں نفرت ہوتی ہے بیٹا؟ وہ شخص ہمارا باپ ہے، اور یہ حقیقت کبھی نہیں بدل سکتی۔"

"مگر مجھے ہو چکی ہے۔ اور آپ بھی چاہیں تو اُن کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں۔ وہ آپ کو بھی صرف استعمال ہی کر رہے ہیں۔" سہیل کو ارزو کے لہجے میں بہت کچھ محسوس ہوا

تھا۔ غصہ، تکلیف، نفرت۔ وہ اب بڑی ہو چکی تھی، یہ تو وہ ہی تھا جو اُسے آج بھی بچہ سمجھتا تھا۔

"تم زیادہ سوچ رہی ہو ارزو۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔" سہیل نظریں چکر کر دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اُس کے پاس اُس کے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔ شاید اسی لیے موضوع بدلنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ دیکھتی رہی۔ پھر پلٹنے لگی تو سہیل نے پکارا۔

"ارزو؟" وہ رک گئی۔ اور اُسے نا سمجھی سے دیکھا۔

"اگر کبھی پوری دنیا بھی مجھے غلط سمجھنے لگے، تب بھی تم اور سہی مجھے غلط مت سمجھنا۔" اُس کی آواز میں کیا تھا؟ وہ سمجھ نہ پائی۔ شاید افسوس تھا، یا پھر خوف۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"پتا نہیں۔۔ بس ایک خوف ہے کہ سہی کا آئیڈیل، اُس کے سامنے کبھی وہ ثابت نہ ہو جس سے وہ نفرت کرے۔" ارزو نے دو قدم آگے آکر اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"آپ کو تکلیف ہوتی ہے نا؟" سہیل کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری تھی۔ لیکن وہ آہستہ سے مسکرا دیا۔

"ہوتی ہے۔ بہت ہوتی ہے۔ مگر یہ تکلیفیں ہی انسان کو انسان بناتی ہیں۔ ان پر صبر کر کے یا تو وہ عرش پر چن لیا جاتا ہے، یا پھر فرش پر پٹک دیا جاتا ہے۔"

"آب آپ وفا کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔" اُس نے ہنس کر کہا تھا۔ بے اختیار سامنے بیٹھے شخص کی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ مگر اُس نے ارزو کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

"وہ تمہیں اچھی لگتی ہے؟"

"بہت۔۔ کیا وہ آپ کو اچھی نہیں لگتی؟" سوال غلط نہیں تھا۔ لیکن شاید غلط شخص سے کر لیا گیا تھا۔

"نہیں!" اُس نے ایک دم کہا تھا۔ جیسے اگر تھوڑی سی بھی دیر ہوتی تو نہ کہہ پاتا۔ ارزو کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ اُس نے ناراضگی سے اپنے بھائی کو گھورا۔

"کیا سچ میں؟"

"ہاں! سچ میں۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ ارزو نے سر جھٹک دیا۔ اُن دونوں کا بھی کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

فائزہ اور ارزو شزا کے کمرے میں داخل ہوئیں تو اُسے ہلدی کی دھن کے روپ میں مکمل تیار ہوا پایا۔ کچھ دیر تو وہ اُسے دیکھتی ہی رہ گئیں۔

گہری پیلے رنگ کے غرارے اور کرتی کے ساتھ پھولوں کی جویلری پہنے، بلوں کی ڈیزائنز
ڈھیلی چوٹی بنا کر سلیقے سے سر پر پیلا ہی دوپٹا سیٹ کیے، وہ فکر مند سی اُن کے سامنے کھڑی
تھی۔

"ماشاء اللہ!!" اُن دونوں نے بے اختیار کہا تھا۔ فائزہ اُس سے آگئی۔

"یار شزا!! تجھے پتا بھی ہے تُو کتنی پیاری لگ رہی ہے؟" وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

"تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔" آرزو اپنی لمبی فراق اُٹھا کر کہتی ہوئی آگے آئی۔ اُن
لوگوں نے تھیم رکھی تھی۔ گھر کی ساری لڑکیوں نے پیلے رنگ کی لمبی فراق پہنی تھی۔ ہاں!
مگر تیار سب اپنے حساب سے ہوئی تھیں۔ آرزو نے جڑا بنایا تھا تو فائزہ نے بال کھلے چھوڑ کر
سائڈ سے شان پر دوپٹا لیا ہوا تھا۔

"کیسا سرپرائز؟" شزا نے نا سمجھی سے اُن دونوں کو دیکھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"اب یہ تو باہر چل کر ہی پتا چالیگا۔" آرزو نے اپنی فراق کو ایک مرتبہ پھر ٹھیک کرتے
ہوئے کہا۔ اُسے اس طرح کے کپڑوں کی عادت نہیں تھی، اس لیے بار بار اُسے ٹھیک کرنے
میں ہلکان ہو رہی تھی۔

"تُم دونوں۔۔" وفا اُن دونوں کو کچھ کہتی ہوئی اندر آئی تو شزا کو دیکھ ٹھہر گئی۔ وفا کی فراق
پر سنہرا کام تھا۔ تو اُس نے سنہرے رنگ کا ہی حجاب پہنا ہوا تھا۔

"ماشاء اللہ!!" اُس نے پہلے اپنی بہن کی تعریف کی اور پھر اُن دونوں کی طرف دیکھا۔

"تُم دونوں سے شزا کو لانے کا کہا تھا۔ نیچے سب انتظار کر رہے ہیں۔" وہ اپنی کاجل لگی آنکھوں کو چھوٹا کر کے بولی تھی۔

"ارے تو کرنے دو انتظار۔ اس میں بھی الگ ہی مزا ہوتا ہے۔" فائزہ نے اُس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ پھر آرزو کو چلنے کا اشارہ کیا اور وفا سے بولی۔

"چلو ہم جا رہے ہیں۔ شزا کو تُم ہی لے آ جانا۔" وہ دونوں چلی گئیں تو شزا اپنے سامان میں دوبارہ کچھ ڈھونڈھنے لگی۔

"کیا ڈھونڈھ رہی ہو؟"

"میرے گجرے نہیں مل رہے وفا۔۔۔ پتا نہیں کہاں چلے گئے؟" وہ جلدی میں اپنا سارا سامان اُلٹ پلٹ کر رہی تھی۔

"رک میں دیکھتی ہوں۔" وہ اُسے پر سکون رہنے کا اشارہ کرتی ہوئی خود دیکھنے لگی۔ کمرے کا حال خراب ہو گیا مگر گجرے پھر بھی نہ ملے۔

"اب میں کیا کروں یار؟؟ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔ اور پھوپھو نے وہ خاص طور سے میرے لیے منگوائے تھے۔" وہ خاصہ پریشان ہو چکی تھی۔ وفانے رک کر اپنے دونوں ہاتھ

کمر پر رکھے اور چاروں طرح نظر گھمائی۔ پھر کچھ اچانک اُس کے ذہن میں آیا۔ وہ آگے آ کر اُس کے سامنے کھڑی آئی۔ اور اپنے ہاتھوں میں پہنے ہوئے گجرے اُتارنے لگی۔

"یہ مت کرو وفا۔۔ ورنہ تُم کیا پہنو گی؟" شزا نے اُسے روکنا چاہا تھا۔

"میں پہلے سے چوڑیاں پہنے ہوئے ہوں لڑکی۔۔ یہ نہیں پہنو گی تو کوئی قیامت نہیں آ جائیگی۔" وہ بنا اثر لیے اُس کا ہاتھ تھام گئی۔

"تُم میرے لیے کتنا کرو گی وفا؟" شزا کی آنکھوں میں نمی اُتری تھی۔

"اب بہن ہو کر میں نہیں کرو گی تو اور کون کریگا؟" وفا نے اپنا کام مکمل کر اُس کے دونوں ہاتھ دیکھے۔ پھر آہستہ سے مسکرائی۔ وہ اُس کے ہاتھ میں واقعی اچھے لگ رہے تھے۔ شزا بے اختیار اُس سے لگ گئی۔

"دیکھو شزا۔۔ خبردار جو تُم ایمو شنل ہوئیں۔ فضول میں اتنا مہنگا میک اپ خراب ہو جائیگا۔" وفا نے گہری سانس لے کر اُسے وارن کیا تھا۔ وہ الگ ہوتے ہوئی سر اثبات میں ہلا گئی۔

لڑکوں اور لڑکیوں کی ہلدی الگ الگ رکھی گئی تھی۔ لڑکیوں کے لئے حویلی کے اندر ہی ایک حصے میں انتظام کیا گیا تھا۔ البتہ لڑکوں کا انتظام باہر رکھا گیا تھا۔ دادو کا کہنا تھا کہ "اللہ

دولت اس لیے نہیں دیتا کہ خوشیوں کے موقعوں پر صرف دنیا کے دکھاوے کے لیے انسان اُس کے حدود ہی بھول جائے۔ "ناچ گانا یا جو بھی بچے کرنا چاہیں وہ صرف اپنے اپنے حصے میں کریں۔ اور نکاح تک شزا اور اذان کی ملاقات بھی منع تھی۔

"کیا سرپرانز ہے وفا؟" وہاں چھوٹا سا اسٹیج سجایا گیا تھا۔

"صبر کرو یار۔۔" وفانے شزا کو بیٹھا کر اُس کا دوپٹا ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ سب سے پہلے فرنانہ بیگم نے اُس کے ساتھ بیٹھ کر اُس کا صدقہ دیا تھا۔ شزا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ پھر اُسے کسی کا اپنے قریب آنا محسوس ہوا۔ وہ کوئی لڑکی تھی۔ مگر وہ اُن تینوں میں سے کوئی نہیں تھی۔ وہ نظریں جھکائے رہی۔

"شزا آپ۔۔" کسی نے اُسے پکارا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ اُسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ پھر شزا بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا تو وہ نعیمہ تھی۔ وہ اسے دیکھنے میں پہلے سے بڑی لگی تھی۔ شزا بے اختیار اُٹھی۔ اُس کی آنکھیں بھینگے لگیں تو نعیمہ اُس کے گلے لگ گئی۔ آہ! تو وہ تھی اُس کا سرپرانز۔

"کیسی ہو تم؟ امی بھی آئی ہیں؟ اور پاپا؟" شزا نے وہاں موجود خواتین کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ نعیمہ کی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"میں اکیلی آئی ہوں۔ وہ نکاح میں آینگے۔" اُس کے چہرے کی چمک ہلکی پڑی۔

"آپ بیٹھو تو۔"

"تم آئیں کیسے؟" شزا نے آہستہ آواز میں اُس سے پوچھا تھا۔ نعيمہ اُس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"کیسے آئی مطلب؟ مجھے علی چھوڑ کر گیا ہے۔ اور اب میں کم از کم آپ کی شادی تک تو آپ کے ساتھ ہی رہوں گی۔" شزا کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ ساتھ بیٹھی لڑکی نے زوروں سے سر اثبات میں ہلایا۔

"وفا آپنی اور احمد چاچو گھر آئے تھے۔ پاپا نے جی بھی مجھے آنے دیا۔" دلہن نے ایک بار پھر سر اٹھا کر سامنے فائزہ اور آرزو کے ساتھ کھڑی اپنی بہن کو دیکھا تھا۔ وہ آہستہ آواز میں ایک دوسرے سے بات کرتی ہوئی ہنس رہی تھیں۔ شزا کا دل موم ہو گیا۔ اُسے صحیح لگتا تھا۔ وہ اُس کے مقدر کا وہ چاند تھی، جس سے مل کر اُس کا سیاہ آسمان روشن ہوا تھا۔

"آج خوش تو بہت ہوگی تم؟" اُسے اکیلا پا کر عالیہ اُس کے پاس آئی تھی۔ فائزہ اور آرزو سائڈ میں تصویریں کھینچ رہی تھیں۔

"جی۔ کیوں کیا آپ خوش نہیں ہیں؟" اُس نے اپنی بائیں طرف چہرہ موڑ کر عالیہ کو دیکھا۔

"ہوں! میں بھی بہت خوش ہوں۔ آخر اب تو تمہارا خراب وقت شروع ہو گا وفا۔" وہ پر اعتماد انداز میں مسکرا کر بولی تھی۔

"اور آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے؟" عالیہ نے اُس کے شان پر ہاتھ رکھا، اور آہستہ سے طنزیہ ہنسی۔ وفا نے محتاط نظروں سے اُس کے عمل کو دیکھا تھا۔

"تُم زویا جیسی ہو وفا۔ مگر افسوس!! بے وقوف اُس سے بھی زیادہ ہو۔ تمہیں لگتا ہے شزا بہت اچھی ہے؟ میں بھی بہت اچھی تھی۔ لیکن جب بدلنے کی باری آتی ہے ناں؟ تب سب سے پہلے اپنے ہی بدلتے ہیں۔" پل بھر کو وفا ساکت رہ گئی۔ کیا اُن کا مطلب تھا کہ اب شزا بھی بدل جائے گی؟ بے اختیار اُس کے گلے میں گٹی ڈوب کر اُبھری تھی۔ مگر پھر اُس نے ضبط سے گہری سانس لی۔

"مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ نہیں آرہی۔"

"آ جائے گی۔ اور بہت جلد آگی۔ تُم نے اپنے لیے خائی خود خودی ہے لڑکی۔ تُم صرف مُجت دینے والی بنی ہو، تمہیں اب مُجت ملے گی نہیں۔ شزا تمہارے لیے کبھی اتنا نہیں کریگی جتنا تُم اُس کے لیے کرتی ہو۔ اور پھر تمہیں سمجھ آئیگا۔ کہ میں نے اصل میں اپنے حق کی مُجت کیوں چھینی تھی۔" عالیہ نے اپنی بات مکمل کر اُس کے رخسار کو نرمی سے تھپتھپایا، اور آگے بڑھ گئی۔ اور وہ اُسے دور جاتا دیکھتی رہی۔

(تم نے اپنے لیے خائی خود خودی ہے لڑکی۔۔ تم صرف محبت دینے والی بنی ہو، تمہیں اب محبت ملے گی نہیں۔) اس مرتبہ وفا کی آنکھوں میں ہلکا سا خوف ابھرا تھا۔

(مجھے محبتیں تو ملی ہیں، لیکن ادھوری۔) اُس کے کانوں میں اپنی ہی آواز گونجی تھی۔ لیکن پھر اس نے سر جھکایا، تو نظر اپنے ہاتھوں اور پڑی۔ وہ باقی سب سے مختلف لگ رہے تھے۔ اُن میں گجرے نہیں تھے۔ اُس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ جتنا سب ٹھیک کرنے کی کوشش کرتی تھی، اتنا ہی خود کے ساتھ غلط کر بیٹھتی تھی۔ اگر شزا بھی سچ میں بدل گئی، تو وہ کیا کریگی؟ تو اُس کے پاس کیا بچیگا؟ وہ تو خالی ہاتھ ہی رہ جائے گی۔

("مما ٹھیک کہتی تھیں۔۔ جو دوسروں کے خالی ہاتھوں کو بھرتے ہیں ناں، بعض اوقات وہ خود خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔") اُس کے گلے میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔ دل کہیں بھاگ جانے کو چاہا تھا۔ اُس سفید حویلی سے دور۔ اُن منافق رشتوں اور محبتوں سے دور۔ بہت دور۔۔

فنکشن ختم ہو چکا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ شزا سارے ہار پھول اُتار کر واشروم سے باہر آئی تو وفا کی جگہ نعیمہ کو وہاں موجود پایا۔

"وفا کہاں ہے؟" اُس نے آگے آ کر اپنا دوپٹا اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"انہوں نے کہا تھا کہ وہ آج آرزو کے کمرے میں سو جائیگی۔ میں آپ کے پاس آ جاؤں۔ ہم بہت وقت بعد ملیں ہیں اس لیے۔" اُس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بتایا تھا۔ شزا کو کچھ عجیب لگا۔ مگر پھر سمجھ کر مسکرا دی۔

"ایک بات پوچھوں نعیمہ؟" شزا نے اپنی سلیپرز اتار کر لیٹتے ہوئے پوچھا۔ دوسری لڑکی نے اُسے سوالیہ نظروں کے حصار میں لیا۔

"گھر میں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟ اُس دن امی نے یوں اچانک مجھ سے معافی کیوں مانگی تھی؟" نعیمہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی تھی۔ وہ نفی کرنے لگی۔

"نہیں آپ۔۔ کچھ نہیں ہوا۔" شزا اُسے غور سے دیکھتی رہی، تو اُس کے گلے میں گٹی ڈوب کر اُبھری۔

"وہ۔۔۔ لگ بھگ ایک ہفتے پہلے۔" نعیمہ نے رک کر اپنے لب تر کیے تھے۔

"وہ۔۔ ایک ہفتہ پہلے اچانک انس بھائی اغوا ہو گئے تھے۔"

"کیا؟؟؟" شزا کو حیرت ہوئی تھی، خوشگوار حیرت۔ لیکن اس نے مسکراہٹ چہرے پر نہ آنے دی۔

"جی۔۔ وہ دو دن تک لاپتہ رہے تھے۔ پھر ایک اسپتال میں ملے۔ اُن پر بہت تشدد کیا گیا

تھا۔ وہ لوگ کون تھے، اور انہوں نے ایسا کیوں کیا تھا؟ یہ پتا نہیں چل سکا۔ مگر بھائی ابھی تک

اسپتال میں ہی ہیں۔ "اُس کی آواز میں افسوس واضح تھا۔ شزا کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری۔ ایک ہفتہ پہلے؟ یوں اچانک؟

"تُم لوگوں نے پولیس کو خبر دی؟"

"دی تھی۔۔ مگر کچھ پتا نہیں چلا۔ پاپا نے امی سے کہا تھا کہ اُنہوں نے اور انس بھائی نے جو تکلیف آپ کو دی تھی، یہ اُسی کا مکافات عمل ہے۔ اسی لیے امی نے آپ سے معافی مانگی تھی۔" اُس نے اپنی بات مکمل کر شزا کا ہاتھ تھاما۔

"آپ نے اُنہیں معاف کر دیا ہے ناں؟" وہ کچھ لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ وہ اُس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا معاف کرنا اتنا آسان ہوتا ہے؟ سچ میں؟ لیکن پھر اُس نے سارے خیال جھٹک کر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں! کر دیا ہے۔" آہ! اور یہ تو وہی جانتی تھی کہ یہ چند الفاظ اُس کے لیے کتنے بڑے تھے۔

اذان بھی فریش ہو کر باہر آیا اور بیڈ پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ آج بے مقصد ہی مسکرا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جسے وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا ہو۔

پھر اُس نے سائنڈ ٹیبل سے اپنا فون اٹھایا اور شزا کو کال ملائی۔ گھنٹی جانے لگی۔ دوسری جانب سے تیسری بیل پر فون اٹھایا گیا تھا۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" شزا آہستہ آواز میں پوچھتی ہوئی اپنے بستر سے اُٹھی اور ایک نظر گہری نیند میں سوتی نعیمہ پر ڈالی۔

"آج کا دن کیسا رہا؟" وہ شاید اُس سے بات کرنا چاہتا تھا۔

"اچھا تھا۔ آپ کا؟" وہ بالکنی میں آگئی۔

"بہت اچھا۔" اذان نے دل کھول کر کہا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تو اُسے شزا کی آواز سنائی دی۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"ہمم۔"

"انس پر تشدد آپ نے کروایا تھا ناں؟" شزا کو پوری اُمید تھی کہ اُس کا اندازہ درست ثابت ہوگا۔ لیکن کچھ لمحے دوسری جانب سے کوئی جواب نہ ملا۔

"ہاں!!" اذان نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا اذان۔"

"کیا تمہیں اُس کے لیے برا لگ رہا ہے؟" شزا سمجھ نہ سکی کہ اُس نے یہ کس انداز میں کہا ہے۔

"وہ میرے پاپا کا بیٹا ہے۔۔ کیا مجھے نہیں لگنا چاہیے؟"

"نہیں!! کیونکہ ہر انسان کو اپنے اعمال کا بوجھ خود اٹھانا پڑتا ہے۔ اُس مقام پر کوئی کسی کا بیٹا یا باپ نہیں ہوتا۔" اذان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ اُسے ذرا بھی احساس نہیں تھا کہ اُس نے کیا کیا ہے۔

"لوگ صحیح کہتے ہیں۔۔ پولیس والوں سے نہ دوستی اچھی، نہ دشمنی۔" شزا نے ہلکا سا طنز کیا تھا۔ اذان کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"مبارک ہو۔ آپ سے تو پھر دونوں ہی نہیں ہے" زوجہ "محترمہ۔" اُس نے عام سے انداز میں کہا تھا۔ شزا ساکت رہ گئی۔ اُس کے رخسار سُرخ ہوئے تھے۔ لمحے گزرے پر وہ کچھ نہ بول سکی۔

"ہیلو؟" اذان کو لگا شاید کال کٹ چکی ہے۔

"بہت رات ہو گئی ہے اذان۔ اب میں سونے جا رہی ہوں۔ اللہ حافظ۔" شزا نے ایک ہی سانس میں کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔ اذان نے حیرانی سے پہلے اپنے فون کو دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

روشنیوں اور پھولوں سے سچی ہوئی سفید حویلی اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ چمک رہی تھی۔ بالکل جمنا کے پانی پر پڑتے، گول چاند کے عکس کی مانند۔

آج اختر منزل کے پچھلے بڑے سے سبز لون میں اذان اور شزا کا ولیمہ رکھا گیا تھا۔ تمام مہمان آچکے تھے۔ رونق اپنے عروج پر تھی۔ شزا اذان کے بازو پر ہاتھ رکھے، اُس کے ساتھ کھڑی، اُس کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔ سنہرے رنگ کا خوبصورت گاؤن تن پر سجا تھا۔ اور دوپٹا سر پر سیٹ تھا۔ آدھے بال ایک جانب سے آگے ڈلے تھے۔

اذان سیاہ سوٹ میں سُرخ ٹائی لگائے خود بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ بلکہ اُن کی اصلی خوبصورتی تو اُن کے چہروں سے جھلک رہی تھی۔ بے اختیار دادو نے اُنہیں خوش دیکھ کر شکر کا کلمہ پڑھا۔ اور پھر ارد گرد دیکھا تو نظریں کریم کلر کے سوٹ میں کھڑی لڑکی پر اٹک گئیں۔ اُن کے چہرے کی خوشی پھیل چکی پڑی تھی۔

اُس کے دامن اور گلے پر خوبصورت موتیوں کا کام موجود تھا۔ اور گینزا کا کامدار دوپٹا اُس لڑکی نے ہاتھوں پر پیچھے سے گھما کر لے رکھا تھا۔ اور کریم ہی حجاب سر پر موجود تھا۔ وہ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ زنیہ سے باتوں میں مصروف تھی۔ پھر اُس کا فون بجا تو وہ آگے بڑھ گئی۔ اُس کے تاثرات فکر مند ہوئے تھے۔ وہ فون میں دیکھتی ہوئی اور آگے گئی تو اچانک کسی سے ٹکرا کر اُس کا پاؤں مڑا۔

"آہ۔۔" وفا گرتے گرتے بچی تھی۔ اُس نے حیرانی سے سر اٹھایا تو سہیل اُس کا بایاں بازو پکڑے کھڑا تھا۔ وہ غلطی سے اُسی سے ٹکرائی تھی، جس سے سہیل کے ہاتھ میں موجود ڈرنک بھی اُس کے لباس پر گر گئی۔

"دیکھ کر نہیں چل سکتیں کیا؟ ابھی نہ تھامتا تو زمین بوس ہوتیں۔" اُس نے سنجیگی سے کہا تھا۔ لہجہ میں سختی صاف ظاہر تھی۔ اُسے اُمید تھی کہ اب وفا پلٹ کر جواب ضرور دیگی۔ اُسے دو کے بدلے چار سنائے گی۔ مگر وہ بنا کچھ کہے ہی سیدھی کھڑی ہونے لگی۔ اور اُس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا۔

"بیٹا لگی تو نہیں؟" دادو جو اُسے ہی غور سے دیکھ رہی تھیں، فوراً وہاں آئیں۔ وفانے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر اُن کی نظر اُس کے گرتے پر پڑی۔

"یا اللہ!! یہ تو پورا خراب ہو گیا۔" اُن دونوں کا دھیان بھی اب اُس جانب گیا تھا۔

"میں اندر جا رہی ہوں دادو۔" وہ بولی تو اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔ جیسے اُسے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو۔ دادو سمجھ کر حامی بھر گئیں۔ اُس نے قدم اٹھایا تو پاؤں میں ایک تکلیف دہ لہر اٹھی۔ وہ لڑکھڑائی۔ مگر وقت پر دادو کو پکڑ کر سنبھل گئی۔

"وفا تمہارے موچ آئی ہے؟" وہ فکر مند ہوئی تھیں۔ پھر سہیل کی جانب دیکھا۔

"سہیل! وفا کو اندر لے جاؤ۔" اس سے پہلے وہ کچھ کہتی، یا انکار کر پاتی۔ سہیل نے آگے بڑھ کر اُس کا بازو تھام لیا۔ اور اُسے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ پاؤں کی تکلیف برداشت کرتی، اُس شخص کی موجودگی پر بھی ضبط کر گئی۔

اُسے صوفے پر بیٹھا کر سہیل وہاں سے چلا گیا تھا۔ وفانے اسے جاتا دیکھنے کے لیے سر بھی نہ اٹھایا۔ اُسے اُس سے ویسے بھی کوئی اُمید نہیں تھی۔ یہاں تک چھوڑ گیا، بہت تھا۔ اپنے سُرخ پڑتے پاؤں کو دیکھ، اُس نے ایک ساتھ کئی آنسو حلق سے نیچے اُتارے تھے۔ پھر سر اٹھا کر اُس بڑی سی حویلی کو دیکھا۔ وہ جتنی بڑی تھی، اُس کا وہاں اتنا ہی دم گھٹتا تھا۔

(اللہ میں کیا کروں اس لڑکی کا۔۔۔ پچاس بار کہا ہے کہ سیڑھی آرام سے اتر کر۔

یار امی۔۔۔ آرام سے ہی تو اتر رہی ہوں۔) اُسے نگمہ بیگم یاد آئیں تھیں۔ اُس کے تیزی سے اترنے پر اُسے ڈانٹی ہوئیں۔ اُس کے لیے فکر مند ہوتی ہوئیں۔ اُس کی آنکھیں بھگنے لگیں۔ وہ

اُس کے خونی رشتے نہیں تھے، مگر وہاں وہ خوش رہتی تھی۔ وہاں اُسے اتنی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔

وفا نے آنکھیں بند کر ایک گہری سانس لی، پھر بامُشکل اپنی جگہ سے اُٹھی۔ ایک پاؤں کے سہارے سے آگے بڑھی، تو کسی کے ہاتھ نے اُسے ایک بار پھر تھاما۔

"ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتیں کیا؟" سہیل اُسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ سے وفا کو پکڑا ہوا تھا جب کہ دوسرے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ جس میں دوا، پانی اور سپرے موجود تھا۔ وہ بے یقینی سے اُسے دیکھنے لگی۔

سہیل نے اُسے واپس بیٹھایا اور ٹرے ٹیبل پر رکھ کر نیچے جھکا۔ اُس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ بے اختیار پاؤں پیچھے کر گئی۔ لیکن اُس نے بنا اثر لیے، سینڈل سے آزاد کر، اُس کا پاؤں اپنے گھٹنے پر رکھا۔

"میں سمجھی تھی تم چلے گئے ہو۔" وہ اُسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تمہیں تکلیف میں چھوڑنے کے لیے تو نہیں تھاما تھا۔" وہ اب ہلکے ہاتھ سے سُرخ پڑی جگہ پر سپرے کر رہا تھا۔ وفا کی آنکھیں بھگنے لگیں۔ وہ حیران تھی۔ وہ یہ کیوں کر رہا تھا؟ وہ تو اپنے کپڑوں پر دھول بھی برداشت نہیں کرتا تھا، پھر اُس کے لیے زمین پر کیسے جھک گیا؟ وہ اُس کی تھی ہی کون؟ صرف راہ کی رُکاوٹ؟

پھر اُس نے اُس کا پاؤں واپس زمین پر رکھا اور اُٹھ کر اُس کے ساتھ بیٹھا تو پل بھر کو ٹھہر گیا۔ وفا کی آنکھیں نم تھیں۔ اس نے پہلی مرتبہ اُن آنکھوں میں نمی دیکھی تھی۔

"اگر تکلیف زیادہ ہے تو چاچو کو بلا دوں؟" اُس کا لہجہ نرم تھا۔ پل بھر کو تو وہ بھی ٹھہر گئی۔ اُس نے بھی پہلی مرتبہ سہیل کے لہجہ میں خود کے لیے نرمی دیکھی تھی۔ اُس نے نظریں جھکا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ سہیل نے ہاتھ بڑھا کر ٹرے سے دوا اور پانی کا گلاس اٹھایا اور اُس کے آگے کیا۔ اُس نے بنا کچھ کہے دوا کھا کر پانی پی لیا۔ سہیل بھی تھوڑا حیران ہوا تھا۔ وفا نے اُس کی دی ہوئی دوا اتنی خاموشی سے کھالی؟ اور وہ بھی بنا شک کرے؟

وہ ہر خیال جھٹک کر گلاس واپس رکھنے لگا تو اُسے، اُس کی سسکی سنائی پڑی۔ وہ رخسار پر بہتے موتی صاف کرتی ہوئی ضبط کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟" وہ پریشان ہوا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے اور رونے لگی۔ سہیل کا سر گھوم کر رہ گیا۔ اُسے سمجھ نہ آیا وہ اُسے چپ کیسے کرائے؟ وفا اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں گرا کر چھپا گئی۔ اور وہ خاموش بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔ اُس وقت اُسے وہ کوئی اور لڑکی لگی تھی۔ یہ تو وہ تھی ہی نہیں جو اُس سے لڑنے کو ہر وقت تیار رہتی تھی۔ کچھ لمحے اور گزرے تو اُس کا رونا کم ہوا۔ اُس نے گہری سانس لے کر اپنا بھیگا چہرہ صاف کیا تو سہیل نے ایک بار پھر پانی، گلاس میں اندھلا اور اُس کے آگے کر دیا۔ وہ ایک ہی سانس میں اُسے ختم کر گئی۔

"جزاک اللہ۔۔" اُس نے آہستگی سے کہا تھا۔

"کوئی بات ہے کیا؟ تم چاہو تو مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔" وفانے اپنا سُرخ چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔ وہ بھی اُس وقت اُسے کوئی اور شخص لگا تھا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے بس گھبراہٹ ہو رہی تھی۔"

"گھبراہٹ پر رونا نہیں چاہیے۔ ورنہ دم گھٹنے لگتا ہے، سانس رکنے لگتی ہے، اور انسان کو لگتا ہے کہ بس وہ ابھی مر جائے گا۔" اُسے کچھ یاد آیا تھا۔ اور وفا سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا یاد کر رہا ہے۔ مگر اُس متعلق کچھ بولنے کی ہمت نہ کر سکی۔ آخر ایسا تعلق ہی کہاں تھا اُن کے درمیان؟

"ایک بات کہوں؟" اُس نے سادگی سے پوچھا تھا۔ سہیل نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم اتنا سیاہ مت پہنا کرو۔" اُسے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"کیوں کیا یہ مجھ پر اچھا نہیں لگتا؟"

"لگتا ہے۔۔ مگر پھر بھی۔"

"مجھے یہ میرا رنگ لگتا ہے وفا۔ اس رنگ میں بہت گہرائی ہوتی ہے، یہ اپنے آپ میں ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ ورنہ یہ جب بھی کسی رنگ سے ملتا ہے تو صرف کوئی بد صورت رنگ ہی بناتا ہے۔ یہ کبھی کوئی ہلکا رنگ نہیں بن سکتا۔"

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ سیاہ رنگ ہمیشہ بد صورت رنگ ہی بناتا ہے؟ کیا تم نے کبھی غور سے اپنی آنکھوں کو نہیں دیکھا؟" وہ بے خیالی میں کہہ بیٹھی تھی۔ وہ اُسے دیکھنے لگا۔

"جب سیاہ رنگ سفید کے ساتھ ملتا ہے تو وہ سرمئی رنگ بناتا ہے سہیل۔ وہ جو ہر انسان کا رنگ ہوتا ہے، وہ جو ہر رنگ سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔ وہ۔۔ جو تمہاری آنکھوں کا رنگ ہے۔"

تم خود کو سیاہ مت سمجھا کرو۔۔ کیونکہ اگر تمہارا اصل سفید ہے، تو تم کبھی سیاہ نہیں بن سکتے۔" وہ کچھ نہ بول سکا۔ زبان نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور چہرہ جھکا کر وفا سے مخاطب ہوا۔

"کیا میں بھی کچھ پوچھ سکتا ہوں؟" اُس نے سر اٹھا کر سامنے موجود شخص کو دیکھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ نہ اب زیادہ بولتی ہو، نہ مجھ سے لڑتی ہو؟"

"کیوں کیا میں لڑتی ہوئی اچھی لگتی ہوں؟" اُس نے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

"نہیں۔۔ مگر پھر بھی۔" وہ مسکرا کر سر جھٹک گئی۔

"کیا اپنی نہ ہو پانے والی شادی کا سوگ (دُکھ) منا رہی ہو؟" اس مرتبہ سہیل نے مسکرا کر طنز کیا تھا۔ وفا کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

"کیا تمہیں سچ میں لگتا ہے کہ میں کسی لا حاصل چیز کے لئے خود کو بے مول کرونگی؟" جواباً اُس نے پلٹ کر پوچھا تھا۔ وہ صرف مسکرا دیا۔

"ویسے فکر تو تمہیں اب اپنی کرنی چاہیے سہیل اختر۔ اذان کے بعد اب اگلا نمبر تمہارا ہی ہے۔۔ پتا نہیں کون مظلوم ہوگی وہ؟" وفانے قدرے افسوس کا اظہار کیا تھا۔ سہیل نے آگے ہاتھ باندھ کر اُسے دلچسپی سے دیکھا۔

"تو تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟ کسی مظلوم کی زندگی بچ جائے گی۔" وفانے بے اختیار سر اٹھایا تھا۔ لمحوں میں سرمئی آنکھیں، بھوری آنکھوں سے ملیں۔

"مجھے کوئی ایک وجہ بتاؤ، جو میں اس بارے میں سوچ سکوں۔"

"کیوں؟ کیا تم نے کبھی غور سے میری آنکھوں کو نہیں دیکھا؟" اف! ایک تو اُس شخص کا فوراً جواب دینا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ سہیل نے گہری سانس لی۔

"مجھے امید ہے اب پاؤں کو آرام ہوگا۔۔ باقی میں آرزو کو بھیج دیتا ہوں، تمہیں تمہارے کمرے تک چھوڑ آئیگی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ حامی بھر گئی تو وہ بھی باہر کی جانب چل دیا۔ اُس نے ایک مرتبہ نظریں اٹھا کر اُس کی پشت کو گھورا تھا۔

(”پتا نہیں خود کو سمجھتا کیا ہے؟ ولن نہ ہو تو۔۔“) وہ سر جھٹک کر اپنا فون استعمال کرنے لگی۔ نظر سامنے رکھی ٹرے پر پڑی تو بے خیالی میں ہلکا سا مسکرا دی۔

کیا ہوا؟

لو ہو گیا مقدر کا نیا کھیل شروع۔



باب-۱۴

روز کی مانند

ہوا ایک نئے دن کا آغاز،

بہت سے نئے قصوں

اور نئی کہانیوں کے ساتھ۔

ہلکے نیلے رنگ کے پردوں کے درمیان سے سنہری روشنی اُس کی بند آنکھوں پر پڑی تو اُس نے اپنے ہاتھ سے چھایا کی اور آہستگی سے بھوری آنکھیں کھولیں۔ کچھ لمحے ایسے ہی ادھر اُدھر دیکھتی رہی۔ اور پھر انگڑائی لیتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔ آبشار کی مانند بکھری زلفوں کو لپیٹا اور اپنے پاؤں پر نظر ڈالی۔ ولیمے کو دو روز گزر چکے تھے۔ وہ بھی دو روز سے ہی اُس کمرے میں اکیلی تھی۔

وفا نے قدم زمین پر رکھا تو تکلیف کافی کم محسوس ہوئی۔ اُس نے بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا۔ اور اُٹھ کر واشروم میں گھس گئی۔ باہر سے سفید حویلی میں سب پہلے کی طرح لگتا تھا، مگر تھا نہیں۔

سیاہ فلاپر پر گلابی کرتی پہنے، سر کے گرد سیاہ ہی دوپٹے لیے وہ داخل ہوئی تو سبھی کو ناشتے کے لیے موجود پایا۔ سب ویسا ہی تھا، بس اب احمد چاچو کی جگہ، شہزاد اذان کے برابر میں بیٹھی تھی۔ نیلی رنگ کے ہلکے مگر کامدار لباس میں ملبوس، ہاتھوں میں دو کڑے اور چند چوڑیاں پہنے، مکمل طور پر خوش نظر آتی ہوئی۔

"وفا!! تم نیچے آگئیں؟ میں تمہارے لیے اوپر ہی ناشتہ بھیج دیتی۔" عالیہ اُسے دیکھ اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔ اُس کے لیے خود کو فکر مند دکھانے کا دکھاوا کرتی ہوئی۔ دور کھڑی لڑکی ایک گہری آہ بھر کر رہ گئی۔ آہ! کاش وہ اُس کے لیے حقیقت میں بھی فکر مند ہوتیں۔

"میں اب بہتر ہوں، خالہ۔ ویسے بھی دل گھبرا رہا تھا اکیلے۔" اُس نے آگے آتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تھا۔ دادا، دادو، احمد اور سسی کے علاوہ سبھی کو خاصہ حیرانی ہوئی تھی۔ وہ بہت مختلف لگ رہی تھی، یہ وہ ذومعنی لہجہ نہیں تھا، جسے وہ لوگ سمجھ جایا کرتے تھے۔ یہ کچھ اور تھا۔ وفا اب احمد اور آرزو کے درمیان بیٹھ چکی تھی۔ نسیم نے حیران کھڑی عالیہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ مگر نظر بھٹک کر اُس لڑکی پر ہی جا رہی تھی، جس نے اُسے آج "خالہ" کہا تھا۔ ایک عمر بعد۔

"آج تم کہاں کے لیے تیار ہو اذان؟ تم نے تو چھٹیاں لیں تھیں ناں؟" اختر صاحب نے چائے کی سپ لیتے ہوئے پوتے پر نظر ڈالی، جو شاید کہیں جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"کچھ کام ہے دادا۔"

"نہیں بلکل نہیں۔۔ کوئی کام نہیں ہے۔ تم اور تم۔۔ (سہیل کو اشارہ کیا) دونوں کہیں نہیں جا رہے۔ بلکہ اذان آج تم شزا کو کہیں باہر لے کر جاؤ گے۔ بھلا ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں شادی کو؟" دادا ابو اُس کی بولتی بند کر چکے تھے۔ اُس نے کنکھیوں سے ساتھ بیٹھی اپنی زوجہ کو دیکھا، جو ایسے دکھا رہی تھی جیسے وہاں ہو ہی نہیں۔ پھر سمجھ کر سر ہلا گیا۔

"اذان کا تو سمجھ اتا ہے۔ لیکن میں کیوں دادا؟ میں تو آج آفس جا سکتا ہوں۔" سہیل نے اپنی بات سامنے رکھی تھی۔

"تم بھی باہر ہی جاؤ گے سہیل۔۔ وفا کو لے کر۔" آرزو کو بے اختیار پانی کا پھندا لگا تھا۔ عالیہ نے نسیم کو دیکھا تو اُنہوں نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"کیا؟" سہیل نے ایک اُچکتی نگاہ سامنے بیٹھی لڑکی پر ڈالی تھی۔ جو بے تاثر تھی۔

"تو؟ یاد نہیں تمہاری وجہ سے اُس بچی کا جوڑا خراب ہوا تھا۔ اُسے دوسرا بھی تمہیں ہی دلانا پڑے گا۔ اور اسی بہانے وہ تھوڑا باہر بھی چلی جائے گی۔ دو روز سے کمرے میں بند

تھی۔ "دادو نے مسئلہ بیان کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُس روز اُس کی غلطی نہیں تھی، مگر پھر بھی ضبط کر گیا۔

"ٹھیک ہے۔۔ لیکن مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ میں کام پورا کر کے جلدی آ جاؤنگا۔" اُس کی حامی پر وہ بھی سر ہلا گئی تھیں۔

"دیکھا۔۔ میرے بھائی کتنے اچھی ہیں۔" آرزو نے آہستگی سے وفا کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہاں بالکل! اتنے اچھے ہیں کہ بندے کا اچھائی سے ہی بھروسہ اُٹھ جائے۔" اُس نے بھی مسکراتے چہرے کے ساتھ فوراً جواب دیا تھا۔ آرزو سر جھٹک گئی۔ ان دونوں کا واقعی میں کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

نسیم اختر میٹنگ روم میں موجود تھے جب سہیل کوئی فائل اور لیپ ٹاپ لے کر اُن کے کیمین کی طرف بڑھا۔

"سر۔۔ سر میٹنگ میں ہیں۔" نسیم کے کیمین کا سامان ٹھیک کرتے ملازم نے اُسے بتایا تھا۔ وہ نسیم کا بہت خاص ملازم تھا۔ وہ کافی عرصے سے وہاں کام کر رہا تھا۔

"پتا ہے مجھے۔ اپنا کام کرو اور جاؤ یہاں سے۔" وہ اُسے دیکھے بغیر صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ دونوں چیزیں سامنے ٹیبل پر رکھیں اور جیب سے فون نکالا۔ ملازم سر ہلا کر جانے لگا تو سہیل کی آواز پر رکا۔

"اب تمہارا بیٹا کیسا ہے؟ سنا ہے اُس کا آپریشن ہوا تھا۔" وہ مڑا تو اُس کی نظریں اپنے فون پر ہی جمی تھیں۔

"جی چھوٹے صاحب ایک آپریشن ہو چکا ہے۔ ابھی ایک اور ہونا ہے۔"

"آپریشن کے لیے پیسے کہاں سے آئے تھے بختاور؟ کیا کسی سے ادھار لیے تھے؟ یا۔۔۔ چوری کی تھی؟" ملازم کی آنکھوں کے پپوٹے پھیلے۔ وہ گھبرا یا تھا۔ اور سانس تو حلق میں ہی اٹک گئی تھی۔

"نہیں چھوٹے صاحب۔۔۔ میں نے کسی سے ادھار لیے تھے۔"

"کس سے؟ اور بھلا تم جیسے معمولی آدمی کو کوئی ادھار کیوں دیگا؟" سہیل کو لمبی باتیں سخت ناپسند تھیں۔ وہ سیدھا مددے پر آتا تھا۔ ملازم کو خاموش پا کر وہ مزید اُسی انداز میں گویا ہوا۔

"یا شاید دیگا۔۔۔ اپنے مالک کے سامان کی تلاشی لینے کے لیے۔ میں نے صحیح کہا نا؟" اس بار سہیل نے فون سے نظریں اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو سنجیدگی سے دیکھا۔ وہ جو پہلے ہی

گھبرایا ہوا تھا۔ اب تو بالکل ساکت ہی رہ گیا۔ اُس آفس میں سبھی جانتے تھے کہ سہیل کو صرف ہواؤں میں تیر چھوڑنے کی عادت نہیں ہے۔ وہ ہر بات نہیں کرتا تھا۔ اور اگر کوئی بات کرتا تھا، تو وہ صرف۔۔ ایک بات ہر گز نہیں ہوتی تھی۔ بختاور بے اختیار ہاتھ جوڑ کر اُس کے پیروں میں گرا۔

"چھوٹے صاحب۔۔ صاحب میں مجبور تھا۔ نسیم صاحب نے مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے، اُس کی زندگی کا سوال تھا۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔۔" کچھ لمحے سہیل اُسے فرش پر بیٹھا دیکھتا رہا۔ پھر سر اثبات میں ہلا کر اُسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ہمم۔۔ ٹھیک ہے۔ لیکن ابھی دوسرے آپریشن کے لیے کیا کرو گے بختاور؟" وہ بے تاثر تھا۔ سامنے کھڑا شخص کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ وہ خاموشی سے سر جھکا گیا۔

"تمہارے بیٹے کے علاج کے لیے میں مدد کرونگا۔ آپریشن سے لے کر اُس کے ٹھیک ہونے تک کا سارا خرچ میرے حوالے۔ لیکن اُس کے بدلے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔ بولو کرو گے؟" وہ آخر میں ہلکا سا مسکرایا تھا۔ ملازم نے فوراً حامی بھری تھی۔ سہیل نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک پندرہ منٹ بعد بابا کی میٹنگ ختم ہوگی۔

اُس کے پورے دو منٹ بعد وہ رمیثا سے بات کرتے ہوئے کین میں داخل ہونگے۔

پھر اُس کے پورے پانچ منٹ بعد تم ہمارے لیے کافی لے کر اندر آؤ گے۔

اور۔۔۔" سہیل نے ٹھہر کر اُسے غور سے دیکھا۔ جو بہت توجہ سے اُسے سن رہا تھا۔

"اور تم سب کے سامنے بابا سے کہو گے کہ تم نے کل ریشا میم کو کین کی تلاشی لیتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"کیا؟" وہ حیران رہ گیا۔

"میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔۔۔" سہیل نے اُنکی سے اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں! تو پھر وہ تم کو جھوٹا بھی کہے گی، تم پر چیخے گی بھی، مگر تم پھر بھی اپنی بات سے نہیں مکرؤ گے۔ سمجھے؟"

"اگر بڑے صاحب نے میرا یقین نہ کیا تو؟"

"وہ کریں گے۔۔۔ کیونکہ تم اُن کی نظر میں بہت سچے اور ایماندار ملازم ہو۔ اور اگر یہی بنے رہنا چاہتے ہو تو۔۔۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔۔۔ لیکن اگر اُنہوں نے کیمرے چیک کئے تو؟" وہ گھبرایا ہوا تھا۔

"وہ سب میرا کام ہے۔ تم سے جتنا کہا ہے، تم صرف اتنا کرو۔ اور یاد رکھنا بختاور۔۔۔" وہ ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کر سیدھا ہوا۔ اور سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں جھانکا۔

"جس دن سچ بابا کے کانوں تک پہنچا۔ اُس دن تمہارے بیٹے کے انتقال کی خبر تمہارے کانوں تک پہنچی۔"

"جی۔۔ جی صاحب۔" بختاور نے حامی بھری تھی۔ وہ غدار نہیں تھا، لیکن مجبور ضرور تھا۔

"ہمم! اب جاؤ یہاں سے۔ اور مجھے مایوس مت کرنا۔" وہ سر اثبات میں ہلا کر چلا گیا تو سہیل اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور کتابوں کی شیف کی طرف آیا۔

پہلے ایک کتاب ہٹائی، سرخ رنگ کی۔

پھر دوسری، گہرے سبز رنگ کی۔

اور پھر تیسری، جامنی رنگ کی۔

سامنے ہی ایک لاکر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

سہیل نے کتابیں ٹیبل پر رکھیں، اور جلدی سے اُس کا کوڈ دبایا۔ پچھلے دو سال میں اُس نے صرف دو بار نسیم کو اُسے کھولتے دیکھا تھا۔ اُس کے لیے اُسے کھولنا مشکل ضرور تھا، لیکن ناممکن نہیں۔

ہلکی سی آواز کے سنگ وہ کھلا تو اندر بہت سی فائلز نظر آئیں۔ اُس نے دیکھ کر جلدی سے اپنی مطلوبہ فائل اٹھائی۔ اور جو فائل اپنے ساتھ لایا تھا، اُس میں سارے پیپرز شفٹ کر دیے۔

نقلی کاغذات اصلی سے بدلے۔ اور جو اُس کے کام کا لاکر میں سوفٹ ڈیٹا موجود تھا، وہ لیپ ٹاپ میں ٹرانسفر کیا۔

وہ بہت صفائی سے بنا گھبراے سارا کام کر رہا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک بھی اُسے صاف سنائی پڑتی تھی۔ وقت بہت کم تھا، مگر یہ وہ لمحہ تھا جس کا انتظار اُس نے ایک وقت سے کیا تھا۔ نسیم اور ریشا میٹنگ روم سے نکل چکے تھے۔ سہیل نے لیپ ٹاپ پر چلتی اپنی انگلیوں کی رفتار بڑھائی۔

اُن دونوں کے قدموں کی چاپ۔ اور اُس کی انگلیوں کی رفتار۔ دونوں میں بہت فرق تھا۔ وہ دونوں کیمین میں داخل ہوئے تو ٹھہر گئے۔

"ہاں عظیم کچھ پتا چلا؟"

"ابھی تو کوئی جواب نہیں ملا ہے۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔" اپنی کرسی سے ٹیک لگائے افسر نے جواب دیا تھا۔ سامنے ٹیبل پر بہت سی فائلز پڑی تھیں۔

"ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے عظیم۔۔ عثمان کا حال اتنا خراب کرو کہ نہ چاہتے ہوئے بھی رئیس کو سامنے آنا پڑے۔" سبز لون میں کھڑے اذان نے آفتاب کی سنہری روشنی کو دیکھتے ہوئے سختی سے کہا تھا۔ عظیم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"اذان اُس کے حالت پہلے ہی اچھی نہیں ہے۔ کہیں کوئی بڑا معاملہ ہو گیا تو کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوگا آفیسر۔۔ میں جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کرو۔ اُس پر تشدد کرو۔ باقی کام رئیس کے چچے خود کر دیں گے۔" کرسی پر بیٹھا شخص ہلکے سے مسکرایا۔ اُس نے اُسے آفیسر کہا تھا۔ یعنی یہ ایک طرح سے آرڈر بھی تھا۔ اس کیس میں خاص طور سے تین ہیڈ رکھے گئے تھے۔ پہلا اذان اختر تھا، جس کا آرڈر اُن تینوں میں افضل تھا۔ دوسرا عظیم وارثی۔ جو اس کیس میں منظر عام پر تھا۔

اور تیسرا؟ وہ تیسرا ہیڈ کون تھا؟

"سمجھ گیا۔ میں سنبھال لوں گا۔" اُس کی حامی پر اذان نے فقط ہنکار بھری اور فون رکھ دیا۔

اُن دونوں کا رویہ خاصا دوستانہ تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو ٹھہر گئے۔ وہ سامنے کرسی پر بیٹھا فون میں مصروف تھا۔ اُس کی موجودگی کی اُن دونوں کو ہی توقع نہیں تھی۔

"سہیل تُم یہاں؟" نسیم نے اپنی سیٹ کی طرف آتے ہوئے اُسے مخاطب کیا۔

"جی آپ سے کچھ ضروری بات کرنے آیا تھا۔ لیکن شاید آپ اپنی دوست کے ساتھ مصروف ہیں۔" اُس کا لہجہ عام سا تھا۔ مگر ریشا کو پھر بھی چبھ گیا تھا۔

"ارے نہیں بیٹا۔۔ وہ تو مس ریشا حسن ہیں ہی اتنی قابل اور پراعتماد شخصیت کی مالکن۔۔ کہ ان کے ساتھ وقت اچھا گزرتا ہے۔" اُنہوں نے اپنا کوٹ اُتار کر اسٹینڈ پر ٹانگا اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھے۔

"اس تعریف کا بہت شکریہ نسیم صاحب۔" وہ بھی مسکرا کر سہیل کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھی۔ سہیل کا رخ اُن دونوں کی طرف تھا۔ مگر اُس کی توجہ نہ پا کر، ریشا خود ہی مخاطب ہوئی۔

"تُم اپنے بابا کی پلیس کب سنبھال رہے ہو ینگ مین؟" سہیل نے بامشکل مسکرا کر نسیم کو دیکھا، تو وہ ہنسے۔

"بہت جلد مس ریشا۔۔ بہت جلد۔ لیکن ابھی اس مقام تک آنے کے لیے سہیل کو بہت کچھ سیکھنا ہے۔ خیر۔۔ میں کافی منگوتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے بابا۔ میں پہلے ہی منگوا چکا ہوں۔ اب مجھے بھی تو آپ لوگوں کا کچھ خیال کرنا چاہیے نا؟" وہ کہہ کر مسکرایا تھا۔ وقت کے مطابق بختاور ٹرے میں تین کافی لیے حاضر ہوا تو سہیل نے سامنے بیٹھی خاتون کو اشارہ کیا۔

"دیکھیں۔۔ آ بھی گئی۔" نسیم خاموشی سے اُن کی گفتگو سنتے ہوئے کوئی فائل بھی کھول چکے تھے۔ بختاور کافی رکھ کر سائڈ میں کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ نم تھے۔ اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ شاید وہ خود کو مضبوط کر رہا تھا۔

"ویسے تم نسیم صاحب سے کیا بات کرنے آئے تھے سہیل؟ کیا موضوع گفتگو میں تھی؟" ریشا نے کافی اٹھاتے ہوئے شوخ انداز میں کہا۔

"خیال برا نہیں ہے۔ لیکن ہم صرف اہم مسئلوں پر ذکر کرتے ہیں مس ریشا۔" سہیل نے بھی کپ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا تھا۔ پہلی ہی سپ میں سامنے بیٹھی حسین خاتون کا حلق تک جل گیا۔ پل بھر کو نسیم کا بھی صفحہ پلٹتا ہاتھ تھا تھا، پھر وہ صفحہ پلٹ گئے۔ جیسے اُنہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔

"آپ کا ملازم شاید چینی ڈالنا بھول گیا ہے نسیم صاحب۔ کافی کچھ زیادہ ہی کڑوی ہے۔ معذرت مگر میں مجھے اتنی بد ذائقہ چیزیں بالکل نہیں پسند۔" ریشا نے بامشکل مسکراتے ہوئے کپ واپس رکھا تھا۔ آخر یہ شخص کب تک اُس کا دل زخمی کرتا رہے گا؟

"تُم یہاں کیوں کھڑے ہو بختاور؟ کچھ کہنا ہے؟" نسیم سائڈ میں کھڑے ملازم سے مخاطب ہوئے تھے۔ اُس نے سر اثبات میں ہلایا۔ اُس نے ایک نظر اُن تینوں پر ڈالی، پھر لب تر کرتا ہوا نسیم سے بولا۔

"صاحب وہ۔۔۔ وہ میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔" نسیم نے مزید کہنے کا اشارہ کیا۔

"صاحب کل جب۔۔۔ کل جب میں آپ کے آفس میں کام سے آیا تھا تو میں نے ریشا میڈم کو آپ کے آفس کی تلاشی لیتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"کیا؟؟؟" وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ اُس نے ایک نظر سہیل کو دیکھا جو بے تاثر تھا۔ اور پھر نسیم کو۔ جو حیران تھے۔

"یہ کیا بک رہے ہو فضول انسان؟؟؟" وہ اُس پر چیخی تھی۔

"میں سچ بول رہا ہوں صاحب۔ میں آپ کا پرانا ملازم ہوں۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔" بختاور نے گھبرا کر وضاحت دی تھی۔ سہیل نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔ پرانا ملازم؟ نمک؟؟؟ ہنہ۔۔۔

"جھوٹ مت بولو۔۔ تم دو کوڑی کے نوکر۔۔ تمہاری اوقات کیا ہے۔ ہاں؟؟" ریشا کی گلابی رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔ آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔

"بس ریشا حسن۔۔ بختاور میرا پرانا ملازم ہے۔ آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ اُس سے اس طرح پیش آئیں۔" نسیم نے دو ٹوک جواب دیا تھا۔ وہ بے یقینی سے اپنی جگہ جم گئی۔ لیکن پھر اُس نے اپنے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرا نہیں دُست کیا۔

"اچھا!! ٹھیک ہے۔۔ تو پوچھیے اپنے اس پرانے ملازم سے کہ کیا ثبوت ہے اس کے پاس؟" اُس نے ضبط سے سامنے ہاتھ باندھے۔ اور یہیں بختاور کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے۔

"آپ صحیح کہہ رہی تھیں مس ریشا۔ کافی آج واقعی بہت کڑوی ہے۔" سہیل خالی کپ رکھتے ہوئے درمیان میں بولا۔ تاثر ایسا تھا مانوسچ میں اس کے منہ کا ذائقہ خراب ہو چکا ہو۔ "بختاور ذرا میرا لیپ ٹاپ تو اٹھانا۔" سہیل نے صوفے کے آگے ٹیبل پر رکھے اپنے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اُس نے فوراً اٹھا دیا۔

ریشا پورے اعتماد سے اپنی گردن اکڑے ہوئے تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ الزام جھوٹا ہے۔ اور کوئی بھی اُسے سچ ثابت نہیں کر سکتا۔ اُس نے ایک سخت نظر اُس ملازم پر ڈالی۔ اور

پھر مسکرا کر سامنے بیٹھے سہیل کو دیکھا۔ جس نے پہلے کچھ کیز دبائیں۔ اور پھر سکرین اُن دونوں کے سامنے کی۔

پل بھر کا عمل تھا۔ اور سارا کھیل پلٹ گیا۔

ریشا کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ بالکل برف کی مانند۔ سکرین پر cctv footage چل رہی تھی۔ جس میں ریشا آفس کی تلاشی لیتے ہوئے صاف دکھائی پڑتی تھی۔ نسیم نے کھا جانے والی نظروں سے اُسے گھورا تھا۔

"یہ فوٹیج کل کی نہیں ہے۔۔۔ یہ بہت پرانی ہے۔" وہ بے اختیار بولی تھی۔ سہیل دل کھول کر مسکرایا۔

"اوہ۔۔۔ تو مطلب آپ قبول کرتی ہیں کہ یہ فوٹیج اصلی ہے۔ اب چاہے کل کی ہو۔۔۔ یا پرسو کی۔ کیا فرق پڑتا ہے؟"

وہ جواب دینا چاہتی تھی۔ مگر اس کے ہونٹ سل چکے تھے۔ ٹانگوں نے بھی ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اُسے اپنے کئی مہینوں کی محنت، چند لمحوں میں ضائع ہوتی صاف دکھائی پڑ رہی تھی۔

"ثبوت اور گواہ دونوں موجود ہیں مس ریشا۔ کیا تُم اب بھی جھوٹ بولنا چاہتی ہو؟" نسیم اس مرتبہ سختی سے بولے تھے۔ اور لمحے میں اُن کا "آپ" سے "تُم" پر آنا، اُسے لاجواب کر گیا تھا۔ سہیل نے لیپ ٹاپ بند کیا اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تو کیا اب آپ یہاں سے جانا پسند کریں گی؟ یا میں دوسری کافی منگوا دوں؟" ریشا کا چہرہ اتنی ذلت سے دھک اٹھا تھا۔ وہ نسیم کی طرف مڑی اور دونوں ہاتھ زور سے ٹیبل پر مارے۔

"ریشا اپنی انسلٹ کبھی معاف نہیں کرتی ہے نسیم اختر۔ بہت جلد تُم اور تمہارا یہ آسمان کو چھوتا کاروبار۔۔۔ دونوں منہ کے بل زمین پر گرو گے۔ اور میں اُس وقت کو مسکرا کر دیکھوں گی۔ یاد رکھنا۔" اُس نے ہر لفظ غصے سے چبا چبا کر ادا کیا تھا۔ پھر کسی شیرنی کی طرح اپنے بیگ کو دبوچا اور وہاں سے نکل گئی۔ مگر جاتے ہوئے وہ سہیل پر بھی ایک خوفناک نظر ڈالنا نہیں بھولی تھی۔

براؤن ہیلز سرمئی سڑک پر سختی سے پڑ رہی تھیں۔ ضبط کے بعد بھی وہ پرسکون نہیں ہو پا رہی تھی۔ اُس کے سامنے بار بار اُس شخص کا چہرہ لہرا رہا تھا۔ ساری محنت۔۔۔ ساری قربانی۔۔۔ سارا وقت۔۔۔ ایک منٹ میں برباد ہو گیا۔

وہ چلتی ہوئی ایک پارک میں آرکی۔ دھوپ کی چمک اُس کی شہد رنگ آنکھوں کو اور چمکا رہی تھی۔ وہ ایک بیچ پر بیٹھ گئی۔ اور فون نکال کر کال ملائی۔

"ہیلو! مس حسن؟" دوسری جانب سے کسی کی آواز ابھری تھی۔

"بھاڑ میں گئی مس حسن۔۔۔ میری بات کان کھول کر سنو عظیم۔ اگر اس نسیم اختر کو اپنی آنکھوں کے سامنے میں نے گرفتار ہوتے ہوئے نہ دیکھا ناں۔۔ تو میرا نام بھی ریشا یزدانی نہیں۔" اُس نے سخت غصے کی حالت میں کہا تھا۔ بے اختیار وردی میں بیٹھا عظیم اپنی جگہ سے کھڑا ہوا گیا۔

"سب ٹھیک ہے ناں؟ تم ٹھیک ہو؟" وہ فکر مند ہوا تھا۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہے۔۔ سب خراب ہو گیا۔ سارا پلان فیل ہو گیا۔ سب میری غلطی ہے۔۔" اُس کی آواز افسوس واضح تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر نرمی سے بولا۔

"کوئی بات نہیں ریشا۔۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ تم نے اپنی پوری کوشش کی تھی۔ اتنے وقت تک اپنی عمر سے بھی بڑی بن کر سب سنبھالا تھا۔ ابھی تم آرام کرو۔ ٹھیک؟؟"

"ہمم۔۔" اس نے فون رکھ کر اپنے ارد گرد دیکھا۔ آج اُس نے کئی دن بعد کھلی حوا میں سکون سے سانس لی تھی۔ ریشا حسن نے نہیں۔ بلکہ چوبیس سالہ ریشا یزدانی نے۔ وہ جو اُس کیس کی تیسری ہیڈ تھی۔ وہ۔۔ جس کے لیے یہ صرف ایک کیس نہیں تھا۔

نسیم پاگلوں کی طرح اپنی فائلز اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ شیف کی ساری کتابیں زمین بوس تھیں۔ جب معلوم ہوا کہ لاکر میں موجود اہم فائلوں میں کچھ فرق نہیں پڑا ہے، سب محفوظ ہیں۔ تب وہ بے اختیار سکون کا سانس لیتے اپنی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے۔ اور ٹائی ڈھیلی کی۔ سامنے بیٹھے سہیل نے پانی کا گلاس اُن کی طرف بڑھایا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اُسے میرے بارے میں اتنا سب پتا کیسے چلا؟"

"آپ کی دوست تھی ناں وہ۔۔ اور دوستوں سے راز بھلا کہاں چھپتے ہیں؟" وہ عام سے انداز میں بولا تھا۔ نسیم سے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

"تُم جانتے ہو سہیل تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ تُم عام سے انداز میں بھی بہت خاص باتیں کہہ جاتے ہو۔۔ بلکہ تُم سے باتوں کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے؟" سہیل نے اُنہیں سنجیدگی سے دیکھا۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ یہ میں ہی ہوں جس نے ناجانے آپ کو کتنی مشکلوں سے نکالا ہے۔ اب ریشا کو ہی دیکھ لیں۔۔ اُس کے لیے آپ کا کوئی تیسرا بیٹا نہیں آیا تھا۔" نسیم ڈھیلے پڑے۔ اور اپنے لہجے کو ہلکا کیا۔

"ٹھیک ہے۔۔ اب تُم جاؤ۔ اور یہ ریشا کون تھی؟ کیا تھی؟ سب پتا لگاؤ۔"

"میں پتا کروا چکا ہوں بابا۔۔ وہ صرف آپ کے کسی پرانے بزنس حریف کی بیٹی تھی۔ وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔" اُس نے انہیں یقین دلایا تھا۔ وہ سمجھ کر سر ہلا گئے تو وہ کوٹ کے بٹن بند کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور لیپ ٹاپ اپنے ساتھ اٹھایا۔

وہ باہر کی جانب بڑھنے لگا تو اُن کی آواز پر اُس کے قدم تھمے۔

"کہیں تم بھی تو مجھے کوئی دھوکہ نہیں دے رہے ہوناں سہیل؟" اُنہیں شاید شق گزرا تھا۔ وہ مڑا اور آہستہ سے مسکرایا۔

"جب چاہتا تھا تب ہی نہ دے سکا۔ اب دھوکہ دے کر کیا کرونگا بابا؟" نسیم گہری سانس لے کر اپنی کرسی سے ٹیک لگا گئے۔ اُنہیں کم از کم اُس کی جانب سے سکون تھا۔ وہ کبھی بھی اُنہیں دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔

(سب سے بڑا دھوکہ کیا ہوتا ہے؟)

وہی۔۔ جو اپنوں کو دیا جائے۔)

ماضی میں سنی ہوئی نسیم کی آواز، ایک بار پھر اُس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ مگر وہ اپنا لیپ ٹاپ اور فائل لیے باہر نکل گیا۔ اب اُس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ وہ بے تاثر تھا۔ بالکل بے تاثر۔۔

"ہیلو!!"

"کیا کر رہے ہو اذان؟" سرمئی سڑک پر دوڑتی ہوئی گاڑی میں بیٹھے شخص نے پوچھا تھا۔ اذان نے ایک نظر شوپنگ میں مصروف شزا پر ڈالی۔

"شزا کو شوپنگ پر لایا ہوں۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" اُس کے ماتھے پر پڑے بلوں میں اور اضافہ ہوا تھا۔ سہیل آہستہ سے مسکرایا۔

"بھائی ہو تم میرے۔۔ نہیں پوچھ سکتا کیا؟" جواباً اذان خاموش رہا تھا۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"بھائی تو میں پہلے بھی تھا سہیل۔۔ لیکن حیرت ہے کہ یہ تمہیں آج اچانک کیسے یاد آ گیا؟" اُس نے طنز کیا تھا۔ اور سہیل کو وہ محسوس بھی ہوا تھا۔

"ایک مشورہ دینا چاہتا تھا تمہیں۔۔" اُس نے کہتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ وہیل گھمایا۔

"کیا؟"

"ریشا کی خبر تو اب تک مل گئی ہوگی۔۔" اذان پل بھر کو ساکت ہوا تھا۔ صرف پل بھر کو۔۔ پھر اُس نے ضبط سے اپنے ہوٹوں کو بھینچا۔

"آئندہ جاسوسی کے لیے کسی مضبوط لڑکی کو بھیجنا انسپکٹر اذان اختر۔۔۔ کسی ایسی کو جو کم از کم اپنے دشمن کے بیٹے پر اپنا دل نہ ہار بیٹھے۔" سہیل کا انداز عام سا تھا۔ مگر اذان کا خون ہی کھول اٹھا۔

"اپنی زبان کو لگام دو سہیل اختر۔۔۔ وہ ایک بہترین اور قابل آفیسر ہے۔ اور جیسا تم سمجھ رہے ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔" اُس نے سختی سے اُسے وارن کیا تھا۔ مگر دوسری جانب سے اُس کا قہقہا بلند ہوا۔

"بہت خوب!! میری خواہش ہے کہ ایسا ہی ہو۔" اُس نے درمیان میں گہری سانس لی۔

"خیر۔۔۔ ابھی تو میں نے صرف اُسے باہر کا راستہ دکھایا ہے۔۔۔ یقین کرو بابا کو ابھی کچھ نہیں پتا۔ لیکن اگر میں اپنی پر آیا تو تمہارے پورے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی مہینوں کی محنت چند لمحوں میں ضائع کر سکتا ہوں۔ اور یہ بات تم سے بہتر اور کون سمجھ سکتا ہے یا۔۔۔ اس لیے کچھ وقت کے لیے یہ سب روک دو۔"

"اور کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم نے اُسے صرف باہر کا راستہ کیوں دکھایا ہے؟ اس لیے تاکہ مجھے یوں دھمکا سکوں؟" اس مرتبہ اذان بھی مسکرا کر بولا تھا۔

"مُجبت کر بیٹھی ہے وہ مجھ سے۔۔۔ اور اب میں اتنا بھی ظالم نہیں کہ صرف ایک غلطی پر اُس کی جان ہی لے لیتا۔ آخر مُجبت کرنا کوئی گناہ تو نہیں۔"

"تُم چاہتے کیا ہو سہیل؟؟" اس دفعہ اذان نے اذان بن کر پوچھا تھا۔ آہستہ اور نرم اور میں۔ سہیل کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری۔

"میں پولیس والا نہیں ہوں۔ جو کسی دائرے میں رہ کر کام کرونگا۔"

I am a criminal..

میری چاہت اور میرے پلانز تمہاری سوچ سے بھی بڑے ہیں۔"

"لیکن میں نے یہ سوال سہیل سے پوچھا ہے۔۔ نسیم اختر کے بیٹے سے نہیں۔۔ کیونکہ اگر تم اُن کے ساتھ ہوتے تو اُن سے سچ نہ چھپاتے۔ یعنی پھر حقیقت تو یہی ہے کہ تُم اُن کے ساتھ بھی نہیں ہو۔۔ تو پھر کس کے ساتھ ہو؟ کیا میرے؟" اذان نے مسکرا کر نشانہ لگایا تھا۔

"خود کے۔۔" لیکن مخالف کے جواب نے اس کی مسکراہٹ کو پل بھر میں غائب کر دیا۔

"میں اپنی بات مکمل کر چکا ہوں اذان۔۔ بہتر ہوگا کہ تُم کم از کم تب تک کچھ نہ کرو جب تک اُن کے آگے میں موجود ہوں۔ ورنہ میں بھول جاؤنگا کہ تُم میرے بھائی ہو۔"

"تو بھول جاؤ۔ لیکن میرا پیچھے ہٹنا اب ناممکن ہے۔" اذان نے دو ٹوک کہا تھا۔ سہیل نے گہری سانس لیے کر دوسری جانب سے فون رکھ دیا۔

اذان نے سیاہ آنکھوں میں بے بسی لیے اپنے ہاتھ میں موجود فون کو دیکھا۔ سہیل دُست تھا۔ اُس کے پاس اذان سے زیادہ طاقت تھی۔ لیکن اس مقابلے میں پھر بھی۔۔ پھر بھی وہ کم از کم سہیل کے خلاف تو نہیں جانا چاہتا تھا۔ کم از کم۔۔ اُس کے تو نہیں۔۔ آہ! کاش! کاش یہ مقدر کے کھیل ایسے نہ ہوتے۔

اُس نے دروازہ کھولا تو کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اذان نے دائیں جانب دیوار پر ہاتھ مارا تو سب میں روشنی ہو گئی۔ داخل ہونے پر دائیں جانب موجود بڑے سے بیڈ پر وہ انیس سالہ لڑکا، سر تک چادر تان کر گہری نیند میں سو رہا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا اُس کے پاس آیا اور جھٹکے سے چادر ہٹا دی۔

"پاگل ہے کیا؟ سونے دے مجھے۔" سہیل نے ہلکی ہلکی آنکھیں کھول کر اُس سے کہا تھا۔ وہ ابھی تھوڑا اور سونا چاہتا تھا، مگر دوسرے لڑکے نے اُسے زبردستی اٹھایا۔

"دس بجنے والے ہیں سہیل۔۔ اور کب تک سویگا؟ اتنا سویگا تو تیرا مقدر سو جاوے گا لڑکے۔" وہ اُس کے کھینچنے پر بامشکل اٹھ بیٹھا۔ اور آنکھوں کو مسلا۔

"اپنے مقدر کو جگا کر سویا تھا میں۔ فجر کی نماز پڑھی تھی میں نے۔"

"ماشاء اللہ!! یہ تو "بریکنگ نیوز" ہے۔ دادا ابو کو بتانا پڑیگا۔" اذان ایسے خوش ہوا تھا جیسے سہیل کوئی جنگ فتح کر کے آیا ہو۔

"بس کر اذان۔۔ آخر کیوں جلتا ہے تُو میری نیند سے؟ روز اٹھانے آ جاتا ہے۔" سہیل نے ضبط سے سامنے بیٹھے لڑکے کو کشن اٹھا کر مارا۔

"تو؟ میں تو حیران ہوتا ہوں کہ تجھے اتنی نیند آخر آ کیسے جاتی ہے؟ مجھے تو نہیں آتی۔"

"سمجھا کر یار۔۔ مجھے نیند زیادہ نہیں آتی، بس میرے خواب زیادہ بڑے ہیں۔ اس لیے دیکھنے میں تھوڑا زیادہ وقت لگتا ہے۔" سہیل اُس کی معلومات میں اضافہ کرتا ہوا اپنے بستر سے اٹھا۔ اور پھر پاس رکھے ڈریسنگ تک آیا۔ اُس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھ، ہاتھ پھیر کر اپنے بال ٹھیک کیے۔ آخر کار اذان نفی میں سے ہلاتا ہوا ہنس ہی پڑا۔ اُس لڑکے کا بھی کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

"میری دعا ہے کہ تیرے خواب ہمیشہ تیرے ساتھ رہیں۔" اذان نے مسکرا کر کہا تھا۔ سہیل نے اُسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

"یہ دعا ہے یا بددعا؟"

"دعا ہی سمجھ لے سہیل۔۔ کیونکہ اگر تیرے خواب ہی تجھ سے چھین گئے، تو تیری نیند بھی ہوا ہو جاگی۔" اور کون جانتا تھا کہ چند سالوں میں اُس کے سارے خواب سچ میں اُس سے چھن جانے تھے؟ پھر وہ جو گہری نیند میں سویا کرتا تھا۔۔ راتوں کو بے مقصد جاگا کریگا۔

"آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟" وہ نسیم کی سٹڈی میں اُن کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات تھوڑے سخت لگتے تھے۔ اور شاید نرم بھی۔

"سب سے بڑا دھوکہ کیا ہوتا ہے سہیل؟" نسیم ٹیبل کے پیچھے اپنی کرسی پر ارادہ تھے۔ اُنہوں نے یہاں روشنی کافی ہلکی کر رکھی تھی۔

"یہ تو آپ جانتے ہونگے۔ کیونکہ میں نے تو آج تک کسی کو دھوکہ نہیں دیا۔" اُس نے جواب بھی فوراً دیا تھا۔ وہ اُن کے ہمیشہ سے ہی زیادہ قریب نہیں رہا تھا، لیکن اب سچ جاننے کے بعد تو دور ہو چکا تھا۔ وہ اُس کا طنز سمجھ گئے تھے۔ مگر پھر بھی آہستہ سے مسکرائے۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ اپنے باپ کے اعمال تمہیں صحیح اور غلط محسوس ہونے لگے ہیں۔ تو یہ بھی ضرور جانتے ہونگے۔ ذرا ذہن پر زور ڈالو اور سوچو۔" وہ اُسے نیا کام تنہاتے ہوئے آگے ہوئے اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ سہیل کچھ لمحے وہاں خاموش کھڑا اُنہیں غور سے دیکھتا رہا۔ سوال تو کہیں بہت پیچھے چھوٹ گیا تھا، اُسے تو اب دُکھ محسوس ہو رہا

تھا۔ سامنے بیٹھے اپنے باپ کو دیکھ کر۔ وہ اُن سے لڑ چکا تھا، اُنہیں احساس دلانے کی کوشش بھی کر چکا تھا۔ لیکن اُن پر کوئی بھی اثر نہ ہوا۔

چند لمحے اور گزرے تو اُنہوں نے نگاہیں اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھا۔ سہیل کے گلے میں گھٹی ڈوب کر اُبھری۔ اللہ جانے اب وہ کیا کہنے والے تھے۔

"ہاں! تو سب سے بڑا دھوکہ کون سا ہوتا ہے؟ ایک بار یہ سوال میں نے فتح سے کیا تھا۔" نسیم نے گرسی سے ٹیک لگائی۔

"تو اُس نے جواب دیا۔۔۔ جو اپنوں کو دیا جائے۔ تو بس پھر کیا تھا؟ میں نے سب سے بڑا دھوکہ اُسے ہی دے دیا۔" اپنی بات مکمل کر وہ مسکرائے تھے۔ جیسے کوئی تخت فتح کر آئے ہوں۔ سہیل کا دل اُن سے کچھ اور خراب ہوا۔

"لیکن میں نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔ فتح وہ سب deserve کرتا تھا۔ اُس نے کبھی مجھ پر غور نہیں کیا۔ کبھی میرا نہیں سوچا۔ وہ ہمیشہ بہتر چیز مجھ سے پہلے لے جاتا تھا۔ اور میں ہمیشہ دوسرے نمبر پر رہ جاتا تھا۔ تو دیکھو۔ میں نے دنیا سے جانے میں بھی اُسے پہلے نمبر پر ہی رہنے دیا۔"

"آپ کو شرم نہیں آرہی بابا؟ آپ کو اندازہ بھی ہے کہ آپ نے کیا کیا ہے؟ ذرا سوچیں۔۔ جس دن یہ سچ سامنے آئے گا، اُس دن آپ دادو کے سامنے خود کو کیسے defend کریں گے؟" اُس کی آواز میں افسوس واضح تھا۔

"میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے سہیل۔۔ اور درمیان میں بولنے والے لوگ مجھے سخت ناپسند ہیں۔" اُنہوں نے اُسے اُنکی اٹھا کر وارن کیا تھا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ اور وہاں سے جانے کے لیے مڑنے لگا۔ وہ اُن سے اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں زویا کو پسند کرتا تھا۔" اُنہوں نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔ وہ مڑتے مڑتے ساکت رہ گیا۔ اُس نے بے یقینی سے اُنہیں دیکھا۔

"اُس کا بھائی میرا دوست تھا، میں نے اُس کے فون میں زویا کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ مجھے بہت پسند تھی۔ پھر میں نے اُس کے بارے میں اور معلومات حاصل کی۔۔ وہ بہتر نہیں، بہترین تھی سہیل۔ میں ہمیشہ سے اُس جیسی ساتھی کا ہی خواہش مند رہا تھا۔" وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اُسے بتاتے گئے۔ اور وہ بے یقینی سے انہیں سنتا گیا۔

"مگر افسوس۔۔ بہت افسوس۔۔" نسیم نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"فتح زویا کو بھی مجھ سے پہلے لے گیا۔ وہ میری پسند تھی تو اُس کی محبت ثابت ہوئی۔ اور میں ایک بار پھر خاموش رہ گیا۔" اُنہوں نے رک کر سانس لی تھی۔ ایک ٹھنڈی اور گہری سانس۔

"اُس دن مجھے حقیقتاً اُس سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔ بدلے کے لئے میں نے عالیہ سے رابطہ قائم کیا۔ وہ بھی اُن دونوں کو ناپسند کرتی تھی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ لیکن اگر وہ میرا ساتھ نہ بھی دیتی۔ تو بھی میں اُن دونوں کا قتل ساتھ ہی کرواتا سہیل۔ اُن کے درمیان کچھ زیادہ ہی محبت تھی ناں۔ لیکن بس اس سے یہ فائدہ ہوا کہ عالیہ سمجھتی ہے کہ زویا کا قتل میں نے صرف اُس کے لیے کروایا تھا۔"

"پھر تو آپ نے میری ماں کو بھی دھوکہ دیا ہے بابا۔" وہ عام سے لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔
"ہاں تُم ایسا کہہ سکتے ہو۔۔ کیونکہ محبت تو میں اُس سے کبھی نہیں کر سکا۔ لیکن وہ سب سے زیادہ محبت مجھ سے ہی کرتی ہے۔" وہ آخر میں مسکرائے تھے۔ سہیل نے خود پر ضبط کے پہرے بیٹھائے اور مٹھیاں بند کر لیں۔

"اگر تو آپ مجھے یہ اس لیے بتا رہے ہیں کہ میں آپ سے ہمدردی رکھوں گا، اور آپ کا ساتھ دوں گا۔ تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے بابا۔ آپ چاہیں جو بھی دلیل دیں۔ لیکن قتل، قتل ہی رہیگا۔" اُس کا لہجہ سخت تھا۔ ارادے مضبوط تھے۔ نسیم خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کی جانب آنے لگے۔

"میں غلط فہمیاں نہیں پالتا بیٹا۔ میں صرف تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ میں کسی کا نہیں ہوا۔ نہ اپنے بھائی کا۔ نہ اُس لڑکی کا جس سے میں نے محبت کی۔ اور نہ ہی اُس کا۔ جس نے

مجھ سے محبت کی۔ اس لیے اب تم سوچ لو۔ کہ میں کتنا خود غرض ہوں اور خود کو بچانے کے لیے کس حد تک جا سکتا ہوں۔"

"کیا آپ مجھے دھمکا رہے ہیں؟" وہ حیران ہوا تھا۔ نسیم نے قریب آ کر اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"دھمکا نہیں رہا ہوں، سمجھا رہا ہوں۔ کہ اگر تم نے یا آرزو نے اپنا منہ کھولا۔ تو نہ صرف میں تمہاری ماں کو طلاق دوں گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ تم لوگوں میں سے کسی کو اپنی جان کی بھی قربانی دینی پڑے۔ اذان بھی تمہارا دوست ہے، خوش نصیب تھا جو بچ گیا۔ لیکن ہر مرتبہ تو خوش نصیب ثابت نہیں ہو سکتا نا؟" اُس کی آنکھوں میں بے اختیار نمی نمودار ہوئی تھی۔ باپ تو اولاد کا سایا ہوتا ہے، پھر آخر وہ کیسے باپ تھے؟

"آپ پچتا نگے بابا۔" اُس نے بھیگی آواز میں با مشکل کہا تھا۔ وہ قہقہا لگا کر ہنس پڑے۔ اُن کا ہاتھ بالوں سے ہوتا ہوا سہیل کی گردن تک گیا۔ اور اُس پر گرفت سخت ہوئی۔

"میرے سامنے اپنے آپ کو قابو میں رکھنا سیکھ لو سہیل۔ تم صرف میرے بیٹے نہیں ہو۔ بلکہ میری ساری زندگی کی جمع پونجی ہو۔ میرا ہتھیار ہو۔" سہیل کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری تھی۔ اُس کا سانس گھٹنے لگا تھا۔ اُسے لگا کہ اگر گرفت ذرا سی بھی اور سخت ہوئی، تو اُس کے سانس کی دوڑ بھی وہیں ٹوٹ جائیگی۔ اور وہ ابھی تڑپ تڑپ کر مر جائیگا۔ اُس کی

سُرخ پڑتی رنگت کو دیکھ وہ اُسے چھوڑ، دو قدم پیچھے ہوئے۔ اور ہاتھ آگے اپنی پینٹ کی جیبوں میں ڈالے۔

"تمہیں وہی کرنا ہے جو میں تم سے کہوں گا۔ نہ کوئی سوال، نہ کوئی جواب۔ اور نہ ہی کسی قسم کا دھوکہ۔۔ سمجھے؟" وہ اپنی گردن سہلاتا ہوا اُن کے حکم پر سر ہلا گیا تھا۔ وہ اُس کی پیٹھ تھپتھپا کر باہر نکل گئے۔ مگر اُس ہلکی روشنی میں، اپنی تکلیف کو برداشت کرتا ہوا، وہ بے اختیار گھٹنوں کے بل زمین پر گرا تھا۔ وہ وہیں کا وہیں رہ گیا تھا۔ ساکت۔۔ حیران۔۔ بے یقین۔

ابھی تو اُس کے سامنے اُس کی ایک خوبصورت زندگی باقی تھی، اس کے خواب باقی تھے۔ لیکن اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کی زندگی آج ہی ختم ہو چکی ہو۔ سارے خواب ٹوٹے ہوئے کانچ کی مانند چکنا چور ہو چکے ہوں۔ وہ جس بادل کو اپنا سایا مانتا تھا، آج اُسی نے اُس پر گڑکتی ہوئی بجلی گرا کر اُسے مٹی تلے دفن کر دیا تھا۔ وہ ہر بیتے لمحے کے ساتھ وہ اور گہرائی میں اترتا جا رہا تھا۔ گہرا۔۔ بہت گہرا۔۔ گہری خائی کی مانند۔

حال۔۔

"کیسے ہو سہیل؟" کسی کی آواز پر وہ اچانک حال میں لوٹا تھا۔ اچانک ارد گرد کی ہلکی روشنی کہیں غائب ہو چکی تھی۔ منظر بدل چکا تھا۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" وہ اُس اندھیرے سے نکلا تو اُس کی کانچ سی آنکھوں کے سحر میں قید ہو گیا۔ اُس کے ارد گرد کی ہر چیز ٹھہر گئی تھی۔ ہر آواز تھم گئی تھی۔ صرف وہ بچی تھی، اور اُس کی بھوری آنکھیں۔ جو کاجل سے اور زیادہ چمک رہی تھیں۔

"Hello!! Are you okay?"

وفانے اُس کے سامنے ہاتھ ہلایا تھا۔ وہ سمجھل گیا۔ اُسے یاد آیا کہ اختر منزل کے میدان میں گاڑی سے ٹیک لگا کر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہاں!!" وہ اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر گہری سانس لیتا ہوا فقط سر ہلا گیا۔ ایسا لگا تھا جیسے ابھی تک کسی کا ہاتھ اس کی گردن کو دبوچے ہوئے ہو۔

"بیٹھو۔۔" سہیل نے کہتے ہوئے اُس کے لیے آگے کا دروازہ کھول دیا۔ اُس نے یہ عمل بے خیالی میں کیا تھا۔ وفا ہلکا سا حیران ہوئی تھی، مگر پھر اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے خاموشی سے بیٹھ گئی۔

("ویسے یہ اتنا بھی برا نہیں ہے۔۔ بس اگر خود کو ولن نہ کہے تو۔") اُس نے اُسے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آتا ہوا دیکھ دل ہی دل میں سوچا تھا۔ وہ سرمئی بوٹم کے ساتھ سفید ٹاپ

پر اوپر سے کھلا سیاہ گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ اور سرمئی ہی حجاب سر ڈھنکے ہوئے تھا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا مگر یہ بات اُس نے بھی نوٹ کی۔ تھی کہ وہ جو بھی پہنتی تھی، لیکن ایسا پہنتی تھی کہ وہ پوری طرح سے کور ہو جائے۔ اُس سے ذہن ہٹا کر اُس نے اپنی توجہ سامنے مرقوز کر لی۔ وہ اب پہلے جیسا ہو چکا تھا، بالکل بے تاثر۔

کچھ لمحوں بعد ساتھ بیٹھی لڑکی نے پہلے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔ وہ اُس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ کم از کم کوئی نارمل بات۔

"تمہارا ضروری کام ہو گیا؟" اُس نے لب تر کرتے ہوئے پہل کی تھی۔

"ہاں!" وہ سامنے دیکھتا ہوا فقط حامی بھر گیا۔ لیکن یہ بھی بہت بڑی بات تھی۔

"تمہیں ابھی کیا ہوا تھا؟" اُس کی ہمت بڑھی تھی۔

"کچھ نہیں۔" پھر وہی دو ٹوک انداز۔

"کیا تمہاری طبیعت خراب ہے؟"

"نہیں۔" اس مرتبہ سہیل نے جواب دینے سے پہلے گہری سانس لی تھی۔ وہ اُسے دیکھنے سے پرہیز کر رہا تھا۔

"کیا تم نے کچھ کھایا؟" اُس نے ایک اور سوال کیا تھا۔ سہیل نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔

"کیا تمہیں بھوک لگی ہے؟" اُس نے عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

"تھوڑی تھوڑی۔۔" وہ سر اثبات میں ہلا گئی۔

"پچھلی سیٹ پر شاپر رکھا ہے۔ اٹھا لو۔" وفا پہلے پہل حیران ہوئی تھی۔ پھر اُس نے پیچھے سے شاپر اٹھایا اور اُس میں سے سامان نکالا۔ اُس میں بہت کچھ تھا۔ چپس، چاکلیٹس، جو س۔

"کیا یہ میرے لیے ہے؟" وہ چہک اُٹھی تھی۔ وہ صرف ہنکار بھر گیا۔ اُسے آج وہ باقی دن کے مقابلے خاصہ مختلف معلوم لگتی تھی۔ وہ آج اور دنوں کی مانند اُس سے اُکھڑی اُکھڑی نہیں تھی۔

"کھاؤ گے؟" اُس نے پیکٹ کھول کر پہلے سہیل کے آگے کیا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلا گیا۔ تو وہ آرام سے اپنے کھانے کے کام میں مصروف ہو گئی۔ سہیل نے سکون کی سانس لی تھی۔ شکر ہے کہ اب وہ کچھ وقت تو خاموش رہے گی۔

"ویسے تم اتنے بھی برے نہیں ہو۔" وفا نے اچانک تعریف کی تھی۔

"جانتا ہوں۔"

"لیکن میں پھر بھی زیادہ اچھی ہوں۔" سہیل نے لبوں پر اُبھرتی مسکراہٹ کو دبا کر سر جھٹکا۔ اگر حالات اُس کے مطابق چل رہے تھے، تو اُسے وفا سے کوئی تکلیف نہیں تھی۔

دوپہر ڈھلنے کے قریب تھی۔ لیکن ٹھنڈے ماہ کے باعث زیادہ گرمی نہیں لگ رہی تھی۔ وفا مول میں باقی سبھی کی طرح مختلف قسم کے لباس دیکھ رہی تھی جب اُس کے کانوں میں کسی کی آواز پڑی۔

"Ohh My God.."

کیسا ہے سہیل؟" سہیل اُس سے تھوڑا فاصلے پر کھڑا تھا۔ وہ اُس کی طرف آئی تو ایک شخص کو اُس سے گلے ملتے پایا۔ سہیل بھی اُسے دیکھ خوشی سے مسکرایا تھا۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کا حال پوچھ رہے تھے۔ اُن کی باتوں سے وفا کو یہی سمجھ آیا کہ وہ ہمزہ تھا۔ سہیل کا کوئی دہائی کا دوست۔

"کیا تُو نے شادی کر لی؟" اُس نے اچانک وفا کو دیکھ کر سہیل سے پوچھا تھا۔ وفا نے نظریں اٹھا کر سہیل کو دیکھا۔

"نہیں۔۔ کزن ہے۔" اُس نے بامشکل مسکرا کر جواب دیا تھا۔ ہمزہ سمجھ کر سر ہلا گیا۔ پھر اچانک سہیل کا فون بجا تو وہ کال سننے ذرا فاصلے پر چلا گیا۔ لیکن اُس کی نظریں اُدھر ہی مرقوض تھیں۔ ہمزہ مسکرا کر وفا سے مخاطب ہوا۔

"السلام علیکم۔ کیا نام ہے آپ کا؟"

"وعلیکم السلام۔ وفا۔" وہ بھی سادگی سے بولی تھی۔

"سہیل میرا بہت اچھا دوست رہا ہے۔ دبئی میں ہم نے بہت وقت ساتھ گزارا تھا۔"

"آپ وہیں رہتے ہیں؟"

"جی۔ یہاں کسی کام سے آیا تھا۔" ہمزہ نے بتایا تھا۔ وہ سے اثبات میں ہلا کر دوبارہ کپڑوں کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔

"کیا میں آپ کے لیے decide کر سکتا ہوں؟" سامنے کھڑے شخص نے خوشی سے آفر کی تھی۔ وفانے گہری سانس لے کر اُسے تیز نظروں سے دیکھا۔ اور مضبوط مگر اہستہ آواز میں بولی۔

"جی نہیں۔" ہمزہ کی مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہوئی تھی۔ سہیل بھی تبھی اُن کے پاس آیا تھا۔ وہ شاید اُن کی بات نہیں سن سکا تھا۔ پھر ہمزہ اُس سے مل کر وہاں سے چلا گیا۔

"تمہارا دوست کافی اچھا ہے۔" وفانے اُس کے ساتھ کھڑے ہو کر عام سے انداز میں کہا تھا۔ سہیل نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا اور ضبط سے بامشکل مسکرایا۔

"لیکن مجھ سے زیادہ نہیں۔" وفا حیران ہوئی تھی۔ پھر ہنس پڑی۔ شاید اُس شخص کو اپنے دوست کی تعریف خاصہ پسند نہیں آئی تھی۔

کافی فاصلے پر سُرخ ہوڈی کی کیپ سر پر ڈھکے، سیاہ ماسک چہرے پر لگائے، ایک شخص اُنہیں غور سے دیکھتا ہوا مڑا اور کانچ کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

"کون سالوں؟" وہ دونوں ہاتھوں میں الگ الگ جوڑے اٹھائے اُس سے پوچھ رہی تھی۔ سیلز مین اُن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ سہیل نے ایک نظر اُن دونوں کپڑوں پر ڈالی۔ ایک ہلکے کام والا مہرون رنگ کا سوٹ تھا، تو ایک سفید رنگ کا۔ دونوں ہی خوبصورت تھے۔ لیکن وہ تھوڑا حیران ہوا تھا۔ کیا وفا اپنے لباس کے لیے اُس سے پسند پوچھ رہی تھی؟

"بول بھی دو۔۔ میرے ہاتھ دُکھ رہے ہیں۔" اُس نے ماتھے اور بل ڈال کر اصرار کیا تھا۔ سہیل نے خاموشی سے وہ دونوں اُس کے ہاتھ سے لے کر سیلز مین کی طرف بڑھا دیے۔

"دونوں دے دیں۔" بے اختیار وفانے اُسے روکنا چاہا تھا، مگر وہ تو فوراً ہی غائب ہو گیا۔

"بات تو صرف ایک کی تھی۔ کیا میں دوسرا تمہاری طرف سے گفٹ سمجھوں؟" وہ مسکراہٹ دبا کر سادگی سے بولی تھی۔ شاید اُس کا جواب سنا چاہتی تھی۔

"اور میں تمہیں گفٹ کب سے دینے لگا؟" سہیل نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ جواباً اُس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"ہاں جیسے وہ عبایا تو مجھے ہمزہ نے بھیجا تھا ناں۔" وہ ہلکی آواز میں بڑبڑاتی ہوئی اُس کے ساتھ سے نکل گئی تھی۔ مگر وہ اُس کی بات سن ساکت رہ گیا۔ پھر اُس کے پیچھے کاؤنٹر تک آیا اور جلدی سے پیمٹ کرتا ہوا اُس کے ساتھ ہی باہر نکلا۔

"میں نے وہ تمہیں نہیں بھیجا تھا۔" وہ موقع ملتے ہی فوراً بول پڑا۔ وفانے اپنی مسکراہٹ دبائی۔ وہ اب نیچے جانے کے لیے لفٹ میں داخل ہو چکے تھے۔

"میں تمہیں بل بھی دکھا سکتی ہوں، جو مجھے اُس روز تمہارے کمرے سے ملا تھا۔" وہ اُسے لاجواب کر چکی تھی۔ سہیل کو افسوس ہوا۔ آخر اُس نے بل ہاتھوں ہاتھ پھاڑ کر پھینکا کیوں نہیں؟

"وہ صرف اُس لیے تھا تاکہ میں جان سکوں کہ تم کیسی لڑکی ہو؟ دشمن کے بارے میں معلومات ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" سہیل نے دو ٹوک انداز میں اُسے بتا کر اپنا رخ سامنے کر لیا۔ کہ کوئی بھروسہ نہیں کہیں یہ لڑکی کچھ اور ہی نہ سوچ بیٹھے۔

"اچھا؟؟؟" وہ تھوڑا حیرانگی اور افسوس سے بولی۔

"اصل میں پہلی مرتبہ ایسا دشمن ملا ہے ناں۔ اس لیے اُسے گفٹ سمجھ بیٹھی تھی۔ لیکن اب میں سمجھ گئی مسٹر ولن۔" سہیل نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اپنا سر جھٹکا۔ مانو سارے خیال بھی جھٹک دیے۔

وہ دونوں مال سے باہر نکلے تو سہیل اُسے اشارہ کرتا ہوا پارکنگ کی طرف چلا گیا۔ وہ بھی قدم آگے بڑھاتی ہوئی روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ اپنے ازلی انداز میں ارد گرد کی چیزوں کو غور سے دیکھتی ہوئی۔ پھر روڈ سائنڈ رک کر اُس کا انتظار کرنے لگی۔

شام ڈھل چکی تھی۔ آسمان ہلکی ہلکی سیاہی سے ڈھکنے لگا تھا۔ اذان نے ایک نظر ساتھ بیٹھی شہزاد پر ڈالی اور پھر گاڑی کی رفتار تیز کی۔

"کیا بات ہے اذان؟ آپ مجھے پریشان لگ رہے ہو۔" وہ بہت دیر سے ساتھ بیٹھے شخص کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ پھر آخر میں پوچھ ہی بیٹھی۔

"نہیں شہزادی۔ کوئی بات نہیں ہے۔" اذان نے سادگی سے کہتے ہوئے ایک بار پھر آئینے میں نظر ڈالی تھی۔ ایک سفید رنگ کی گاڑی کافی وقت سے اُن کے ساتھ ہی چل رہی تھی۔ اور اس راستہ پر گاڑیوں کی موجودگی بھی کم تھی۔ اچانک اُس کا فون بجا۔ سکرین پر "unknown number" جگمگا رہا تھا۔ اذان نے کچھ سوچ کر فون اٹھایا۔

"ہیلو!!" اذان نے کال اٹھائی مگر اُس جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔ شاید مخالف نے صرف سننے کر لیے کال ملائی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گیا۔ اُس نے کال کاٹ کر فون شزا کی جانب بڑھایا۔

"یہ نمبر عظیم کو بھیجو۔" وہ بنا کسی سوال کے سر ہلا گئی۔ اب اُس نے بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر دایاں ہاتھ گن اٹھانے کو بڑھایا تو اچانک فضا میں بلند آوازیں گونجنے لگیں۔ دائیں طرف سے اُن لوگوں نے دو تین مرتبہ فائرنگ کی تھی۔ لیکن ایک گولی شیشے کو چیرتی ہوئی اذان کے دائیں بازو میں تیز رفتار سے گھس گئی۔ گاڑی بھی چند لمحوں کو ڈمگا گئی۔ پھر اذان نے اسٹیئرنگ وہیل پر گرفت سخت کی اور اُس نے ضبط سے ہونٹ بھیچ کر اُسی زخمی بازو سے گن اٹھا کر آگے جاتی گاڑی کے ٹائر پر نشانہ لگایا۔ ایک مرتبہ پھر تیز آواز سب میں گونجی۔ مخالفوں نے رخ بدلا تھا۔ بد قسمتی سے اذان کا نشانہ چوک گیا۔

شزا ساکت رہ گئی۔ اُس نے پہلی مرتبہ گولی کی آواز سنی تھی۔ وہ حیران و پریشان اذان کے بازو سے نکلنے سُرخ مواد کو دیکھ رہی تھی۔ اُس نے چہرہ موڑ کر شزا کو دیکھا۔

(وعدہ کرو اذان۔ کہ تم شزا کی حفاظت کرو گے۔) اُس کے ذہن نے ایک دم رفتار پکڑی تھی۔ یہ حملہ صرف اُس پر نہیں ہوا تھا۔ یہاں اُس کے ساتھ شزا بھی تھی۔

"شزا وفا کو کال کرو۔" وہ بلند آواز میں بولا تھا۔ شزا نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے فوراً وفا کو کال ملائی۔ اُس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ واضح تھی۔ آنکھوں میں اُترتی نمی سے سکریں دھندلا رہی تھی۔ اُس نے فون کان سے لگایا۔

"اُس کا فون بند ہے۔" شزا نے فکر مندی سے اذان کو دیکھا تھا۔

"سہیل کا ٹراے کرو۔" اذان کا چہرہ ضبط سے سُرخ پڑنے لگا تھا۔ بائیں بازو میں درد شدید تھا۔ مگر وہ اُسے کسی کھاتے میں نہ لاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے گاڑی چلا رہا تھا۔ محتاط نظریں ارد گرد بھی دیکھ رہی تھیں۔

سہیل نے پچھلی سیٹ پر سامان رکھ کر دروازہ بند کیا تو اُس کا فون بجنے لگا۔ شزا کی کال آ رہی تھی۔ اُس نے کال اٹھا کر فون کان سے لگایا۔
"ہیلو!"

"وفا کہاں ہے؟" اذان بلند اور فکر مند آواز میں پوچھ رہا تھا۔
"میں پارکنگ میں آیا ہوں۔ وہ میرا باہر انتظار کر رہی ہے۔" سہیل کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ اُسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"تو اُسے اکیلا کیسے چھوڑ سکتا ہے سہیل؟ ہماری گاڑی پر حملہ ہوا ہے۔" اذان بنا سانس لیے بولا تھا۔ الفاظ تھے کہ کیا؟ سہیل ساکت رہ گیا۔ ذہن کے پردے پر وفا کا مسکراتا چہرہ لہرایا تھا۔ اور پھر اگلے ہی لمحے۔۔ اُس نے خود کو پوری رفتار سے باہر کی طرف بھاگتا ہوا پایا۔ اُس نے مزید اور کوئی بات نہ سنی، نہ سوچی۔ ذہن میں اُس وقت صرف وہ باقی تھی۔

آسمان سیاہی میں ڈوب چکا تھا۔ وہ باہر آیا تو سرمئی آنکھیں ہر طرف اسے کھوجنے لگیں۔ وہاں بہت سے لوگ تھے۔ لیکن بس وہ ہی نہیں تھی۔

("آگر اُسے کچھ ہو گیا تو؟ تو وہ کیا کریگا؟") دل میں عجیب سے وہم آئے تھے۔ برے خیالات نے اُس کے ذہن کو جکڑنا چاہا تھا۔

("نہیں۔۔ وہ وفا ہے۔۔ وہ کمزور نہیں ہے۔") وہ خود کو اُمید کی ڈور پکڑا رہا تھا۔

("لیکن ہے تو ایک لڑکی ہی؟ اُف! مجھے اُس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔") اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہر برے خیال کو جھٹکا۔ اور تھوڑا اور آگے آیا۔ اُس کے سڑک پر آتے ہی ایک سفید رنگ کی گاڑی پوری رفتار سے وہاں سے گئی تھی۔ سہیل نے اُسے دور جاتے دیکھا۔

اُس لمحے۔۔ اُس کھلے سیاہ آسمان کے نیچے۔۔ اُسے اپنا آپ بے بس لگا تھا۔ اتنا ہی بے بس جیتنا چند سال پہلے اُس بند کمرے میں لگتا تھا۔ پھر بے چینی سے بھٹکتی نظریں ایک دم ٹھہر گئیں۔ اُسے لگا کسی نے قدموں سے ساری جان ہی نکال لی ہو۔ تیزی سے دھڑکتا ہوا دل۔۔ اچانک ہلکا ہوا تھا۔ وہ اُس کی نظروں کے سامنے ایک سائڈ کو اکیلی کھڑی، اپنے ٹوٹے فون پر افسوس کر رہی تھی۔ اور اُس وقت سہیل نے اُسے دیکھ، شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے اپنی اٹکی سانس بحال کی تھی۔ پھر وہ آہستہ قدموں سے اُس تک آیا۔ مگر ایک مرتبہ پھر

ساکت رہ گیا۔ وہاں سڑک پر چند سُرخ بوندیں پڑی تھیں۔ خون کی بوندیں۔ جو بالکل تازہ تھا۔ وفانے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔

"تُم بنا گاڑی لیے ہی آ گئے؟"

"یہ خون؟" وہ بے چینی سے بولا تھا۔ وہ عام سے انداز میں مخاطب ہوئی۔

"ارے وہ کوئی چور تھا۔ اکیلی لڑکی سمجھ کر مجھے ہلکے میں لے رہا تھا۔ جیسے ہی اُس نے مجھ پر گن تانی۔ میں نے فوراً اُس کے ہاتھ پر چاقو مار دیا۔ دیکھو وہاں اُس کی گن بھی پڑی ہے۔" اُس نے دور زمین پر پڑی گن کی طرف اشارہ کیا تھا۔ سہیل سانس نہیں لے سکا۔ مطلب اُس پر سچ میں حملہ ہوا تھا؟

"وہ تو بھاگ گیا۔ لیکن اُس جاہل آدمی کے چکر میں میرا فون ٹوٹ گیا۔ اُس سے تو اللہ پوچھینگا۔" وہ اپنے فون کے ٹوٹنے پر افسوس کرتی، اُس آدمی کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ اور وہ بے یقینی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے پاس چاقو تھا؟" جواب میں اُس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں! یہ دیکھو۔" وہ اب اپنے بیگ سے ایک لیڈیز چاقو نکال کر اُسے دکھا رہی تھی۔ جو وہ اپنی حفاظت کے لیے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ وفانے اُسے ٹشو سے لپیٹ رکھا تھا، لیکن چند سُرخ بوندیں پھر بھی واضح تھیں۔

"بلکہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں ناں، یہاں کی ہر لڑکی کے پاس اپنی حفاظت کے لیے ایک چاقو ضرور ہونا چاہیے۔ تاکہ اپنی جانب بڑھتا ہوا ہر غلط ہاتھ، وہ وہیں زمین بوس کر سکے۔" وفا نے مضبوط لہجے میں سنجیدگی سے کہا تھا۔ سہیل لاجواب رہ گیا۔

"تمہیں کیا ہوا؟" وہ اب اس کے سفید پڑے چہرے کو دیکھ، اُس کا حال پوچھ رہی تھی۔ سہیل نے گہری سانس لے کر نفی میں سر ہلایا اور نرم آواز میں کہا۔
"میرے ساتھ چلو۔" وہ بھی بنا کچھ کہے اُس کے ساتھ چل دی۔

وہ خاموشی سے سڑک کو دیکھتا ہوا گاڑی چلا رہا تھا۔ دل اور ذہن میں عجیب جنگ چھڑ چکی تھی۔ اور آنکھیں ضبط سے سُرخ پڑنے لگی تھیں۔ آسمان میں چمکتے چاند سے نظریں ہٹا کر وفا نے ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھا۔ اُس کے تاثرات وہ سمجھ نہ پائی۔ کچھ دیر قبل وہ اُسے فکر مند اور بے چین لگا تھا۔ اور اب کوئی مجسمہ لگتا تھا۔ بالکل ٹھنڈہ اور ٹھہرا ہوا۔ وہ پہلے تو خاموش رہی مگر پھر خود پر اور ضبط نہ کر سکی۔

"تمہیں ہوا کیا ہے؟" اُس کی سنجیدہ آواز کانوں میں پڑی تو سہیل نے چہرہ موڑ کر اُسے نا سنجھی سے دیکھا۔

"کیا؟" وفا کو اور تپ چڑھی۔

"تم اب اتنے ٹھنڈے ہو۔ اور اُس وقت اتنا گھبرائے ہوئے تھے۔ کیا ہوا تھا؟" سڑک کو دیکھتے ہوئے اُس نے اسٹیرنگ پر گرفت سخت کی تھی۔ پہلے پہل تو خاموش رہا۔ پھر اُس کی آہستہ آواز کار میں گونجی۔

"میں بس تھوڑا ڈر گیا تھا۔" وہ لاجواب رہ گئی۔ کیا؟ سچ میں؟

"تم ڈر گئے تھے؟ لیکن کیوں؟"

"پتا نہیں۔" ایک اور دو ٹوک جواب آیا تھا۔ وہ اُس وقت جو کہہ سکتا تھا، صاف کہہ رہا تھا۔

"سمجھ گئی۔ تم ایک زمیندار شخص ہو۔ اور اس وقت میں تمہاری ذمیداری ہوں۔ اگر مجھے کچھ ہوتا تو تمہیں سب کو جواب دینا پڑتا۔ ہینہ؟" وہ اب عام سے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں! لیکن اگر تم آج خود کی حفاظت نہ کر پاتیں، تو تم کیا کرتیں؟"

"کیا کرتی مطلب؟ اگر نہ کر پاتی تو تم نے تو میرے لیے آنا ہی تھا۔"

"تمہیں مجھ پر اتنا یقین ہے؟" سہیل نے بے یقینی سے اُسے دیکھا تھا۔

"جتنا بھی ہے، مگر ہے تو۔" وہ اب کہہ کر اپنا فون استعمال کرنے لگی تھی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے مگر اُس کی باتیں اُس کے ذہن میں گھر کر گئیں۔ وہ اب فون چلاتے ہوئے کسی چیز پر ہنس رہی تھی۔ اور وہ حیران ہو رہا تھا۔ وہ کتنی بے فکر

تھی؟ اُسے یہ بھی خوف نہ تھا کہ کہیں وہ ہملاور دوبارہ نہ آجائیں۔ کچھ پل بعد وفا کا قہقہا دوبارہ بلند ہوا تو وہ اور ضبط نہ کر سکا۔

"تُم ٹھیک تو ہوناں؟ تُم اتنا عجیب برتاؤ کیوں کر رہی ہو؟ ایسے دکھا رہی ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" وفا کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ پھر اُس نے گہری سانس لے کر اپنا فون بند کیا۔

"تو کیا کروں؟ گھبراؤں؟ رونے لگوں؟ یا پھر تُم سے اس لئے لڑوں کہ تُم اُس شخص کے بیٹے ہو جس نے مجھے ڈرانے کے لیے اُس آدمی کو بھیجا تھا؟" وہ بنا سانس لیے اپنی بات مکمل کر گئی تھی۔ اور وہ ایک مرتبہ پھر لاجواب رہ گیا تھا۔ وہ فضول میں ہی زیادہ سوچ رہا تھا۔

..Don't take it too serious man"

یہ تُم بھی جانتے ہو کہ ہم لوگوں کی زندگی نارمل نہیں ہے۔ بلکہ سچ کہوں تو۔۔۔" وہ کہتے کہتے درمیان میں رکی تھی۔ ساتھ بیٹھے شخص نے اُسے اپنی سوالیہ نظروں کے حصار میں لیا۔

"تو؟" وہ اب باہر دیکھنے لگی تھی۔ رات کے منظر میں سڑکوں پر جگہ جگہ روشنیاں جلمگہ رہی تھیں۔

"تو میں اب تھک چکی ہوں سہیل۔ مجھ میں لڑنے کی طاقت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ میں ایسے گھٹنزدہ ماحول میں نہیں رہ سکتی۔ میری سانس رکنے لگتی ہے، مجھے لگتا ہے اگر مزید یہاں رہی تو میں مر جاؤنگی۔"

I just want to live a normal and peaceful life”..

بے اختیار سہیل کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری تھی۔ وہ بے یقین تھا۔ اُسے اُن لفظوں پر یقین کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ وہ اُس سے کتنی مشابہت رکھتی تھی۔ جیسے ہر وہ چیز محسوس کرتی ہو، جو وہ بھی کرتا ہے۔

"جانتے ہو میں یہ تم سے کیوں کہہ رہی ہوں؟" وفا کا رخ اب بھی باہر کی ہی جانب تھا۔ بھوری آنکھوں میں روشنیوں کا عکس صاف نظر آ رہا تھا۔

"کیوں؟" اُس نے پوچھا تو وہ کچھ لمحے رک کر بولی۔

"کیونکہ مجھے پتا ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا۔" سہیل کو جھٹکا لگا تھا۔ بے اختیار اُس کا پاؤں بریک پر پڑا۔ گاڑی جھٹکے سے رک گئی۔ اُس نے پہلے ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا، وہ اب بھی باہر ہی دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس کی نظروں کے سامنے ارزو کا چہرہ لہرایا۔ وہ ضبط کر کے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر گیا۔

"مجھے اب تم سے نفرت نہیں ہوتی سہیل۔ بلکہ ترس آتا ہے۔ تم پر، خود پر، ہم سب پر۔ کیونکہ آخر ہم سب بھی تو اپنوں کے ہاتھوں مجبور ہی ہیں۔" وہ خاموش ہو گئی تو سب میں خاموشی چھا گئی۔ وہ کچھ نہ بولا۔ اُسے سمجھ ہی نہ آیا کہ اُسے کیا بولنا چاہیے۔

"تم اچانک میرے پاس کیوں آئے تھے سہیل؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں خطرے میں ہوں؟" یاد آنے پر وہ پوری اُس کی طرف گھومی تھی۔ سہیل نے بے اختیار اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر مارا۔ وہ بھول کیسے گیا؟

یہ بڑی اور چوڑی سڑک تھی۔ ارد گرد پیڑ موجود تھے، جو اندھیرے میں صاف نظر نہیں آتے تھے۔ اُس نے پہلے گاڑی ایک طرف لگائی اور پھر تیزی سے اپنا فون اٹھایا۔

"کیا کر رہے ہو؟" وہ اُسے نا سمجھی سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن اُس نے کوئی جواب نہ دیا اور کال ملا کر فون کان سے لگایا۔ تیسری گھنٹی پر شزا نے فون اٹھایا تھا۔

"کہاں ہو شزا؟ کیا تم لوگ ٹھیک ہو؟" وہ فکر مند تھا۔ اُسے سن وفا بھی فکر مند ہوئی۔

"ہم ہسپتال میں ہیں سہیل بھائی۔ اذان کے بازو پر گولی لگی تھی۔ روم میں ڈاکٹر اُن کی گولی نکال رہے ہیں۔ وفا کیسی ہے؟" اسپتال کے سفید فرش پر رکھی بیچ پر بیٹھی لڑکی اُسے بتا رہی تھی۔ سہیل کا دل ڈوب کر اُبھرا۔

"وہ ٹھیک ہے۔ تم کون سے اسپتال میں ہو؟ میں وہیں آتا ہوں۔" اُس نے کہتے ہوئے فون اسپیکر پر ڈالا اور چابی گھمائی۔

"آپ مت آئیں۔ ہم بھی بس جلد ہی نکلنے والے ہیں۔"

"لیکن شزا وہ ڈرائیو کیسے کریگا؟"

"میرے شوہر ایک بہت بہادر اور قابل آفیسر ہیں۔ وہ سنبھال لینگے۔" اُس کی آواز میں فخر تھا۔ وفا کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ اُسے ایک مرتبہ پھر اُن کے لیے خوشی محسوس ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن کوئی بات ہو تو مجھے فون کر دینا۔" سہیل نے حامی بھرتے ہوئے فون بند کیا اور اپنے بائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ و ہیل گھمایا۔ ایک لمحے کو۔۔ صرف ایک لمحے کو وفا کی نظر اُس پر ٹھہری تھی۔ پھر وہ نظریں پھیر گئی۔

فون بند کر اُس نے سر اٹھایا تو ڈاکٹر باہر آتے نظر آئے۔ اُنہوں نے شزا کو اندر جانے کی اجازت دی تو وہ تیزی سے آگے بڑھ آئی۔

بیڈ سے اُٹھ کر اذان اب اپنی شرٹ پہننے کی کوشش کر رہا تھا۔ دائیں بازو پر سفید پیٹی لپیٹی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں میں اُبھرتی نمی کو پیچھے دھکیلتی ہوئی اُس کے پاس آئی۔ اُس کی موجودگی محسوس کر وہ پلٹا تو آہستہ سے مسکرا دیا۔ مگر وہ مسکرا بھی نہ سکی۔ شزا نے خاموشی اور احتیاط سے اُس کا زخمی ہاتھ آستین میں ڈالا اور بٹن بند کرنے کو اپنے ہاتھ آگے بڑھائے۔ وہ اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے اذان کو بیٹھایا اور ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اُس کے آگے کیا۔

"شکریہ۔۔" اذان نے کہہ کر گلاس تھاما تھا۔

"کس لیے؟" شزرا نے اُسے نا سمجھی سے دیکھا۔ یہ اُس نے صرف پانی کے لیے تو ہرگز نہیں کہا تھا۔

"آج اتنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لیے۔ مجھے لگا تھا تُم ضبط کھو بیٹھو گی، مگر تُم نے مجھے غلط ثابت کر دیا۔" اُس نے اپنی بات مکمل کر گلاس منہ سے لگایا۔

"میں ایک پولیس والے کی بیوی ہوں انسپٹر صاحب۔ اب ہر حال میں اُن کا ساتھ تو نبھانا پڑے گا؟" وہ مسکرا کر کہتی ہوئی اُس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ بھی سر اثبات میں ہلا کر مسکرا دیا۔

"چلو۔۔ اور گھر میں کسی کو مت بتانا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔" اذان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اپنی بیوی کو سمجھایا تھا۔ وہ خاموشی سے سر ہلا کر حامی بھر گئی۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" کین میں داخل ہونے سے پہلے سہیل نے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ پوچھ تھا۔ گلاس ونڈو سے باہر کا منظر دیکھتے ہوئے نسیم نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا، اور پھر اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ قدم بڑھاتا ہوا آگے آیا اور اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اُن کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"کل اُن لوگوں پر ہملہ کیوں کروایا تھا بابا؟ میں نے کہا تھا ناں کہ میں بنا کسی خون خرابے کے یہ سب سنبھالنا چاہتا ہوں۔" وہ سنجیدہ تھا، مگر آواز میں نرمی تھی۔ شیشے کے باہر نظر آتے روڈ کے منظر سے نظریں پھیر کر اُنہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

"میں نے کسی پر ہملہ نہیں کروایا سہیل۔۔۔ ہاں! البتہ رئیس کا میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آخر اُس کا بھائی اذان کے قبضے میں ہے۔" اُن کا انداز عام سا تھا۔ ہلکا پھلکا۔

"مطلب اُس نے آپ سے رابطہ کیا ہے۔"

"ہم! کیا تھا۔ وہ چاہتا ہے میں اُس کے بھائی کے لیے کچھ کروں۔ لیکن میں نے اس مرتبہ صاف انکار کر دیا۔ البتہ اُسے یہ یقین بھی دلایا ہے کہ نہ میں مدد کرونگا، نہ اُس کے راستے میں آؤنگا۔ ہاں! وہ جیسے چاہے اپنا کام پورا کر سکتا ہے۔" ساتھ کھڑا شخص کچھ لمحے اُنہیں خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر سمجھ کر سر ہلا گیا۔

"آپ نے ٹھیک کیا۔ ویسے بھی اب ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وفا بہت جلد اختر منزل سے چلی جائے گی۔ اور اذان کو رئیس خود راستے سے ہٹا دیگا۔ معاملہ ختم!" نسیم کے ماتھے پر نا سمجھی کے بل پڑے تھے۔ وہ پوری اُس کی طرف گھومے۔

"کیا مطلب؟ کہاں چلی جائے گی؟"

"کیا آپ جانتے ہیں بہترین کھیل کیا ہوتا ہے؟ وہ۔۔ جس میں ہمارا حریف وہی سب کرے جو ہم اُس سے کروانا چاہتے ہیں۔ لیکن صرف یہ سمجھ کر کہ سب اُس کے مطابق ہو رہا ہے۔" سہیل دل کھول کر مسکرایا تھا۔ وہ اُسے دیکھتے رہے۔

"آپ ایک بات بھول رہے تھے بابا۔ کہ میں آپ نہیں ہوں۔ میں سہیل اختر ہوں۔ آپ کا ہر کام پرفیکٹ کرنے والا بیٹا۔ میرے کام کرنے کا طریقہ آپ سے بہت مختلف ہے۔ اور اب میں آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ آپ کا کام ہو چکا ہے۔" اپنی بات مکمل کر اس نے فخریہ انداز میں اپنی گردن اونچی کرتے ہوئے، اُن کی جانب ایک گہری مسکراہٹ اچھالی تھی۔ اُسے دیکھ، وہ بھی بے اختیار مسکرا دیے۔ اور اپنا داہنہ ہاتھ اٹھا کر اُس کے شانے کو تھپکا۔ وہ ایک مرتبہ پھر یہ ثابت کر چکا تھا کہ وہ آخر اُن کا مسٹر پرفیکٹ بیٹا کیوں ہے۔

موسم نے اپنا رخ بدلا تھا۔ روز آہستہ آہستہ ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ اور آج تو صبح سے ہی آفتاب بھی بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ ایسے میں ہر سال کی مانند اس سال بھی ارزو کی ناک اور رخسار ہلکے بخار سے سُرخ پڑنے لگے تھے۔ وہ گرم چائے کا کہنے کے لیے کچن میں داخل ہوئی تو ملازمہ کی جگہ عالیہ کو وہاں موجود پایا۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر جانے لگی، لیکن عالیہ اُسے دیکھ چکی تھی۔

"ارزو بیٹا۔" اُن کی پکار پر اُس کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔ وہ جب بھی اُسے اتنی محبت سے پکارتی تھی، آرزو کے گلے میں پانی جمع ہونے لگتا تھا۔ عالیہ ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے اُس کے پاس آئی۔ اور پھر وہ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"مجھے بتا تھا تمہیں ضرورت ہوگی، اس لئے میں نے یہ تمہارے لیے ہی بنائی ہے۔" اُس نے ایک نظر اپنی ماں کو دیکھا، اور پھر اُس بھاپ اڑاتے ہوئے مگ کو۔

"مجھے نہیں چاہیے۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہتی ہوئی اُس کے ساتھ سے نکلنے لگی تو عالیہ نے دوسرے ہاتھ سے اُس کا بازو پکڑ کر روکا۔

"مجھ سے اتنا خفا کیوں رہتی ہو آرزو؟ میں ماں ہوں تمہاری۔ تم میری اکلوتی بیٹی ہو، مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔" آرزو نے بھیگی آنکھوں سے اُسے دیکھا تھا۔ عالیہ پل بھر کو ساکت رہ گئی۔ اُن آنکھوں میں کیا نہیں تھا؟ سُرخ۔۔ تکلیف۔۔ محبت۔۔ غصہ۔

"اگر آپ سچ میں میری ماں ہیں تو یہ ماں تب کہاں تھی جب بابا نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا؟ تب کہاں تھی جب وہ مجھے مارنے کی بات کر رہے تھے؟" عالیہ کے لب سل گئے۔ چہرہ سفید پڑنے لگا۔ ہاتھ میں موجود گرم مگ اُس کا ہاتھ جلانے لگا تھا۔

"آپ کیا صرف میری ہی ماں ہیں؟ کیا میرے دونوں بھائی آپ کے کوئی نہیں ہیں؟ آپ تب کہاں تھی جب سہیل بھائی ہم سے دور جا رہے تھے؟ جب اُن کی خوشیاں قربان ہو

گئیں اور وہ بھی آپ لوگوں کا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئے؟" ارزو کے سوال اُسے کسی چابک کی مانند لگ رہے تھے۔ جو اُسے زخمی کرنے کی پوری طاقت رکھتا تھا۔

"میں جانتی ہوں نسیم ایک اچھے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ ایک اچھے شوہر ضرور ہیں ارزو۔ میں اُن کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑ سکتی، لیکن تم تینوں بھی مجھے بہت عزیز ہو۔ میں تم سے محبت کرنا بھی نہیں چھوڑ سکتی۔" ارزو کی لب طنزیہ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ اُس نے رخسار پر گرتا گرم پانی صاف کیا۔

"کتنی مضبوط دلیل ہے ناں یہ؟ مگر افسوس۔۔ آپ ہماری ماں تو ہیں، لیکن ویسی نہیں ہیں جیسی ایک ماں ہوتی ہے۔ آپ ہماری ماں سے زیادہ اپنے شوہر کی بیوی ہیں۔ اور آپ اپنی اولاد اور شوہر کے درمیان ہمیشہ اُنہیں ہی چنتی ہیں۔" اُس نے رک کر گہری سانس لی اور ہاتھ آگے بڑھا کر مگ تھام لیا۔

"خیر۔۔ جو بھی ہے۔ مگر افسوس کہ حقیقت تو یہی ہے کہ ہم تینوں بھی آپ سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتے، وہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔ باقی آپ ہمارے ساتھ چاہے جو بھی کریں۔" عالیہ کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔ ارزو اپنی بات مکمل کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ ایک مرتبہ پھر اُسے کشمکش میں مبتلا رہ گئی۔ اُس کے بچے اُسی سے کتنا دور ہو چکے تھے؟ اور صرف اسی لیے کہ وہ ہمیشہ اپنے شوہر کا ساتھ دیتی تھی؟

دروازے پر ہوتی دستک کو سن اُس نے کتاب سے نظریں ہٹائے بنا جواب دیا۔

"آجاؤ شزا۔" اُس کی آواز سن اُس پار موجود شخص نے دوبارہ دستک دی۔ اس مرتبہ وفانے حیرانی سے سر اٹھا کر دیکھا۔

"کون؟" اُس کے پوچھنے پر دوبارہ دستک ہوئی تو اُس نے جھنجھلا کر کتاب ایک طرف ڈالی، جھٹکے سے ساتھ پڑا دوپٹا اٹھا کر سر ڈھکا۔ اور پیروں میں سلپیرز پہن کر دروازے کی جانب آئی۔ اُسے پڑھتے وقت کسی کا ڈسٹرب کرنا زہر لگتا تھا۔ کہانی کا سارا سحر ہی ختم ہو جاتا تھا۔ اور دوسری یہ لوگوں کی دستک دے کر جواب نہ دینے کی عادت۔۔۔ اف!!

"منہ میں زبان۔۔۔" وہ جو کچھ سخت کہنے لگی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی چپ رہ گئی۔ سامنے وہ تھا۔۔۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کیے، سیاہ کوٹ ایک ہاتھ پر لٹکائے اور دوسرے میں کوئی شوپر پکڑے ہوئے۔ چہرے پر ہمیشہ کی مانند سنجیدگی تھی، مگر آنکھوں میں نرمی اور تھکن تھی۔ شاید وہ ابھی گھر لوٹا تھا۔ اُس نے خاموشی سے بلیک کلر کا شوپر اُس کے آگے کیا تو وفانے اپنی بائیں بھوں اٹھا کر اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ کہ اب یہ کیا ہے؟

"خود دیکھ لو۔" وفانے بنا کچھ کہے ہاتھ بڑھا کر شوپر پکڑا اور پھر اندر آئی۔ مگر وہ نہ آیا۔ اُس میں ایک نیا موبائل فون تھا۔ اُس نے حیرانگی سے باہر کھڑے شخص کو دیکھا۔ جس کی نظریں بھی اُسی پر جمی تھیں۔

"یہ تم کیوں لائے؟ میں اپنے لیے خود بھی لے سکتی تھی۔" وہ اُسے واپس بیگ میں ڈالتی ہوئی اُس تک آئی۔

"تم میرے ساتھ گئی تھیں۔ اُس وقت میری ذمہ داری تھیں۔ تمہارا نقصان ہوا تھا تو اُسے بھرنے بھی تو مجھے ہی چاہیے۔" اُس نے ایک گہری سانس لے کر وضاحت لیے تھی۔

"مگر میں یہ نہیں لے سکتی۔" اُس نے وہ واپس کرنا چاہا تھا۔

"میرا دیا ہوا آخری تحفہ سمجھ کر رکھ لو۔ آئندہ کچھ نہیں دوں گا۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولا تھا۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔ پھر سہیل خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ اور وہ اُسے جاتا دیکھنے لگی۔ راہداری چاروں طرف سے تھی۔ چکور شکل میں۔ سہیل کا کمرہ اُس کے بالکل سامنے والی راہداری میں تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اُسے بند کرنے کے لیے مڑا تو وہ بالکل سامنے وہیں کھڑی نظر آئی۔ اس مرتبہ سادگی سے اُسے دیکھتی ہوئی۔ وہ شخص اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ ہر روز بدلتا تھا۔ ہر روز ایک نیا تاثر۔ ایک نیا انداز۔

اُسے دیکھتے ہوئے سہیل نے دروازہ بند کر لیا تو وہ بھی ہر خیال جھٹکتی ہوئی اندر آ گئی۔

کچھ وقت بعد وہ تولیہ سے گیلے بال رگڑتا ہوا باتھ روم سے نکلا اور پھر اپنے بیڈ تک آیا۔ تولیہ لاپرواہی سے صوفے پر اچھالی اور سائنڈ ٹیبل پر رکھا اپنا فون اٹھایا۔ پل بھر میں اُس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ وہ فون ایکٹیویٹ کر چکی تھی۔ کرنٹ لوکیشن اختر منزل ہی تھی۔

(یہ مت کہو کہ تمہیں کوئی افسوس نہیں ہے۔ کیونکہ دوسروں کی اولادیں چھیننے والوں کے پاس خود کی بھی اولاد نہیں رہتی عالیہ۔ اور اگر رہتی بھی ہے، تو پھر وہ اولاد نہیں رہتی۔

آپ مجھے بددعا دے رہے ہیں؟

ساری زندگی تمہیں دعائیں دی ہیں بیٹا۔ جاؤ۔۔ آج ایک بددعا بھی سہی۔)

"بابا۔۔" گھبرا کر عالیہ اُٹھی تو دور کہیں سے فجر کی اذان سنائی پڑ رہی تھی۔ اُس کا چہرہ تر تھا۔ سانس بھاری ہو رہی تھی۔ ٹھنڈے پڑتے ہاتھوں سے ماتھے پر موجود پسینہ صاف کرتے ہوئے، اُس نے گہری گہری سانسیں لیں۔ چہرہ موڑ کر برابر سوتے اپنے شوہر کو دیکھا، اور پھر نماز کے لیے اُٹھ گئی۔ پہلے اُن کی باتیں صرف کبھی کبھی یاد آتی تھیں۔ لیکن کچھ وقت سے۔۔ وہ ہر وقت اُس کا پیچھا کرنے لگی تھیں۔ روز آہستہ آہستہ من میں خوف گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ گھبراہٹ اور تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

اذان بنا اواز کیے خاموشی سے کمرے میں داخل ہوا تو شزا کو ڈریسنگ کے آگے بیٹھ کر، اپنے بالوں کو سلجھاتے ہوئے پایا۔ وہ شاید کسی سوچ میں ڈوبی تھی۔ جیہی اذان کے اپنے قریب انا محسوس نہ کر سکی۔ اُس نے نرمی سے اُس کے ہاتھ سے کنگھی لی تو وہ اچانک

گھبرائی۔ پھر اُسے دیکھ مسکرا دی۔ وہ اُس کے پیچھے آیا اور آہستگی سے اُس کے بالوں میں کنگھی چلاتے ہوئے اُس کے بال سلجھائے۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں اذان؟" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"اپنی ناراض زوجہ محترمہ کو منانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اُس نے آئینے میں اُس کا عکس دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"لیکن آپ کی زوجہ محترمہ تو آپ سے ناراض ہیں ہی نہیں۔" اُس نے جیسے اُس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"اچھا! تو پھر کل رات سے مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہیں؟" وہ اُس کے سلجھے ہوئے بال اُس کی دائیں جانب ڈالے۔ اور پھر جھک کر شزا کے سر سے اپنی تھوڑی ٹکاتے ہوئے معصومیت سے شکوہ کیا۔ وہ ایکدم ہنس پڑی۔

"رہنے دیں اذان۔ اتنی معصومیت بھی آپ کے چہرے پر اچھی نہیں لگ رہی۔" اُسے ہنستا دیکھ وہ بھی ہنس دیا۔ پھر اپنی بائیں جانب آ کر بیٹھا۔ اور شزا کو سٹول کے ساتھ ہی اپنی طرف گھمایا۔

"ویسے آپ کو ایسا کیوں لگا کہ میں آپ سے ناراض ہوں؟"

"میں جانتا ہوں کہ تم نے کل رات میری باتیں سُن لی تھیں۔ میں تمہیں وضاحت دے سکتا ہوں۔" اذان نے اُس کے ہاتھ تھامے۔

"مجھے وضاحت نہیں چاہیے اذان۔ میں نے محبت سے پہلے آپ پر یقین کیا تھا۔ اگر پوری دنیا بھی آپ کے خلاف گواہی دے، میں تب بھی پہلے آپ کا یقین کرونگی۔" وہ لاجواب رہ گیا تھا۔ کیا وہ سچ میں اُس پر اتنا اعتبار کرتی تھی؟

"Thank you" ..

"For what"?

شرزانے نا سمجھی سے پوچھا تھا۔ اذان نے اُس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگایا۔

"For coming in my life".

اُس کے رخسار سُرخ ہوئے تھے۔ وہ بے اختیار چہرہ جھکا گئی۔ پھر اُسے اپنی کلائیوں پر کچھ محسوس ہوا تو اُسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ اذان بہت مُجت سے اُسے تازہ گلاب کے پھولوں کے گجرے پہنا رہا تھا۔ جو شاید وہ اُسے منانے کے لیے ہی لایا تھا۔

"اچھے لگ رہے ہیں ناں؟" شرزانے خوشی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اُس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں! اب زیادہ اچھا لگ رہے ہیں۔" وہ اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی۔ وہ ہر بار ہی اُسے مسکرا نے پر مجبور کر دیتا تھا۔

آج ناشتے کی میز پر روز کے مقابلے خاصہ خاموشی تھی۔ اذان آ کر اپنی گرسی پر بیٹھا اور ایک نظر ساتھ بیٹھی اپنی بیوی پر ڈالی۔

"کیا بات ہے؟ آج سب اتنے خاموش کیوں ہیں؟" احمد نے سب کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ سب کے ذہنوں میں مختلف معاملات چل رہے تھے۔ سبھی نے اُن کی طرف دیکھا تھا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا چاچو۔ لیکن مجھے پتا تھا کہ میرے بولتے ہی مجھے چپ کر دیا جائے گا۔" سسی نے کہہ کر ایک سینڈوچ کی بائٹ لی۔

"کیا ہوا ہے امی؟ کوئی بات ہے کیا؟" احمد نے اس مرتبہ سنجیدگی سے فراز نہ بیگم سے پوچھا تھا۔ جس کا جواب اُن کے شوہر نے دیا۔

"کل وفا واپس جا رہی ہے۔" بے اختیار شزا کا گلاس میں جوس ڈالتا ہاتھ تھما تھا۔ اذان نے بھی اچنک سے سامنے بیٹھی وفا کو دیکھا۔ ارزو کو چھوڑ کر سبھی کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ جیسے وہ پہلے سے جانتی ہو۔ نسیم نے سہیل کی جانب دیکھا تو وہ اُنہیں آہستہ سے اشارہ کر گیا۔ کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔

"کہاں جا رہی ہے؟ اور وفا بھلا کہیں کیوں جائے گی؟" شزرا بے چین ہوئی تھی۔

"کہیں نہیں شزرا۔ میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔" وہ بامشکل مسکرا کر بولی تھی۔

"اپنے گھر؟ تو پھر کیا یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟" اذان کو بھی یہ بات بری لگی تھی۔

"نہیں۔۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" اس مرتبہ شزرا نے اُسے صاف انکار کیا تھا۔

"میں جب چاہے وہاں جا سکتی ہوں شہزادی۔ وہاں میری ایک فیملی رہتی ہے۔ میرے ماں باپ رہتے ہیں۔" وفانے اپنا لہجہ نرم رکھا تھا۔ مگر شزرا اپنا ضبط کھو بیٹھی۔

"کون سی فیملی وفا؟ کون سے ماں باپ؟ تم شاید بھول رہی ہو کہ ہمارے ماں باپ بہت پہلے ہی مر چکے ہیں۔ تمہاری اصل فیملی یہ ہے۔ تمہاری اصل بہن میں ہوں۔ اگر تم اُن لوگوں کے ساتھ پہلے رہتی تھیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں بنتا کہ تم اُن کے پاس چلی جاؤ۔"

"شزرا!!" دادو نے اُسے ٹوکا تھا۔ وہ چُپ ہو گئی۔ سب اُسے بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔ اُسے اچانک خود کے زیادہ بول جانے کا احساس ہوا تھا۔ اور غلط بھی۔ وفا بالکل ساکت تھی۔ یہ وہ الفاظ تھے جن کی توقع وہ کم از کم شزرا سے تو کبھی نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی؟ یا پھر اس حویلی کے رشتوں میں قید کرنا؟

(تم نے اپنے لیے خائی خود خودی ہے لڑکی۔۔ تم صرف مُجت دینے والی بنی ہو، تمہیں اب مُجت ملے گی نہیں۔ شزرا تمہارے لیے کبھی اتنا نہیں کریگی جتنا تم اُس کے لیے کرتی ہو۔ اور پھر

تمہیں سمجھ آئیگا۔ کہ میں نے اصل میں اپنے حق کی محبت کیوں چھینی تھی۔) اُس نے بے یقینی سے عالیہ کی جانب دیکھا تھا۔ وہ حیران تھی۔ مگر پھر اُس کے دیکھنے پر نظروں ہی نظروں میں طنزیہ مسکرا دی۔ کہ دیکھا۔ میں ناں کہتی تھی؟ وفا کو لگا کہ اُس کے کسی اپنے نے پیچ سڑک پر اُس کے رکھ کر چاٹا مار دیا ہو۔ وہ اُن سے نظریں پھیر کر جھکا گئی۔ اُس نے ایک ساتھ کئی آنسو حلق سے نیچے اتارے تھے۔

"وہ وفا کا گھر ہے۔ اور ہمیشہ رہیگا۔ ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہم اُسے اُن سے ملنے سے روکیں۔" فراز نے بیگم نے سب کو سمجھایا تھا۔ نسیم نے بھی حامی بھرتے ہوئے کہا۔

"صحیح بات ہے۔۔ وہ اگر جانا چاہتی ہے تو جا سکتی ہے۔

مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔"

"اچھا چلو اب سب ناشتہ کرو۔ شزا بیٹا تم بھی کچھ کھاؤ۔ اور پریشان کیوں ہوتی ہو؟ وفا تو چند روز میں واپس آ ہی جائے گی۔" احمد نے ماحول ہلکا کرنا چاہا تھا۔ شزا سر ہلا گئی۔ مگر اب وفا نے جھکی نظریں اٹھائی تھیں۔

"میں چند روز میں واپس نہیں اونگی چاچو۔ میں ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔" اُس نے دل میں اُنہیں جواب دیا تھا۔ مگر زبان سے کچھ نہ بولی۔

"I am sorry wafa"

اُس کے سفید پڑے رنگ کو دیکھ شزا نے فوراً معذرت کی تھی۔

"It's okay".

وفا نے بھی سمجھ کر سر ہلا دیا۔ اور پھر خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ سب نے اُسے ایک ساتھ دیکھا تھا۔ شزا کا دل دھک سے رہ گیا۔

("نہیں وفا۔۔ شزا جذباتی ہے۔ اگر تو اس طریقے سے اٹھ کر چلی گئی تو وہ سب کی نظروں میں مزید شرمندہ ہو جائے گی۔") اُس نے خود کو سمجھا کر ایک گہری سانس لی۔ اور پھر مسکرا کر دوبارہ بیٹھ گئی۔ اس کی اس حرکت پر سہیل بھی حیران ہوا تھا۔ اُس لڑکی میں اُس کی سوچ سے زیادہ برادشت تھی۔

"کیا تم سچ میں کل چلی جاو گی؟" وہ اپنے کمرے میں موجود اپنے سامان کی پیکنگ کر رہی تھی جب ارزو نے افسردگی سے پوچھا۔

"تمہیں میری یاد آئے گی؟" وفا نے اپنی گلابی فراک کو بیگ میں رکھتے ہوئے سرمئی آنکھوں والی لڑکی کی طرف دیکھا تھا۔

"بہت۔۔ ایک بات پوچھوں؟" وہ اُمید سے پوچھ رہی تھی۔ وفا کے جانے کے خیال سے ہی اُس کا دل خالی ہو جاتا تھا۔

"تم واپس تو آوگی ناں؟" ارزو کے سوال پر سائڈ ٹیبل سے اپنے بالوں کا کلپ اٹھاتے ہوئے اُس کا ہاتھ تھما تھا۔ پھر وہ اُسے اٹھا کر بالوں میں لگاتے ہوئے اس لڑکی کے پاس صوفے تک آئی۔

"میں نہیں جانتی ارزو۔ لیکن میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں چاہے کہیں بھی رہوں۔ لیکن تم اور میں ہمیشہ دوست رہینگے۔" اُس نے ساتھ بیٹھی ارزو کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ ارزو مسکرا دی۔

"تمہیں پتا ہے وفا؟ میں ہمیشہ سے ایک بڑی بہن چاہتی تھی۔ اور تم میں مجھے ایک بڑی بہن دکتی ہے۔" وہ محبت سے کہتے ہوئے بے اختیار وفا سے لگی تھی۔ وفا ٹھہر گئی۔ کیا یہ وہی ارزو تھی جو پہلے اُس سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتی تھی؟ اور اب اُس میں اپنی بہن ڈھونڈھ بیٹھی تھی؟

اُس نے اہستہ سے مسکرا کر سارے خیال جھٹکتے ہوئے خود بھی اُس کہ گرد ہاتھ باندھ لیے۔ اُس کے حلق میں بہت سا پانی جمع ہونے لگا تھا۔ آہ! کاش اُسے سب کی محبتیں ایک ساتھ مل سکتیں۔

شرزا اندر آئی تو اُنہیں دیکھ رک گئی۔ ارزو اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتی ہوئی وفا سے الگ ہو رہی تھی۔ شرزا کو دیکھ مسکرا دی۔ اور پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" جواب میں وفانے سر ہلا دیا۔ تو وہ چلی گئی۔ اور وفا دوبارہ سے اٹھ کر اپنے کپڑے رکھنے لگی۔

"ارزو تم سے کچھ زیادہ ہی اٹیچ نہیں ہو گئی ہے؟" شزانے اُس کے پاس آتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا تمہیں جلن ہو رہی ہے؟" وفانے اُسے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ گڑبڑای۔

"مجھے کیوں جلن ہوگی؟ تم میری سگی بہن ہو۔ وہ میری جگہ کبھی نہیں لے سکتی۔" اُس نے جیسے اپنی value بتائی تھی۔ وہ پلٹ کر کچھ نہ بولی۔ شاید ناراض تھی۔

"آئی ایم سوری وفا۔ مجھے صبح سب کے سامنے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔" وہ جیسے ابھی تک شرمندہ تھی۔ وفانے ایک نظر اُسے دیکھا۔ اور اپنے کام میں مصروف رہی۔

"سب کے سامنے نہیں شزا۔" تمہیں وہ سب ہی نہیں کہنا چاہئے تھا۔" شزا کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری۔ اُسے ایک بار پھر شرمندگی ہوئی تھی۔

"لیکن میری بات تو غلط نہیں تھی۔ تمہاری اصل فیملی ہم ہی ہیں۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہی رہنا چاہئے۔ وہ ہماری جگہ نہیں لے سکتے۔" اُس نے جیسے خود کو سہی ثابت کرنا چاہا تھا۔ اس مرتبہ وفا سامان چھوڑ کر اُس کی طرف پوری گھومی۔

"بلکل۔ میرے لیے نہ وہ گھر اس گھر کی جگہ لے سکتا ہے۔ اور نہ ہی یہاں کے لوگ، اُن لوگوں کی۔ میں سمجھتی ہوں شزا کہ تم مجھ سے دور نہیں ہونا چاہتیں۔ لیکن تم بھی یہ سمجھ لو

کہ جس طرح تم میرے لیے اہم ہو اور میں تمہارے خلاف کچھ برداشت نہیں کر سکتی، اُسی طرح وہ بھی میرے لیے بہت اہم ہیں۔ اور میں اُن کے خلاف بھی کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔ "شزا لاجواب ہوئی تھی۔ وفا کے لہجے میں سختی نہیں تھی۔ لیکن چہرے کی سنجیدگی سے یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ بہت سیریس ہے۔ وہ سمجھ کر سر ہلا گئی تو وفا بھی مسکرا دی۔

"کیا میں تمہاری کچھ مدد کروں؟"

"نہیں! لگ بھگ سب ہو چکا ہے۔" اُس نے بیگ بند کرتے ہوئے اُس کی چین لگائی۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ تم کچھ ادھورا چھوڑ کر جا رہی ہو؟ کیا تمہارا انتقام پورا ہو گیا؟" وہ تھوڑا ٹھہر کر بولی تھی۔ وفا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"میں کچھ ادھورا چھوڑ کر نہیں جا رہی شہزادی۔ میں نے کہا ناں کہ لگ بھگ سب ہو چکا ہے۔ کم از کم اُس حساب سے ہو چکا ہے جیسا میں اپنی ذات سے کر سکتی تھی۔ اب بس ایک آخری وار باقی ہے۔"

"کیسا وار؟" شزا سمجھ نہ سکی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ وفا نے دو قدم اُس کے قریب آ کر اُس کے ہاتھ تھامے۔

"کیا میری ایک بات مانو گی؟" اُس نے آہستگی سے پوچھا تھا۔ دوسری لڑکی اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تُم کبھی بھی انتقام کے چکر میں مت پھنسنا شہزادی۔ کیونکہ ہم صرف ادنیٰ سے انسان ہیں۔ اور ہر چیز ہمارے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔ اس لیے تُم صرف خود پر توجہ رکھنا۔ اور شکر کرنا کہ اب تُم اکیلی نہیں ہو۔ تُم میں اعتماد ہے، ایک اپنی فیملی ہے اور ایک ہمسفر بھی ہے۔" شہزاد نے مسکراتے چہرے کے ساتھ حامی بھری تھی۔ پھر ہنس کر بولی۔

"کبھی کبھی تُم مجھے بالکل ماں کی طرح سمجھاتی ہو۔"

"اور تُم اچھے بچوں کی طرح سمجھ بھی جاتی ہو۔" وفانے بھی ہنس کر کہتے ہوئے اُس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔ دونوں ہی قہقہا لگا کر ہنس پڑیں۔

"میں کل بابا کے گھر جانا چاہتی ہوں نسیم۔ میرا بہت وقت سے دل چاہ رہا ہے۔" عالیہ نے اپنے ہاتھوں پر کریم لگاتے ہوئے اپنے فون میں مصروف شوہر سے کہا تھا۔ اُنہوں نے ایک نظر برابر میں بیٹھی اپنی بیوی کو دیکھا۔

"کیا تم واقعی وہاں جانا چاہتی ہو؟ جب کہ میں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں کہ اپنے ماضی کو یاد مت کیا کرو۔" نسیم نے نرمی سے سوال کیا تھا۔

"میں خود یاد نہیں کرتی نسیم۔ بس وہ سب میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں چاہ کر بھی نہیں بھول پاتی۔ کیا میں ایک بار اپنے گھر نہیں جاسکتی؟ شاید پھر مجھے بھولنے میں مدد مل جائے۔" وہ بہت اُمید سے کہہ رہی تھی۔ نسیم مسکرا دیے۔

"ٹھیک ہے۔ جیسا تُم چاہو۔ لیکن کل شاید تمہارا ڈرائیور چھٹٹی پر ہے۔ تُم اکیلی چلی جانا۔ اچھا ہے کچھ وقت اپنے ساتھ بھی گزار لو گی۔" اُنہوں نے کہتے ہوئے اُس کے رخسار پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ سمجھ کر سر ہلا گئی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"کل وفا بھی چلی جائے گی نسیم۔ آخر کار۔ میں پر سکون ہو جاؤ گی۔"

"بلکل۔۔ میں نے کہا تھا ناں کہ میں کچھ ضرور کرونگا۔ کل تمہاری ساری مُشکلات حل ہو جائیں گی عالیہ۔ تُم کل سے ایک پر سکون زندگی گزارو گی۔" وہ اپنی بات مکمل کر دوبارہ اپنے فون کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ تو وہ بھی خاموشی سے کریم سائڈ ٹیبل پر رکھ کر لیٹ گئی۔ آخر کار۔۔ اُسے اب پوری اُمید تھی کہ اُس وفانامی آفت سے اُس کی جان چھوٹ جائے گی۔

سفید حویلی کے ٹھنڈے سنگِ مرمر کی مانند فرش پر آگے بڑھتے ہوئے وہ لائبریری میں داخل ہوئی، تو کھڑکی سے نظر آتے لون کے منظر کو دیکھتے ہوئے شخص نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔

"مجھے معلوم تھا آپ اس وقت یہیں ہونگے۔" ارزو کہتے ہوئے آگے آئی تھی۔ سہیل نے کوئی جواب نہ دیا اور چہرہ دوبارہ موڑ لیا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا تو کپکپا کر ارزو نے اوڑھی ہوئی مہروں شال اور اچھے سے درست کی۔ اُسے ٹھنڈ بھی کچھ زیادہ ہی لگتی تھی، البتہ سہیل صرف سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس کی آستینیں بھی اُس نے موڑ رکھی تھیں۔

"آپ کو ٹھنڈ نہیں لگ رہی؟" اُس نے بال کان کے پیچھے کرتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔
"نہیں۔ مجھے اس وقت کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔" اُس کا لہجہ سادہ تھا۔ ارزو سمجھ نہ سکی۔ ہوا سے ٹیبل پر رکھی ڈائری کے پنے پھڑپھڑاے تو اُس کی توجہ کھینچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اٹھایا اور کھول کر دیکھا تو آنکھیں بے یقینی اور خوشگوار حیرت سے پھیل گئیں۔

"آپ poetry کب سے لکھنے لگے؟"

"بس ایسے ہی۔" سہیل عام انداز میں کہتے ہوئے تیزی سے اُس تک آیا اور اُس کے ہاتھ سے ڈائری لے کر واپس رکھ دی۔ ارزو نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ تھوڑا کنفیوزڈ سی اُسے دیکھنے لگی۔

"کیا تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟" سہیل نے اُس کی نظروں کو سمجھتے ہوئے پوچھا تھا۔ ارزو کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری۔ وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"کل وہ چلی جائے گی۔" اور اسی خیال سے سہیل کا دل خالی ہو جاتا تھا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ کیسا رد عمل ظاہر کرے۔ اس لیے رخ موڑ گیا۔

"تو جانے دو۔ وہ جانے کے لیے ہی آئی تھی۔" اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا تھا۔ ارزو کا دل ڈوب کر اُبھرا۔

"کیا ہم اُسے روک نہیں سکتے؟ مجھے ڈر ہے کہ شاید وہ دوبارہ کبھی نہ لوٹے۔"

"اگر روکنا ممکن ہوتا تو میں اُسے کبھی جانے نہ دیتا۔" وہ بہت آہستہ آواز میں بولا تھا۔ شاید افسوس سے۔ یا شاید تکلیف سے۔ ارزو ساکت رہ گئی۔

"کیا آپ وفا کو پسند کرتے ہیں؟" وہ حیرانی اور بے یقینی سے بولی تھی۔ کچھ لمحے درمیان میں خاموشی حائل رہی۔ نہ جانے اُس کے اندر کیا چل رہا تھا۔

"پتا نہیں۔۔ لیکن جب وہ میرے ساتھ ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ مانو وقت تھم گیا ہو۔ مگر وقت صرف میرے لیے تھمتا ہے۔ اُس کے لیے تو شاید کبھی تھما ہی نہیں۔" یکدم داخل ہوتے ہوا کے جھونکے سے ٹیبل پر رکھی سفید کتاب کھل گئی، اور پننے پلٹنے لگے۔

"اگر یہ سچ ہے تو آپ کچھ کرتے کیوں نہیں؟ کم از کم اُسے بتا تو دیں۔" ارزو نے آگے آتے ہوئے کہا تھا۔ مانو اُسے منانے کے لیے ضد کر رہی ہو۔ وہ مسکرا دیا۔

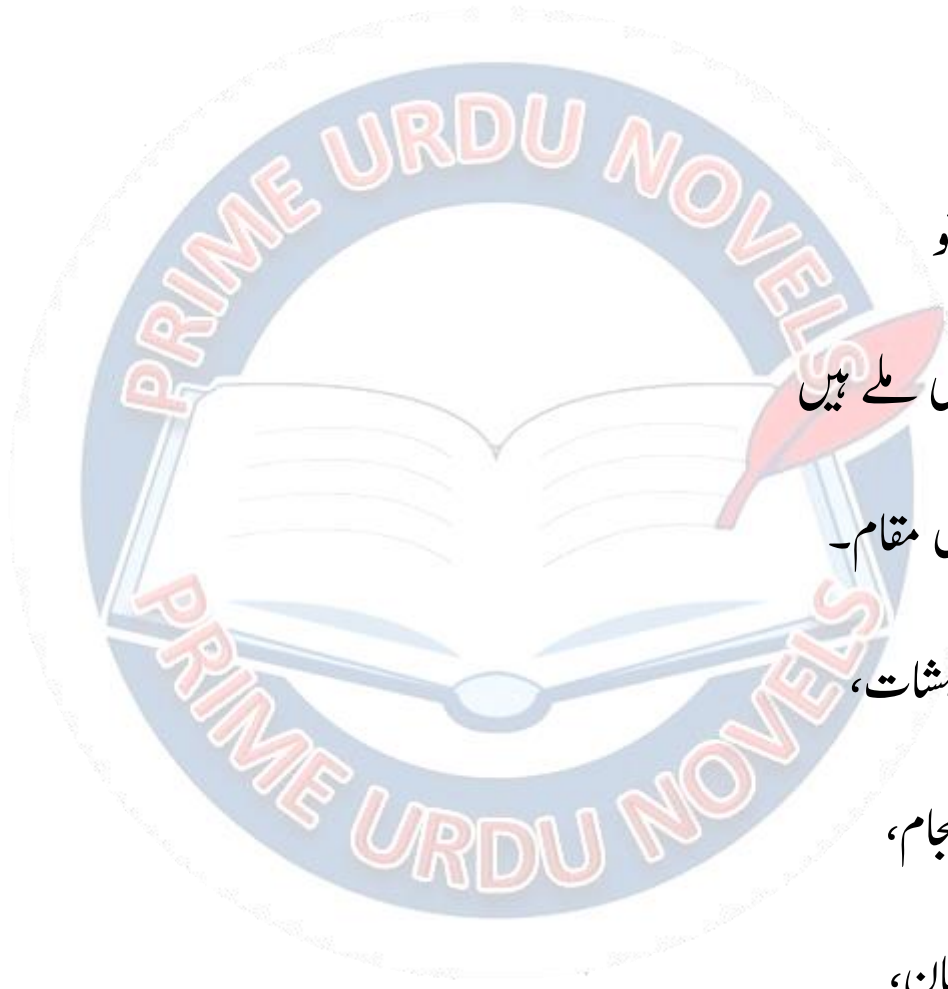
"بعض خواب، خواب ہی اچھے لگتے ہیں ارزو۔ ہر خواب کی تعبیر خوبصورت نہیں ہوتی۔ سہیل اور وفا ایک ہی کہانی کے دو مختلف پہلو ہیں۔ ہماری راہ تو ایک ہو سکتی ہے، مگر منزل ایک نہیں ہو سکتی۔"

اور ویسے بھی۔۔ کسی خوفناک انجام سے تو بہتر یہی ہے ناں کہ ہم خوبصورتی سے ایک نئے سفر کا آغاز کر لیں۔ "اُس نے اپنی بات مکمل کر ارزو کو دیکھا تھا۔ وہ اُسے سمجھانا چاہتا تھا کہ بعض کہانیاں ادھوری ہی اچھی لگتی ہیں۔"

ارزو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے، اور پھر بند کر لیے۔ وہ غلط نہیں تھا۔ بس شاید بہت سکون سے سچ بیان کر رہا تھا۔

وہ اُسے دیکھ مسکرایا تو وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ سہیل نے اُسے افسردگی سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی۔ بس ماننا نہیں چاہتی تھی۔ پھر اُس نے بھی کھڑکی بند کر ہوا کا راستہ روک دیا۔ اور ٹیبل پر رکھی سفید کتاب اٹھاتے ہوئے صوفے پر جا کر لیٹ گیا۔ اُس نے کتاب کھولی تو پہلے ہی صفحہ پر "مقدّر" نام صاف دکھائی پڑنے لگا۔

باب۔ ۱۵



تم غور کرو تو جانو
مکمل جہاں کو بھی ملے ہیں
بہت سے نہ مکمل مقام۔
کچھ ادھوری خواہشات،
کچھ ادھورے انجام،
کچھ ادھوری داستان،
تو کچھ ہم ادھورے انسان۔

"اپنا خیال رکھنا۔" سائنڈ ٹیبل سے اپنی گھڑی اٹھا کر باندھتے ہوئے اذان نے شزا سے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے فون اٹھا کر جیب میں ڈالا اور قدم اٹھاتا ہوا اُس تک آیا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہاری یہ خاموشی کیا کہہ رہی ہے۔ تم فکر نہ کرو شہزادی۔ سب ٹھیک ہوگا۔" وہ اُسے یقین دلاتا ہوا آہستہ سے مسکرایا تھا۔

"لیکن پھر بھی بس میرا دل گھبرا رہا ہے اذان۔ آج بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔" اُس نے گہری سانس لے کر افسردگی سے کہا تھا۔ اذان نے نرمی سے اُس کے ہاتھ تھامے۔

"میں نے صرف آج کے دن کے لیے بہت انتظار اور محنت کی ہے شزا۔ آج رئیس کی گردن میرے ہاتھ میں ہوگی۔ تم میرے لیے دعا کرو گی ناں؟" اُس نے بہت اُمید سے پوچھا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ اور آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا۔

"آپ میری آخری سانس تک میری دعاؤں کا حصّہ ہو اذان۔"

"اور تم میری۔" اُس نے جواب میں کہتے ہوئے محبت سے اُس کا ماتھا چوما تھا۔

داہنے ہاتھ کی دوسری اونگلی میں چمکتی ہوئی اپنی سُرخ انگوٹھی کو دیکھ وہ فخریہ انداز میں سر اٹھائے آگے بڑھ رہی تھی۔ سُرخ اور سیاہ رنگ کے کنٹراسٹ کا جوڑا تن پر سجا تھا اور بال

جڑے میں قید تھے۔ کسی ملکہ کی مانند چال چلتی ہوئی وہ اُس کے کمرے کے دروازے کے سامنے آرکی اور پھر گہری سانس لے کر اندر داخل ہوئی۔

وہ جو اپنے سیاہ حجاب میں پن لگا رہی تھی، آئینے میں اُن کا عکس دیکھ کر اہستہ سے مسکرائی۔
"اچھا ہوا آپ آگئیں۔ میں ویسے بھی آپ سے ملے بنا نہیں جاتی خالہ جان۔" وفانے خوشی سے کہتے ہوئے اُن کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ جواباً وہ بھی طنزیہ ہنسی۔

"بلکل! آخر تمہیں ہارتا ہوا دیکھنے تو مجھے آنا ہی تھا۔"

"کیا میں آپ کو ہاری ہوئی لگ رہی ہوں؟" وفانے آگے ہاتھ باندھ کر دلچسپی سے اُسے دیکھا تھا۔

"ہاں! بہت بری طرح سے۔"

"یہ آپ کی بھول ہے خالہ۔ ہارے ہوئے لوگ میرے جیسے مضبوط نہیں ہوتے۔ وہ کمزور پر چکے ہوتے ہیں۔ آپ کی طرح۔" وہ لا پرواہی سے کہتی ہوئی بیڈ پر بیٹھی اور دل کھول کر مسکرائی۔

"نہ میں تمہاری خالہ ہوں۔ اور نہ ہی میں ہاری ہوں۔ میں کل بھی یہیں تھی اور آج بھی یہیں ہوں۔ میرا تخت سلامت ہے۔" عالیہ کو تھوڑا غصہ آیا تھا۔ وفا کچھ لمحے اُسے غور سے

دیکھتی رہی۔ پھر اُٹھی اور بہت آرام سے عالیہ کو اپنے ساتھ بیٹھایا۔ وہ حیرانی سے اُسے دیکھنے لگی جو اب بہت نرمی سے کہہ رہی تھی۔

"آپ جاننا چاہتی تھیں ناں کہ میں یہاں کیوں آئی تھی؟ آپ نے ہر طرف دماغ گھمایا لیکن خود کو نظر انداز کر دیا۔ دیکھیں۔۔ میں جس کے لیے آئی تھی آج وہ عورت میرے سامنے موجود ہے۔" عالیہ کچھ نہ بولی۔ اُسے بس دیکھنے لگی۔

"جی۔ میں یہاں آپ کے لیے آئی تھی خالہ۔ سوچا تھا ایک وقت گزر چکا۔ شاید آپ کو احساس ہو کہ آپ نے کیا کیا ہے؟ شاید آپ مجھ سے میری ماں جیسی نفرت نہ کریں۔ لیکن میرا وہ بھرم بھی آپ نے توڑ دیا۔ تو بس۔۔ میں نے آپ کو توڑ دیا۔

آخر دوسروں کا خون بہانے والوں کو بھی تو پتا چلے کہ اصل خون دکھتا کیسا ہے۔" عالیہ کی آنکھوں میں سرخی اُتری تھی۔

"مجھے پورا یقین تھا کہ وہ تُم نے ہی کیا تھا۔ مگر افسوس۔۔ تُم اُس دن پھر بھی مجھ سے اعترافِ جرم نہیں کرا سکیں۔

زویا نے میرے حصے کی مُجت مجھ سے چھینی تھی۔ میں نے اُس سے اُس کی زندگی چھین لی۔ کیا غلط کیا؟" اپنی بات مکمل کر عالیہ ذرا سا مسکرائی تھی۔ وہ ایک ٹک اُنہیں زخمی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"ہم!! آپ نے مجھ سے میرے ماں باپ کو چھینا تھا۔ میں نے آپ سے آپ کی اولاد کو چھین لیا۔ کیا غلط کیا؟" عالیہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی تھی۔

"جو شخص ایک بار میرے دل سے اُتر جاتا ہے ناں۔ وہ اُتر جاتا ہے۔ پھر چاہے وہ آگ بنے یہ راکھ، میرے لیے وہ خاک سے بدتر ہے۔

اور عالیہ مبین میرے دل سے بہت پہلے ہی اتر چکی ہیں۔" اُس نے آخری بات بہت زور دے کر کہی تھی۔ نفرت اور تکلیف سے بھرپور آواز میں۔

"وفا۔۔" عالیہ نے اُسے ٹوکا تھا۔

"آواز نیچی۔۔" وہ بھی فوراً بولی تھی۔ عالیہ صرف ضبط کر کے رہ گئی۔

"آواز نیچی عالیہ مبین۔۔" تم سمجھتی رہیں کہ میں تمہاری دشمن ہوں۔ مگر افسوس۔۔ میں تو تم جیسی عورت کو اپنا دشمن بھی نہ بناؤں۔

میں تمہیں صرف تنہا کرنا چاہتی تھی۔ ویسے ہی جیسا تنہا تم نے مجھے کیا تھا۔ لیکن تم تو پہلے سے ہی تنہا ہو۔ تم جس کے پیچھے بھاگتی ہو اُسے تم سے کوئی مُجت نہیں۔ اور جنہیں تھی۔۔ اُن کے اور تمہارے درمیان کا فاصلہ بہت گہرا ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی طنزیہ ہنسی تھی۔ اور عالیہ کو وہ خود پر ہی ہنستی ہوئی لگی تھی۔

"آنکھیں کھولو یار۔۔ دیکھو اپنے ارد گرد۔

اور میرا یقین کرو۔ میں نے تم سے زیادہ تنہا آج تک کسی کو نہیں پایا۔ میں تم سے اب چھینوں بھی تو کیا چھینوں؟ تمہارے پاس تو اب کچھ بھی نہیں۔ مجھے اب تم سے نفرت نہیں ہوتی۔ بلکہ مجھے اب تم پر ترس آتا ہے۔ بہت ترس۔ "عالیہ بھی بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ جذبات کی شدت سے اُس کی سانس بھاری ہونے لگی تھی۔ خوف اور ذلت سے چہرہ دھک اٹھا تھا۔

"میں تو تمہیں صرف ہارتا دیکھنا چاہتی تھی یار۔"

تم بہت بری طرح سے ہار گئیں۔ "اُس نے آخری ضرب لگائی تھی۔ آنکھوں میں تکلیف اور ہوں مٹھوں پر مسکراہٹ لیے۔

پھر آگے بڑھ کر اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور بڑے بیگ کا ہینڈل پکڑ کر گھسیٹا۔ عالیہ اُسے بت بنی صرف گھورتی رہی۔

"چلتی ہوں خالہ۔ اور ساتھ یہ بھی دعا کرتی ہوں کہ اب تو آپ سے آمنا سامنا روزِ قیامت بھی نہ ہو۔" اُس نے اپنی بات مکمل کر دروازے کی جانب قدم بڑھا دیے۔ بے اختیار ایک موتی آنکھ سے ٹوٹ کر سفید رخسار کو بھگو گیا تھا۔ البتہ آج دل خاموش تھا۔ بالکل خاموش۔

وفانے حویلی کے دروازے پر قدم رکھا تو بے اختیار سہیل کا خیال ذہن میں آیا۔ وہ سب سے مل چکی تھی، بس وہی رہ گیا تھا۔ پھر سر جھٹکتی ہوئی آگے بڑھ آئی تو کچھ فاصلے پر ہی قدم زنجیر ہوئے۔ وہ اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ کسی سے فون پر بات کرتا ہوا۔ پھر بات ختم کر مڑتے ہوئے اُس کی نظر وفا پر پڑی تو آہستہ سے مسکرایا۔ وہ بھی آگے بڑھ آئی۔

دسمبر کے مہینے میں آفتاب کی بہت ہلکی سی دھوپ خلی تھی۔ سبز گھاس بھی شاید نمی کے باعث ہی گیلی تھی۔ وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ صرف مسکراتے ہوئے۔ کچھ لفظ تولتے ہوئے، تو کچھ بولنے کی سوچتے ہوئے۔

"تو آخر کار تم جا رہی ہو۔"

"ہاں!" جواب میں اُس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"تمہارے جانے کی سب سے زیادہ خوشی مجھے ہی ہوگی۔ (اور شاید تکلیف بھی)۔" سہیل نے اُسے چھیڑا تھا۔

"جانتی ہوں۔ تمہارے چہرے پر سچی مسکراہٹ یہ صاف ظاہر کر رہی ہے۔" اُس نے بھی طنز کیا تھا۔ وہ صرف دل میں گہری آہ بھر کر رہ گیا۔ وہ سب کی آنکھیں پڑھ لیتی تھی۔ کاش! اُس کی بھی پڑھ پاتی۔

"کیا تم مجھے روکنا چاہتے ہو؟" اُس نے اچانک پوچھا تھا۔ سہیل کا دل زور سے دھڑکا۔ کیا اُس نے سچ میں پڑھ لیا تھا؟

"اگر تُم رُکنا چاہتی ہو، تو ہاں!"

اور اگر جانا چاہتی ہو، تو نہیں!" وہ صرف ہنس دی۔ اور پھر پلٹنے لگی، تو رکی۔

"اگر میری وجہ سے کبھی تمہارا دل دُکھا ہو، تو سوری۔" اُس نے سادگی اور نرمی سے کہا تھا۔ وہ جواب میں مسکرایا۔

"میری طرف سے بھی۔" پھر تھوڑا رک کر کہا۔

"ایک بات کہوں؟"

"ہمم؟"

"I will miss you..My female version".

اُس کی آواز میں پتا نہیں ایسا کیا تھا؟ وہ سمجھ نہ سکی۔ مگر صرف سر اثبات میں ہلا گئی۔

"And I will never forget you..Mr.Villain".

جواب میں سہیل بھی صرف اُسے دیکھنے لگا۔ اب وہ پلٹی اور اختر منزل سے دور جانے لگی۔ پتا نہیں کیا تھا جو اسے بے چین کیے ہوئے تھے۔ مگر وہ ذہن سے ہر خیال جھٹکتی ہوئی، دل کی ہر

اواز بند کرتی ہوئی، آگے بڑھ گئی۔ اور وہ ہلکی مسکراہٹ لیے اُسے جاتا دیکھتا رہا۔ اگر مقدر میں ایسے لکھا تھا؟ تو ایسے ہی سہی۔

اُس کے جانے کے کچھ وقت بعد ہی عالیہ بھی گاڑی لے کر نکل گئی تھی۔ ارزو نے اُسے اواز بھی لگائی، مگر اُس نے نہ سنی۔ جیسے کسی اور دنیا میں ہو۔ اپنے ہی کھیلوں کی پہلیوں سے جو جھتی ہوئی۔

اُس نے آخر میں اپنا ہر خیال جھٹکتے ہوئے چوڑی سڑک پر پھسلتی ہوئی سفید رنگ کی گاڑی کی رفتار تیز کی۔ اُس نے سوچ لیا تھا۔ یہ سب بس آج اور۔ پھر نہ وہ کبھی ماضی کے بارے میں سوچا کریگی، اور نہ ہی مستقبل کے لیے فکر مند ہوا کریگی۔

خیالوں سے نکلی تو اُسے محسوس ہوا کہ شاید وہ رفتار زیادہ تیز کر بیٹھی ہے۔ تو فوراً بریک پر پاؤں رکھ کر اُسے دبایا۔ مگر افسوس۔

کوشش ناکامیاب۔

عالیہ نے اس مرتبہ اپنی پوری توجہ بریک کی جناب مرقوض کی تھی۔ مگر وہ کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ وہ گھبرائی تھی۔ سڑنگ پر اُس کے ہاتھ کی گرفت بے اختیار سخت ہوئی۔ آنکھوں میں خوف لہرایا تھا۔ گہری سانس لے کر خود کو ہمت دلاتے ہوئے اُس نے بایاں موڑ لیا تاکہ کم

بھیڑ والے راستے پر رہے۔ پھر اپنے ایک ہاتھ سے ہی بیگ سے فون نکال کر نسیم کو کال ملائی۔ مگر افسوس۔

دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اُس نے دوبارہ کوشش کی تو دوسری جانب سے نسیم کی آواز سنائی پڑی۔

”مجھے پتا تھا عالیہ کہ تُم مجھے ضرور کال کرو گی۔“

”نسیم۔۔۔ نسیم۔۔۔ گاڑی کے۔۔۔“

”گاڑی کے بریکس خراب ہو گئے ہیں۔ اور کچھ؟“ اُنہوں نے پرسکون لہجے میں کہتے ہوئے اُس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔ وہ بے یقین رہ گئی۔

”نسیم؟“ عالیہ نے آہستہ آواز میں پکارا تھا۔ جواب میں مخالف کا قبضہ سنائی دیا۔

”ہاں عالیہ۔۔۔ یہ میں نے ہی کروایا ہے۔ کیونکہ میں تمہیں اب اور برداشت نہیں کر پا رہا۔“

”برداشت نہیں کر پا رہے؟ مزاق کر رہے ہو کیا؟ میں بیوی ہوں تمہاری۔ تمہارے بچوں کی ماں ہوں۔ تمہاری مُجت۔۔۔“

"وہ صرف زویا تھی۔" اُس شخص نے ایک مرتبہ پھر اُس کی بات کاٹی تھی۔ اور شاید اس مرتبہ دل بھی کاٹ دیا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ اپنی سماعت پر اعتبار کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

"تُم نے اپنے ہی شوہر کو پہچاننے میں بڑی غلطی کر دی عالیہ۔ میں تو اپنی محبت کو بھی قتل کروانے سے پیچھے نہ ہٹا۔ تو کیا تُمہیں راستے سے ہٹانے میں مجھے وقت لگے گا؟ تُم میرے لیے اتنی اہم کب سے ہو گئیں؟"

اہم کب سے ہو گئی؟ مگر وہ تو سمجھتی تھی کہ وہ صرف نسیم کے لیے ہی اہم ہے۔ سب رک گیا تھا۔ ٹھہر گیا تھا۔ گیلی آنکھوں سے نظر آتا ہوا سڑک کا منظر۔۔ ارد گرد کی آوازیں۔۔ وہ لمحات۔۔ سب کچھ۔ آج ایک مرتبہ پھر۔۔ آج پھر زویا۔۔ عالیہ سے زیادہ اہم ٹھہری تھی۔

"نسیم۔۔ تم مزاق کر رہے ہو ناں؟ دیکھو یہ مت کہو۔ پلیز! پلیز یہ مت کرو۔۔ میں۔۔ میں برداشت نہیں کر پا رہی۔" اُس کی آواز بھیک چکی تھی۔ لہجہ لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ اُس شخص کے سامنے گڑ گڑا رہی تھی۔

(تُم تو پہلے سے ہی تنہا ہو۔ تُم جس کے پیچھے بھاگتی ہو اُسے تُم سے کوئی مُجت نہیں۔ اور جنہیں تھی۔۔ اُن کے اور تمہارے درمیان کا فاصلہ بھی گہرا ہے۔)

"یہ مزاق نہیں، سچ ہے۔ سب کچھ میرے حساب سے ہو رہا ہے۔ میں اس شطرنج کے کھیل کا بادشاہ ہوں۔ اور اب مجھے اس ملکہ کی کوئی ضرورت نہیں۔" نسیم کے لہجے میں بے رحمی تھی۔ غرور تھا۔ وہی جو رائے داؤد کے سامنے عالیہ میں نظر آیا تھا۔

"یہ مت کرو نسیم۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔" وہ پھر گڑگڑائی تھی۔ اور اُسے اُس وقت زویا کا گڑگڑانا یاد آیا تھا۔

(عالیہ۔۔ رک جاؤ۔ پلیز۔۔ ایسا نہ کرو۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔)

"فرعونوں کے منہ سے اللہ کی باتیں اچھی نہیں لگتی عالیہ۔" اُس شخص نے جیسے اُس کا مزاق بنایا تھا۔ مگر اُسے لگا کہ کہا تو سچ ہی ہے۔

(تم جیسی فرعون صفت ہستی کے سامنے زندگی کی بھیک مانگنے سے زیادہ میں عزت کی موت پسند کرتی ہوں۔)

"اب میں فون بند کر رہا ہوں۔ الوداع! مسز نسیم اختر۔"

(تم نے وہ اپنی نفرت میں کیا تھا بابا کی جان۔ تم نے وہ اُس شخص کی اندھی محبت میں کیا تھا جو تمہارا کبھی نہیں ہوگا۔)

"بابا ٹھیک تھے۔ وہ بالکل ٹھیک تھے۔ اُن کی بیٹی اتنی ظالم کبھی نہیں تھی۔ وہ تو تمہاری بیوی تھی۔ وہ تو مجھ میں تم تھے۔ صرف ایک تمہیں جیتنے کی خاطر۔۔۔ میں تو خود کو ہار بیٹھی۔"

(آپ مجھے بددعا دے رہے ہیں؟)

ساری زندگی تمہیں دعائیں دی ہیں بیٹا۔ جاؤ۔۔ آج ایک بددعا بھی سہی۔)

اور اُسے لگا تھا۔۔ کہ آج وہ بددعا واقعی اُسے لگ چکی تھی۔ اسے اُس وقت۔۔ سب سے زیادہ اگر کوئی یاد آیا تھا۔ تو وہ اُس کے بابا تھے۔ وہ واحد مرد۔۔ جس نے اُس سے سب سے زیادہ محبت کی تھی۔

"مگر افسوس۔۔ تم بھی مجھے پہچاننے میں غلطی کر گئے۔" وہ گال پر پھسلتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان بہت آہستہ سے مسکرائی تھی۔ بلکل کسی ملکہ کی مانند۔
ابھی صرف اُس ملکہ کا جادو ٹوٹا تھا۔ لیکن وہ خود نہیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" نسیم کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ وہ اپنی سیٹ پر سیدھے ہو کر بیٹھے۔

"آجائیکا۔ تمہیں بہت اچھے سے سمجھ آ جائے گا۔ مطلب بھی۔۔ اور یہ ملکہ بھی۔ تم نے مجھے بربادی کی طرف دھکیلا تھا۔ آباد تو میں تمہیں بھی نہیں رہنے دوں گی۔" ملکہ نے اپنے خاص انداز میں کہتے ہوئے فون کاٹ دیا تھا۔ نسیم نے اُلجھ کر نا سمجھی سے اپنے فون کو دیکھا تھا۔

ایک گھنٹے بعد۔۔

"سب تیار ہے ناں؟" ٹیبل سے گن اٹھاتے ہوئی پولیس یونیفارم میں اذان نے سامنے کھڑے عظیم سے پوچھا تھا۔ اُس نے جواباً اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں! رئیس کی لوکیشن اب بھی وہی آ رہی ہے۔"

"گڈ! آج شام تک رئیس جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گا۔ انشاء اللہ۔" اذان کے کہنے پر عظیم نے بھی مسکرا کر حامی بھری تھی۔ مگر فون میں کچھ دیکھتے ہوئے اذان کے ماتھے پر اچانک نا سمجھی کے بل پڑے تھے۔ اُس نے فون کی آواز تیز کی اور وائس میسج پلے کیا۔

وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلا تو شزا کو بے چینی سے راہداری میں ٹھلتے دیکھا۔ اُس کی سہیل پر نظر پڑی تو وہ فوراً اُس تک آئی۔

"سہیل بھائی۔۔ وہ۔" وہ خاصہ پریشان لگ رہی تھی۔ سہیل نے اُسے شانت رہنے کا اشارہ کیا۔

"کیا ہوا؟"

"میں وفا سے بات کر رہی تھی کہ وہ گھر پہنچی یا نہیں۔ مگر راستے میں۔ بات کے درمیان ہی عجیب سے شور گل کی آوازیں آنے لگیں اور پھر کال کٹ گئی۔"

"کیا؟" اُسے بھی کافی حیرانی ہوئی تھی۔

"ہاں! میں کافی بار کوشش کر چکی ہوں لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہی۔ میں نے زنیہ آپنی سے پوچھا مگر وہ ابھی تک وہاں بھی نہیں پہنچی۔" بہن کے لیے فکر مندی اُس کے لہجے میں صاف جھلک رہی تھی۔ سہیل نے اُسے تسلی دینا چاہی۔

"کوئی بات نہیں۔ شاید راستے میں ہوگی۔" جواب میں شزانے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"لیکن وہ آوازیں بہت عجیب سی تھیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُس پر دوبارہ تو ہمد۔۔۔" اُس نے کہتے ہوئے اپنی بات روک دی۔

"میں کچھ کرتا ہوں۔" تم پریشان مت ہو۔ "وہ اُس سے کہتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب بڑھا تھا۔ اپنا فون نکال کر اُس نے وفا کے فون کی لوکیشن چیک کی تھی۔

نسیم اپنی اسٹڈی میں گرسی سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ چہرے پر سکون تھا۔ کوئی جنگ جیت لینے کا سکون۔

مگر ایک دم زور سے کھلتے ہوئے اسٹڈی کے دروازے نے اُن کے سکون میں خلل پیدا کیا۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو بے انتہا سنجیدہ تاثرات کے ساتھ سہیل اندر آتا دکھائی دیا۔

"وفا کہاں ہے بابا؟" اُس نے اُن کے ٹیبل کے قریب آتے ہی فوراً پوچھا تھا۔ نسیم کے ماتھے پر بل پڑے۔ اور وہ تھوڑا آگے ہوئے۔

"یہ تمہارے لہجے کو کیا ہوا ہے؟ اور تم اُس لڑکی کا مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ وہ تو یہاں سے جا چکی ہے۔"

"مگر وہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچی اور اُس پر راستے میں ہملہ ہوا ہے۔ جو یقیناً۔۔۔ آپ نے ہی کروایا ہے۔" اُس کا انداز دو ٹوک تھا۔

"تو ہو گیا ہو گا۔ شاید رئیس۔۔۔"

"رئیس کا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اگر کچھ کریگا تو صرف آپ کے کہنے پر۔ اور یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" اُس نے درمیان نے ہی اُن کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ جواب میں نسیم نے گُرسی سے سر ٹکیتے ہوئے قہقہا بلند کیا تو سہیل نے ضبط سے مٹھیاں بند کیں۔

"تم درست ہو۔ لیکن ایک بات بھول رہے ہو کہ تمہاری ڈور ابھی بھی میرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہو گا کہ اُس لڑکی کو بھول جاؤ۔" دوسری جانب کھڑے شخص نے مسکرا کر آگے ہاتھ باندھے۔ اور انہیں بہت سکون اور دلچسپی سے دیکھا۔

"میری ڈور اب آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے بابا۔ بلکہ آپ کی ڈور میرے ہاتھ میں ہے۔ میں اب اُنیس سال کا کمزور اور بے بس لڑکا نہیں ہوں جو آپ کے ہر حکم کو بجالانے کا پابند تھا۔ اب آپ کے سامنے ایک پچیس سال کا مرد کھڑا ہے۔ جو پل بھر میں آپ کا تخت اُلٹنے کی پوری طاقت رکھتا ہے۔"

"سہیل۔۔۔ اپنی حد میں رہو۔" وہ بلند آواز میں چیخے تھے۔ مگر وہ پھر بھی اُسی طرح کھڑا رہا۔

"اپ ہی نے مجھے سکھایا تھا کہ وہ صرف ہیر و ہوتا ہے جو صحیح اور غلط میں چنتا ہے۔ لیکن ولن کے لیے ایسا کوئی rule نہیں ہوتا۔ وہ اپنے rules خود بناتا ہے۔" پھر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اُن کے ٹیبل پر ٹکائے اور آگے کو جھکا۔

"اور میں ایک ولن ہوں۔"

"تم اپنے بابا کو دھوکہ دے رہے ہو؟" وہ بے یقین تھے۔ پہلی مرتبہ۔۔۔ نسیم اختر بے یقین تھا۔ سہیل کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری۔

"نہیں! میں اُس شخص کو دھوکہ دے رہا ہوں جس نے اپنے بچوں سے اُن کا سب کچھ چھین لیا۔ اللہ نے آپ کو چار اولادیں دی تھیں بابا۔ مگر افسوس! آپ ایک کے بھی باپ نہ بن سکے۔" وہ لاجواب رہ گئے تھے۔ آج انہی کے ہتھیار (weapon) نے انہی پر وار کیا تھا۔ اور تکلیف پورے جسم کو پہنچی تھی۔ پھر وہ بے اختیار کھڑے ہوئے تو وہ بھی سیدھا ہو گیا۔ اب چہرے پر سنجیدگی نہیں تھی۔ صرف نفرت تھی۔ اور نسیم اختر نے سہیل کی آنکھوں میں خود کے لیے نفرت پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔

"تُم چاہے جو بھی کر لو۔ رئیس اُس لڑکی کو تمہارے حوالے کبھی نہیں کریگا۔ تُم میرے بنا کچھ نہیں کر سکو گے۔" وہ اُسے دھمکا رہے تھے۔ جیسے وہ سچ میں ڈر جائیگا۔

"وہ کریگا۔ کیونکہ وہ میری واحد خوشی ہے۔ اور میں اپنی خوشی کسی کو چھیننے نہیں دوں گا۔ کم از کم اس مرتبہ تو کسی کو بھی نہیں۔ چاہے اس کے لیے مجھے کسی کی جان بھی کیوں نالینی پڑے۔" وہ پورے اعتماد سے اپنی بات مکمل کر کے جانے لگا تھا۔ کہ اپنی پشت سے نسیم کی سخت اور حیران آواز سنائی دی۔

"تُم اُس کے لیے قتل تک کرنے کو تیار ہو؟" اُس کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ رکا اور چہرہ موڑ کر اُنہیں دیکھا۔

"آپ میری نظر سے دیکھیں تو جانے۔۔ وہ اس قابل ہے کہ اُس کے لیے قتل کیا بھی جائے۔ اور قتل ہوا بھی جائے۔" پھر وہ مزید لمحوں کی دیری کیے بنا باہر نکل گیا۔ مگر جاتے

وقت پوری طاقت سے دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔ نسیم دروازے کی تیز آواز کو سنتے ہوئے بے اختیار اپنی گرسی پر لڑکھڑا کر بیٹھ گئے۔ پل بھر کا وقت لگا تھا۔ اور اُن کے ہاتھوں سے پورا کھیل نکل چکا تھا۔ دوپہر بیتنے لگی تھی۔ اب شام کی باری تھی۔ اُن کی اسٹڈی کی کھڑکی سے نظر آتا ہوا ٹھنڈ کے ماہ کا آفتاب بھی آہستہ آہستہ ڈھلنے کے قریب جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ۔۔ اپنے انجام کی جانب۔

جسم میں اٹھتی درد کی لہریں شدید تھیں۔ سانس لینے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی دم گھٹ سا رہا تھا۔ ہر سواندھیرا تھا۔ گہرا اندھیرا۔ کوشش اور چاہ کے باوجود بھی آنکھیں نہ کھلتی تھیں۔ کانوں میں عجیب آوازیں آرہیں تھیں۔ جیسے کوئی بات کر رہا ہو۔ مگر کیا؟ ذہن سمجھنے سے قاصر تھا۔

"بھائی۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے اب اس کا کیا کرنا ہوگا؟" ایک درمیانے عمر کے شخص نے گرسی پر ساتھ بیٹھے دوسرے شخص سے پوچھا تھا۔ جس میں گلے میں سُرخ مفلر تھا۔

"صاحب نے تو مارنے کا بولا ہے۔ لیکن اب دیکھتے ہیں کہ وہ آکر کیا جواب دیتے ہیں۔" اُن کی گفتگو ذہن تک پہنچی تو خود کو بچانے کے لیے وہ تکلیف میں بھی سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا۔ ہلکی ہلکی پلکوں کی جھالر اُٹھی تو چہرے کے آگے بکھرے ہوئے بال نظر آئے۔ جن کے پار موجود منظر ہلکے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"آہ!!!" اُس کے منہ سے ہلکی سی درد بھری آواز نکلی تو ایک شخص اپنی کرسی سے اٹھا اور اُس تک آ کر نیچے بیٹھا۔ اب ذہن پوری طرح بے دار ہو چکا تھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ وہ داہنی جانب سے زمین پر پڑی ہے۔ ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے ہیں اور سر اور منہ سے سُرخ مواد بہہ رہا ہے۔

اُس نے بالوں سے پکڑ کر اُس کا سر اٹھایا اور پھر جھٹکے سے دوبارہ زمین پر پٹخ دیا۔
"آہ!!!" وفا کے منہ سے تکلیف دہ چیخ نکلی۔ آواز بھیگ چکی تھی اور دل رونے کو بے تاب تھا۔ سر کا درد اور شدید ہو چکا تھا۔ وہ شخص وہاں سے اٹھا اور ایک ٹھوکر مارتا ہوا واپس جانے لگا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔ اُس تکلیف سے زیادہ اُس ذلت سے۔ لیکن وہ بھی وفا تھی۔ اُسے اپنی تذلیل کبھی برداشت نہیں رہی، تو آج کیسے کر لیتی؟

وہ پوری طاقت اور ہمت ایک کرتی ہوئے با مشکل اٹھ بیٹھی۔ اور زخمی اور سخت نظروں سے اُس شخص کو دیکھا۔

"تُم بہت پچتاؤ گے۔ اور تمہارا وہ مالک بھی۔" جواب میں اُس شخص نے مڑ کر اُسے دیکھا اور قہقہا لگا کر ہنسا۔ البتہ دوسرا اُسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔

"اچھا۔ اور ہمیں پچھتانے پر کون مجبور کریگا؟" اُس نے اُس کا مزاق بناتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ الٹا مسکرائی اور اُسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھا۔ کچھ بولنے کے لیے لب کھولنے

چاہے مگر گھومتے ہوئے سر نے اجازت نہ دی۔ اُسے چکّر آ رہے تھے۔ وہ شخص دوبارہ اُس کے قریب آیا۔

"ویسے تیرا مرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر تُو بچ گئی، تو پھر ہم نہیں بچیں گے۔" اُس نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے گن نکال کر وفا کے ماتھے پر رکھی تھی۔ اُس کے گلے میں بے اختیار گلٹی ڈوب کر اُبھری تھی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اگر مقدر میں ایسے لکھا تھا؟ تو ایسے ہی سہی۔

ایک

دو

تین۔۔

اگلے ہی تین سیکنڈز میں گولی چلنے کی زوردار آواز گونجی تھی۔

"دادا ابّو۔۔ باہر پولیس آئی ہے۔" ارزو نے اختر صاحب اور فرزانہ بیگم کو اطلاع دی تھی۔ وہ فوراً باہر آئے تو باہری دروازے پر تین پولیس اہلکار اور ایک افسر کو موجود پایا۔

"کیا میں آپ کے آنے کی وجہ جان سکتا ہوں؟" اختر صاحب نے آگے آتے ہوئے پوچھا تھا۔

"رکیں بابا۔۔ میں بات کرتا ہوں۔" نسیم جو پورے اعتماد کے ساتھ کہتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ اُس کا چہرہ دیکھتے ہی ساکت رہ گئے۔

"میں پولیس آفیسر رمیشا یزدانی ہوں۔ اور میں یہاں بہت عزت کے ساتھ نسیم اختر کو اریسٹ کرنے آئی ہوں۔" اُن شہد رنگ آنکھوں والی نے بہت ہی مٹھاس سے اختر صاحب کو بتایا تھا۔ اور ساتھ ہی اُس کے اشارے پر دو اہلکاروں نے نسیم کو دونوں جانب سے گھیر لیا تھا۔

"یہ کیا فضول قسم کی بات کر رہی ہو؟ تمہیں پتا بھی ہے کہ میں کون ہوں؟" نسیم نے سخت غصے کی حالت میں بلند آواز میں کہا تھا۔

"تمہاری حیثیت پولیس کی نظروں میں فلحال ایک مجرم سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔" اُس نے اُسی پرسکون اور میٹھے لہجے میں جواب دیا تھا جو ایک وقت پر نسیم کو بہت اچھا لگتا تھا۔ مگر آج وہ اُنہیں بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

"بس!! آپ میرے بیٹے کو کس جرم میں اریسٹ کرنا چاہتی ہیں؟" اختر صاحب نے سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

"مجھے میرے سینئر آفیسر اذان اختر کی جانب سے انہیں اریسٹ کرنے کے آرڈرز ملے ہیں۔ اور جرم اپنے بڑے بھائی فتح اختر، بھابھی زویا اختر اور بیوی عالیہ اختر کے قتل کا ہے۔" کیا بڑا جھٹکا تھا جو اُس وقت وہاں موجود ہر فرد کو لگا تھا۔ پورے اعتماد اور روب سے کھڑے شہروز اختر۔ لڑکھڑا کر پیچھے ہوئے تھے۔ سنی نے بے اختیار آگے بڑھ کر انہیں تھاما تھا۔

"مئی؟؟ مئی کا قتل؟؟؟" ارزو بے یقینی و بے چینی سے دو قدم آگے آئی تھی۔ پل بھر کو ریشا کو بھی اُس کے لیے افسوس ہوا تھا۔

"جی۔ آج صبح کار ایکسڈنٹ میں اُن کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور مرنے سے پہلے انہوں نے ایک وائس میسج اذان سر کو بھیجا تھا جس میں انہوں نے اپنے شوہر کو اپنی موت کا زمیندار ٹھہرایا ہے۔" ریشا نے کہتے ہوئے فون میں وہ وائس میسج پلے کیا تھا۔

(آجایگا۔ تمہیں بہت اچھے سے سمجھ آ جائے گا۔ مطلب بھی۔۔ اور یہ ملکہ بھی۔ تم نے مجھے بربادی کی طرف دھکیلا تھا۔ آباد تو میں اب تمہیں بھی نہیں رہنے دوں گی۔)

نسیم کے کانوں میں عالیہ کی آواز گونجی تھی۔ وہ درست تھی۔۔ وہ اُسے سمجھنے میں واقعی غلطی کر گئے تھے۔ اُس وائس میسج میں ہر اعتراف تھا۔ عالیہ کی موت سے لے کر زویا اور فتح کے قتل تک کا۔

تین سیکنڈز میں گولی چلنے کی زوردار آواز گونجی تھی۔ وفا کانپ اٹھی۔ کئی خون کے چھینٹے اُس کے منہ اور سرمئی فرائ پر آئے تھے۔ وہ شخص دھڑام سے اُس کے اوپر گرنے لگا تو وہ بے اختیار ایک طرف ہوئی۔ اُس نے خوف اور بے یقینی سے پھیلتی ہوئی آنکھیں اٹھا کر سامنے دیکھا تو گن تھامے ہوا ہاتھ نیچے کرتا ہوا سہیل اُسے صاف دکھائی دیا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ شاید یہ اُس کی نظروں کا دھوکہ تھا۔ کیا یہ سچ میں اُس کی نظروں کا دھوکہ تھا؟ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ وہاں موجود باقی آدمی ہوشیار ہو چکے تھے۔ مگر پھر اُس کے ساتھ ہی آگے آتے رئیس کو دیکھ رک گئے۔ وہ ایک بڑی عمر کا شخص تھا۔ جس کی شخصیت واقعی بہت روہدار تھی۔

"ہاتھ کھولو اس لڑکی کے۔" رئیس نے وہاں موجود ایک آدمی سے کہا تھا۔ سہیل نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا۔ پھر تھوڑا اور آگے آیا۔ اُس شخص کی پڑی ہوئی لاش کو ٹھوکر سے ایک طرف کیا۔ اور ٹھیک وفا کے سامنے جھکا۔ وہ اب بے یقین نہیں تھی۔ مگر اُس وقت کسی اپنے کو دیکھ پگھل چکی تھی۔

"تم یہاں میرے لیے آئے ہو؟" اُس نے آہستہ اور بھیگی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔

"تم تکلیف میں تھیں، مجھے آنا ہی تھا۔" سہیل نے اپنے داہنے ہاتھ سے اُس کے آگے جھولتے ہوئے بال کان کے پیچھے کرتے ہوئے جواب دیا۔ پھر گن رکھ دونوں ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے وفا کے ہاتھ کی رسیاں کھولیں اور اُس کے زخمی وجود کو دونوں باہوں میں اٹھایا۔

وہ جو اتنی دیر سے خاموش کھڑا تھا، زمین میں پڑی اپنے بھائی کی لاش کو دیکھتا ہوا چپ کے سے باہر نکل گیا۔

وفا کو لے جاتے ہوئے وہ رئیس کے پاس رُکا۔ اور بے حد سنجیدہ اور خطرناک لہجے میں اُس سے مخاطب ہوا۔

"یہاں موجود تمہارا ایک ایک آدمی اسی وقت ختم ہو جانا چاہیے رئیس۔ ورنہ میں دوسری گولی تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔ اور وہ بھی بنا کسی ڈیل کے بغیر۔" جواب میں اُس شخص نے ضبط کیا تھا۔ اُس کی بات سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"اور وہ پیپرز؟"

"کل تک تمہارے سامنے ہونگے۔"

(اگر تم تب تک زندہ رہے تو۔) "وہ آدمی بات کہتا اور باقی دل میں سوچتا ہوا لمبے لمبے ڈک بھرتا، وہاں سے نکل گیا۔"

اُس کے نکلنے کے چند لمحوں بعد رئیس نے مسکرا کر اپنے ساتھ کھڑے آدمی کو اشارہ کیا تھا۔ وہ سر کو خم دیتا، اُن کے پیچھے جانے لگا۔

نسیم بے چینی سے اختر صاحب کی جانب بڑھے تھے۔ وہ خاموشی سے سُرخ آنکھوں سے بیٹے کو دیکھنے لگے۔

"بابا یہ سب جھوٹ۔۔"

"یہ سچ ہے۔ انہوں نے وہ سب کیا تھا۔ اور آج میری ماں کو بھی مار دیا۔" ارزو نے بھیگی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے اُن کی بات کاٹی تھی۔ نسیم نے سخت نظروں سے ارزو کو گھورا تھا۔ کچھ سخت کہنے کے لیے لب کھولے تھے مگر اتنی ہی دیر میں اختر صاحب کا داہنا ہاتھ اٹھا اور نسیم کے بائیں گال پر ایک سُرخ نشان چھوڑ گیا۔ انہوں نے لڑکھڑا کر اپنے باپ کو دیکھا تھا۔ جواب ریشا سے کہہ رہے تھے۔

"لے جاؤ اُسے۔ یہ میرے بچوں کا قاتل ہے۔" شدتِ جذبات سے اُن کی آواز کانپ گئی تھی۔ اُس میں تکلیف اور غصہ صاف جھلک رہا تھا۔ وہ کہہ کر اُس سے پشت کر چکے تھے۔ وہ ساکت رہ گیا۔ کسی بت کی مانند۔

ریشا آگے آئی اور نسیم کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی۔

"میں نے کہا تھا ناں؟ کہ میں اُس وقت کو مسکرا کر دیکھو گی۔" اُس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"کون ہو تُم؟ کیا صرف پولیس والی ہو؟" اُنہوں نے بھی جواباً اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"شاید تُم نے غور نہیں کیا۔ میں ریشا یزدانی ہوں۔ تمہارے اُس بزنس پارٹنر کی بیٹی جسے تُم نے برباد کر دیا تھا۔" یہ اُس دن کا تیسرا بڑا جھٹکا تھا جو نسیم کو لگا تھا۔

"یزدانی کی بیٹی؟" وہ حیران ہوئے تھے۔ مگر وہ ہتھکڑی سے اُنہیں کھینچتی ہوئی باہر کی جانب بڑھنے لگے۔

(میں پتا کروا چکا ہوں بابا۔۔ وہ صرف آپ کے کسی پرانے بزنس حریف کی بیٹی تھی۔ وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔)

نسیم کو بے اختیار سہیل یاد آیا تھا۔ اُنہوں نے سختی اور بے بسی سے لب بھیج لیے۔ وہ جانتا تھا۔۔ وہ سب جانتا تھا۔

وہ ایک خالی جگہ پر بند پڑی فیکٹری کا پچھلا علاقہ تھا۔ سہیل اُسے لیے گاڑی تک آیا اور اُسے بیٹھا کر پانی کی بوتل اُس کے آگے کی۔ سُوکھا گلا تر ہوا تو اُس کی حالت تھوڑی اور بحال ہوئی۔

"ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔ وہ لوگ آگئے تو؟" اُس نے فکر مندی سے کہا تھا۔ لیکن وہ بنا کچھ کہے رومال سے اُس کے ہونٹ اور ماتھے کے پاس کا زخم صاف کر رہا تھا۔ پھر سہیل نے اپنا سیاہ کوٹ اتار کر اُسے پہنایا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اُس کی ہر حرکت دیکھ رہی تھی۔ "نہیں جاسکتے۔ رئیس نے گاڑی کے ٹائر کا پنچر کروا دیا ہے۔ اگر خود جانے کی کوشش کریں گے تو مشکل ہوگی، اور تم بھی زخمی ہو۔ کچھ ہی دیر میں اُس کے آدمی بھی ہمیں مارنے کے لیے آتے ہی ہونگے۔" وہ اب اپنی سفید شرٹ کی آستینیں اوپر چڑھاتے ہوئے بڑے ٹھنڈے انداز سے اُسے بتا رہا تھا۔ حیرانی سے وفا کی آنکھیں پھیلیں۔

"تو کیا ہم اُن کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں؟"

"ہمم! لیکن میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ کیسا بھی ہو۔ میں تمہیں ہر حال میں بچا لوں گا۔" اُس نے اُسے تسلی دے کر پانی کی بوتل منہ سے لگائی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

کیا یہ سچ میں سہیل ہی تھا؟

آہ! اُسے سمجھنا ہمیشہ سے ہی وفا کو سب سے مشکل کام لگتا تھا۔

اچانک ہوا میں گولی کی آواز گونجی تھی۔ وفانے چونک کر اُسے دیکھا جو اُسے ہمت رکھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک۔۔ کئی گولیاں چلی تھیں۔ دوسری طرف سے کئی لوگوں کے جوتوں کی آوازیں آئیں۔ جیسے بہت سے لوگ بھاگ رہے ہوں۔ خوف اور گھبراہٹ سے اُس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ سر سے بہتا خون رک چکا تھا۔ مگر تکلیف اب بھی ہو رہی تھی۔

کچھ وقت بیتا۔

کچھ لمحے اور گزرے۔

اچانک شور بند ہو گیا۔ وہ اُس کے آگے سایہ کیے ہوئے ابھی بھی ویسے ہی کھڑا تھا۔ سنجیدہ مگر پرسکون۔ سرمئی نظریں کبھی وفا کو دیکھتیں تھیں، تو کبھی ارد گرد۔ پھر اُس نے وفا کے آگے ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ ہاتھ تھامنے سے پرہیز کرتی ہوئی ہمت کرتی خود ہی اٹھ گئی۔ وہ بھی بنا اثر لیے اُس کے ساتھ آگے چلنے لگا۔ وہ دوسری جانب آئی تو پاؤں کے نیچے سے زمین ہل گئی۔ وہ ساکت تھی۔ وہاں کئی لاشیں پڑی تھیں۔ کئی لوگ زخمی تھے۔ سُرخ مواد بہہ رہا تھا۔ ایسا منظر اُس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ کوئی تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اُن دونوں تک آیا۔

"تم دونوں ٹھیک ہوناں؟" اذان فکر مندی سے اُن سے پوچھ رہا تھا۔ سہیل تو اثبات میں سر ہلا گیا مگر وہ حیرانی سے سب دیکھتی رہی۔ کئی پولیس اہلکاروں کے درمیان پھر اُس کی نظر ٹھہر گئی۔ رئیس زخمی حالت میں اُن کی گرفت میں تھا۔ اُس نے چہرہ موڑ کر سہیل کو دیکھا۔ تو اُس نے بڑے آرام سے شانے اُچکا دیے۔ کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا پریشان مت ہو۔

اس کے ٹھیک دائیں طرف۔۔ دور کسی پیڑ کی آؤٹ میں چھپے شخص نے اُن سب کی طرف دیکھا تھا۔ یہ وہی تھا جو پہلے ہی سخت غصے میں وہاں سے نکل چکا تھا۔ اس کا سُرخ مفلر ہوا سے لہرا رہا تھا۔ نظروں میں ابھرتا ہوا اپنے ساتھی کے ہوتے قتل کا منظر اُسے بدلہ لینے پر مجبور کر رہا تھا۔ اُس نے گن نکال کر پہلے وردی میں کھڑے سیاہ آنکھوں والے شخص پر نشانہ لگایا۔

پھر نظر سرمئی فراک میں کھڑی لڑکی پر پڑی تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

ایک ایک کر کے پولیس کی گاڑیاں وہاں سے جانے لگی تھیں۔ اذان نے عظیم سے کچھ بات کی اور پھر اُن دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھنے لگی۔ سہیل نے فون میں لگاتار آتے ہوئے میسجز سے پریشان ہو کر اُس کی طرف نظریں موڑی تھیں۔ نسیم اختر کی گرفتاری کی خبر کا نوٹیفکیشن اوپر ہی چمک رہا تھا۔ وہ ساکت رہ گیا۔

اچانک گولی کی تیز آواز سب میں بلند ہوئی تھی۔ وفانے آواز سن اپنے بائیں جانب دیکھا تو خود کو فاصلے پر پیڑ کے آگے کھڑے شخص کے نشانے پر پایا۔

"وفا!!" اذان نے اُس کا نام پکارا تھا۔ مگر پل بھر میں گولی پشت کی جانب سے گوشت کو چیرتی ہوئی اُس کے آگے ڈھال کی مانند آئے شخص کی سفید شرٹ کو خون سے رنگ گئی تھی۔

پھر ایک اور آواز گونجی جو شاید کسی کے ذریعے اُسی آدمی کو شوٹ کرنے کی تھی۔ مگر وہ کچھ نہ سن سکی۔ کچھ نہ دیکھ سکی۔ صرف وہ بچا تھا۔ جو بند ہوتی سرمئی آنکھوں سے اُسے دیکھتے ہوئے لڑکھڑایا تھا۔

"میں نے۔۔ کہا تھا ناں کہ۔۔ میں تمہیں ہر حال میں بچا لوں گا۔" اُس نے مشکل سے آتی ہوئی سانس کے درمیان کہا تھا۔ پھر اُس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور وجود زمین پر گر پڑا۔

السلام علیکم

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Whatsapp No : 03335586927

Email address : aatish2kx@gmail.com

Facebook ID : www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Groups : FAMOUS URDU NOVELS AND
DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS. PRIME URDU
NOVELS.

اٹکتی سانس کے درمیان اُسے وفا کا اُسے پکارنا سنائی دیا۔ وہ رو رہی تھی۔ وہ اُسے روتے ہوئے پُکار رہی تھی۔ کوئی اُس کے پاس دوڑ کر آیا تھا۔ شاید اذان تھا۔ پھر ہر آواز بھی بند ہو گئی۔ ذہن کی سکریں پر کئی لمحات رقص کرنے لگے۔ کئی منظر نظر آنے لگے۔

(آپ ہر بار میرے لیے آیا کریں گے نا بھائی؟)

اُس کی نظروں کے سامنے آرزو کا چہرہ لہرایا تھا۔

(یار آپ میری اور آرزو کی اتنی فکر کیوں کرتے ہیں؟)

پھر سہمی کا۔ کیا وہ اپنے آئیڈیل سے نفرت کریگا؟

(میری دعا ہے کہ تیرے خواب ہمیشہ تیرے ساتھ رہیں۔)

اذان کے ساتھ گزارہ ہر لمحہ کسی فلم کی طرح اُس کے سامنے چلا تھا۔ اور پھر۔۔

(تمہیں وہی کرنا ہے جو میں تم سے کہوں گا۔ نہ کوئی سوال، نہ کوئی جواب۔ اور نہ ہی کسی قسم کا دھوکہ۔)

اُس کی زندگی نے سب سے ان چاہا موڑ لے لیا۔

(بابا۔۔ بابا کھولیں پلیز۔۔)

وہ چیخ رہا تھا۔ اپنی پوری قوت سے چلاتا ہوا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ مگر افسوس۔۔ وہ دروازہ اُس کے لیے نہیں کھلا تھا۔ ہر طرف اندھیرے پھیلتا جا رہا تھا۔

(نہیں۔۔ مجھے غصہ آ رہا ہے۔ اور دل کر رہا ہے کہ اسی واس سے تمہارا سر پھاڑ دوں۔)

اچانک ہر سیاہی ختم ہو گئی۔ ہر سو سفید روشنی کی مانند وہ اُسے نظر آئی تھی۔

(ہاں جیسے وہ عبایا تو مجھے ہمزہ نے بھیجا تھا نا۔)

کبھی اُس سے لڑتی ہوئی۔ کبھی جھگڑتی ہوئی۔

(تم اتنا سیاہ مت پہنا کرو۔)

کبھی اُس کا احساس کرتی ہوئی۔ کبھی روتی ہوئی۔

(تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ سیاہ رنگ ہمیشہ بد صورت رنگ ہی بناتا ہے؟ کیا تم نے کبھی غور سے اپنی آنکھوں کو نہیں دیکھا؟)

تو کبھی مسکراتی ہوئی۔

(I will never forget you..Mr.villain)

مگر پھر بھی۔۔ ہر تعلق میں اُس کے قریب محسوس ہوتی ہوئی۔

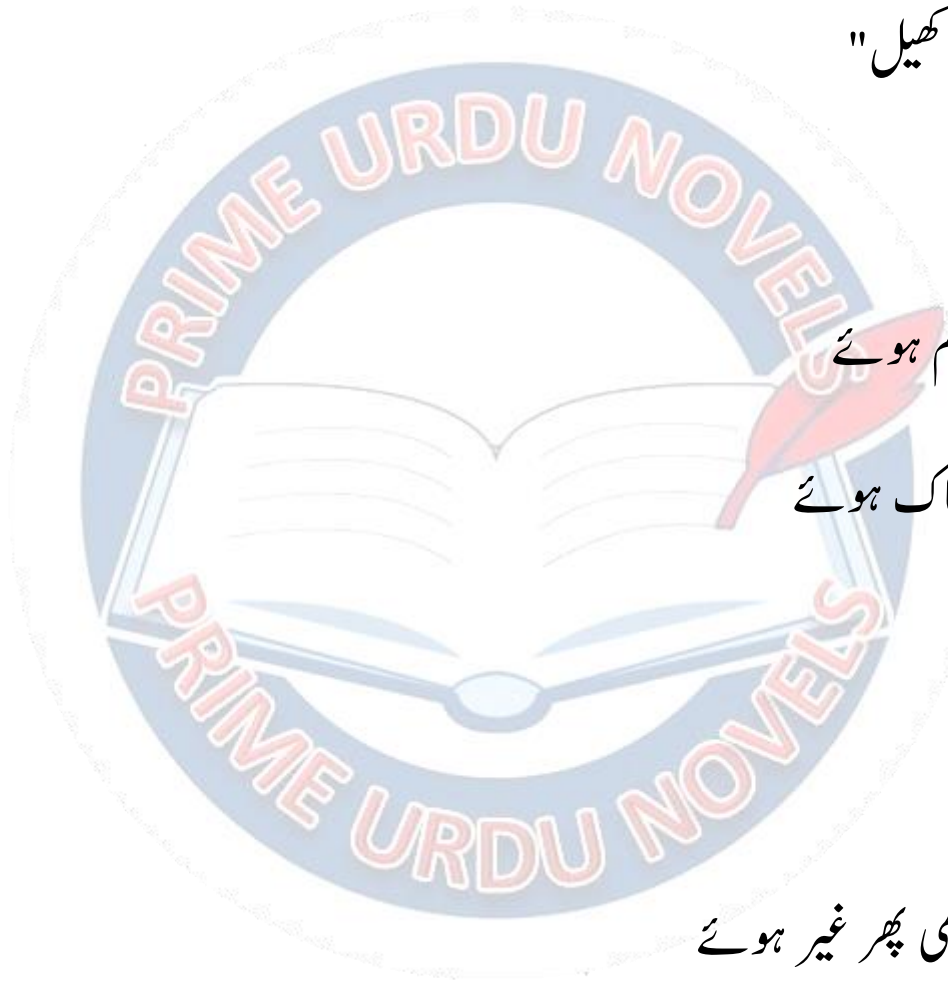
(اس دنیا میں پسندیدہ شخص کا ساتھ ملنا بھی ایک نعمت ہے۔ اور بعض نعمتیں ہر شخص کو نہیں ملتیں۔)

ہائے!! وہ شخص جو خود کو کہانی کا ولن کہتا تھا۔ محبت میں ہیرو کو مات دے گیا۔



باب۔۱۶ (آخری باب)

"مقدّر کا آخری کھیل"



کچھ زخم اپنے عام ہوئے

کچھ اپنے سپرد خاک ہوئے

کچھ راتیں بدلیں

کچھ دن ڈھلے

اور سب اپنے بھی پھر غیر ہوئے

نہ مکمل تھی جو داستان

مکمل پھر وہ ہونے لگی،

وہ ہار کر بھی جیت گیا

اور وہ جیت کر بھی ہار گئی۔

"سہیل!!" وہ گھبرا کر اُٹھی تھی۔ سفید چھت کے نیچے وہ ایک ہسپتال کا سادہ سا کمرہ تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹی تھی۔ پاس میں مشینیں لگی تھیں۔ وہ ٹھہر کر سب دیکھنے لگی۔ اُسے سب یاد آیا تھا۔ اُسے قید کرتے ہوئے وہ لوگ۔ اس کی حفاظت کرتا ہوا وہ۔ سنائی پڑتی ہوئی گولیوں کی آوازیں۔ اور پھر اُس کا بہتا ہوا سُرخ خون۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" سفید کپڑوں میں کھڑی نرس اُس سے نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ وفانے ہاتھ اٹھا کر اپنے درد کرتے ہوئے سر پر رکھا۔ وہاں پٹی بندی تھی۔ اُسے یاد آیا زخمی ہونے کے باعث اُسے بھی یہاں ایڈمٹ کیا گیا تھا۔

"سہیل کیسا ہے؟ اُسے۔۔ اُسے گولی لگی تھی۔ وہ میرے ساتھ ہی آیا تھا۔" وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔ جواب میں نرس نے اُسے تسلی دینی چاہی۔

"جو آپ کے ساتھ تھے وہ ابھی یہاں سے گئے ہیں۔ میں بلا دیتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی اُسے پرسکون کر گئی تھی۔ وفانے گہری سانس لی۔ ابھی کیا ہے؟ مطلب وہ ٹھیک ہے۔ یا اللہ! شکر ہے وہ ٹھیک ہے۔

نرس کے جانے کے بعد اُس نے اطمینان سے ارد گرد دیکھا تھا۔ سفید پردوں کی آڑ میں لگی کھڑکی کے باہر رات ہو رہی تھی۔ ناچاہتے ہوئے بھی اُس کا دماغ ٹھٹکا۔ سیاہ آسمان پر چاند پورا تھا۔ مگر کیسے؟

"وفا کو ہوش آ گیا ہے۔" بلیک جینس پر براؤن شرٹ پہنے ہوئے شخص نے فون پر بات کرتے ہوئے شہروز اختر کو اطلاع دی تھی۔

"اچھی بات ہے۔ مگر ڈاکٹر سے کہہ کر اُسے ابھی وہیں تھوڑا اور آرام کرنے دو۔" اُنہونے تھوڑا ٹھہر کر کہا تھا۔ لفٹ میں داخل ہوتا ہوا اذان ضبط سے بولا۔

"نہیں!! اب میں اُسے اور یہاں رہنے نہیں دے سکتا۔ میں اُسے گھر لا رہا ہوں۔"

"تم میری نافرمانی کر رہے ہو اذان۔" اختر صاحب نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"نہیں! میں وفا سے وفاداری کر رہا ہوں دادا ابو۔"

"میں اُس کا بھلا چاہتا ہوں۔" اُنہونے اُسے سمجھانا چاہا تھا۔

"میں بھی اُس کا بھلا ہی چاہتا ہوں۔" اُس نے نرم مگر مضبوط لہجے میں کہہ کر کال کاٹ دی۔ اور اسپتال کی راہداری سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ دوسری جانب اُنہوں نے فون کو افسوس سے دیکھا تھا۔

"کیسی ہو وفا؟" وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی جب اپنی پشت سے کسی کی آواز سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا تو وائٹ کوٹ پہنے ہوئے ڈاکٹر احمد کھڑے اُسے مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ وہ بنا کچھ کہے اُن کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی آگے آئی۔

"میں کب سے بے ہوش تھی چاچو؟" احمد پل بھر کو ساکت رہ گئے تھے۔ کیا وہ اتنی جلدی سمجھ چکی تھی؟

دروازہ دھکیل کر داخل ہوتا ہوا اذان بھی اُن دونوں کو دیکھ رکھا۔ پھر ہمت کرتا ہوا آگے بڑھ آیا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے چاچو۔۔۔ میں کب سے بے ہوش تھی؟ آج کون سا دن ہے؟" وفانے زور دے کر پوچھا تھا۔

"ساتواں۔" اذان نے فوراً جواب دے دیا۔ وفا ساکت رہ گئی۔ ساتواں؟ وہ سات دن بعد اُٹھی تھی؟

احمد نے بے اختیار اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُسے بیڈ تک لا کر بیٹھایا۔ وفا حیرانی اور بے یقینی سے اُنہیں دیکھنے لگی۔

"بیٹا تمہارے سر پر لگی چوٹ کافی گہری تھی۔ چند تشدد کے زخم بھی گہرے تھے۔ تم دوائی کے اثر میں تھیں۔" اُن کی وضاحت پر وہ پہلے تو کچھ نہ بولی۔ لیکن پھر سمجھ کر سر ہلا گئی۔

"سہیل کہاں ہے؟ وہ کیسا ہے؟" اُس کے سوال پر اذان اور احمد کی نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔ وہ دونوں کو دیکھنے لگی۔ اُس کے چہرے پر فکر مندی نمودار ہوئی تھی۔

"گھر ہے۔" اذان نے اُسے تسلی دی تھی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو گھر چلو۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔" وہ دونوں اس کی معصوم صورت دیکھ کر رہ گئے تھے۔ مگر پھر بھی خاموش رہے۔

گاڑی گیٹ سے ہوتی ہوئی اندر آئی تو سفید حویلی اپنی پوری شان سے اس کے سامنے موجود تھی۔ اُس میں کچھ نہیں بدلا تھا۔ وہ ویسی ہی تھی۔ مگر ناجانے کیوں؟ اُسے پہلے جیسی کیوں نہیں لگی تھی۔

اُس کے داخل ہوتے ہی شزا اُس سے آ لگی۔ وہ وفا کو دیکھ خوش تھی۔ جواب میں وہ بھی مسکرا دی۔ وفانے آگے آتے ہوئے سر اٹھا کر ہر طرف دیکھا تھا۔ اختر منزل کی

راہداریاں، سیڑھیاں، جلتی ہوئی روشنیاں۔ اُسے سب بہت خالی خالی لگا۔ راستے میں اذان نے اُسے نسیم اور عالیہ کے بارے میں بتایا تھا۔ مگر اب اُسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اُس کے دل میں نسیم کے لیے کبھی کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی۔ اور اگر عالیہ کے لیے کچھ تھا بھی۔ تو وہ اُسے بھی یہاں سے جانے سے پہلے ختم کر چکی تھی۔

دادو اُس کا ماتھا چوم کر اچھی صحت کی دعا دے رہیں تھیں۔ اور وہ بے چینی سے ہر طرف دیکھ رہی تھی۔

"سہیل کہاں ہے؟" ضبط توڑ، وہ پوچھ بیٹھی۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"وفا چلو تم کمرے میں چل کر تھوڑا آرام کر لو۔" شزا نے موضوع بدلتے ہوئے اُس کے پاس آکر کہا تھا۔ وہ اُس کے سوال کو نظر انداز کر گئی تھی۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔ سہیل کہاں ہے؟" وہ بھی اُس کی بات نظر انداز کر سب کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ پھر ایک طرف کھڑی آرزو کی جانب دیکھا۔ شزا کے گلے میں گلٹی ڈوب کر اُبھری تھی۔ آرزو اُس کی بات اور نظریں نظر انداز کرتے ہوئے خاموشی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ اُس کا یہ انداز۔ وفا کو چبھ گیا تھا۔ اُس نے بے یقینی سے آرزو کو دیکھا۔ تو اختر صاحب اُس کے قریب آئے۔

"وفا۔" انہوں نے اُسے اپنی جانب متوجہ کر، اپنا دل مضبوط کیا۔

"سہیل اب نہیں ہے وفا۔ اُس کی death ہو چکی ہے۔" الفاظ تھے کہ کیا۔ اُسے لگا اُس کے سر پر پہاڑ گر گیا ہو۔ سب ساکت رہ گیا تھا۔ وفا لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی تھی۔ اُس نے کچھ بولنے کے لیے لب کھولے تو زبان نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ بے اختیار نفی میں سر ہلانے لگی۔ وہ سفید حویلی۔۔ اُس کی روشنیاں۔۔ سب دھندلانے لگا تھا۔ سامنے کھڑی شزا بھی۔

"وفا!!" راہداری پار کرتی ہوئی ارزو کو شزا کی تیز پکار سنائی دی تھی۔ اُس کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔ آنکھوں اور حلق نے بہت سا پانی جمع ہوا تھا۔ اُس نے پلکیں جھپکائیں تو موتی گالوں پر بہہ گئے۔ مگر وہ ضبط کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"وفا!!" شزا فرش پر بے ہوش پڑے وفا کے وجود کو ہلا رہی تھی۔ پکار رہی تھی۔

"وفا!!"

اُس نے آہستہ سے پلکیں اٹھانی چاہیں تھیں۔ مگر وہ عجیب کیفیت میں گرفتار رہی۔ وجود بھاری لگ رہا تھا۔ سر درد شدید تھا۔ کچھ محسوس ہوتا تھا مگر کیا؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

کوئی اُس کے قریب آیا تھا۔ کسی نے اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ کچھ لمحوں کے لیے۔۔ صرف کچھ لمحوں کے لیے۔ اور پھر ہٹا لیا۔

وہ گھبرا کر اُٹھی تھی۔ چہرہ کا رنگ سفید پڑ چکا تھا۔ ٹھنڈ کے ماہ میں بھی وہ پسینے سے شرابور تھی۔ بھاری ہوتی ہوئی سانسوں کے ساتھ دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔ اُس نے اپنے کانپتے ہوئے داہنے ہاتھ کو دیکھا تھا۔ جیسا وہاں ابھی تک کسی کا لمس ہو۔ مگر افسوس! وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اکیلی تھی۔

(سہیل اب نہیں ہے وفا۔ اُس کی death ہو چکی ہے۔)

خالی کمرے میں اُس کے ارد گرد اختر صاحب کی آواز گونجی تھی۔ وہ ٹھہر کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

(میرا دیا ہوا آخری تحفہ سمجھ کر رکھ لو۔ آئندہ کچھ نہیں دوں گا۔)

ذہن کے پردے پر اُس کے ساتھ گزرا ہر لمحہ نظر آ رہا تھا۔

(تم یہاں میرے لیے آئے ہو؟)

تم تکلیف میں تھیں۔ مجھے آنا ہی تھا۔)

آنکھوں کے سامنے وہ سین بار بار ریواسنڈ ہو رہا تھا۔ چلتی ہوئے گولیوں کی آوازیں۔ اُس کی حفاظت کے لیے کسی ڈھال کی مانند کھڑا وہ شخص۔

(I will miss you..my female version).

اور آخر میں نظر آتی ہوئی اُس کی سرمئی آنکھیں۔۔

چند لمحے لگے تھے۔ صرف چند لمحے۔ اور پھر خالی کمرے کے کھلے دروازے سے گزرتی ہوئی اُس کی اواز پوری حویلی میں گونجنے لگی تھی۔

وہ زار و قطار رونے لگی۔ اپنے اُسی ہاتھ کو پکڑ کر سینے سے لگائے تڑپ تڑپ کر۔ اُس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ دل بھاری ہو رہا تھا۔ پورے جسم میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اور خاص کر سینے میں۔

(پہلے پہل تو میں تکلیف برداشت کرونگی۔ پھر بہت روانگی۔ بہت زیادہ۔۔ پھر یا تو مجھے صبر آ جایگا۔ یا پھر میں مر جاؤنگی۔) اُسے لگ رہا تھا ابھی اُس کا دل پھٹ پڑے گا اور وہ مر جائے گی۔ تکلیف ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ جیسے پورے جسم میں سوئیاں چبھ رہی ہوں۔ باہر رات گہری ہو رہی تھی۔ سب میں چھائی خاموشی کو چیرتے ہوئے اُس کی اواز گُرسی پر بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھے اختر صاحب کے کانوں تک بھی پہنچی تھی۔ دادو نے بے چینی سے پہلے اُنہیں دیکھا۔ اور پھر دروازے کی جانب بڑھنے لگیں۔

"رک جاؤ فرزانہ۔۔ اس تکلیف کا انتخاب اُس نے اپنے لیے خود کیا ہے۔ اُسے برداشت بھی خود ہی کرنے دو۔"

"مگر۔۔"

"چند دن روگی۔ اُسے یاد کرے گی۔ اور پھر بھول جائے گی۔" اُنہوں نے دو ٹوک انداز میں کہتے ہوئے اُن کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔ دادو بھی دل پر پتھر رکھتی ہوئیں، اُن کے آگے ہار کر واپس اپنی جگہ بیٹھ گئیں۔

"وفا!!" شزا اُس کے کمرے میں آئی تو وہ بیڈ کے سائڈ سے ٹیک لگائے، فرش پر بیٹھی خود کو دونوں بازوؤں سے پکڑے، ہچکیوں کی درمیان رو رہی تھی۔

"وفا!! اٹھو۔" شزا نے اُس کے پاس آ کر اُسے اٹھانے کی کوشش کی تو وہ اُسے روک کر کہنے لگی۔

"سہیل کہاں ہے شزا؟" شزا کو لگا مانو آج اُس لڑکی نے اُس کا دل جکڑ لیا ہو۔ وہ آخر اُسے کیا جواب دے؟

"وہ نہیں ہے وفا۔ وہ اب واپس نہیں آ سکتا۔" اُس نے نرمی سے وفا کے بال اُس کے بھگے چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

"ایسے کیسے نہیں آئے گا؟ وہ۔۔ وہ آ جائے گا۔ میرا۔۔ میرا دل۔۔ کہتا ہے وہ آ جائے گا۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بھگی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ جواب میں کچھ کہنے کی جگہ شزا نے بے اختیار اُسے خود سے لگا لیا۔

"شزا۔۔ شزا اُسے لا دو۔ پلینز!! پلینز اُسے۔۔ اُسے لا دو۔ تُم۔۔ تُم اذان سے کہو۔ وہ۔۔ وہ اُسے لا دے گا۔" وہ بنا رکے اُس سے لگی گھٹتی ہوئی آواز میں کہے جا رہی تھی۔ کسی بچے کی مانند ضد کر رہی تھی۔ شزا کی آنکھیں بھینگے لگیں تھیں۔ حلق میں بہت سا پانی جمع ہو چکا تھا۔ وفا نے اُس کے لیے کتنا کچھ کیا تھا۔ مگر افسوس! وہ اُس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"تُم اُن سے نفرت کر لو وفا۔ شاید تمہارے لیے اُنہیں بھولنا آسان ہو جائے۔" بالکنی کے آگے گُرسی ڈال کر بیٹھی لڑکی نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اُسی طرح خاموشی سے سامنے دیکھتی رہی۔ سُرخ پڑی آنکھیں سوج کر دُکھنے لگی تھیں۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ وہ کل رات روی تھی۔ بہت روی تھی۔ اور پھر روتے روتے سو گئی۔

مگر آج صبح سے اُس کی آواز کسی نے نہیں سنی تھی۔ نہ رونے کی، نہ ہنسنے کی۔ ارزو گہری سانس لے کر آگے آئی۔ اور اُس کے ساتھ سے کھڑی ہو گئی۔

"وہ لاکھ برا سہی۔۔ مگر میں کیسے اُس شخص سے نفرت کر لوں جس نے میرے لیے قتل کیا بھی ہے۔ اور جو قتل ہوا بھی ہے۔" اُس نے ٹھہر کر جواب میں سوال کیا تھا۔ آنسو بنا آواز کے دوبارہ رخساروں پر پھسلنے لگے تھے۔ ارزو لا جواب رہ گئی۔

"مجھے اُس کی سرمئی آنکھیں ہمیشہ سے اپنی جانب کھینچتیں تھیں ارزو۔ اس لیے میں نے کبھی اُنہیں غور سے نہیں دیکھا۔ اور اب۔۔" وہ سادگی سے کہتے کہتے رکی تھی۔

"اور اب؟" ارزو نے مزید جاننا چاہا تھا۔

"اور اب افسوس ہو رہا ہے کہ کاش! کاش! میں اُنہیں غور سے دیکھ لیتی۔ تب۔۔ جب وہ میرے سامنے ہوا کرتا تھا۔" ارزو کا دل پگھل چکا تھا۔ وہ جھک کر اُس کے سامنے بیٹھی۔

"تمہیں اُن کی یاد آ رہی ہے؟" وفانے نفی میں سر ہلایا۔ اور پھر اُس کی جانب بے بسی سے دیکھ کر کہا۔

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ اتنی تکلیف کہ میں بیان بھی نہیں کر سکتی۔" اُس بات کے ساتھ ہی ایک موتی اور گرا تھا۔ ارزو کی آنکھیں بھگنے لگیں۔ دل میں کچھ چھنے لگا تھا۔ وفانے بے چینی سے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑے۔

"ارزو۔۔ ارزو سب۔۔ سب کہہ رہے ہیں کہ وہ اب نہیں آئے گا۔ وہ نہیں ہے۔۔ مگر۔۔ مگر میرا دل کیوں نہیں مان رہا؟" وہ اُس سے پوچھ رہی تھی۔ اور ارزو کے پاس صرف اُسے افسوس اور بے بسی سے دیکھنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔

"میں نے۔۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا تھا ارزو۔۔ اُس کے بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے دیکھا تھا۔ وہاں کچھ مختلف تھا۔۔ جسے۔۔ جسے میں بد قسمت کبھی نہیں پڑھ پائی۔ میں

نے دیر کر دی ارزو۔۔ میں نے۔۔ میں نے بہت دیر کر دی۔ "وہ بھیگی آواز میں کہتی ہوئی رونے لگی تھی۔ ارزو کے ہاتھوں کو تھامے، اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دو وفا۔۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔" کیا درد تھا جو اُس وقت اُن کے درمیان تھا۔ آج ارزو کو حقیقتاً وفا میں اپنا آپ نظر آ رہا تھا۔ لیکن وہ چاہ کر بھی اُس کے لیے وفا نہیں بن سکتی تھی۔ کوئی شخص اُس کے لیے وہ نہیں بن سکتا تھا جو وہ دوسروں کے لیے بنتی تھی۔ سامنے ایک اور شام ڈوب رہی تھی۔ ایک اور۔۔

چند ماہ بعد۔۔

"تمہاری ملاقات آئی ہے۔" پولیس اہلکار نے لوح کی سلاخوں پر اپنا ڈنڈا بجا کر اُس قیدی کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

"کون ہے؟" قیدی نے ناگواری سے پوچھا تھا۔ وہ اب بھی ویسے ہی دیوار کی طرف منہ کیے لیٹا ہوا تھا۔ بال اور داڑھی بڑھ چکی تھی۔ کپڑوں پر گرد بھی صاف نظر آتی تھی۔ لیکن یہاں اُس کے پاس اپنے گھر جیسی سہولتیں موجود نہیں تھیں۔

"آپ کی خاص۔" پولیس اہلکار کی جگہ قیدی کو کسی اور کی آواز سنائی پڑی۔ جو اُس کے لیے کافی شناسائی رکھتی تھی۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔ اور نا سمجھی سے مڑ کر دیکھا تو چہرے پر ناگواری اور نفرت نمودار ہوئی۔ قیدی کی سیاہ آنکھوں میں غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن اُس کے برعکس۔ وہ سپاٹ تاثرات کے ساتھ اُنہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیوں آئی ہو؟" نسیم نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔ وہ آگے ہاتھ باندھ کر اُنہیں اطمینان سے دیکھنے لگی۔ حتیٰ کہ قیدی سخت تیش سے اُٹھ کر اُس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"میں نے پوچھا ہے کہ کیوں آئی ہو یہاں؟"

"آخری مرتبہ آپ کو دیکھنے آئی تھی۔ بس۔۔ دیکھ ہی رہی ہوں۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں طنزیہ مسکرائی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں اُس وقت نسیم کو اپنے لیے صرف اور صرف ذلت دکھائی دی تھی۔ جیسے وہ اُنہیں دیکھ کر ہنس رہی ہو۔ اُن کا مزاق بنا رہی ہو اُنہوں نے اپنا ہاتھ زور سے سلاخوں پر مارا تھا۔

"ارے چاچو۔ اتنی ناراضگی؟ میں سگی بہتیجی ہوں آپ کی۔ اور۔۔ بھانجی بھی۔ مجھ سے اتنی نفرت کریں گے؟" وہ بھرپور معصومیت سے بولتی ہوئی نسیم کو اور غصہ دلا رہی تھی۔

"Shut up...shut up you bitch.."

میرا تجھ جیسی دو گوڑی کی لڑکی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس ایک بار مجھے باہر آنے دے۔ تجھے اپنے ہاتھوں سے ختم کرونگا۔"

"لیکن وہ تو تب کروگے ناں جب باہر آؤگے۔ سنا ہے، کل آپ کو سینٹرل جیل لے جایا جا رہا ہے؟" وفانے جھوٹی فکر مندی ظاہر کی تھی۔

"ویسے گناہ تو آپ کے پھانسی والے ہیں۔ لیکن وہ کیا ہے ناں۔۔ آپ کا بیٹا چاہتا ہے کہ آپ اتنی جلدی نہ مریں۔ اپنی موت سے پہلے تھوڑا تڑپیں۔۔ تھوڑا گڑ گڑائیں۔۔ وہی تکلیف محسوس کریں جو آپ کی وجہ سے دوسروں نے کی ہے۔"

"بکو اس بند کر لڑکی۔۔ سہیل کو میرے خلاف تُو نے ہی بھڑکایا ہوگا۔ ورنہ وہ میرے ساتھ پالتو کُتے جتنا وفادار تھا۔" نسیم پھنکارے تھے۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں سہیل کی بات کر رہی ہوں؟" وہ نا سمجھی میں مبتلا ہوئے۔ اور خاموشی سے اُسے دیکھنے لگے۔

"میں آپ کے اُس بیٹے کی بات کر رہی ہوں جس نے آپ کو اُس حویلی سے نکال کر اس گرد سے بھری ہوئی قید میں پٹخ دیا۔ جس کی آنکھیں اور دشمنوں سے نفرت کرنے کا انداز بالکل آپ جیسا ہے۔ بالکل سیاہ۔۔" اُس نے بے رحمی سے بتایا تھا۔ اُن کے ماتھے پر پریشانی کے بل پڑے۔ جیل کی سلاخ پر گرفت بے اختیار سخت ہوئی۔

"اذا۔۔" نسیم کی زبان نام لیتے لیتے لڑکھرائی تھی۔ وفانے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"جی۔۔ وہی بیٹا جس کی ماں یعنی آپ کی خاص دوست کے مرنے پر آپ نے اُسے یتیم خانے بھیج دیا تھا۔ مگر مقدر نے اُسے ہی آپ کے خلاف پوری طاقت کے ساتھ لا کھڑا کیا۔" وفانے اپنی زبان اور لہجے کو کسی چابک کی مانند استعمال کیا تھا۔ نسیم کا ہاتھ سلاخ سے پھسل گیا۔ آنکھیں حیرانی اور بے یقینی سے پھیلیں تھیں۔ لب کچھ کہنے کے لیے کھلے مگر پھر اد کھلے رہ گئے۔

"جانتے ہیں مجھے یہ سچ کہاں سے پتا چلا؟ ڈیڑھ سال پہلے اُس یتیم خانے کی مالکن سے۔ جن سے سچ جاننے کے بعد بھی زویا مبین اُس بچے کو گھر لائیں تھیں۔ انہیں اُس یتیم بچے پر ترس آیا تھا۔ جو حقیقتاً یتیم نہیں تھا۔" قیدی سفید پڑتے رنگ کے ساتھ اُسے ایک ٹک دیکھ اور سن رہا تھا۔ ماتھے پر چند پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔

"ما بابا نے آپ کے گناہ پر پردہ برقرار رکھا تھا۔ کیونکہ اگر تب سچ بتا دیتیں تو اُن کی بہن کی بھی زندگی خراب ہوتی اور سہیل کی بھی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" اُنہوں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اُسے جھٹلانا چاہا تھا۔ وفانے افسوس سے اُنہیں دیکھا۔

"جھوٹ؟ ارے ابھی تو میں نے سچ ہی آدھا کہا ہے نسیم صاحب۔"

میں چاہتی تو یہ بات سب کو بتا سکتی تھی۔ لیکن صرف اس لیے خاموش رہی کہ جو پردہ اللہ نے ماما اور بابا سے بھی رکھوا لیا۔ وہ میں کیسے اٹھا دوں؟

کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ صرف بے گناہ اذان پر ناجائز ہونے کی سٹیپ لگ جاتی۔ جو اُسے بری طرح سے توڑ دیتی۔"

"چپ ہو جاؤ۔۔ بس کرو۔" قیدی نے سختی اور بے بسی سے انگلی اٹھا کر اُسے روکنا چاہا تھا۔ مگر جیسے آج تو وہ سوچ کر آئی تھی کہ ہر سچ کہہ کر جائے گی۔

"اس سب سے بھی بڑا سچ جانتے ہیں کیا ہے؟"

سہیل بھی سب جانتا تھا۔ "وفا نے صرف ایک جملہ کہا تھا۔ صرف ایک۔ اور وہ ایک مرتبہ پھر لڑکھڑائے تھے۔"

"اب آپ سوچ رہے ہو گے کہ یہ مجھے کہاں سے معلوم ہوا؟ تو آپ نے شاید غور نہ کیا ہو۔ لیکن وہ آپ کا ہر کام پرفیکٹ کرنے والا بیٹا، جسے آپ اپنے پالتو گُتے جتنا وفادار سمجھتے تھے۔۔ وہ کچھ بھی کرنے سے پہلے اپنے دشمن کی پوری معلومات حاصل کرتا تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے کہ جب آپ نے اُسے اس سب میں گھسیٹا ہوگا تو اُس نے اس کھیل میں موجود ہر فرد کی معلومات حاصل نہیں کی ہوگی؟ یہاں تو بات پھر اُس کے اپنوں کی تھی۔" نسیم کا سر گھوم کر رہ گیا تھا۔

(تُم جانتے ہو سہیل تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ تُم عام سے انداز میں بھی بہت خاص باتیں کہہ جاتے ہو۔)

اُن کے کانوں میں اپنی ہی آواز گونجی تھی۔

(آپ شاید بھول رہے ہیں کہ یہ میں ہی ہوں جس نے ناجانے آپ کو کتنی مشکلوں سے نکالا ہے۔ اب ریشا کو ہی دیکھ لیں۔۔ اُس کے لیے آپ کا کوئی تیسرا بیٹا نہیں آیا تھا۔)

وہ درست تھی۔۔ وہ بالکل درست تھی۔ وہ اُسے کیسے نہ سمجھ سکے؟

"میں تمہیں توڑنا چاہتی تھی نسیم اختر۔ اور میری نظر میں آج تُم ٹوٹ چکے ہو۔ تُم ایک بد قسمت انسان ہو۔۔ دیکھو تو۔۔ آج تمہارے دو بیٹے تُم سے نفرت کرتے ہیں۔ بیٹی کو تو تُم پہلے ہی کھو چکے۔ اور سہیل۔۔ وہ بے چارہ تو کب کا قربان ہو چکا۔ اگر تُم اُسے صرف ہتیار یا جانور سے بہتر کچھ سمجھ لیتے۔۔ تو وہ اکیلا تمہارا سہارا بننے کو کافی تھا۔" چند لفظ۔۔ صرف اُن چند لفظوں نے اُس قیدی کے پیروں سے زمین کھینچ لی تھی۔ وہ بے اختیار گھبراتا ہوا آگے آیا۔

"سہیل؟؟؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ یا شاید مزید پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ افسوس اور نفرت بھری ایک آخری نظر اُس پر ڈال کر پلٹ گئی۔

"رکو۔۔ بتاؤ مجھے۔۔ میرے بیٹے کو کیا ہوا؟؟؟"

رکو۔۔۔" وہ بلند آواز میں چیختے ہوئے اُسے روک رہے تھے۔ مگر وہ آنکھوں میں ابھرتی ہوئی نمی کو واپس اندر دھکیل کر آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

"سہیل۔۔۔ کوئی تو بتاؤ۔۔۔ وفا۔۔۔" وہ قیدی اب سلاخوں کو پوری طاقت سے پیٹتا ہوا پوچھ رہا تھا۔ اُسے پکار رہا تھا۔ ٹھیک اُسی طرح۔۔۔ جس طرح اُس کا بیٹا دروازہ بجاتے ہوئے اُسے پکارا کرتا تھا۔

(بابا۔۔۔ بابا کھولیں پلیز۔۔۔ آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ میں بیٹا ہوں آپ کا۔)

چلاتے ہوئے قیدی کی آواز گھٹنے لگی تھی۔ اُس نے بے بسی سے سر سلاخوں سے ٹکا لیا۔

(اللہ نے آپ کو چار اولادیں دی تھیں بابا۔۔۔ مگر افسوس! آپ ایک کے بھی باپ نہ بن سکے۔)

اُس کی آنکھیں بھگنے لگیں تھیں۔ اپنی سماعتوں میں صرف اُسی کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

(آپ جانتے ہیں ناں مجھے بند جگہوں سے ڈر لگتا ہے؟ بابا پلیز کھول دیں۔۔۔ پلیز۔۔۔ آپ جیسا کہینگے، میں ویسا کرونگا۔۔۔ بابا۔۔۔)

"میرا سہیل۔۔۔ میرا بیٹا۔۔۔" قیدی گھٹی آواز کے ساتھ کہتے ہوئے سلاخ سے سر پیٹنے لگا۔ وہ

اپنے بیٹے سے کہتا تھا کہ اُس نے اُسے زندہ رکھا ہے۔ لیکن یہ چاہ کر بھی کبھی نہ کہہ سکا کہ

صرف اُسی کے سہارے وہ خود بھی زندہ ہے۔

وہ اُس کا وقار تھا۔ اُس کا غرور تھا۔ اور آج اُس قیدی کا وقار اور غرور قربان ہو چکا تھا۔

وہ باہر آئی اور کھلے میدان کی جانب بڑھنے لگی تو کسی لڑکی کو اپنے سامنے موجود پایا۔ شہد رنگ آنکھوں اور سُرخ و گلابی چہرے والی، پولیس یونیفارم میں ملبوس وہ وفا کو اچھی لگی تھی۔ وہ نرمی سے مسکرا دی۔ مگر وہ دوسری لڑکی نہیں مسکرائی۔ وفا کی مسکراہٹ بھی پھیکی پڑی۔ وہ اُس کے قریب آئی تو وفانے اُس کی یونیفارم پر لگے بیج پر اُس کا نام پڑھا۔ رمیشا یزدانی۔

"کیا میں تمہیں جانتی ہوں؟" وفانے اُس سے نا سمجھی سے پوچھا تھا۔

"نہیں! میں بس تمہیں ایک بار دیکھنا چاہتی تھی۔" اُس نے سادہ سے لہجے میں کہا تھا۔

"مگر کیوں؟" وفا کے سوال پر رمیشا افسردگی سے مسکرائی۔

"تمہارے لیے جان دے گیا وہ شخص۔ جو مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔" وفا کے قدموں سے جان نکل گئی۔ وہ ہل بھی نہ سکی۔ جیسے کوئی بت ہو۔

"تُم؟" اُس کے منہ سے بمشکل نکلا تھا۔ رمیشا نے اہستہ سے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں میں۔ جو ہر مقام پر جیتی تھی۔ لیکن تم سے پھر بھی ہار گئی۔" کیا کچھ نہ پڑھا تھا وفانے اُس وقت اُن سنہری آنکھوں میں۔ تکلیف۔۔ افسوس۔۔ حسرت۔۔ اور لا حاصل محبت۔ اُس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"مجھے تمہارے لیے افسوس ہے۔" وفانے نظریں جھکائیں تھیں۔ ریشا نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"اور مجھے تمہارے لیے۔" وفا کی بے اختیار نظریں اُٹھیں۔ شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی اب مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"وہ میرا کبھی نہیں تھا۔ پھر بھی مجھے اتنی تکلیف ہے۔ لیکن تمہارا تو تھا۔ تو تمہاری تکلیف کا تو میں اندازہ بھی نہیں لگا سکتی۔" بھوری آنکھوں میں ہلکی سی نمی اُتری تھی۔ مگر پھر وفا بمشکل مسکرائی۔

"میں تمہارے لیے دعا کرونگی ریشا۔ کہ تمہارا زخمی دل ٹھیک ہو جائے۔"

"آمین!" ریشا نے آنکھیں بند کر ایک گہری سانس لے کر کہا تھا۔ مانوں اُسے اُس دعا کی واقعی ضرورت تھی۔ پھر وفا کو دیکھ کر اُس کے ساتھ سے نکل گئی۔ وہ بھی صرف ایک گہری آہ بھر کر رہ گئی۔ وہ آج ہوتا تو دیکھتا۔ اُس کے بنا کتنا کچھ ادھورا تھا۔ مگر افسوس!! وقت کس کے لیے رکتا ہے؟

تین سال بعد۔

تاریخ: پانچ ستمبر۔

شہر: دلی۔

"ہاں امی! میں نے سب یاد سے رکھ لیا ہے۔" چمکتی ہوئی دھوپ اُس کے ہاسٹل کی بالکنی سے اندر داخل ہوتی ہوئی بیڈ پر بکھرے کپڑوں پر پڑی تھی۔

"بس یہاں سے اب تھوڑی ہی دیر میں نکل جاؤ گی۔ اور پھر سیدھا گھر۔" اُس نے مسکرا کر بات ختم کرتے ہوئے فون اپنے بیگ میں رکھا اور جلدی جلدی بکھرا سامان سمیٹ کر اپنی پیکنگ مکمل کی۔

آج دو سال کے پوسٹ گریجویشن اور پانچ ماہ کی انٹرنشپ مکمل کرنے کے بعد وہ ایک ٹرینڈ کنسلنگ پسیکالوجسٹ بن کر آگرہ واپس جا رہی تھی۔ نیلے پینٹس پر سفید انر

کے ساتھ نیلا ہی لونگ شرگ پہنے وہ جب کھلے بال سمیٹنے کے لیے آئینے کے سامنے آئی تو ہاتھ جوڑا بناتے بناتے رک گئے۔

(ویسے کھلے بالوں میں بہت خوبصورت لگتی ہوئی تھی۔)

اُس نے ہر روز کی طرح آج پھر اپنے کھلے بالوں کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اُس کی آواز سنی تھی۔ وہ یہ آواز پچھلے تین سال سے ہر روز سنتی تھی۔ پھر سر جھٹک کر فوراً بال باندھے۔ اور نیلے ہی رنگ کا حجاب سر پر لیا۔

زمانے کے لیے وہ بدل چکی تھی۔ اپنے ارد گرد کے لوگوں کے درمیان اُس کا ایک مضبوط کردار تھا۔ لیکن شاید اندر کہیں وہ اب بھی ویسی ہی تھی۔ ہنستی، مسکراتی، ایک صاف دل رکھنے والی وفا۔ جس کا دل بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔

"کیسی ہو؟" ارزو کے کمرے میں سہمی نے اُس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ جو سر درد کے مارے ہاتھوں میں چہرہ گرائے بیٹھی تھی، سر اٹھا کر اسے دیکھ مسکرا دی۔

"ٹھیک ہوں۔ تم آفس سے کب آئے؟"

"کچھ وقت پہلے۔ لیکن پوچھو مت یار۔۔ سچ میں بہت تھک گیا ہوں۔" وہ اُسے بتاتے ہوئے انگڑائی لے کر وہیں بستر پر پیچھے کی جانب لیٹ گیا تھا۔ سہمی کے نقوش بھی تھوڑے بڑے ہو چکے تھے۔ قد تو پہلے ہی ٹھیک تھا۔ مگر اب جسم بھی طاقتور ہو چکا تھا۔

"تُم صرف اتنے میں تھک جاتے ہو۔ بھائی تو بابا کے ساتھ پوری اختر انٹرپرائزز سنبھالتے۔۔۔" ارزو اُس سے منہ بنا کر کہہ رہی تھی جب اچانک اُس کی زبان رکی۔

"میرے سامنے اُن کا ذکر مت کیا کرو ارزو۔" سہمی نے ایک ٹک چھت کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتے اٹھتے تھمی۔

"سہمی؟؟؟" اُس نے بے یقینی سے اپنے بھائی کو دیکھا۔

"اُنہیں غلط نہیں سمجھتا یار۔ وہ میرے آئیڈیل ہیں۔ اور ہمیشہ رہینگے۔ لیکن جب تُم اُن کا ذکر کرتی ہو تو خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں۔ وہ میرے لیے باپ تک بن جاتے تھے۔ اور میں اُن کے لیے بھائی ہونے کا بھی فرض ادا نہ کر سکا۔" وہ اُٹھ بیٹھا۔ چہرے اور لہجے سے افسردگی صاف ظاہر تھی۔ وہ خاموشی سے سہمی کو دیکھنے لگی۔ جو اب مزید کہہ رہا تھا۔

"کبھی کبھی لگتا ہے کہ اُن کے جانے سے سب سے زیادہ نقصان صرف ہم دونوں کا ہی ہوا ہے۔ دادا ابو نے بزنس کا پارٹیشن کر دیا۔ وفا پہلے یہاں سے، اور پھر آگرہ سے ہی دور چلی گئی۔

نہ ہمارے پاس ماں باپ رہے۔ نہ اُن کی جگہ لینے والا بھائی۔ سب اپنی زندگی میں مصروف ہیں۔ لیکن بس ہم دونوں کے لیے ہی کوئی دوسرا شخص سہیل اختر نہیں بن سکتا۔"

"ایسا کیوں سوچتے ہو یا ر؟ کیا تم نے کبھی غور سے وفا کی آنکھوں میں نہیں دیکھا؟ وہ آج بھی وہیں کھڑی ہے۔ اذان بھائی آج بھی اُنہیں یاد کرتے ہیں۔ دادو آج بھی اُن کے کمرے کی صفائی کرواتی ہیں۔ چاچو آج بھی اُن کی کتابوں کو سنبھال کر رکھتے ہیں۔" اُس نے اُس کے غلط خیالات دور کرنا چاہے تھے۔ سہی نے ایک گہری سانس لی۔

"اگر زندہ انسان کی ہی قدر نہ کی جائے۔ تو پھر بے جان چیزوں کا خیال رکھنے سے کیا فائدہ؟" ارزو کے لب ہلنا بھول گئے تھے۔ دل پر موجود بوجھ یکدم بھاری ہوا تھا۔ اُن کی گفتگو کے درمیان ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ اور شزا اندر آئی۔ گلابی رنگ کے سفید موتیوں کے کام والے سوٹ میں، خوبصورت مگر سادہ طریقے سے تیار ہوئی۔

"کھانا تیار ہے۔ چلو۔" وہ بھی ویسی ہی تھی۔ بس اذان کے ساتھ سے ملا سکون اب اُس کے چہرے سے ہی چھلکتا تھا۔

"ہاں بس ابھی آتے ہیں۔" سہی نے حامی بھرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکرا کر جانے لگی مگر پھر رکی۔ اور قدم بڑھاتی ہوئی ارزو تک آئی۔

"شام تک وفا واپس آ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کل یہاں بھی آے۔"

”اچھی بات ہے۔“ ارزو نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔ وہ مڑنے لگی تو اُس کے کانوں سے سہمی کی آواز ٹکرائی۔

”تمہیں نہیں لگتا کہ یہ سب وفا کے ساتھ غلط ہو رہا ہے؟ شزا بھابی۔“ اُس کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔ وہ سہمی کی جانب مڑی۔

”وہ میری بہن ہے۔ اُس سے میرا رشتہ زیادہ گہرا ہے۔ اور اُس کے لیے صحیح اور غلط، میں اچھے سے سمجھتی ہوں۔“ شزا نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہا تھا۔ سہمی آہستہ سے مسکرایا۔ ارزو بے اختیار اُسے کچھ غلط کہنے سے روکنے کے لیے اُس کے قریب آئی تھی۔

”وہ اس گھر میں سب سے زیادہ تم پر بھروسہ کرتی ہے۔ جس دن اُس کا بھروسہ ٹوٹا، وہ تم سے تعلق بھی توڑ دیگی۔“ سہمی کے ایک جملے نے شزا کا دل کاٹ دیا تھا۔ ارزو نے یکدم اپنے بھائی کا بازو پکڑا۔ شزا چند لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ پھر گہری سانس لے کر اُس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھی۔

”تم درست ہو سہمی۔ لیکن میں بھی تو تمہاری طرح ہی مجبور ہوں۔ میں چاہ کر بھی اُس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔“ شزا نے افسوس جتایا تھا۔ وہ آہستہ سے طنزیہ ہنسا۔

”میری اور تمہاری مجبوری میں زمین آسمان کا فرق ہے بھابی۔ تمہارا احترام کرتا ہوں صرف اس لیے کچھ نہیں کہہ رہا۔“ وہ اپنی بات مکمل کر نرمی سے مسکرایا تھا۔ اور پھر ارزو کا ہاتھ

پکڑ کر اُسے لیے باہر نکل گیا۔ شزا نے اُن دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن پھر گہری سانس لے کر خود بھی اُن کے پیچھے چل پڑی۔

جمنا کے بہتے پانی پر آدھے چاند کا عکس پڑ رہا تھا۔ یہ رات کا منظر تھا۔ سرد ہوا چلتی ہوئی کھڑکی سے گزر کر اُس کے وجود سے ٹکرائی تو اُس نے کروٹ بدل لی۔ اچانک کسی کا لمس اُسے اپنے داہنے ہاتھ پر محسوس ہوا تھا۔

وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کھلی کھڑکی سے آسمان صاف دکھائی پڑ رہا تھا۔ اُس نے گہری سانس لے کر ایک نظر اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اور پھر دوبارہ لیٹ گئی۔ یہ اُس کے ساتھ اکثر ہوتا تھا۔ لیکن کیوں؟ یہ سوال آج تک اُس کے لیے صرف سوال ہی تھا۔

“امی کچھ کھانے کو تو دے دو۔ وہاں ہاسٹل کا کھانا تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔” وفانے اپنے بال جڑے میں لپیٹتے ہوئے کچن میں داخل ہو کر نگہ بیگم سے شکایت کی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

"تم جا کر بیٹھو۔ میں ابھی لاتی ہوں۔" انہوں نے اُس کے رخسار کو محبت سے تھپک دیا۔ وہ ٹھہر گئی۔ اُس نے اپنا رخسار چھوا تھا۔ یہی تو تھا جو وہ اختر منزل میں یاد کرتی تھی۔ سکون بھرا لمس۔ جس میں کوئی جھوٹ موجود نہیں تھا۔ آنکھیں نم ہونے لگیں تو سر جھٹک کر وہ واپس حال میں لوٹی۔

آج ویسے بھی اُسے اختر منزل جانا تھا۔ بہت وقت گزر چکا تھا وہاں کے ہر فرد سے ملے ہوئے۔

وہ کچھ گھنٹوں بعد ہی تیار ہو کر وہاں کے لیے نکل گئی۔ چاہے آگرہ ہو یا دلی۔ اُسے ٹریفک جام ہمیشہ سے ہی ناپسند تھا۔ اس لیے اُس نے میٹرولینا ہی بہتر سمجھا۔

سفید ٹراؤزر پر پوری آستینوں کی آسمانی شرٹ پہنے اُس نے اوپر سے سفید حجاب کیا ہوا تھا۔ وہ اب اپنی منزل پر پہنچ کر میٹرو اسٹیشن سے باہر جانے کے لیے لفٹ میں چڑھی تھی۔ کوئی شخص بھی اُسی کے ساتھ چڑھا تھا۔ سیاہ پینٹ پر سفید شرٹ پہنے وہ بہت decent لگتا تھا۔ وفا کی جانب سے اُس کی پشت تھی۔ تو وفانے ایک سراری سی نظر اُسے دیکھ کر اپنا ذہن فون کی جانب متوجہ کر لیا۔

"وفا آپ؟" اُس نے فوراً سر اٹھایا تھا۔ وہ شخص خوشگوار حیرت سے اُسے ہی مخاطب کر رہا تھا۔

"پہچانا مجھے؟ میں ہمزہ۔ سہیل کا۔"

"ہمزہ۔ جی۔۔ جی مجھے یاد ہے۔" اُس نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔ اُس شخص سے منسوخ ہر شخص، ہر بات اُسے حفظ تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟ میں نے تو سہیل سے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔ لیکن اُس نے کہہ دیا کہ اب اُس کا آپ سے رابطہ نہیں ہے۔" لفٹ کی تھی۔ دروازے کھلے تھے۔ ہمزہ مسکراتا ہوا باہر نکلا تھا۔ مگر وہ اپنی مسکراہٹ بھی برقرار نہ رکھ سکی۔

"سہیل سے؟" وفا کے گلے گٹی ڈوب کر ابھری تھی۔ اُس نے نا سنجھی سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میری آٹھ ماہ پہلے ہی اُس سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں کسی کام سے دبئی گیا تھا تو اُسی کے فلیٹ پر رہا تھا۔" وہ عام سے انداز میں کہتا ہوا اُس کے سر پر آسمان گرا چکا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ لفٹ اب دوبارہ اوپر جا رہی تھی۔ مگر اُس کی سانس درمیان میں ہی اٹک گئی تھی۔ نہ اوپر نہ نیچے۔ پھر اُسے اپنی آواز سنائی دی۔

"آپ آٹھ ماہ پہلے سہیل سے ملے تھے؟"

"ہاں! کیوں کیا ہوا؟" وہ اُس سے پوچھ رہا تھا کہ کیا ہوا؟ اور وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ یہ آخر ہوا کیا؟

"کچھ نہیں۔ بس ایک عرصہ ہو گیا ہے اُس سے ملے ہوئے۔ کیا آپ مجھے اُس کا کوئی فون نمبر یا ایڈریس دے سکتے ہیں؟" وہ بوجھل دل کے ساتھ آنکھوں میں ابھرتی ہوئی نئی کو دھکیلتی ہوئی بمشکل بولی تھی۔ قدموں سے جان نکل چکی تھی۔ اُس کے لیے مزید کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

ہمزہ اپنے فون سے دیکھ کر اُسے نمبر اور ایڈریس بتا رہا تھا۔ اور وہ کانپتی ہوئی انگلیوں کو سنبھالتی ہوئی جلدی جلدی اُسے اپنے فون میں نوٹ کر رہی تھی۔ جو ساتھ ساتھ اُس کے ذہن میں ویسے بھی محفوظ ہو رہا تھا۔ ہمزہ کچھ لمحوں بعد چلا گیا۔ مگر وہ خاموشی سے بھاری ہوتے ہوئے قدم بڑھا کر آگے ایک سائڈ کو آکھڑی ہوئی۔ اُسے کیا کرنا تھا؟ کہاں جانا تھا؟ وہ سب بھول گئی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

ہر سچ، ہر جھوٹ، اختر منزل کا ہر فرد اُس کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہا تھا۔ (جب بدلنے کی باری آتی ہے ناں؟ تب سب سے پہلے اپنے ہی بدلتے ہیں۔)

تین سال میں پہلی مرتبہ۔ پہلی مرتبہ اُسے عالیہ یاد آئی تھی۔

(آجائے گی۔ اور بہت جلد آئیگی۔ تم نے اپنے لیے خائی خود خودی ہے لڑکی۔ تم صرف محبت دینے والی بنی ہو، تمہیں اب محبت ملے گی نہیں۔)

اُس وقت وہاں کھڑے ہوئے۔ بے یقین دل اور نم آنکھوں کے ساتھ۔ اُسے آج عالیہ کی اُس بات کا مطلب سمجھ آیا تھا۔

(آج کون سا دن ہے؟)

(ساتواں۔)

(سہیل اب نہیں ہے وفا۔ اُس کی death ہو چکی ہے۔)

(وہ نہیں ہے وفا۔ وہ اب واپس نہیں آ سکتا۔)

(مجھے معاف کر دو وفا۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔)

(شزا۔۔ شزا اُسے لا دو۔ پلیز!! پلیز اُسے۔۔ اُسے لا دو۔ تُم۔۔ تُم اذان سے کہو۔ وہ۔۔ وہ اُسے لا دیگا۔)

کسی نے اُس کے داہنے ہاتھ کو چھوا تھا۔ اُس نے چونک کر دیکھ تو وہاں ایک چھوٹا بچہ اُس سے بھیک مانگ رہا تھا۔ اُس نے فوراً اُسے بیگ سے کچھ نکال کر دیا تو وہ مسکرا کر دور چلا گیا۔ وفانے اپنے داہنے ہاتھ کو دیکھا تھا۔ وہ خواب جو اُسے دکھا کرتا تھا۔ وہ لمس جو اُسے محسوس ہوا کرتا تھا۔ وہ دھند میں لپٹا ہوا اسپتال کا کمرہ۔ وہ کسی کے جانے پر دروازے کے بند ہونے کی ہلکی آواز۔

وقت لگا تھا۔ مگر اُسے اپنے خواب۔۔ اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ جو شاید خواب نہیں، بلکہ حقیقت تھا۔

ماضی۔۔

اذان اسپتال کے کمرے میں داخل ہوا تو بیڈ کو خالی پایا۔ اُس نے نظریں دوڑائیں تو سہیل باتھروم سے کپڑے بدل کر باہر آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ پانچواں روز تھا۔ گولی کا زخم بھی بھرنے لگا تھا۔ آج اُسے اسپتال سے چھٹی مل رہی تھی۔

"تو ٹھیک ہے نا؟" اذان فکر مندی سے پوچھتا ہوا اُس کے پاس آیا تھا۔ اُس نے فقط سر اثبات میں ہلا دیا۔

"وفا؟" سہیل نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔ اذان نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر اُس سے پہلے ہی دادا ابو، احمد چاچو کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔ وہ سامنے کھڑے اپنے دونوں پوتوں کو دیکھنے لگے۔ دونوں نے ہی نظریں چرائیں تھیں۔

"کیسے ہو؟" انہوں نے سنجیدہ تاثرات لیے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" سہیل نے بھی سادگی سے جواب دیا تھا۔

"لگ بھی رہے ہو۔" وہ سرسری سا کہتے ہوئے وہاں پڑے صوفے پر جا بیٹھے۔ سہیل اور اذان کی نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ اُن دونوں سے بھی ناراض ہیں کیونکہ اُنہوں نے سچ چھپایا تھا۔ احمد کے اشارے پر سہیل اُن کے پاس گیا۔

"مجھے معاف کر دیں دادا ابو۔" اُس نے معافی مانگی تھی۔ اختر صاحب نے اُسے دیکھا۔

"کر دیا۔ لیکن کیا تم میرے لیے کچھ کر سکتے ہو؟" وہاں موجود تینوں فرد حیران ہوئے تھے۔ سہیل نے بے اختیار اُنہیں دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

"وفا کی زندگی سے دور چلے جاؤ۔" سہیل سانس نہیں لے سکا۔ اذان اور چاچو نے بھی بے یقینی سے اُنہیں دیکھا تھا۔

"کیا؟" اُس کے لبوں سے بے اواز نکلا تھا۔ اختر صاحب نے حامی بھری۔

"ہاں! میں نہیں چاہتا کہ اب میرے بچوں پر اور کوئی بھی مشکل آئے۔ اور خاص کر وفا پر۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم یہاں سے دور چلے جاؤ۔ کم از کم تب تک کے لیے جب تک ہم اُس کی کہیں شادی نہیں کرا دیتے۔" وہ اپنی بات مکمل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہ ساکت رہ گیا۔ وہیں کا وہیں۔ اُنہوں نے اسے پل بھر میں سچ کا آئینہ دکھا دیا تھا۔ کہ وہ کتنا غلط تھا جو جانے انجانے میں اُس کا خواب دیکھ بیٹھا تھا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔" سہیل نے اس مرتبہ سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ اس کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری تھی۔

"تمہیں کرنا ہوگا۔"

"میں اُس کے بنا مر جاؤنگا دادا ابو۔" اُس کی آواز میں بے بسی تھی۔ وہ کچھ لمحے اُسے دیکھ کر رہ گئے۔ پھر گہری سانس لے کر اُس سے منہ موڑ کر چند قدم آگے آئے۔

"اور اگر تمہارے ساتھ رہی تو تمہاری دشمنیوں کی زرد میں آکر وہ مر جائے گی۔"

"میں اُس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔" اُس نے ایک اور کوشش کی تھی۔

"مگر میں تمہیں یہ موقع نہیں دے سکتا۔ ایک بیٹے سے دھوکہ کھا چکا ہوں۔ اب اُس کے بیٹے سے نہیں کھا سکتا۔"

"آپ مجھے بابا کی سزا دے رہے ہیں؟" سہیل کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ اختر صاحب نے چہرہ موڑ کر اُس کی جانب دیکھا۔

"نہیں! ایک موقع دے رہا ہوں یہ ثابت کرنے کا کہ تم اپنے باپ کی طرح نہیں ہو۔ میری نظر میں تم دونوں کا جوڑ بالکل درست نہیں ہے۔ اگر تم نہ گئے، تو میں وفا کو بھیج دوں گا۔ اور میں جانتا ہوں وہ مجھے انکار نہیں کرے گی۔" وہ اپنا فیصلہ سنا چکے تھے۔ اور وہ اپنی جگہ ساکت

رہ گیا تھا۔ اُسے کئی سال پہلے کا وہ وقت یاد آیا تھا۔ نسیم اختر کی اسٹڈی، اُن کے اعتراف اور دھمکی، اور سامنے ایک مرتبہ پھر بے بس کھڑا وہ۔

"آپ یہ غلط کر رہے ہیں دادا ابو۔" اُس کو لاجواب دیکھ اذان آگے آیا تھا۔

"میں اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں اذان۔"

"آپ وفا کو کیا جواب دیں گے؟ وہ آپ سے سوال کرے گی بابا۔" احمد نے بھی سوال اٹھایا تھا۔ سہیل نے آخری مرتبہ اُمید لیے نظریں اٹھا کر اختر صاحب کو دیکھا تھا۔ وہ چند لمحے رکے۔ پھر اُن کی سنجیدہ آواز سب کو سنائی دی۔

"کہہ دوں گا کہ سہیل مر چکا ہے۔" کوئی پہاڑ سا گرا تھا اُس وقت اسپتال کے اُس کمرے پر۔ سہیل کی آخری اُمید بھی بڑی بے دردی سے توڑی گئی تھی۔

"میں اپنی بات مکمل کر چکا ہوں۔ اور اب جو اس پر اعتراض کرے گا۔ اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔" وہ سختی سے کہہ کر دروازے کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ جب سہیل کی سنجیدہ آواز بلند ہوئی۔

"ایک حکم میں نے آپ کے بیٹے کا مانا تھا۔ ایک آپ کا مان لوں گا۔ حساب برابر۔ لیکن اُس کے بعد باری میری ہوگی۔" اختر صاحب نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے، حیرانی سے اُسے

دیکھا تھا۔ لیکن وہ اب اُنہیں نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ دیوار کو دیکھتا ہوا سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے۔

"میں چلا جاؤنگا۔ اور واپس نہیں آؤنگا۔ لیکن اگر کبھی بھی وہ مجھے ڈھونڈھتی ہوئی مجھ تک آئی۔ یا اُسے آپ کی اُس حویلی میں ذرا بھی تکلیف ہوئی۔ تو میں اُس کا ساتھ دوںگا۔ پھر چاہے مجھے اختر منزل کی بنیادوں سے ہی کیوں نا ٹکرانا پڑے۔"

"سہیل!!" اذان نے اُسے بے بسی سے پکارا تھا۔ مگر اُس نے چہرہ موڑ کر اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"جائیں۔۔ سہیل اب اختر منزل کے لیے واقعی مر گیا۔" ہینڈل پر اُن کی گرفت کمزور پڑی تھی۔ اُس کی آنکھیں، اواز، الفاظ، انداز۔ اُنہیں ہلا گئے تھے۔

وہ پھر بنا اُن سے نظریں ملائے آگے آیا اور اُن کے ساتھ سے دوسرا دروازہ کھولتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ قدم بڑھاتا ہوا اسپتال کے اُس کمرے میں گیا تھا جہاں وہ آنکھیں بند کئے گہری نیند میں ڈوبی تھی۔ اُس کے سرہانے آکر وہ تھا۔ اور ٹھہر کر اُسے دیکھنے لگا۔ اُس کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا۔ مانوں کسی نے اندر سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ ہوٹوں کے پاس ہلکے سے زخم کا نشان

صاف نظر آ رہا تھا۔ سر اور داہنے ہاتھ پر سفید پٹی بندھی تھی۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔ کھڑی کی سوئی ٹک ٹک کی آواز سے آگے بڑھتی رہی۔ آہستہ آہستہ۔۔

"شاید وہ درست ہیں۔ میرا ساتھ تمہیں زخموں کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتا۔" اُس نے سرمئی آنکھوں میں کئی اُمیدوں کی کرچیاں لیے اُسے دیکھ کر آہستہ آواز میں کہا تھا۔

"تُم نے مجھے میرا اصل یاد کرایا تھا۔ مجھے سیاہ سے سرمئی کرنے والی تُم تھیں۔ تُم میری برسوں کی ادھوری نیند کا واحد خواب بنی تھیں۔ لیکن افسوس۔۔" اُس نے آہستہ اور نرمی سے اُس کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اُس کے گلے میں گلی ڈوب کر اُبھری تھی۔ بہت سا پانی اُس نے حلق سے نیچے اتارا تھا۔ مگر آواز پھر بھی بھیگ چکی تھی۔

"میں بھول گیا تھا کہ سیاہ رنگ کے مقدر میں سفید رنگ نہیں ہوا کرتا۔ اور جیسے اگر اُٹھ گئیں تو مجھے سچ میں قبول کر ہی لوگی۔" وہ ہلکا سا طنزیہ ہنسا تھا۔ شاید خود پر۔ یا شاید اپنے مقدر پر۔ پھر اُس نے نظریں جھکا کر اپنے بھاری اور بڑے ہاتھ میں موجود اُس کے ملائم اور ہلکے ہاتھ کو دیکھا۔ ایک بڑا فرق تھا جو اُن کے درمیان حائل تھا۔ سرمئی آنکھوں میں پہلی مرتبہ نمی اُتری تھی۔

اُس وقت۔۔ اسپتال کے اُس کمرے میں۔۔ پہلی مرتبہ اُسے احساس ہوا تھا کہ یہ کوئی نفرت یا دشمنی کا کھیل نہیں تھا۔ یہ تو مقدر کے کھیل تھے۔ جو اگر کسی کا اچھا نکلے تو اُسے تخت

سے نواز دے، اور اگر برا نکلنے پر آئے تو خاک میں ملا دے۔ اور سہیل اختر وہ شخص تھا جس کے مقدر میں تخت تو تھا، مگر خاک سے بنا ہوا۔

اُس نے آنکھیں بند کر اُن کی نمی اپنے اندر اُتاری۔ اور پھر پلٹنے لگا۔ ہاتھ چھوٹنے لگا تو اُس کے قدم زنجیر ہوئے۔ اُس نے چہرہ موڑ کر دیکھا تو وفا کا ہاتھ ہلا تھا۔ انجانے میں ہی سہی مگر وہ جیسے اُسے روکنا چاہتی تھی۔ سہیل نے دوسرے ہاتھ سے آہستہ سے اپنا ہاتھ آزاد کرایا۔ اور پھر بنا رکے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کے چھوڑنے سے دروازے میں ہلکی سی آواز ہوئی تھی۔ جو وہ نظر انداز کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

یہ اُسی رات کے ایئر پورٹ کا منظر تھا۔ اذان اُسے چھوڑنے آیا تھا۔ یا شاید روکنے۔ سہیل نے اپنے بیگ کے ہینڈل کو تھاما تو بے اختیار اذان نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ "ایک بار اور سوچ لے۔ میں بات کرونگا اُن سے۔ وہ بس جو کچھ بھی ہوا اُس سے متاثر ہو کر غلط فیصلہ کر رہے ہیں۔" سہیل نے اُس کا ہاتھ تھاما۔

"اُن کا فیصلہ اپنی جگہ درست ہے۔ میں نے بھی تو سب کو دھوکہ دیا ہے ناں؟ تو وہ وفا کے لیے مجھ پر کیسے اعتبار کر لیں؟"

"وہ کر لینگے۔ میں ساتھ دوں گا تیرا۔"

"وہ مجھ سے اچھا deserve کرتی ہے اذان۔ اور کیا وہ مجھے قبول کریگی؟" اذان کچھ نہ کہہ سکا۔

"دادا ابو نے مجھ سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ اُن کے زخم ابھی تازی ہیں۔ میں اُن زخموں پر ایک اور زخم نہیں دے سکتا۔

میرا یہاں سے جانا شاید اُن کا اعتبار بحال کر دے۔" وہ اپنی بات مکمل کر خاموش ہوا تو اذان بے اختیار اُس کے گلے لگا۔ آہ!! وہ دونوں ایک وقت سے الگ تھے۔ اور اُنہیں ابھی ایک اور وقت تک الگ رہنا تھا۔

پھر وہ الگ ہوئے تو سہیل مسکرایا۔ جواباً اذان بھی مسکرا دیا۔ صرف وہ دو ہی تھے جنہیں کسی شکوے شکایت، کسی معافی تلافی کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اُن کا تعلق آج بھی ویسا ہی تھا۔ جیسا بچپن میں ہوا کرتا تھا۔

"چھوڑ آے اُسے؟" اذان سفید حویلی میں داخل ہوا تو اختر صاحب کو حال میں ہی اپنا منتظر پایا۔

"جی۔" اُس نے بھی ایک لفظی جواب دیا تھا۔

"کہاں گیا ہے وہ؟" اُنہوں نے دوسرا سوال پوچھا تھا۔

"کم از کم یہاں سے بہت دور۔" وہ بنا نظریں ملائے جواب دے کر سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگا تو اُن کی افسردہ آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"اُسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔" اُس کے قدم رکے تھے۔ چند لمحوں کو۔

"ٹھیک ہے۔" پھر وہ سادہ جواب دیتا آگے بڑھ گیا۔ اور وہ وہیں بیٹھے رہے۔ ہلکے اندھیرے میں ڈوبی سفید حویلی میں اپنی سوچوں میں اُلجھے ہوئے۔

حال۔۔

وقت: 10:20pm

جگہ: اختر منزل

"وہ فون نہیں اٹھا رہی۔" شہزاد نے وفا کے انتظار میں بیٹھی دادو کو بتایا تھا۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ سب گھر پر ہی تھے۔ اور خاص کر دادا دادو تو اب فکر مندی سے اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ جو ناجانے کہاں رہ گئی تھی؟

آخر کار انتظار ختم ہوا اور وفا بے تاثر چہرے کے ساتھ حویلی میں داخل ہوتی دکھائی دی۔ وہ آگے آئی تو شزا خوشی سے اُس کے گلے لگنے کو آگے بڑھی۔ لیکن وفانے بنا اس کی جانب دیکھے اُسے ہاتھ سے روک دیا۔ اُس کی نظریں سامنے سینٹرل ٹیبل کے پیچھے کھڑے شہروز اختر پر جمی تھیں۔

"وفا؟" شزا نے کچھ ہوئے چہرے کے ساتھ حیرانی سے اُس کا نام لیا تھا۔ وہ اُسے نظر انداز کرتی آگے آئی۔

"آپ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا بڑے بابا؟" وہ سادہ سے لہجے میں سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"کون سا جھوٹ بیٹا؟" احمد نے نا سمجھی سے پوچھا تھا۔ اُس نے ان کی بات بھی نظر انداز کر دی۔ صرف اُنہیں ہی دیکھتی رہی۔

"میں نہیں جانتا کہ تم کیا پوچھ رہی ہو۔" اُنہوں نے جواب دیتے ہوئے نظریں پھیری تھیں۔

"تو آپ مجھ سے نظریں کیوں چرا رہے ہیں؟" وہ بے خوفی سے پوچھ رہی تھی۔ اوپر راہداری کی ریلنگ پر کھڑے اذان کے قدم بے اختیار نیچے کی جانب بڑھے تھے۔

"وفا۔" دادو نے اُسے ٹوکا تھا۔ وہ اُنہیں بھی نظر انداز کر گئی۔

"میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ آخر آپ نے مجھ سے سہیل کی موت کا جھوٹ کیوں بولا تھا؟" سیڑھیاں اترتے ہوئے اذان کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔ شہزاد نے بھی خوفزدہ ہو کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ دادو، ارزو، احمد چاچو۔ کوئی کچھ نہ بول سکا۔ پل بھر کو سب میں خاموشی چھا گئی تھی۔ سب شل رہ گیا تھا۔ البتہ سہی آہستہ سے دل ہی دل میں مسکرایا تھا۔

"تاکہ تم اُسے بھول جاؤ۔" اختر صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ وہ جانتے تھے وہ ایک دن یہ سوال ضرور کریگی۔ مگر وہ دن اتنی جلدی آئے گا۔ اس بات کا انداز نہیں تھا۔

"آپ کو مجھ پر ترس نہیں آیا؟" وفا کے لہجے میں کچھ ٹوٹا تھا۔ جس کی گونج ان کے کانوں نے بھی سنی تھی۔ وہ خاموشی سے چل کر ٹیبل کی اس طرف آئے۔ وہ اب اُس کے سامنے تھے۔

"وہ تمہارے لیے درست نہیں تھا بیٹا۔" انہوں نے نرمی سے کہا تھا۔ بس اُن کی ذرا سی نرمی تھی۔ اور وفا کی آنکھیں بھگنے لگیں۔

"کسی ڈھال کی مانند کھڑا ہوا تھا وہ میرے آگے۔ موت کا سامنا کیا تھا اُس نے میرے لیے۔ آپ جانتے ہیں موت کتنی خوفناک ہوتی ہے؟

مگر آپ نے پھر بھی اُس کے ساتھ ایسا کیا؟ وہ خون تھا آپ کا۔ آپ کو اُس پر بھی ترس نہیں آیا؟" اُس کی بھگتی آواز کو سن، اُنہونے بے اختیار اُس کی جانب ہاتھ بڑھائے تھے۔ لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں!! آپ پہلے میری بات۔۔ بات سنے۔" وفانے کہتے ہوئی رخسار پر بہتا آنسو رگڑا۔ اختر صاحب بے یقینی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ اُنہونے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اُن کے سامنے یوں بھی کھڑی ہو سکتی ہے؟ اُن سے اس طرح بھی سوال کر سکتی ہے؟ اتنی ہمت سے؟

"وفا۔" اذان نے فکر مندی سے اُس کے قریب آنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اور بھڑک اُٹھی۔

"خبردار۔۔ نام مت لو میرا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ۔۔" اُس نے سُرخ چہرے کے ساتھ افسوس سے اُسے، شہزاد، ارزو اور پھر احمد کو دیکھتے ہوئے اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔ البتہ نظریں بہت کچھ کہہ گئی تھیں۔

"میں تمہیں سچ بتانا چاہتا تھا۔ مگر۔۔" اذان بھی اپنی بات مکمل کرتے کرتے رک گیا۔

"مگر دادا ابو نے منع کر دیا ہوگا۔ رائٹ؟؟

تُم سب سے تو میرا لڑنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا۔ تُم۔ شزا۔ ارزو۔۔ چاچو۔۔ "اُس نے احمد کو دیکھا تھا۔

"اس گھر کے مکینوں نے تو میرا مان ہی توڑ دیا یار۔"

"تمہیں سوال کرنے کا حق ہے۔ لیکن میں نے اُس وقت وہی فیصلہ کیا جو میری نظر میں درست تھا۔ سہیل نے مجھے دھوکہ دیا تھا۔ میں تمہارا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں کیسے دے دیتا؟" اختر صاحب نے اپنی ہمت جمع کر، پورے اعتماد سے کہا تھا۔

"تو نہ دیتے۔ بڑے بابا کہتی ہوں میں آپ کو۔ اپنے بابا سے بڑا درجہ دیتی ہوں۔ میں مان لیتی آپ کا حکم۔ لیکن آپ نے تو اُس کی موجودگی سے ہی انکار کر دیا؟" شدید غصے اور ناراضگی کے باوجود بھی وہ اُن سے اُس طرح مخاطب نہیں ہو رہی تھی جیسے ابھی چند لمحے قبل اذان سے ہوئی تھی۔

"اور ہاں!! دھوکہ نہیں دیا تھا اُس نے آپ کو۔ اُنہوں نے مجبور کیا تھا اُسے۔ آپ کو دھوکہ آپ کے بیٹے نے دیا تھا۔ جس کی سزا آپ نے اُسے دی ہے۔۔" وفا کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ اختر صاحب کا ہاتھ اٹھا تھا۔ اور پوری قوت سے اُس کے رخسار پر چاٹنا چھوڑتے چھوڑتے رہ گیا۔

"شہر زو۔۔ کیا کر رہے ہیں یہ؟" فرزانہ بیگم نے درمیان میں ہی اُن کا ہاتھ روک لیا تھا۔ اُنہوں نے ضبط سے ہاتھ نیچے کر لیا۔ آنکھیں سُرخ ہو چکی تھیں۔ اذان نے بے اختیار وفا کی حفاظت کے لیے اپنا ہاتھ اُس کے آگے کیا تھا۔ مگر جیسے وہ تو مٹی کی بت بن کر رہ گئی تھی۔ ساکت۔۔ شل۔۔

دل سہم گیا تھا۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ آنکھوں دیکھا منظر ناقابلِ اعتبار تھا۔

"اس سے کہو کہ میرے فیصلوں کو غلط کہنا بند کرے۔ ورنہ میں بھول جاؤنگا کہ یہ میری پوتی ہے۔" وہ چند لمحے اُنہیں ساکت نظروں سے دیکھتی رہی۔ سب دھندھلانے لگا تھا۔ سارے جذبات آپس میں مل کر اُس کے لیے سب اور مُشکل بنا رہے تھے۔ پھر اُس نے کپکپاتے ہونٹوں کو سختی سے دبایا۔

"وہ ٹھیک کہتی تھیں۔۔"

عالیہ مبین بالکل ٹھیک کہتی تھیں۔ "وہ کسی انجانی کیفیت میں بولی تھی۔ پھر زخمی اور خالی نظریں اٹھا کر اُنہیں دیکھا۔

"کوئی وفا کے لیے وہ سب نہیں کرے گا جو وہ دوسروں کے لیے کرتی ہے۔ کوئی نہیں۔ کوئی بھی نہیں۔"

اگر آج میرے بابا زندہ ہوتے ناں۔۔ تو وہ۔۔ تو وہ آپ سے سوال کرتے کہ اُن کی بیٹی کی چیخوں سے آپ کا دل کیوں نہیں پگھلا؟" جملے کے آغاز میں موجود لہجے کی بے یقینی، انت تک سخت غصے میں بدل گئی تھی۔ اختر صاحب کے علاوہ، باقی سب نے بھی اُسے حیرانی سے دیکھا تھا۔ اُس کے چند الفاظ۔۔ صرف چند الفاظ بہت کو بہت کچھ یاد کرا گئے تھے۔ اختر صاحب اگلی سانس لینا بھول گئے تھے۔

لیکن وہ بنا کسی پر آخری نظر ڈالے قدم اٹھاتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔ کسی نے اُسے پکارا تھا۔ کس نے؟ اُس نے نہیں سنا۔ وہ اپنا آخر قدم دہلیز سے باہر رکھنے لگی تھی۔

"اگر تم نے ایک اور قدم آگے بڑھایا تو تمہارا اس حویلی سے تعلق ختم ہو جائے گا وفا۔" اُس کا آخری قدم زمین سے چند انچ کی دوری پر ٹھہر گیا۔ اُس کانچ کے دل کا ایک اور ٹکڑا ہوا تھا۔ چند لمحے گزرے۔ ایک موتی آنکھ سے ٹوٹ کر اُس دہلیز پر گرا۔ اُس نے قدم واپس لیا۔ اور پھر اپنی جگہ پر پلٹی۔ ٹھیک سامنے کھڑے اختر صاحب نے سکون کی سانس لی تھی۔

"اگر تعلق قدموں کے فصولوں پر ہی ختم ہوا کرتے ہیں۔ تب تو اس حویلی سے میرا تعلق بہت پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔" اُس نے بنا کسی افسوس کے کہا تھا۔

"یہاں دم گھٹتا ہے میرا۔۔ کیونکہ یہاں مجھے کبھی سکون بھری مُجت نصیب نہیں ہوئی۔ اس خوفناک حویلی نے ہر اُس تعلق، ہر اُس شخص کی قربانی مانگی ہے جو میرا تھا بڑے بابا۔"

کبھی آپ نے اس کے سفید در و دیوار کو دیکھا ہے؟ یہ چاند جیسا نہیں۔۔ بلکہ کفن جیسا سفید ہے۔ آپ کی یہ حویلی سب کھا گئی۔ کوئی ایک ایسا فرد دکھا دیں مجھے جو یہاں مکمل ہو۔ "دادا ابو کی ضبط سے بند مٹھی کھلی تھی۔ اُن کی زبان نے ہلنے سے منع کر دیا۔ سب کے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

"آج میں اسے اپنی آخری قربانی دے رہی ہوں بڑے بابا۔

اب آپ کی یہ سفید حویلی، اور آپ کے فیصلے۔

آپ کو ہی مبارک ہو۔ "وہ سخت لہجے میں اپنے آخری الفاظ مکمل کر مڑی۔ اور پوری ہمت جمع کر اپنا آخری قدم دہلیز کے پار رکھ دیا۔

پھر دوسرا۔

اُس کی زبان سے نکلا ہوا سچ، کسی تیر کی مانند وہاں موجود ہر فرد کا دل چیر گیا تھا۔ کوئی کچھ نہ بول پایا۔ وہ سب کے حصّے کا بول گئی تھی۔

وہ بھی جو وہ خود سے کہتے تھے۔ اور وہ بھی۔

جو وہ خود سے چھپاتے تھے۔

رات کے سائے نے آسمان کو ڈھک لیا تھا۔ پوری اختر منزل ایک عجیب خاموشی میں ڈوبی تھی۔ سب اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ چند لائٹس کے علاوہ سب میں اندھیرا تھا۔ دادو اپنے کمرے سے باہر نکلیں اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اُس کے سامنے حال میں موجود صوفے پر بیٹھے تھے۔ اندھیرے میں ہلکی سی روشنی اُن کے وجود کے ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی۔ کسی کے ہونے کا احساس موجود نہیں ہوتا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُن کے ساتھ آ بیٹھیں۔ نہ اُنہیں دیکھا۔ نہ کچھ بولیں۔ صرف خاموشی سے اُن کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ ایک دوست اور ساتھی کی طرح۔

"مجھے آج اس حویلی سے خوف آ رہا ہے فرزانہ۔ بہت خوف۔" کچھ لمحوں بعد اُن کی بہت آہستہ آواز دادو کو سنائی دی تھی۔ اُنہوں نے چہرہ موڑ کر اُن کی جانب دیکھا تو وہ سر اٹھائے ہلکی روشنی میں نظر آتی اُس حویلی کی چھت کو دیکھ رہے تھے۔

"مقدر کے کھیل تو دیکھو۔۔ جس منزل کو میں نے اتنے مان، اتنی محبت سے بنایا تھا۔ اُس میں ہی میرے بچوں کو خوشیاں نصیب نہ ہوں۔"

اپنے ہی گھر میں اُس کا دم گھٹتا تھا۔ وہ کہہ کر گئی ہے کہ یہ حویلی سب کھا گئی۔ کیا غلط کہتی ہے؟ سچ ہی تو ہے فرزانہ۔۔"

"مگر اُس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں۔" دادو نے اُن کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ اُنہیں تسلی دینی چاہی تھی۔ دادا ابو نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرا قصور ہے۔۔ میں نہ فتح اور نسیم کے لیے کچھ کر سکا۔ نہ شزا اور وفا کے لیے۔ اذان، سہیل، ارزو، سمی۔ میں تو کسی کے لیے بھی کچھ نہ کر سکا۔ سب ہو کر بھی میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میرے ہاتھ خالی ہیں۔" وہ اب افسوس اور بے بسی سے اپنے خالی ہاتھ پھیلائے، اُنہیں دیکھ رہے تھے۔ دادو نے گہری سانس لے کے اُن کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"ایک وقت تھا جب آپ نے انہی خالی ہاتھوں سے سب شروع کیا تھا شہروز۔ ایک بار پھر کر لیں۔"

"مگر اب مجھ میں اور ہمت نہیں ہے۔ اب تکلیف برداشت نہیں ہو رہی۔" اُن کی آواز بھیگی تھی۔ بے اختیار دادو کی بھی آنکھیں بھگنے لگیں۔

"میں نے غلط فیصلے کر دیے فرزانہ۔ بہت غلط۔ نسیم کے فریب نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا۔ اور اُس کا عکس مجھے سہیل میں نظر آتا تھا۔ میں نے سہیل کو نسیم کا بیٹا سمجھا۔ لیکن میں وفا کو فتح کی بیٹی سمجھنا بھول گیا۔"

لیکن۔۔ لیکن میرا دل اُس کی تکلیف دیکھ کر پگھلا تھا۔۔ میں نے۔۔ میں نے سوچا تھا کہ اس مرتبہ آئے گی تو میں اُسے سچ بتا دوں گا۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ ناراض ہوگی؟ لڑیگی؟ نفرت کریگی؟ لیکن وہ تو مجھے چھوڑ کر ہی چلی گئی۔۔

مجھے وفا پر ہاتھ بلند نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں فتح کو کیا جواب دوں گا؟ میں تو اُن دونوں پر ظلم کر گیا فرزانہ۔۔ میں ظلم کر گیا۔ "اواز کی ساتھ ساتھ آنکھیں بھی پانی سے بھر چکی تھیں۔ اُن کی بوڑھی خال پر بہتا ہوا آنسو سفید داڑھی میں کھو گیا تھا۔

"بابا۔۔" اندھیرے میں کھڑے شخص نے اُنہیں پکارا تھا۔ دادو نے اپنی داہنی جانب دیکھا تو احمد تھے۔ وہ خاموشی سے چلتے ہوئے اُن دونوں کے قریب آئے اور اختر صاحب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے۔

"آپ مجھے بھول رہے ہیں کیا؟ میں تو ہوں آپ کے ساتھ۔ آپ کا بیٹا۔" احمد نے کسی بچے کی طرح اُنہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔ شہروز نے بے اختیار اُنہیں خود سے لگا لیا۔ احمد کو محسوس ہوا کہ اختر صاحب کے بوڑھے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ آنکھیں پانی سے لبالب بھری ہوئی تھیں۔ جن کی گواہی اواز میں موجود سسکیاں بھی دیتی تھیں۔

دادو اپنے جذبات پر ضبط باندھے سختی سے ہونٹوں کو دبائے اپنی آہیں روکے اُن دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ جب اُنہیں اچانک کسی کا ہاتھ اپنے شانے پر محسوس ہوا۔ اُنہوں نے سر اٹھایا تو وہ اذان کا تھا۔ اختر صاحب نے آنکھیں رگڑتے ہوئے سر اٹھایا تو اُن چاروں کو دیکھ

بے اختیار نظریں جھکا گئے۔ وہ تو اُن کے سامنے کسی چٹان کی مانند مضبوط رہتے تھے۔ اور آج کسی بچے کی مانند کمزور لگ رہے تھے۔

"چاچو۔۔" ارزو نے پانی کا گلاس احمد کی جانب بڑھایا تھا۔ اُنہوں نے تھام کر دادا ابو کو دیا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگے۔ تو گہری سانس لے کر سہمی اُن کی دوسری جانب بیٹھا۔

"بھائی کہتے تھے۔۔ جب بات فیملی کی ہوتی ہے تو کوئی مضبوط نہیں رہتا۔ سب کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اور کمزور پڑنا کوئی شرم کی بات نہیں ہوتی۔" چند لمحے لگے تھے شہروز اختر کو۔۔ اور پھر اُنہوں نے بے اختیار سہمی کی بھی خود سے لگا لیا۔ وہ تسلیم کے چکے تھے کہ وہ اب مزید مضبوط نہیں ہیں۔

"کیا ہم اُن دونوں کو واپس نہیں لا سکتے؟" شہروز نے بھیگی آواز میں کانپتے ہوٹوں سے پوچھا تھا۔ سب کی نظریں دادا ابو پر ٹھہر گئیں۔ جواب نفی میں سر ہلا رہے تھے۔ جو اُمید کی چمک اُن سب کی آنکھوں میں ابھری تھی، پل بھر میں اُس رات کی سیاہی میں ڈوب گئی۔

"کم از کم اب اس حویلی میں تو ہرگز نہیں۔" دادا ابو نے تھوڑا ٹھہر کر جواب دیا تھا۔ سب نے اُنہیں حیرانی سے دیکھا۔

"مطلب؟" احمد نے دریافت کرنا چاہا تھا۔

آفتاب کے آگے سفید بادلوں نے سایہ کیا تھا۔ موسم خاصہ خوشگوار تھا۔ نگہ بیگم نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑی شزا اور ارزو کو دیکھ کچھ حیران ہوئیں۔ مگر پھر مسکرا کر انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"کیسی ہو تم دونوں؟" انہوں نے بھرپور محبت سے پہلے شزا اور پھر ارزو کو گلے لگایا تھا۔ دونوں نے نظروں کا خاموش تبادلہ کیا تھا۔

اُن کی محبت اور انداز سے یہ بالکل نہیں لگتا تھا کہ وفانے انہیں کچھ بتایا تھا۔

"وفانے مجھے سب بتایا تھا۔ مجھے امید تھی کہ تم لوگ آؤ گی۔" انہوں نے شاید اُن دونوں کی حیرانی بھانپ لی تھی۔

"آپ بھی ہم سے ناراض ہونگی۔ ہم آپ کو سب سمجھا۔" شزا کا بے چینی سے کہے جانے والا جملہ درمیان میں ہی رہ گیا۔

"شاید اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ جا چکی ہے۔"

(وہ سُرخ رنگ کے بیگ کا ہینڈل تھامے آگے بڑھ رہی تھی۔)

"کیا؟"

"اگر تُم لوگ چند گھنٹے پہلے آ جاتے تو شاید اُس سے مل بھی لیتے۔" اُن کا بتانا تھا اور شزا کا چہرہ بُجھ گیا۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔

(سر مئی بوٹم پر سیاہ انر پہنے وہ سیاہ حجاب کیے ہوئے تھی۔ اوپر سے سر مئی ہی لونگ شرک تن پر سجا تھا۔ کچھ قدم اور چلی اور پھر ایک خالی سیٹ پا کر اُس پر آ بیٹھی۔)

"کہ۔۔ کہاں؟" ارزو نے بمشکل پوچھا تھا۔

اور اُن کے جواب نے اُن دونوں کے قدموں سے زمین کھینچ لی تھی۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں تھیں۔ لب ادھ کھلے رہ گئے تھے۔ اُن دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

آسمان پر ابھی آفتاب کی روشنی موجود تھی۔ یہاں اور انڈیا کے وقت کے درمیان لگ بھگ ڈیڑھ سے دو گھنٹے کا فرق تھا۔

یہ دبئی ایئرپورٹ تھا۔ خوبصورتی سے بنا ہوا ایک عالیشان ایئرپورٹ۔ جہاں ابھی کچھ دیر پہلے ہی اُس کی فلائٹ اُتری تھی۔ وہ اب ایک بیچ پر بیٹھی، خاموشی سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔ کئی مسافر آ رہے تھے، تو کئی جا رہے تھے۔ دبئی گھومنے کے سب سے اچھے ماہ دسمبر

سے مارچ تک ہوتے ہیں۔ جولائی اور اگست میں یہاں کا موسم سب سے گرم ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے وہاں پردیسیوں کا خاصہ رش تھا۔

"مرحبہ۔" ساتھ بیٹھی ایک بڑی عمر کی عورت نے اُسے ہیلو کہا تھا۔ یہاں کی عام زبان عربی تھی۔ لیکن انگریزی بھی عام طور پر بولی جاتی تھی۔

"مرحبہ۔" وفانے بھی اُنہیں مسکرا کر جواب دیا تھا۔ وہ عورت سادہ مگر خوبصورت سیاہ عبا پہنے ہوئے تھی۔ چہرے کا حجاب البتہ شاید اُس نے کچھ دیر قبل ہی ہٹایا تھا۔

"آپ کہاں سے ہو؟" اُس عورت کا لہجہ نرم اور خوشگوار تھا۔ وفا کو بھی وہ اچھی لگی۔

"انڈیا۔"

"گھومنے آئی ہو؟" اُس سوال پر وفا کی مسکراہٹ پھینکی پڑی تھی۔ اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کسی سے ملنے۔" وفا کے جواب پر اُنہوں نے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔ وہ پھر چند لمحوں میں گھڑی میں وقت دیکھتی وہاں سے اٹھ گھڑی ہوئی۔ اُس کے جانے کا وقت ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنا بیگ لیا اور ایک بار اُس عورت کی جانب دیکھ کر مسکرا دی۔

کچھ ہی وقت بعد وہ ایئرپورٹ سے باہر نکلتی ہوئی نظر آئی۔

"وفا!!" کسی نے اُسے پکارا تھا۔ اُس نے آواز کی سمت دیکھا تو لونگ سکرٹ اور شرٹ میں ملبوس لڑکی اُسے دیکھ خوشی سے ہاتھ لہرا رہی تھی۔ وہ زنیہ تھی۔ جو دو سال پہلے ہی شادی کے بعد یہاں شفٹ ہوئی تھی۔ وفا اُس کی جانب بڑھ آئی۔

"کچھ چاہیے؟" اپنے کمرے میں جانے سے پہلے زنیہ نے اُس کے پاس آکر پوچھا تھا۔ گلاس ونڈو سے نظر آتے منظر کو دیکھتی ہوئی لڑکی نے صرف نفی میں سر ہلا دیا۔ دروازے کا ہنڈل تھامے کھڑی لڑکی نے کچھ لمحے اُس کی پشت کو دیکھا۔ اور پھر گہری سانس لے کر اُس تک آئی۔

"اب کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" وہ اب بھی دور تک نظر آتی عمارتوں کو دیکھتی رہی۔ آفتاب ڈوبنے کے قریب تھا۔ روڈ پر چلتی گاڑیاں وہاں سے چھوٹی لگ رہی تھیں۔

"کیا تم سچ میں اُس سے ملنا چاہتی ہو؟" زنیہ نے اُس سے پوچھا تھا۔

"ہمم!!" اُس نے ہنکار بھری تھی۔

"میری مانو تو اُس کے لیے اتنی سیریس مت ہو۔"

"کیوں؟" وفا نے اپنی بہن کو چونک کر دیکھا تھا۔ بھوری آنکھیں، شانوں سے نیچے تک آتے بال، گول گول ملائم گال اور صاف چہرے کے ساتھ اُس کا قد وفا سے تھوڑا چھوٹا تھا۔

"کیونکہ یہ اندیا نہیں ہے وفا۔ یہاں اچھے اچوں کو ہوا لگ جاتی ہے۔ تمہیں سچ میں لگتا ہے کہ وہ ابھی تک تمہارا انتظار کر رہا ہوگا؟ ہو سکتا ہے اُس کی زندگی میں کوئی اور آگئی ہو۔

آخر اُس نے تو تم سے کبھی اظہارِ محبت بھی نہیں کیا تھا۔" وہ اندازہ لگا رہی تھی۔ مگر وفا کو اُس کا اندازہ برا نہیں لگا۔

"ہو سکتا ہے۔ مگر میں پھر بھی اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔" اُس نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔ زنیہ کچھ لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر باہیں پھیلائیں تو وہ افسردہ چہرے کے ساتھ اُس کے گلے لگ گئی۔

"تیرے اندر کیا چل رہا ہے وفا؟ کیا مجھ سے بھی شیر نہیں کر سکتی؟" زنیہ کا نرمی سے کہنا ہی تھا کہ اُس کی سسکیاں بندھ گئیں۔ وہ نگہ بیگم کے سامنے نہیں روئی تھی کہ انہیں تکلیف ہوگی۔ لیکن یہاں وہ بے بس تھی۔

"میرے ساتھ۔۔ میرے ساتھ ہر بار ایسا کیوں ہوتا ہے اپنی؟" زنیہ اُس کی پشت سہلانے لگی۔ وہ اُس سے الگ ہوتی اب بھیگی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"میں جتنا سب ٹھیک کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔۔ سب اتنا خراب ہو جاتا ہے۔ میں۔۔ میں سب کو سمجھتی ہوں۔ مجھے کوئی کیوں نہیں سمجھتا؟

میں بھی چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے اس طرح سنے۔۔ جیسے میں دوسروں کو سنتی ہوں۔

جو ہر مرتبہ حالات یا مجبوریاں نہ دیکھے۔۔ مجھے بھی دیکھے کہ میں ٹھیک ہوں یا نہیں؟ کیا میری خواہش اتنی بڑی ہے کہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی؟" وہ بنا رکے سب کہہ رہی تھی۔ وہ سب۔۔ جو کسی سے نہیں کہہ سکی تھی۔ زنیہ نے دونوں ہاتھوں سے اُس کے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کیے۔

"نہیں! لیکن تو غلط جگہ اُمید لگاتی ہے۔ تُو بچپن سے ہی ایسی ہے۔ تجھے لگتا ہے کہ تیری کوششوں سے یا باتوں سے سامنے والا بدل جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن سب کبھی ٹھیک نہیں ہوتا وفا۔

انسان کبھی آپ کو نہیں سنتے۔ اللہ سنتا ہے۔ وہ صرف اپنی ضرورت پر آپ کو پکارتے ہیں اور پھر آپ کو بھول جاتے ہیں۔ وہ آپ سے یہ کبھی نہیں پوچھتے کہ کیا آپ ٹھیک ہو؟

ہر بار دوسروں کو اہمیت نہیں دینی ہوتی چندہ۔ کبھی خود کو بھی دینی ہوتی۔ "وہ شرمندگی سے سر جھکائے اُس کی باتیں سن رہی تھی۔ آنکھیں پانی سے دوبارہ بھر چکی تھیں۔ اور آنسو بہے جا رہے تھے۔

"تُو ہر بار دوسروں کو مت سنا کر۔ مت سمجھا کر۔ کسی کو بُرا لگتا ہے؟ لگنے دے۔ تجھے بھی لگا تھا۔ جہاں دیکھے کہ سامنے والا صرف اپنے مفاد کے لیے تیرے ساتھ ہے۔ وہاں سے فاصلہ قائم کر لے۔"

اگر اُسے تیرا خیال ہوگا؟ تو وہ خود ٹھیک ہو جائے گا۔

اور اگر نہیں ہوگا؟ تو چھوٹ جائے گا۔ "زنیرہ نے اپنی بات مکمل کر اُس کا بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلا گئی۔ شاید غلط وہ بھی تھی۔ اُس نے دوسروں کا سہارا بننے کے لئے خود کو اتنا مضبوط دکھایا تھا کہ اُن سب نے اُس کے اندر کے کمزور انسان کو دیکھا ہی نہیں۔"

وہ میٹنگ روم سے نکل کر اپنے کیبن تک جا رہا تھا۔ داڑھی بنی ہوئی تھی اور سر کے بال تھوڑے بڑھ تھے۔ کسرتی جسم پر سفید شرٹ پر نیوی بلیو سوٹ پہنے وہ آج بھی کئی کو اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔

"سہیل۔۔" کسی کی پکار پر اُس کے قدم رکے اور اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ مسٹر رضوان مسکرا کر اُس کے پاس آئی تھی۔

"Well done."

تم مجھے کبھی مایوس نہیں کرتے۔" وہ فخریہ مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی پشت تھپتھپا رہے تھے۔ اُس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"Thank you sir".

"کل پارٹی میں آ رہے ہوں نا؟"

"کوشش کرونگا۔" اُس نے نظریں چرائیں تھیں۔

"کوشش نہیں۔ ہر حال میں آنا ہے۔" اُنہوں نے اُس کی سرمئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسرار کیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی انکار نہ کر سکا۔

کچھ لمحوں بعد اُس نے اپنے کعبین میں آ کر کوٹ اُتار کر گرسی پر ڈالا۔ اور ٹیبل پر رکھا اپنا فون اٹھایا۔ اُس کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ اذان کی تین مسد کالز سکریں پر جگمگا رہی تھیں۔ وہ کچھ لمحے بے تاثر چہرے کے ساتھ فون کو ایک ٹک دیکھتا رہا۔ ایک ہاتھ گرسی پر ٹنگے کوٹ پر رکھا تھا جو ہل رہا تھا۔ جیسے وہ سوچ رہا ہو کہ کیا کرے۔ پھر اُس نے گہری سانس لے کر کال ملائی اور فون کان سے لگایا۔ گھنٹی جانے لگی۔

لیکن جب دوسری جانب سے فون نہیں اٹھایا گیا تو اُس نے کوشش ترق کر دی۔ فون پینٹ کی جیب میں ڈال کر اپنا کوٹ اٹھایا اور باہر نکل گیا۔

وقت: 8:20

اُس نے اپنے اپارٹمنٹ کا لوک کھولا اور اندر داخل ہوا۔ داہنی جانب دیوار پر ہاتھ مارا تو اندھیرے میں ڈوبا اپارٹمنٹ روشن ہو اٹھا۔ یہ ایک سیفد اور سرمئی طرز کا بہت سادہ مگر خوبصورت اپارٹمنٹ تھا۔ یہ کافی بڑا تھا۔ سامنے بڑی اور کھلی بالکنی تھی۔ داہنی جانب پر کچن تھا اور بائیں جانب کمرہ، سٹور اور چھوٹی سی اسٹڈی۔ درمیان میں سرمئی رنگ کے صوفے پڑے تھے جن کے آگے سیفد رنگ کا کارپٹ تھا۔

وقت: 8:35

شاور سے ٹھنڈے پانی کی بوندیں اُس کے بالوں کو بھگوتی ہوئی جسم پر گر رہی تھیں۔ آج اُسے ایک عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ کیوں؟ پتا نہیں۔۔

زنیرہ نے گاڑی روکی تو اُس نے گہری سانس لے کر دروازہ کھولا اور سیاہ ہیل زمین پر رکھ باہر نکل۔

وقت: 8:40

وہ سیاہ ٹراؤزر پہنے وارڈروب سے کوئی ٹی شرٹ نکال رہا تھا۔ پہلے ایک دیکھی۔ پھر واپس رکھ دوسری نکالی۔

وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوئی اور مطلوبہ فلور کا بٹن دبایا۔

وقت: 8:43

وہ آدھی آستینوں والی سفید ٹی شرٹ پہنے تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا۔ اور پھر اُسے وہیں صوفے پر ڈال کر لب تر کرتے ہوئے داہنے ہاتھ سے گردن کو مسلح۔ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ گھبراہٹ بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

لفٹ اپنی منزل پر رک گئی۔ دونوں دروازے ایک دوسرے سے دور جانے لگے۔

وقت: 8:45

وہ کچن میں داخل ہوا اور فریج سے کھانا نکال کر اوون میں رکھ اُسے چالو کیا۔ تبھی سینٹر ٹیبل پر رکھا اُس کا فون بجنے لگا۔ سکرین پر اذان کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ قدم بڑھاتے ہوئے اُس تک آنے لگا۔

وہ دھڑکتے دل اور بھاری ہوتے قدموں کے ساتھ راہداری سے گزرتی ہوئی سامنے موجود دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

وقت: 8:46

دروازے کے دونوں طرف اُن کے قدم رکے تھے۔ فون بجتا رہا، مگر وہ کسی انجانی کیفیت میں مبتلا درمیان میں ہی کھڑا رہ گیا۔ اُس نے بے اختیار دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ اُس نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر ایک مرتبہ پھر گہری سانس لے کر اپنی ساری ہمت جمع کی۔ اور ڈور بیل بجانے کے لیے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

دوسری جانب سے دروازہ اچانک کھلا تھا۔ وہ سانس نہیں لے سکا۔ وہ بھی پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔ سب ساکت رہ گیا تھا۔ تیز دھڑکن یکدم آہستہ ہو گئی۔ گھبراٹ اور بے چینی ہوا میں گھل کر فنا ہو گئی۔ سرمئی اور بھوری آنکھیں آپس میں ملی تھیں۔ اور اچھی طرح ملی تھیں۔ اُن چند لمحوں میں وہ تین سال قبل پہنچ گئے تھے۔

سیفد حویلی۔

تکرار۔

ناپسندیدگی۔

ماضی۔

اعتبار۔

جدائی۔

حفاظت۔

موت۔

تکلیف۔

تنہائی۔

وقت۔

اور پھر

زندگی۔



ایک لمبی کہانی تھی جو اُن دونوں نے ساتھ ہو کر بھی فاصلوں میں گزاری تھی۔

اوون کا وقت پورا ہوا تو وہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ خود بند ہو گیا۔ وہ دونوں یکدم حال میں لوٹے تھے۔ سہیل نے جگہ دی تو اُس کے قدم خود بخود آگے بڑھ گئے۔ اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ بھی اُس اپارٹمنٹ کو دیکھنے لگی۔

وہ اب نظریں ملائے بنا اُسے بیٹھنے کا ہاتھ سے اشارہ کر رہا تھا۔ وہ بھی بنا کچھ کہے آگے بڑھا آئی۔ اذان کا فون ایک مرتبہ پھر آ رہا تھا۔ وفا نے ایک نظر سکرین کو دیکھ کر نظریں موڑ لیں۔ سہیل نے آگے آ کر فون receive کیا۔

"ہیلو!" اُس نے آہستہ آواز میں کہا تھا۔ وفا نے بے اختیار آنکھیں میچ کر ایک گہری سانس لی۔ آہ!! تین سال بعد اُس نے اُس شخص کی آواز سنی تھی۔ ٹھنڈی۔ گہری اور ٹھہری ہوئی۔

اذان سہیل کو ایک ہی سانس میں سب بتا رہا تھا۔ اور وہ اُسے سنتے ہوئے بے یقینی سے سامنے بیٹھی معصوم شکل و صورت کی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا وہ تجھے ملی؟" اپنی بات مکمل کر اذان نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

"میرے سامنے ہی بیٹھی ہے۔" اُس نے وفا کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ اُس نے بے ساختہ سر اٹھایا تو ایک مرتبہ پھر نظریں ملیں۔ وہ نظریں جھکا گئی۔ اُس کے رخسار سُرخ

ہوئے تھے۔ سامنے کھڑے شخص کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ ابھری تھی جو وہ فوراً ضبط کر گیا۔

پھر وہ چند لمحوں بعد فون رکھ، اُس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھا۔ لمحے بیتے، وقت گزرا۔ دونوں کے درمیان ایک عجیب خاموشی حائل رہی۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اور وہ اُسے۔

کتنا کچھ سوچا تھا کہ یہ کہیگی۔ وہ کہیگی۔ لیکن موقع پر زبان نے ہی ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں تمہیں ٹھکرا بھی سکتا ہوں۔" اُس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ خاموشی توڑی تھی۔ وفانے بے اختیار سر اٹھایا۔

"لیکن میں تو تمہارے لیے اپنی ایک دنیا چھوڑ کر آئی ہوں۔" سہیل لاجواب رہ گیا۔ اُسے لاجواب کرنے والے اُس کے الفاظ تھے؟ لہجہ تھا؟ یا پھر آنکھوں میں جھلکتا ہوا تاثر؟ وہ سمجھ نہ سکا۔

"اور وفانے سہیل کے لیے اپنی ایک دنیا کیوں چھوڑی ہے؟" اُس نے یہ سوال کیوں کیا تھا؟ وہ خود بھی نہ جان سکا۔ شاید اتنے عرصے بعد اُس کی آواز سننے کے لیے۔

"کیونکہ وہ اُس کی فیملی ورژن ہے۔ اگر وہ چھوڑ سکتا ہے۔ تو وہ بھی چھوڑ سکتی ہے۔" اُس نے مخالف شخص پر اپنا حق جتاتے ہوئے جواب دیا تھا۔ وہ ہنس پڑا۔ اور وفا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ ہنس رہا تھا؟ اُس کی اتنی سیریس بات پر ہنس رہا تھا؟

"تمہیں شرم نہیں آ رہی بد تمیز انسان؟" اُس کے اچانک تیش سے مخاطب کرنے پر وہ حیرانی سے سیدھا ہوا۔

"بد تمیز انسان؟" سہیل نے اپنی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے جیسے کنفرم کرنا چاہا تھا۔ وہ اور تپ گئی۔

"ہاں! تم۔۔ یوں اچانک مجھے چھوڑ کر آ گئے۔ یہ بد تمیزی نہیں تو اور کیا ہے؟"

"میرا آنا ضروری تھا۔"

"اگر یہاں آنا ضروری تھا تو میری حفاظت کے لیے کیوں آئے تھے؟ میری جگہ گولی کیوں کھائی تھی؟"

"وہ بھی ضروری تھا۔" اُس نے فوراً جواب دیا تھا۔ وفا کے ماتھے اور بل گھرے ہوئے۔

"ہاں! حالات، مجبوریاں، ضرورتیں۔ میرے معاملے میں سب کو سب یاد آ جاتا ہے۔ کوئی یہ

کیوں نہیں پوچھتا کہ میں کیا چاہتی ہوں؟ تین سال گزر گئے۔ تمہیں ایک مرتبہ بھی میرا

خیال نہیں آیا؟ ایک بار مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟ یا یہ کہہ دو کہ کوئی اور مل

گئی ہے۔ "وہ اُس پر برس پڑی تھی۔ وہ جو بے یقینی سے اُس کے سوال سن تھا۔ آخری الزام پر حیران رہ گیا۔

"ہاں مل گئی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم؟ بلکہ میرے دو بچے بھی ہیں۔" اُس نے اتنی سنجیدگی سے بتایا تھا کہ وہ جو اس مرتبہ انگلی اٹھا کر اُس سے کچھ سخت کہنے لگی تھی۔ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ انگلی بھی ہوا میں ہی رہ گئی۔

"مزاق مت کرو۔" وہ دانت پیس کر کہتے ہوئے کھڑی ہوئی۔

"شروع کس نے کیا تھا؟" سہیل نے ایک بھوں اٹھا کر اُس سے پوچھا تھا۔ وہ دوبارہ بے بسی سے غصہ ضبط کرتی بیٹھ گئی۔ اور چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔ چند ہی لمحوں میں سہیل کو اُس کی دبی دبی سسکیاں سنائی دی تھیں۔ وہ فکر مندی سے اُس تک آیا۔

"وفا۔"

"نام مت لو میرا۔ مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی۔" اُس نے بھیگی ہوئی آواز میں ناراضگی سے کہا تھا۔

"میں مجبور تھا یار۔ دادا ابو کا اعتبار بحال کرنے کا ایک یہی راستہ تھا۔ اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میری لڑائیوں میں تمہیں بھی زخم ملیں۔" وفا نے یکدم سر اٹھا کر اُسے زخمی اور سخت نظروں سے دیکھا تھا۔

"تمہاری لڑائیاں؟ تمہاری؟ تمہی نے کہا تھا ناں کہ اب کچھ بھی ہو، کیسا بھی ہو۔ تم میرے ساتھ ہو۔ تو کیا میں تمہارے ساتھ نہیں ہو سکتی تھی؟"

"مگر میں سمجھا تھا کہ وہ سب ایک طرفہ ہے۔" سہیل کی آواز کمزور پڑی تھی۔

"ایک طرفہ؟ تم نے مجھ سے پوچھا؟ مجھے اتنی محنت دی کہ میں ذرا سکون سے کچھ لمحے اپنے یا ہمارے بارے میں سوچ سکوں؟ نہیں۔۔ جناب نے خود سے ہی سب سمجھ لیا۔

تم تو ولن تھے ناں؟ تو وہی رہتے۔ ہیرو بننے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم مجھ سے لڑ لو۔ چیخ لو۔ چاہو تو اس واس میرا سر پھاڑ دو۔ لیکن کم از کم اس طرح رو تو مت۔" اُس نے ٹیبل کے درمیان رکھے واس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ وفا کا رخسار رگڑتا ہاتھ رکا۔ اُسے کچھ یاد آیا تھا۔

(کیا میں سمجھوں کہ تم بلش کر رہی ہو؟

نہیں۔۔ مجھے غصہ آ رہا ہے۔ اور دل کر رہا ہے کہ اس واس سے تمہارا سر پھاڑ دوں۔)

وہ نم آنکھوں سے بھی نفی میں سر ہلاتی مسکرا دی۔

"تم بہت برے ہو سہیل۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اُس نے سُرخ چہرے اور آنکھوں کے ساتھ منہ بنا کر اُس سے کہا تھا۔ وہ لا پرواہی سے شانے اچکا کر اُس سے فاصلے سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

"نہ کرو۔ میں معافی مانگ بھی نہیں رہا۔" وفانے بھی افسوس سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں شاید چند روز میں واپس لوٹ جاؤں۔" وہ پلیٹس میں کھانا نکال رہا تھا جب وہ کہتی ہوئی کچن کے شیلف تک آئی۔ سہیل نے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا۔

"ابھی تو آئی ہو، کچھ دن تو میرے ساتھ رکو۔" اُس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"تمہیں چھوڑ کر نہیں جا رہی۔ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔" وہ دونوں اب وہیں کچن میں رکھے چار لوگوں کے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ رہے تھے۔ سہیل نے کوئی جواب نہ دیا۔

"یہ کھانا تم نے بنایا ہے؟ مطلب تمہیں کھانا بنانا آتا ہے؟" وفانے متاثر ہو کر پرجوش انداز میں پوچھا تھا۔ وہ مسکرا کر حامی بھر گیا۔

"تنہائی انسان کو سب سکھا دیتی ہے۔" وہ سرسری سے لہجے میں کہتے ہوئے پہلے اُس کے پلیٹ میں کھانا نکال رہا تھا۔ پھر اُس نے سر اٹھایا تو وہ ایک ٹک اُسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"تم بہت الگ لگ رہے ہو۔" پورے وقت میں اُس نے اب غور کیا تھا۔ وہ خاصہ بدل چکا تھا۔ چہرے پر ایک الگ ہی نور اور خوبصورتی تھی۔

"الگ مطلب؟"

"مطلب اچھے۔" پھر اُس کی نظر اُس کی سفید ٹی شرٹ پر پڑی۔ وفا کو احساس ہوا کہ اُس نے پہلی مرتبہ اُسے سفید رنگ میں دیکھا تھا۔ وہ سیاہ نہیں رہا تھا۔

"تم نے سیاہ رنگ نہیں پہنا؟" وہ بے اختیار بولی تھی۔ سہیل نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے لقمہ منہ میں رکھا اور اُسے کھانے کی جانب متوجہ کرنے کا اشارہ کیا۔

"ہمم! کیونکہ میں سیاہ نہیں ہوں۔ شاید کبھی تھا ہی نہیں۔ میں سرمئی ہوں۔" وفا کو اُس کی بات سے حقیقتاً خوشی محسوس ہوئی تھی۔ پھر اُس نے ایک نظر اُس اپارٹمنٹ پر ڈالی۔ سرمئی اور سفید۔

اور کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ سہیل نے ایک نظر اُس کے سیاہ حجاب میں موجود پرکشش چہرے کو دیکھا تھا۔

قت بدل چکا تھا۔

کہانی بدل چکی تھی۔

رنگ بدل چکے تھے۔

وفا بالکنی میں کھڑی کسی سے بات کر رہی تھی جب وہ دو کپ کافی بنا کر لایا۔ اُس نے اپنی بات مکمل کر اُسے دیکھا تھا۔

"بڑے بابا کی کال آئی تھی۔ وہ مجھے اواز سے بیمار لگ رہے تھے۔" سہیل کی مسکراہٹ پھینکی پڑی تھی۔

"تو کیا بات ہوئی؟ کیا وہ تمہیں یاد کر رہے ہیں؟" سہیل نے کپ اُسے دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بہت۔ اور صرف مجھے نہیں۔ بلکہ ہمیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں تمہیں لے کر واپس آ جاؤں۔"

"تم نے کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ کوئی نہیں پوچھتا کہ تم کیا چاہتی ہو۔ چلو اب میں پوچھتا ہوں۔"

اور تم کیا چاہتی ہو وفا؟" اُس نے سب لیتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ فوراً بولی۔

"تمہارا ساتھ۔ میں چاہتی ہوں کہ اب ہم دونوں ساتھ رہیں۔"

I just want to live a peaceful life with you..

لیکن مجھے اُن کی بھی پرواہ ہے۔ "اُس نے نظریں چرائیں تھیں۔ چہرے پر پریشانی صاف موجود تھی۔ وہ کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا دیا۔"

"تو تمہیں اُن کے پاس جانا چاہیے۔ آخر وہ بھی تو ایک موقع deserve کرتے ہیں۔"

"اور تم؟ کیا تم واپس نہیں جانا چاہتے؟" وہ بھاری ہوتے دل کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ سہیل نے ذرا رک کر سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں! میں نہیں جانا چاہتا۔" وہ صاف گو تھا۔ یا شاید کم از کم اُس سے تو جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

"وجہ؟"

"وہ مجھ سے تعلق توڑ چکے ہیں۔ میں اب اُن کا کوئی نہیں ہوں۔" وہ سامنے نظر آتی اونچی عمارتوں کی جگمگاتی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اُسے۔

"وہ تو وہ مجھ سے بھی توڑ چکے تھے۔ یا شاید یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ میں خود وہاں سے آئی ہوں۔"

لیکن صرف غصے میں زبان سے کہہ دینے سے تعلق ختم تو نہیں ہوتے۔"

"جانتا ہوں۔ لیکن میں یہاں خوش ہوں۔" اُس نے وفا کی جانب دیکھا تھا۔

"تُم یہاں خوش ہو؟ وہ بھی اکیلے؟" وہ حیران تھی۔

"میں اکیلا نہیں ہوں۔ یہاں میرے پاس آزادی ہے۔ اپنی مرضی سے رہنے کی۔ اپنی مرضی کے کام کرنے کی۔" وہ اب سڑک پر چلتی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ میں موجود کافی کا کپ بھانپ اڑا رہا تھا۔

"یہاں میرے دشمن نہیں ہیں۔ یہاں مجھے کسی کا حکم نہیں ماننا پڑتا۔ کسی کے لیے فکر مند نہیں ہونا پڑتا۔ یہاں مجھے کسی پر ثابت نہیں کرنا پڑتا کہ میں ایک ولن ہوں۔" وہ آج پہلی مرتبہ اپنے دل کی باتیں کر رہا تھا۔ اُن گہرائیوں سے باہر آ رہا تھا جہاں اُس نے ایک عرصہ خود کو قید کر رکھا تھا۔ وفا کو اُس کی آواز میں افسردگی اور آنکھوں میں نئی دکھائی دی تھی۔

"میں یہاں ایک اچھی کمپنی میں جوب کرتا ہوں۔ میں نے یہاں ایک بڑے گھر میں رہنے کی جگہ اس سادہ سے اپارٹمنٹ کو ترجیح دی۔ جانتی ہو کیوں؟" اُس نے وفا کی جانب دیکھ پوچھا تھا۔ وہ بے اختیار بولی۔

"کیونکہ بڑے گھروں میں اکثر دل چھوٹے ہوتے ہیں۔" سہیل مسکرایا۔

"ایسا نہیں ہے کہ میں اُن سب سے محبت نہیں کرتا۔"

لکین میں بس اب لوٹنا نہیں چاہتا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہاں جا کر میری سیاہی مجھ پر حاوی نہ ہو جائے۔" اُس نے اپنی بات مکمل کرکے لبوں سے لگایا تھا۔ وفا بھی کچھ لمحے خاموش رہی۔ کپ میں موجود کافی کم ہوتی جا رہی تھی۔

"تُم مجھ سے سچ میں محبت کرتے ہو ناں سہیل؟" اُس کے اچانک پوچھنے پر وہ حیرانی سے اُسے دیکھنے لگا۔ وہ ایک ٹک اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں نہیں چرا سکا۔

"محبت ہے؟ چاہت ہے؟ میں نہیں جانتا۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے۔ کہ میرے لیے جو تُم ہو۔ وہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں تمہارے لیے لڑ بھی سکتا ہوں۔ اور مر بھی سکتا ہوں۔

تُم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر آیا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں نے اُس وقت بھی وہ فیصلہ ہم سب کے لیے ہی کیا تھا۔ وقت ہر زخم بھر دیتا ہے۔ اور ہم سبھی کو وقت چاہیے تھا۔

مجھے بھی بہت تکلیف ہوئی تھی وفا۔ میں اکیلا تھا۔ لیکن میں اتنے سال بھی تُم سے غافل نہیں رہا۔ میں جانتا تھا کچھ وقت میں وہ ٹھیک ہو جائیگی۔"

"تو پھر اب میرے ساتھ چلو۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ نہ میں تمہارے بنا رہ سکتی ہوں۔ اور نہ انہیں ایسے چھوڑ سکتی ہوں۔" سہیل نے بے اختیار اُس کی جانب دیکھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اُن کے وجود سے ٹکرا رہی تھی۔

"تم میرے لیے لڑ سکتے ہو ناں؟ تو ثابت کرو۔ اپنے اس خوف سے لڑ کر میرے ساتھ چلو۔ اگر تمہیں وہاں میرے ساتھ بھی بہتر نہ لگا۔ تو میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" وہ اُسے ہر حال میں راضی کرنا چاہتی تھی۔

"تم جانتی ہو تمہارے ساتھ میں ہر جگہ رہ سکتا ہوں۔ تم مجھے راضی کرنا چاہتی ہو۔ لیکن میں اس مرتبہ راضی نہیں ہونا چاہتا۔" وہ اپنی بات مکمل کر چکا تھا۔ وہ اُسے منتظر نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر سمجھ کر سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں باقی سب کی طرح حکم نہیں سناؤں گی۔ میں تم سے تمہیں مانگ رہی ہوں۔ اگر میرے لیے خود کو ایک موقع دے سکتے ہو۔ تو کل شام آ جانا۔

نہ آ سکے۔ تو بھی مجھے شکوہ نہیں۔ لیکن میں تمہارا انتظار کروں گی۔" وہ پھر مزید نہیں رکی تھی۔ سادگی سے کہتی ہوئی باہر آئی۔ صوفے سے اپنا بیگ اٹھایا اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ بھاری ہوتے دل کے ساتھ اُس کے بھاری قدموں کی چاپ سنتا رہا۔ کچھ وقت اور گزرا تو وہ اُسے نیچے ایک سیاہ رنگ کی گاڑی میں بیٹھتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ جا رہی تھی۔ اور وہ نم آنکھوں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

وہ اپنی منزل چھوڑ کر آئی بھی تو کس کے لیے؟

وہ تو خود ابھی راستوں میں بھٹکا ہوا تھا۔

”مجھے یہاں تو تھوڑی خود غرض لگ رہی ہے۔ تجھے اُسے وقت دینا چاہیے۔“ پوری بات سن زنیرہ نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا تھا۔

”جتنا وقت گزر چکا ہے بہت ہے۔ ساری زندگی اپنی ماما کی طرح بے لوس محبت دینے والی رہی ہوں۔ پہلی مرتبہ خالہ کی طرح خد غرض بننے کا دل چاہ رہا ہے۔“

وہ میری طرح ہے اپنی۔۔ اپنوں کی تکلیف اُس سے بھی برداشت نہیں ہوتی۔ لیکن بس وقت نے اُس کے اندر خوف پیدا کر دیا ہے۔ اور مجھے پہلے والا بے خوف سہیل واپس چاہیے۔ میں اُسے تنہائی میں نہیں چھوڑ سکتی۔“ اُس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی لڑکی نے حیران کن نظروں سے اُسے دیکھا۔

”لیکن وہ تنہا تو نہیں۔ بقول اس کے وہ یہاں خوش ہے۔“

”اصل خوشی اور بناوٹی خوشی میں فرق ہوتا ہے۔ میں نے اُس کی آنکھیں دیکھی ہیں۔۔ وہ اب بھی سب کو مس کرتا ہے۔“

"اور اگر وہ نہ آیا تو؟" اُس نے انداز لگایا تھا۔ اُسے اندازے لگانے کی عادت ہمیشہ سے ہی تھی۔ وفا اپنی بہن کو دیکھ کر مسکرائی۔

"وہ آئے گا۔ وہ میرے لیے سب چھوڑ سکتا ہے۔ اگر مجھ تک آنے کے لیے اُسے آگ اور پانی بھی پار کرنا پڑا۔ وہ تب بھی آئے گا۔" کیا اعتماد تھا جو اُس وقت زنیہ کو اُس لڑکی کی آنکھوں اور لہجے میں نظر آیا تھا۔ وہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔

اور دور سرمئی اور سفید اپارٹمنٹ کے کمرے میں وہ جانماز بچھائے خاموش بیٹھا تھا۔ وہاں اتنی خاموشی تھی کہ اگر پانی کی بوند بھی گرتی۔ تو اس کی بھی آواز بلند ہوتی۔

رات گزری۔ دن ہوا۔

زنیہ اُسے اٹھانے کمرے میں آئی تو اسے گلاس ونڈو کے آگے کھڑا پایا۔ وہ افسردہ چہرے اور پریشان آنکھوں کے ساتھ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہے؟" وہ پوچھتی ہوئی اُس کے پاس آئی تھی۔

"صبح اُن کی کال دوبارہ آئی تھی۔ یار ایسا کیوں ہوتا ہے اپنی؟ اب اُنہیں میری اتنی یاد کیوں آ رہی ہے؟" وہ

بہت ڈسٹرب لگ رہی تھی۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ اور ماتھے پر بے زاری کے بل صاف ظاہر تھے۔

"میں نے کہا تھا ناں وفا۔ اگر سامنے والے کو تیرا خیال ہو گا۔ تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ انہیں تیرا خیال ہے بیٹا۔ اسی لیے اپنی غلطی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ زنیہ نے اُسے نرمی سے سمجھایا تھا۔ وفا نے حامی بھری۔

"لیکن مجھے خوف ہے۔ اگر میں سہیل کو واپس لے جانے میں کامیاب نہیں ہوئی تو؟" اُس نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور پھر وہاں سے ہٹ کر اپنے بیڈ تک آئی۔

"رات تو اتنا یقین تھا۔ اب یہ خوف کیوں؟" زنیہ نے ماتھے پر بل ڈال کر کمر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اُسے وفا کی یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

"یقین مجھے سہیل پر ہے اپنی۔ مقدر پر نہیں۔ اب سب کچھ بہت بے اعتبار سا لگتا ہے۔ کس لمحے کیا ہو جائے؟ کچھ پتا نہیں۔" وہ سائنڈ ٹیبل پر رکھے فون کو اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ اُس کی چارجنگ ختم ہو رہی تھی۔

"جب اتنی ہمت اور اللہ پر یقین کر کے یہاں تک آئی ہے۔ تو تھوڑا اور بھی یقین کر لے۔ کیا معلوم اس بار سب ٹھیک ہو جائے؟" وہ کہتی ہوئی صوفے کے آگے پڑے ٹیبل تک گئی اور سفید رنگ کا چارجر اٹھا کر اُس تک آئی۔

"مشکل لگتا ہے۔" وہ اب چارجر کی پن لگا کر چیک کر رہی تھی۔ چارجنگ پتا نہیں کیوں شروع نہیں ہوئی؟

"میری ایک دوست کہتی تھی۔۔ جو مشکلوں کو پل بھر میں آسان کے دے۔ اُس کا نام مقدر ہوتا ہے۔" زنیہ نے مسکرا کر اُسے دیکھا اور سوچ اُون کیا۔ چارجنگ آنے لگی۔ وفا نے یکدم چارجر کے برابر موجود بٹن کو دیکھا تھا۔ وہ اُسے چالو کرنا بھول گئی تھی۔ پھر سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ نفی میں سر ہلاتی خود پر ہی ہنس پڑی۔

دن بھی گزر گیا۔ اور شام بھی ہو گئی۔

وہ سفید بوٹم اور پنک شرٹ پر سفید ہی حجاب میں ملبوس بیچ پر بیٹھی ایک ٹک زمین کو دیکھ رہی تھی۔ نیلے رنگ کے کوڈ سوٹ میں موجود زنیہ اُس کے ساتھ سے کھڑی دروازے پر نظریں ٹکائے ہوئے تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ گھبراہٹ بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"وہ اب تک آیا کیوں نہیں؟" وہ اُس کے لیے فکر مند سی پوچھ رہی تھی۔ وفا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور گہری سانس لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ زنیہ کی جانب چہرہ کیا اور آہستہ سے بھاری ہوتے دل کے ساتھ مسکرا دی۔ زنیہ اپنی جگہ تھمی رہ گئی۔ وہ حیرانی سے وفا کو دیکھنے لگی۔ وفا

کو خود پر اُس کی حیران نظریں سمجھ نہ آئیں۔ اُس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو پشت سے آتی کسی کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں نے دیر تو نہیں کی؟" وہ آواز بالکل ویسی ہی تھی۔ ٹھنڈی۔ گہری اور ٹھہری ہوئی۔ وہ بے اختیار اپنی جگہ پر گھومی تھی۔ وہ کریم پینٹ پر براؤن شرٹ پہنے اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ سرمئی آنکھیں اُسے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ وہ آگیا تھا۔ اُس نے اُس کا مان برقرار رکھا تھا۔

ایک ماہ بعد۔

برسات کا موسم لگ چکا تھا۔ آسمان پر کچھ بادل سنہرے آفتاب کو ڈھکے ہوئے تھے۔ کبھی سایہ ہوتا، تو کبھی دھوپ نکل آتی۔ مٹی کی بنی اُچی نیچی قبروں کے درمیان وہ دونوں کھڑے تھے۔ ہاتھوں میں تازہ گلاب کے پھولوں سے بھرا شوپر تھا۔ پھر سیاہ پینٹ شرٹ میں ملبوس اذان نے کچھ پھول ہاتھ میں لیے اور سامنے موجود مٹی کی قبر پر ڈالنے لگا۔ اُس کی تنختی پر فتح اختر لکھا ہوا تھا۔ اس کے برابر میں زویا کی قبر موجود تھی۔ اور اُسی کے ساتھ رائے کی۔

دوسری جانب اُس کے آگے والی لائن میں نسیم اور عالیہ کی قبروں پر سرمئی آنکھوں والا شخص پھول ڈال رہا تھا۔ وہ سفید پیٹ پر رویل بلیو شرٹ میں ملبوس تھا۔ اور اُس کے چند چھوٹے بال ماتھے پر آ رہے تھے۔ اذان رائے کی قبر کی جانب بڑھنے لگا تو سہیل نے اُسے مخاطب کیا۔

"اذان۔۔ اس پر پھول میں ڈال دیتا ہوں۔ کیا تو اُس پیڑ کے نیچے موجود قبر پر پھول ڈال سکتا ہے؟ میرے ایک دوست کی ماں کی قبر ہے۔" اُس نے فاصلے پر نظر آتی ایک قبر کی جانب اشارہ کیا تھا۔ اذان نے بنا کچھ کہے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اور اُس کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اُسے وہاں تک جاتے دیکھتا رہا۔

اذان اُس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اُس پر پھول ڈالے اور اُس کے سامنے بیٹھا۔ انجانی کیفیت میں اس نے بہت نرمی سے اُس قبر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اذان کو اُن کے بیٹے کے لیے افسوس ہوا۔ پھر گہری سانس لے کر اُس نے اُن کے لیے دعا کرنے کو ہاتھ بلند کیے۔ سہیل دور سے یہ منظر دیکھتا ہوا افسردگی سے مسکرایا تھا۔ مگر افسوس۔۔ چند راز راز ہی رہیں تو بہتر ہوتا ہے۔

سفید حویلی اب حقیقتاً تنہا رہ گئی تھی۔ اُس کے بند دروازے۔ بند کھڑکیاں۔ اور اُس میں بند کئی لمحات۔ اُس کی کہانی اسی میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

اختر صاحب نے اُسے بچ دیا تھا۔ اور وہ تب سے بند ہی پڑی تھی۔ وہاں سے جاتے وقت کسی کی بھی آنکھوں میں افسوس نہیں تھا۔ اُنہیں سکون چاہیے تھا۔ جو اس حویلی میں اُنہیں کبھی نہیں ملا۔

وہ ایک نظر اُس سفید حویلی کو دیکھتا ہوا، گاڑی آگے بڑھا گیا۔ رات کی سیاہی آسمان کو ڈھک چکی تھی۔ نظر آتا خوبصورت چاند بے حد حسین لگ رہ تھا۔

پورچ میں گاڑی روک کر سیاہ سوٹ میں ملبوس شخص باہر نکلا۔ یہ ایک حویلی نہیں تھی۔ ایک گھر تھا۔ بڑا اور خوبصورت گھر۔ یہاں وہ سب ساتھ رہتے تھے۔ نہ اب کوئی نفرت درمیان میں بچی تھی، نہ ناراضگی۔ وقت کے چکر نے سبھی کو سیدھا کر دیا تھا۔ تکلیف اُن سب نے برداشت کی تھی۔ اپنے اُن سب نے کھوئے تھے۔ جن یادوں سے چہروں پر افسردگی اُبھرے، اُنہیں یاد نہیں کیا جاتا تھا۔

وہ انٹرنس سے ہوتا ہوا اندر آیا تو سب میں خاموشی پھیلی تھی۔ اُسے یاد آیا کہ آج ریشا اور عظیم کی شادی تھی۔ اذان، شزا، ریاض اور فائزہ وہیں گئے تھے۔ البتہ دادا دادو کا آج صوفیہ پھوپھو کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔

بچن سے چند آوازیں سن وہ کوٹ اُتار کر ہاتھ میں پکڑے اُس طرف بڑھ آیا۔ احمد اپنے لیے کافی بنا رہے تھے۔ اُسے دیکھ مسکراے۔

"آگئے سہیل۔ کافی پیو گے؟" وہ کپ میں چینی اور کافی پاؤڈر پانی کے ساتھ فیٹ رہے تھے۔

"بنا دیں۔ آپ پھوپھو کے یہاں نہیں گئے؟"

"میرا دل نہیں تھا۔"

"کیوں؟ سب ٹھیک؟" اُس کے ماتھے پر نا سمجھی کے بل پڑے تھے۔

"آج رائے کا برتھ ڈے ہے۔" اُنہوں نے سادگی سے جواب دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر لہجے میں پھر بھی کچھ ٹوٹا تھا۔ سہیل کچھ نہ بول سکا۔ اُس کے گلے میں گلی ڈوب کر ابھری تھی۔

"چاچو۔۔" اُس نے اپنے لب تر کیے تھے۔

"اُن کا ہیلز سے پاؤں نہیں پھسلا تھا۔" اُس نے ہمت جمع کر کچھ کہنا چاہا تھا۔

"جانتا ہوں۔" اُنہوں نے سہیل کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ وہ اب تین کپوں میں کافی کے اوپر سے گرم دودھ ڈال رہے تھے۔

اُنہیں مزید کچھ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے سہیل۔ میں اپنے حصے کا انتقام اللہ کے سپرد

کر چکا ہوں۔" احمد اپنی بات مکمل کر اپنا کپ پکڑے شیف کی اُس سائڈ سے سہیل تک

آئے۔ وہ بے یقین تھا۔

"اپنے اور وفا کے لیے کافی لے جانا۔ وہ چھت پر ہوگی۔" وہ مسکرا کر کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ اور وہ اپنی سوچوں کہ درمیان وہیں رہ گیا۔ وہ جانتے تھے۔۔ یا شاید سمجھ چکے تھے۔ اُس اُن آنکھیں بند کر ایک گہری سانس لی تھی۔ پھر وہ سر جھٹکتا مانو ساری سوچوں کو بھی جھٹک گیا۔

وہ ٹخنوں تک آتی سادہ سفید فراق میں ملبوس جھولے پر بیٹھی تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے اور دوپٹہ گلے میں پڑا تھا۔ کسی کے قدموں کی چھاپ سنائی دی تو اُس کے لبوں پر مسکراہٹ اُبھری۔ وہ اُس چھاپ کو پہچانتی تھی۔ اُس کے آنے کی اطلاع اُسے اُس کی گاڑی کی آواز، اُس کی خوشبو اور اس کی موجودگی سے ہی ہو جاتی تھی۔ وہ اُس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ اور دابنے ہاتھ میں موجود کپ اُس کی جانب بڑھایا۔ وہ اب اُسے قریب کر بڑی نرمی سے اُس کا ماتھا چوم رہا تھا۔ وہ صرف مسکرا دی۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" اُس نے تیزی سے کہا تھا۔ سہیل نے اپنا کپ بھی اُسے پکڑا یا اور پھر اپنا سیاہ کوٹ اتار کر اُسے پہنا دیا۔ وہ جب بھی کھلے میں ساتھ بیٹھتے تھے وہ ایسا ہی کرتا تھا۔

"کیا ہوا؟" وفا شاید اُس کے چہرے کی افسردگی بھانپ گئی تھی۔

"کچھ نہیں۔"

"مجھ سے جھوٹ بولو گے؟" اُس کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"میں تم سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟" سہیل نے سپ لے کر اُسے دیکھا تھا۔

"تو پھر؟" وہ اپنے لبوں پر ابھرتی مسکراہٹ دبا گئی۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اتنا سب ہونا ضروری تھا کیا؟" وہ اُداس تھا۔

"شاید مقدر میں ایسے ہی لکھا تھا اُس لیے۔"

"مگر ہمارا جوڑا بھی تو لکھا تھا ناں؟ پھر بھی تین سال؟"

"تم نے وہ نہیں سنا کیا؟"

پھر وہ تمہاری پسندیدہ چیز تم تک لائے گا اور تم حیران ہو جاؤ گے۔ ہم نہیں جانتے سہیل۔۔ لیکن وہ سب جانتا ہے۔ "وفا نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے اُس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"اور ویسے بھی۔۔ عشق نے اگر خاک نہ کیا۔ تو کیا خاک عشق ہوا؟" وفا نے پورے ڈرامیٹک انداز میں کہا تھا۔ وہ ہنس پڑا۔

"ویسے میں تو تمہاری اُداسی کا کچھ اور ہی مطلب سمجھی تھی۔" وفا نے کہتے ہوئے اپنی آخری گھونٹ پی کر سپ رکھنے کو جگہ دیکھی۔

"کیا؟" اُس نے پوچھتے ہوئے وہ اُس کے ہاتھ سے لیا اور دونوں کپ نیچے سائڈ سے رکھ دیے۔

"مجھے لگا کہ شاید ریشا کی یاد آ رہی ہوگی۔ کہ ہا!! میں نے تو اُس کی محبت سمجھی ہی نہیں۔" وفا کو جیسے حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"خوف کھاؤ محترمہ۔۔ مجھے اُسے یاد کر کے تمہارے ہاتھوں اپنی موت کو دعوت نہیں دینی۔" مجھے کیا معلوم؟ ہو سکتا ہے میرے پیچھے میں یاد کرتے ہو۔" اُس نے شانے اُچکائے لا پرواہی سے کہا تھا۔

"تمہیں تمہارا شوہر ایسا لگتا ہوں؟" وہ حیران ہوا۔

"مجھے تو میرا شوہر لگتا ہی ایسا ویسا ہے۔" وہ اُس کے بدلتے تاثرات کا بھرپور مزہ لے رہی تھی۔

"تم مجھے کوئی جواب دیے بنا رہ نہیں سکتیں کیا؟" اُس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ وہ اُسے دیکھنے لگی۔ پھر بڑی معصومیت سے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں! تمہاری فیملی ورژن جو ٹھہری۔" وہ سنجیدگی کے باوجود بھی ہنس دیا تھا۔ وہ بھی مسکرا کر اُس کے شانے پر سر رکھ گئی۔ اگلے ہی لمحے سہیل نے بڑی نرمی اور محبت سے اُس کے گرد باہیں پھیلائیں تھیں۔

چاند کی چاندنی میں نظر آتے وفا کے رخسار سُرخ ہوئے تھے۔ سہیل نے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"تُم شرماتی بھی ہو؟" وہ اُسے تنگ کرنا چاہتا تھا۔

"کیوں؟ کیا میں تمہیں اپنی طرح بے شرم لگتی ہوں؟" اُس نے بھی اپنی زبان کا استعمال فوراً کیا تھا۔ سہیل نے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔

"میری بے شرمی ابھی آپ نے دیکھی نہیں ہے محترمہ۔" اُس نے گہری آواز میں ٹھہر کر کہا تھا۔ وفانے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ پھر سہیل کے لبوں پر ابھرتی مسکراہٹ دیکھ کر بنا جواب دیے ہی دوبارہ سر ٹکا گئی۔ اُس کے رخسار ایک مرتبہ پھر سُرخ ہوئے تھے۔ وہ ہنس پڑا۔

ختم شد